اِنَّمَا یَخۡشَی اللّٰہَ مِنۡ عِبَادِہِ الۡعُلَمٰٓؤُا (القرآن)

تذکرہ اکابرِ گنگوہ

جلد اول

سرزمین گنگوہ کی باکمال دینی، علمی وروحانی شخصیات
اوران کی زریں خدمات کا حسین مرقع

تالیف

حضرت مولانا مفتی خالد سیف اللہ صاحب قاسمی گنگوہی دامت برکاتہم
شیخ الحدیث وناظم جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ

ناشر
مکتبہ شریفیہ گنگوہ ضلع سہارنپور (یوپی) انڈیا
فون:01331,232357=32206

تصریحات

نام کتاب: تذکرہ اکابر گنگوہ (جلد اول)

مؤلف: حضرت مولانا مفتی خالد سیف اللہ صاحب قاسمی دامت برکاتہم العالیہ

صحبت یافتہ حضرت اقدس مولانا شاہ محمد احمد صاحب نقشبندی مجددیؒ۔
اجازت یافتہ شیخ طریقت عارف باللہ حضرت مولانا محمد قمر الزماں صاحب الٰہ آبادی دامت برکاتہم۔
و پیر طریقت واقف اسرارِ حقیقت حضرت شیخ آصف حسین صاحب فاروقی نقشبندی مدظلہم العالی برطانیہ۔
و جامع الاوصاف حضرت مولانا سید محمود حسن صاحبؒ خلیفہ حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ۔

کتابت: محمد دلشاد رشیدی، کھیڑہ افغان

تصحیح: مولانا شمشاد احمد صاحب مظاہری مدرس جامعہ ہذا
مولانا عبدالصمد صاحب رشیدی مدرس جامعہ ہذا

تعداد: گیارہ سو/۱۱۰۰

صفحات: ۵۹۲/

جلد: اول

قیمت: ۱۵۰/روپئے

پہلا ایڈیشن: ۱۴۳۴ھ

دوسرا ایڈیشن: (مع اضافہ و تصحیح جدید) ۱۴۳۵ھ

تیسرا ایڈیشن: ۱۴۳۵ھ

ناشر

مکتبۂ شریفیہ جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ

ہم سے عشاق گئے وعدۂ فردا لے کر
اب انہیں ڈھونڈ چراغِ رخِ زیبا لے کر

فہرست عناوین

فہرست عناوین

فہرست عناوین

فہرست عناوین

فہرست عناوین

فہرست عناوین

فہرست عناوین

فہرست عناوین

فہرست عناوین

فہرست عناوین

فہرست عناوین

فہرست عناوین

فہرست عناوین

فہرست عناوین

فہرست عناوین

فہرست عناوین

فہرست عناوین

فہرست عناوین

فہرست عناوین

فہرست عناوین

فہرست عناوین

باسمہ تعالیٰ

انتساب

ہر مصنف و مؤلف اپنی کتاب کو کسی نہ کسی کی طرف منسوب کیا کرتا ہے۔

ناکارۂ خلائق مؤلف اپنی اس تالیف کو اولاً اپنی عزیز مادرِ علمی جامعہ اشرف العلوم رشیدی کی طرف اور ثانیاً اس کے بانی اور مدیر والدِ ماجد حضرت اقدس مولانا قاری شریف احمد صاحبؒ اور والدہ ماجدہ مدظلہا کی طرف منسوب کرتا ہے۔

جن کی قلبی دعاؤں، تمناؤں، چاہتوں، آرزوؤں اور تربیت و فیضان کی برکت سے اس قسم کی تالیفات اور دیگر دینی خدمات کی توفیق ہوئی اور ہو رہی ہے **فللّٰہ الحمد و الشکر علی ذلک۔**

نیز ان مشائخِ طریقت و عارفین اسرارِ حقیقت بزرگوں کی طرف جن کی توجہات اور محبتوں کے نتیجہ میں اس حقیر راقم السطور کو خاصانِ خدا، عارفانِ حق اور عشاقِ الٰہی بزرگوں سے قلبی تعلق اور لگاؤ اور ان کے طریق پر چلنے چلانے کا شوق و جذبہ حاصل ہوا۔

خداوند تعالیٰ اپنے نیک بندوں میں شامل ہونے کی توفیق عطا فرمائے اور میرے جملہ محسنین کو اپنی شایان شان جزاءِ خیر نصیب فرمائے آمین یارب العالمین۔

والسلام

ابوحذیفہ خالد سیف اللہ گنگوہی

خادم الحدیث والافتاء و خادم جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ

۱۴۳۳ھ

حرفِ ناگزیر

اور

عرضِ مؤلف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی سید المرسلین وعلی آلہ واصحابہ والذین اتبعوھم باحسانٍ الی یوم الدین۔

قال اللّٰہ سبحانہ وتعالی فی القرآن الکریم اَلاَ اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰہِ لَاخَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَاھُمْ یَحْزَنُوْنَ اَلَّذِیْنَ آمَنُوْا وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ (پارہ۱۱؍سورۂ یونس)۔

ترجمہ: بیشک اللہ کے دوستوں پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے یعنی وہ لوگ جو اللہ پر ایمان لائے اور انہوں نے اعمالِ صالحہ کو اپنایا اور برے اعمال سے اپنے آپکو بچایا کہ اسی کا نام تقویٰ ہے اور یہی ولایت و بزرگی کی حقیقت ہے۔

ان بندگانِ خدا میں جنہوں نے تمام کی تمام عمر ریاضت و مجاہدہ، تہذیبِ اخلاق، تزکیۂ نفس، تطہیرِ باطن، اکتسابِ فضائل و کمالاتِ روحانیہ، عباداتِ الٰہیہ، اوامر الٰہیہ کی تعمیل میں صرف کردی اور ارشاداتِ ربانیہ تعلیماتِ حقانیہ پر عمل پیرا رہے اور مکمل جان و دل سے اللہ کی مرضیات پر عمل کرنے اور کرانے میں کوشاں رہے اور نواہی و ممنوعاتِ شرعیہ سے اجتناب کرنے اور کرانے میں ساعی رہے، یہاں تک کہ اپنی مرضی کو مرضیٔ مولیٰ میں فنا کردیا اور اپنا وجود اپنی ہستی سب کچھ ان کی یاد میں قربان کردیا۔

ہو فنا ذات میں کہ تو نہ رہے　　　تیری ہستی کی رنگ و بو نہ رہے

ان کا حال رہا،اس کے باوجود اپنی کمالِ عاجزی ومسکنت سے ”ماعبدناک حق عبادتک، اور لااحصی ثناءً علیک انت کما اثنیت علی نفسک“یعنی نہ ہم سے اے اللہ آپ کی عبادت کا حق ادا ہو سکا اور نہ آپ کی حمد وتعریف کا حق ادا کر سکے کی صدا لگاتے رہے۔

شان تیری کون سمجھے گا بھلا   تو ہی ہے مقصود تو ہی مدعا

اُن کا قول رہا اور زبان ودل سے بار بار کہتے تھے

ہمارے پاس کیا ہے جو فدا کریں ہم تجھ پر   مگر یہ زندگی مستعار رکھتے ہیں

اللہ اور ان کے رسولؐ کی محبت اور احکامات پر یہ فدائیت کا جذبۂ صادقہ ہی انکا سب سے بڑا مقصدِ حیات تھا، جس کی بدولت ان کو حیاتِ جاودانی حاصل ہوئی اور وہ آج تک زندہ ہیں، زبانِ خلق پر انکا نام بڑی عظمت وعقیدت اور نہایت احترام سے لیا جاتا ہے اور ہر شخص ان کے لئے اپنی عقیدتوں کا گلدستہ پیش کرتا ہے اور دل سے ان کے لئے رحمت کی دعا کرتا ہے، ان حضرات کی زندگی وسوانح کے اذکار وتذکار کو اپنے لئے باعثِ سعادت سمجھا جاتا ہے، انکے کلمات کو مردہ دلوں کیلئے ایک حیات بخش پیغام سمجھا جاتا ہے اور اس میں کیا شبہ ہے واقعی وہ اللہ کے محبوب اور پیارے بندے تھے، جس کے بعد مخلوق کے قلوب کا ان کے لئے مسخر ہو جانا اس کا ایک خوش گوار ثمرہ ونتیجہ ہے اور ان کا کردار دوسروں کے واسطے بھی ہدایت کا نشانِ راہ اور ظفریابی کا ایک روشن مینارہ ہے اور سمجھدار انسانوں کے لئے قابلِ تقلید نمونۂ حیات ہے۔

سرزمینِ گنگوہ کی وہ دینی روحانی، علمی وعرفانی شخصیات جن سے اپنے اپنے زمانہ میں بہت بڑا فیض پہونچا اور ان کا سلسلہ دنیا بھر میں پھیلا، جس کی وجہ سے اس سرزمین کو بھی اللہ پاک نے ایک خاص مقبولیت، محبوبیت، جاذبیت اور کشش عطاء فرمائی ہے، ان میں

سے بعض کے حالات پر اس ناچیز طالبِ علم نے ۱۴۱۹ھ مطابق ۱۹۹۸ء میں مختصر رسالہ لکھا تھا بندہ کی یہ تالیف چونکہ گنگوہ کے بعض بزرگوں مشائخ واسلاف کے حالات پر مشتمل تھی، اس وقت بندہ کی تدریس کا آغاز تھا نہ اتنی معلومات تھی نہ فرصت کہ گنگوہ کی اور بہت ساری شخصیات پر لکھا جاسکے، اسلئے جیسی اس وقت اللہ نے توفیق دی ایک مخلصانہ جذبہ کے تحت ان بزرگوں کی محبت میں غرق ہوکر چند صفحات تحریر کئے گئے تھے، اللہ پاک نے اس کو بڑی قبولیت بخشی تھی اور مخلص احباب نے اس کو بہت پسند کیا تھا اور بہت جلد اس کا پہلا ایڈیشن ختم ہوگیا تھا، تقاضا اور اصرار بڑھتا رہا کہ اس کو دوبارہ شائع کیا جائے مگر مختلف اسباب جن میں تدریسی اور انتظامی مصروفیات کے ساتھ ساتھ تصنیف وتالیف کیلئے جس یکسوئی اور سکونِ قلبی کی ضرورت ہے میسر نہ ہونے کی وجہ سے یہ کام آسان نہیں ہوا، یہاں تک کہ میرے مشفق اور محسن ومربی میرے استاذ حضرت والد صاحب قدس سرہ تقاضا کرتے کرتے اللہ کو پیارے ہوگئے، اللہ پاک ان کے درجات بلند فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ سے اعلیٰ مقام پر فائز فرمائے۔

پھر اب جب کہ ان کے انتقال ووفات کو بھی ایک اچھا خاصہ عرصہ سے زیادہ گزر چکا ہے اللہ پاک نے اس کتاب کی دوبارہ اشاعت کا جذبہ عطا فرمایا، منجملہ دیگر اسبابِ تاخیر کے ایک بڑی وجہ یہ بھی پیش نظر رہی کہ اس رسالہ میں اس سرزمین کی مزید شخصیات کا اضافہ کیا جائے تاکہ یکجا طور پر جو شخص یہاں کے بزرگوں کو جاننا اور پڑھنا چاہے اس کے ہاتھ میں ایک جامع ذخیرہ موجود ہو، جو ان اوراق میں منتشر طور پر پھیلا پڑا ہوا ہے، جو ان بزرگوں کے حالات میں لکھے گئے ہیں، جیسے لطائفِ قدوسیہ وتذکرۃ الرشید وغیرہ، چنانچہ اس چیز کو سامنے رکھ کر محنت شروع کی گئی، ایسا لگتا ہے کہ ان اضافات کا یہی وقت منجانب اللہ مقدر تھا۔

چنانچہ ۱۴۳۱ھ کے ششماہی امتحان کی تعطیلات میں اس پر توجہ کی گئی اور جو دلی تمنا اور خواہش تھی حق تعالیٰ جل شانہ عم نوالہ نے اپنے فضل وکرم سے اور میرے کرم فرما مشائخِ طریقت کی توجہاتِ روحانیہ سے اس کام کو آسان فرما دیا اور اب ایک اچھا خاصہ ذخیرہ جمع ہو گیا جس پر اللہ پاک کا جتنا شکر ادا کیا جائے کم ہے، **اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ والشکر کماینبغی لجلال وجھک ولعظیم سلطانک اللھم لک الحمد حمدا ملأ السموٰت والارض وما بینھن ومِلأ ما شئت من شئی بعد اللھم لااحصی ثناء علیک انت کما اثنیت علی نفسک۔**

پھر یہاں یہ بھی عرض کرنا ضروری ہے کہ اس سرزمین پر مختلف النوع کمالات رکھنے والے لوگ پیدا ہوئے ہیں ان سب کا احاطہ مؤلف کی وسعت سے خارج ہے، اس لئے ناچیز مؤلف اپنی علمی کم مائگی اور ناقص معلومات کا اعتراف کرتے ہوئے یہ عرض کرتا ہے جن لوگوں کے تذکرے اس میں نہ آسکے ان پر مجھ کو ملامت نہ کی جائے، بلکہ جن حضرات کے تذکرے آگئے ہیں ان کی جمع وترتیب میں جو محنت اور کوشش کی گئی ہے اس کیلئے یہ دعا کی جائے کہ اللہ پاک اس کو قبول فرمائے اور نافع بنائے اور بعد والوں کو اپنے سلفِ صالحین کے صحیح نہج پر چلنے کی توفیق نصیب فرمائے، جن جن دوستوں نے اس کتاب کی ترتیب وغیرہ میں کوشش کی ہے اللہ پاک ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائے، بالخصوص عزیزم مولانا مفتی عبدالصمد رشیدی، مولانا مفتی شمشاد احمد صاحبان مدرسین جامعہ ہذا وغیرہ، اللہ پاک ان کو جزائے خیر عطا فرمائے اور ہر طرح کی ترقیات سے نوازے آمین۔

گنگوہ کی تاریخی حیثیت

نیز اسی کے ساتھ ساتھ اس بات کا بھی احساس ہے کہ سرزمینِ گنگوہ کی صحیح تاریخی معلومات جس سے تاریخی حیثیت کا پتہ چل سکے حاصل نہ ہو سکی، اس وجہ سے گنگوہ

کی تاریخ پر تاریخی حیثیت کو اجاگر کرنے والا جو مقدمہ درکار تھا وہ لکھا نہیں جا سکا، البتہ بعض لوگوں نے یہ ذکر کیا ہے کہ زمانۂ قدیم میں یہاں کسی ہندو راجہ کی حکمرانی تھی جس کا نام راجہ گنگ تھا، غالباً اسی کے نام سے اس بستی کا نام زمانۂ قدیم سے گنگوہ مشہور چلا آرہا ہے، چونکہ یہ راجہ ایک سخت ہندو متعصب ذہن کا مالک تھا، اس لئے اس سے مزاحمت اور جہاد کے لئے اور اسلام کی تبلیغ واشاعت کیلئے یہاں کچھ مجاہدین بھی تشریف لائے، انہوں نے اس سے مقابلہ کیا، چنانچہ قصبہ کے مختلف علاقوں میں بہت سے مزارات اس انداز کے ملتے ہیں کہ لوگ ان کو شہدا کے نام سے یاد کرتے ہیں جو پہلے قصبہ سے باہر تھے اور قصبہ گنگوہ کے وسیع وعریض ہونے کی وجہ سے کچھ اندر ہیں کچھ باہر ہیں، بعض قرائن سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ یہ قافلہ سلطان شہاب الدین محمد غوری کے زمانہ میں آیا تھا، گنگوہ کا وہ علاقہ جو قصبہ کی عام سطح سے ستر اسی فٹ بلند ہے ایک زمانہ میں اسی بادشاہ اور اس کے متعلقین کا علاقہ ہوتا تھا، کہا جاتا ہے کہ اس علاقہ میں راجہ گنگ کے قلعے اور محلات بھی تھے اور یہ آثار ونشانات کچھ باقی ہیں اور کچھ تقریباً ختم ہوتے جارہے ہیں۔
بہر حال گنگوہ کی تاریخی حیثیت کچھ ہی کیوں نہ ہو یہ امر واقعہ ہے کہ اس کی اہمیت کی اصل وجہ حضرت شیخ عبدالقدوس صاحبؒ کی آمد اور سکونت وقیام کی وجہ سے ہے اور ان کے بعد پھر ان کی اولاد امجاد میں علماء صلحاء، فقہاومحدثین، صوفیاء وعارفین کا سلسلہ شروع ہوا، تبلیغِ اسلام اور تبلیغِ دین کا ایک دینی ماحول تیار ہوا، لوگ آپ کے پاس آنے لگے اور فیضیاب ہونے لگے، حضرت شیخ سے پہلے بھی یہاں بہت سے حضرات رہتے تھے اور ان میں بھی اچھے اچھے حضرات تھے، مگر چونکہ ان کی صحیح اور مستند تاریخ مؤلف کو دستیاب نہ ہوسکی، اس لئے مؤلف نے گنگوہ کی تاریخی حیثیت کو قطب عالم حضرت شیخ عبدالقدوس صاحبؒ سے شروع کیا ہے اور ان کے تذکرہ سے پہلے ضروری سمجھا کہ کچھ گزارشات بطور مقدمہ اور تمہید عرض کردی جائیں اور پھر ان کے حالات لکھے جائیں، چنانچہ اسی ترتیب سے پڑھتے جایئے! جزاکم اللہ خیرا فی الدارین۔

حرف دعاء

جامع شریعت وطریقت منبع الفیوض والبرکات شیخنا ومرشدنا
حضرت مولانا شاہ محمد قمر الزماں الٰہ آبادی دامت برکاتہم العالیہ
دار المعارف وصی آباد الٰہ آباد یوپی

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی عی رسولہ الکریم

''تذکرہ اکابر گنگوہ'' کی قسط اول کے مسودہ کو جستہ جستہ دیکھا ماشاء اللہ صرف اپنے اکابر کے حالات ہی نہیں بلکہ ان کی تعلیمات وہدایات پر مشتمل ہے، اس لئے اس کو جہاں سے بھی پڑھئے فرح وسرور اور بصیرت ومعرفت کی روشنی آپ کو محسوس ہوگی اور ممکن ہے کہ اپنے اکابر کی راہ پر ثابت قدم رہنے بلکہ اس کو طے کرنے کا داعیہ وجذبہ پیدا کردے اور منزل مقصود تک پہونچادے آمین۔

عزیزم مولانا خالد سیف اللہ صاحب سلمہ قابل تہنیت ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اتنے عظیم اور مفید کار دین کے انجام دینے کی توفیق مرحمت فرمائی، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس سے استفاضہ کی توفیق ارزانی فرمائے آمین، والسلام۔

محمد قمر الزماں الٰہ آبادی

دار المعارف الاسلامیہ الٰہ آباد ۵/ ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ دوام

حضرت مولانا حکیم ڈاکٹر محمد ادریس حبان رحیمی رشیدی زید مجدہ العالی

خانقاہِ رحیمی احاطہ دار العلوم محمدیہ بنگلور کرناٹک

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم اما بعد!

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر و احسان ہے کہ ہر دور میں انسانی خصوصیات اور فیوض و برکات کو ظاہر کرنے کے لئے ایک دردمند دل جماعت موجود رہتی ہے، اس جماعت کے پاکیزہ نفوس کی یہ سعی ہوتی ہے کہ طبقاتِ ارض پر پاکیزہ اور نیک انسانوں کے خصائل کا بول بالا رہے اور دنیا امن شانتی کا گہوارہ بنی رہے۔

انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا مقصد یہی رہا کہ زمین اور زمین پر بسنے والوں کو پاکیزہ ماحول اور پاکیزہ اعمال میسر ہوں، اسی لئے اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کی حاکمیت اور اس کے بھیجے ہوئے انبیاء علیہم السلام کی رسالت پر ایمان لانا ضروری قرار دیا ہے۔

کیوں کہ ایمان اور اعمالِ صالحہ کے بغیر انسانوں کا اس دنیا میں پاکیزہ معاشرہ وجود میں نہیں آسکتا، اس لئے کہ شیطان انسان کا ازلی دشمن ہے، اسی نے ابوالبشر سیدنا آدم علیہ السلام کو جنت سے نکلوایا، شیطان برائی، بے حیائی اور ہر شر و فساد کا داعی ہے، یہ انسان کو حق و صداقت سے دور کر دیتا ہے اور باطل کا خوگر بناتا ہے۔ شیطان انسان کو بے شرم، بے حیا اور بے غیرت بناتا ہے، وہ دنیا پرستی، زر پرستی اور ہوس پرستی میں مبتلا کر دیتا ہے، انہیں خصائل رذیلہ کو مٹانے کے لئے انبیاء علیہم السلام کی بعثت ہوئی، ان کے بعد اس مشن کو باقی رکھنے اور انسانوں کو خدائے برتر وحدہٗ لاشریک لہٗ کی بارگاہ سے جوڑنے

کے لئے علمائے کرام، صالحین عظام اور مشائخ کی جماعت سرگرم عمل ہے۔ سید نسیم امروہوی نے خوب کہا۔

جو سویا تھا احساس، اس کو جگایا — جو فتنہ تھا بیدار، اس کو سلایا
کچھ ایسا اخوت کا چشمہ بہایا — کہ دم میں تعصب کا شعلہ بجھایا
محبت سکھادی، عداوت بھلادی — لگا دی یہ آگ اور وہ آتش بجھادی

بڑے باپ کے بڑے بیٹے، شریف باپ کے شریف بیٹے، ولی باپ کے ولی بیٹے، دردمند دل انسان کے دردمند دل رکھنے والے بیٹے یعنی حضرت الاستاذ وعلامہ مولانا قاری شریف احمد صاحبؒ کے خلف الرشید اور جانشین مسند شریف حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب حفظہ اللہ بھی اسی پاکیزہ جماعت کے سرخیل ہیں جس کو قرآن کریم "اُولٰٓئِکَ حِزْبُ اللّٰهِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ" مخاطب کرتا ہے۔ اس جماعت کے تمام اراکین کی صلاحیت، دعوت وتبلیغ کے لئے صرف ہوتی ہے، وہ انسانوں کی ہدایت کے لئے کڑھتے ہیں، ان کا ضمیر ہر وقت انسانوں کی بھلائی کے لئے سرگرم عمل رہتا ہے، وہ ہر انسان کو ہر مومن اور ہر مسلمان کو بارگاہِ رب العزت سے جوڑ دیتے ہیں۔

علمائے کرام ہی امت کی کشتی چلانے والے ہیں، وہی عابد ہیں، وہی زاہد ہیں، ریاضت ومجاہدات کے خوگر ہیں، وہی خطیب ہیں، وہی واعظ ہیں، وہی امیر لشکر ہیں، وہی تاریخ ساز اور درویش ہیں، وہی سیاسی رہنما اور خلیفۃ اللہ فی الارض ہیں۔

سرزمین گنگوہ شریف کا ایسی خاص بستیوں میں شمار ہوتا ہے جیسے مکہ شریف، مدینہ شریف، کلیر شریف، اجمیر شریف اسی طرح "گنگوہ شریف" ہے۔ جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مقدسہ کے قیام نے طیبہ کو مدینہ شریف بنا دیا، اسی طرح اولیائے کرام کی

نسبتوں سے یہ بستیاں بھی متبرک بن جاتی ہیں، گنگوہ کی سرزمین پر حضرت شاہ عبدالحق ردولویؒ کے خلیفہ ومجاز حضرت شیخ عبدالقدوس قطب عالمؒ نے قدم رنجہ فرما کر سرزمین گنگوہ کو مرجع خلائق بنادیا۔

آپؒ کے زہد وتقوی کا یہ عالم تھا کہ بادشاہِ وقت نے آپ کو سو گاؤں کی جاگیر کا ملکیت نامہ بھجوایا، آپ اور آپ کے صاحبزادگان اس کو دیکھنے اور پڑھنے لگے کہ مغرب کی اذان ہوگئی، مسجد پہونچے تو تکبیرِ اولیٰ ہوچکی تھی، نماز سے فراغت کے بعد شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ نے صاحبزادگان سے فرمایا: ''ہمیں بادشاہ کے فرمان اور جاگیر کی ضرورت نہیں ہے، اس کو واپس کردو، کیوں کہ ابھی تو ہم نے گاؤں کے خراج اور آمدنی کو استعمال بھی نہیں کیا، صرف اس کا فرمان ملاحظہ کیا ہے کہ ہماری تکبیرِ اولیٰ فوت ہوگئی، جب اس کو استعمال کریں گے تو دین کی کون کون سی خوبیاں اور بھلائیاں ہم سے رخصت ہوں گی معلوم نہیں۔'' ایسے بندگانِ خدا کی نظر میں بادشاہت، دولت وثروت کی کوئی اہمیت نہیں ہوا کرتی۔

ایک حاکم شیخ عبدالقدوس قطب عالمؒ کے پاس کئی دن خانقاہ میں مقیم رہا، اس نے دیکھا کہ فقر وفاقہ سے زندگی گذر رہی ہے، بڑی عسرت اور تنگی ہے، اس لئے اس نے شیخ کو ایک اینٹ سونے کی پیش کی، آپؒ سمجھ گئے، قضائے حاجت کے لئے بیت الخلاء کی طرف گئے اور اس حاکم سے فرمایا: ذرا ہمیں استنجاء کے لئے ایک ڈھیلا لا کردو! حاکم نے ڈھیلا پیش کیا شیخ نے استنجاء سکھا کر ڈھیلا اس کی طرف پھینکا تو اس نے دیکھا کہ ڈھیلا سونے کا بن گیا ہے، شیخ نے فرمایا: ہماری درویشی کو حقیر مت جان، ہم اسرارِ الٰہی کے تربیت یافتہ ہیں، ریاضت، مجاہدہ، تزکیہ نفس اور یہ عسرت وتنگی ہماری اپنی اختیاری چیز ہے، ہم نے مجبور ہوکر خانقاہ میں گوشہ نشینی اختیار نہیں کی۔

تو علمائے کرام کا مدارس میں رہنا، مدارس کو چلانا، چندے اور عطیہ جات وصول کرنا اور سیدھی سادی زندگی بسر کرنا بھی اختیاری ہے، ورنہ وہ اگر چاہیں تو وہ بھی بہترین تاجر، بہترین حاکم، بہترین قائد بن کر دنیا کو دِکھلا سکتے ہیں۔ دراصل علماء کرام اپنے علم وعمل کی روشنی میں امت محمدیہ کی خدمت کرتے ہیں، وہ اپنی مرضی کو اللہ تعالیٰ کی مرضی میں فنا کر دیتے ہیں، اور اپنی عزت کو دین اسلام کے لئے قربان کر دیتے ہیں، ان کی فاقہ مستی اور ان کی درویشی سب رضائے الٰہی کے لئے ہوا کرتی ہے، وہ صنعت کاری کے بجائے شخصیت سازی میں لگے رہتے ہیں، وہ سلطنت، حکومت بنانے کے بجائے انسانوں کی سیرت کو بنانے میں منہمک رہتے ہیں، وہ بھٹکی ہوئی انسانیت کو خدا کی بندگی کے لائق بناتے ہیں، وہ زر وجواہرات سے بے اعتنائی، بے رغبتی برت کر خدا تعالیٰ کی ان نعمتوں پر نظر رکھتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک اور صالح بندوں کے لئے ''جنت النعیم'' میں رکھی ہیں، وہ مصائب وآلام کو محض اس لئے گلے لگاتے ہیں کہ اس کے ذریعہ ان کے درجات بلند ہوتے ہیں۔ کسی نے کہا ہے۔ ؎

جس کو ہم اسیر بلا نہیں کرتے اس کو ہم اولیاء نہیں کرتے

انبیاء علیہم السلام کو مصائب وآلام سے گذارا گیا، اولیاء کرام اور علمائے عظام کو بھی اسی بھٹی میں تپایا جاتا ہے، کیوں کہ وہ امت کے لئے کھرے سونے کی مانند ہوتے ہیں، سونے کو بھٹی میں تپا کر باہر نکالا جاتا ہے تو اس میں مزید نکھار پیدا ہو جاتا ہے۔

آج کے سائنسی اور مشینی دور میں کس کو فرصت ہے کہ وہ ان خاصانِ خدا اور باکمال اولیاء کی بات کرے، یا ان کی زندگی کے کمالاتِ روحانی اور اکتساب فیض پر قلم اُٹھا کر انسانوں کے سمندر کو یہ بتائے کہ دیکھو تمہاری زندگی تو اصل ادھر ہے، تمہارا مقصد حیات تو اصل یہ ہے، تم سراب کی طرف جا رہے ہو، اصل بندگی تو خدا تعالیٰ سے محبت ہے، اصل بندگی تو خوفِ الٰہی

ہے، راہِ ہدایت کی طرف بندگانِ خدا کو لانا ہے۔

اولیاء اللہ کے انہیں اوراقِ محبت کو حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب دامت برکاتہم پیش کرنا چاہتے ہیں، ان اوراق میں مشائخ گمشدہ بھی ہیں اور ان کی بامقصد زندگی بھی، محبت الٰہی اور رضائے الٰہی بھی، ان اوراقِ بے کراں کا نام نامی حضرت مولانا موصوف نے ''تذکرہ اکابر گنگوہ'' رکھا ہے، یعنی گنگوہ کی سرزمین پر پیدا ہونے والے علماء و مشائخ کی زندگیاں ان کے اعمال، احوال اور ان کی ریاضت، ان کے تصوف، معرفت اور حقیقت کے ان فکر انگیز واقعات کو پیش کیا ہے، جن کے ذریعہ خدا تعالیٰ کا قرب نصیب ہو۔

اس مبارک سرزمین کے علمائے کرام، اکابرین، مشائخ عظام اور دانشورانِ اہل فن حضرات کے تذکرے کا مقصد یہ ہے کہ آج ہم بھی ان حضرات کے علم و فن کو باقی رکھنے کے لئے جدوجہد جاری رکھیں۔

حضرت مولانا مفتی خالد سیف اللہ صاحب عمت فیوضہم ایک باکمال، بااخلاق، علوم قرآن و حدیث اور تعلیمات تصوف و حقیقت سے متصف شخصیت ہیں، جہاں آپ جامعہ اشرف العلوم کے ناظم اعلیٰ ہیں، وہیں آپ ایک مربی استاذ بھی ہیں، اور شیخ وقت ہیں کہ جامعہ میں درسِ بخاری کے ذریعہ آپ کا فیض لامتناہی جاری ہے، آپ کثیر کتابوں کے مصنف بھی ہیں اور ماہنامہ ''صدائے حق'' کے مدیر اعلیٰ و سرپرست بھی، آپ بہترین اور اعلیٰ خطیب بھی ہیں اور صاحب القلم بھی، اور صاحب نسبت عالمِ دین بھی کہ مسند رشد و ہدایت پر فائز ہیں۔

آج کے مصروف ترین دور میں اس طرح کی خوبیوں سے مالا مال بہت کم شخصیات ہیں، مجھے حیرت ہوتی ہے کہ اتنی مصروفیات کے باوجود آپ کیسے وقت نکال کر قلم کی

جولانیاں بکھیرتے ہیں۔

''تذکرہ اکابر گنگوہ'' جامع شخصیات کے کمالات کو یکجا کرنے کی ایک مبارک کوشش ہے، تاکہ ان حضرات کی سیرت اور کمالات کے ذریعہ آج کے نوجوانوں میں بھی وہ اکتساب فیض حاصل کرنے کا جذبہ پیدا ہوجائے۔ اللہ تعالیٰ حضرت مفتی صاحب عمت فیوضہم کو خوب خوب جزائے خیر عطا فرمائے کہ ماضی کے اوراق میں جو شخصیات گم ہوگئیں جن کے ناموں سے ہمارے بہت سے نوجوان واقف بھی نہیں، مفتی صاحب ان کو منظر عام پر لارہے ہیں۔

بارگاہِ ایزدی میں دعا ہے کہ اللہ رب العزت حضرت مولانا مفتی خالد سیف اللہ عمت فیوضہم کی عمر میں برکت عطا فرمائے اور تادیر یہ آفتاب اپنی علمی روشنی بکھیرتا رہے، امت کے خواص وعام میں اس کتاب ''تذکرہ اکابر گنگوہ'' کو شرف قبولیت عطا فرمائے، آمین ثم آمین!

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقه و آله و اصحابه اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین والحمد لله رب العالمین!

خادم

محمد ادریس حبان رحیمی رشیدی چرتھاوَلی

خانقاہِ رحیمی دارالعلوم محمدیہ بنگلور

۲۳/اکتوبر ۲۰۱۲ء بروز پیر بعد نماز عشاء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرف حقیقت

مولانا مفتی محمد ساجد کھجناوری
مدیر ماہنامہ ''صدائے حق'' ومدرس جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم اما بعد!

جہاں بھی تعلیم وتذکیر، تدریس وتلقین اور تصنیف وتالیف کے ساتھ ساتھ دین ودانش کے مقتدر شعبوں اور اصلاح وارشاد کی راہوں میں اپنے پاکیزہ کردار وعمل کے ذریعہ جہالت وضلالت کے دبیز پردے چاک کرنے والے، خوف الٰہی سے بیزار بندگان خدا کی کایا پلٹنے والے، شراب محبت ومعرفت کا جام پلانے والے خوش نصیب خطوں ومقامات کے تذکرۂ جمیل کی جب بھی کوئی مجلس آراستہ ہوتی ہے تو اس میں سرزمین گنگوہ کا نام عقیدت واحترام سے لیا جاتا ہے، اس قریۂ صالحین سے منسوب علماء ومشائخ کی بیش بہا دینی خدمات سے تاریخ کے صفحات روشن ہیں، یہاں کے جیالوں اور فرزانوں نے کبھی حالات سے سمجھوتہ کیا اور نہ ہی کسی مصلحت کو گلے لگایا بلکہ احقاق حق اور ابطال باطل کا فریضہ اس شان سے ادا کر گئے کہ اب تادیر یہاں کے دینی وعرفانی ماحول کو زاغ وزغن نہ لگنے اور نسیم حق وایقان کے خوش گوار جھونکے چلتے رہنے کی قوی تر امید ہے ان شاء اللہ۔

آسمانِ گنگوہ کے افق پر بہت سے روشن ستارے نمودار ہوئے جن کی کرنوں سے گنگوہ واطراف ہی کیا بلکہ دور دراز حتی کہ بیرون ممالک کے تاریک زدہ علاقے بھی بسا اوقات جگمگائے اور یہاں کے اکابر کی تقسیم کردہ روشنی میں انہیں کامیاب منزل کے نشان معلوم ہوئے، ان انفاس قدسیہ میں شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ شاہ ابوسعید نعمانیؒ اور فقیہ النفس مولانا رشید احمد گنگوہیؒ وغیرہم کو سرفہرست شمار کیا جاتا ہے، علاوہ ازیں دیگر اعلام امت وہ

ہیں جنھوں نے ان بزرگوں سے اکتساب فیض کیا اور ملت اسلامیہ کی مسیحائی کچھ اس انداز سے کی کہ ان کے نام اور کام کی خوشبوئیں آج بھی مشام جاں کو معطر کر رہی ہیں اور کار نبوت پر کھڑے ان کے اخلاف کو ہمت مرداں مدد خدا کا مژدۂ جانفزاں سنا رہی ہیں۔

گنگوہ سے علم وعرفان کے زمزمے جب سے بلند ہوئے تب سے آج تک کے زمانی رقبہ میں طویل فاصلہ ہو چکا ہے، چنانچہ عشق الٰہی کی جس سرد انگیٹھی کو حضرت شیخ عبدالقدوسؒ نے گرمایا تھا اس پر صدیاں بیت رہی ہیں، اس درمیان بہت سے اصحاب وفضل وکمال یہاں کی سرزمین سے اٹھے یا مستفید ہوئے جو بتوفیق الٰہی بساط بھر کوشش کر کے اپنے وطن کی کی دینی واحسانی شناخت کو بچانے اور پروان چڑھانے میں بلاخوف لومۃ لائم آگے بڑھتے دکھائی دئے اور مشن محمدی ﷺ کو زندہ رکھنے میں کوئی دقیقہ نہیں اُٹھایا، اس سلسلہ میں ماضی قریب کی ہردل عزیز دینی شخصیت حضرت مولانا قاری شریف احمد صاحب گنگوہیؒ کا نام نامی بھی بطور خاص بایں معنی غیر معمولی اہمیت کا حامل ہے کہ آپ نے سرزمین قدوس ورشید پر ایک مقبول دینی مدرسہ قائم فرما کر بزرگان دین اور کبار علماء کی یادوں کو تازہ کر دیا، جہاں سے اب الحمدللہ علم وعرفان کے دونوں دھارے بہہ رہے ہیں، اگر ایک طرف قال اللہ وقال الرسول ﷺ کی دل نواز صدائیں کانوں میں رس گھول رہی ہیں تو وہیں گنگوہ کے روحانی وعرفانی ماحول کو اپنے دم نفس سے گرمانے والے آپ ہی کے خلف الرشید حضرت مولانا مفتی خالد سیف اللہ صاحب دامت برکاتہم سلف صالحین کے نقش قدم پر ہیں، اور تعلیم وتلقین، تدریس وتذکیر، تصنیف وتالیف سمیت مسند اصلاح وتربیت پر بھی متمکن ہیں، نوجوانی ہی میں اللہ نے آپ کو بے شمار خوبیوں سے آراستہ فرما دیا تھا اور بقول حضرت مولانا عبدالرشید بستوی استاذ حدیث دیوبند کہ ”مفتی خالد سیف اللہ صاحب دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل ہیں

باصلاح وباصلاحیت، صاحب علم، صاحب قلم، مدرس بھی، مقرر بھی، واعظ وخطیب بھی، مترجم ومحقق بھی مدرسہ کے منتظم بھی سنا ہے کہ اب خانقاہ کے پیر ومرشد بھی ہیں شیخ طریقت عارف باللہ حضرت مولانا قمرالزماں الہ آبادی زیدمجدہم کے دست گرفتہ ومجاز بھی'' (نقوش دوام رص ۱۹۶)۔

تذکرہ اکابر گنگوہ بالفاظ دیگر سرزمین گنگوہ کے روشن چراغ آپ ہی کے رشحات قلم ہیں جو آپ نے نہایت عرق ریزی کے ساتھ جمع فرمائے ہیں جس میں ممتاز اصحاب علم وکمالات کا دل آویز تذکرہ باحسن اسلوب مذکورہ کتاب میں آگیا ہے، احقر کاتب الحروف کی دانست کے مطابق اکابر گنگوہ کے تذکرہ وحالات پر اب تک کا یہ سب سے ضخیم وقیع مجموعہ ہے جو سینکڑوں صفحات پر مشتمل ہے، مرتب محترم دامت برکاتہم نے مستند قلم کاروں اور انتہائی معتبر تذکرہ نویسوں کے مآثر علمیہ سے بھی کہیں کہیں استفادہ کیا ہے اور مراجعت کیلئے حوالوں کا التزام کیا ہے تاکہ بوقت ضرورت وہاں تک بھی رسائی ممکن ہو سکے یقیناً یہ آپ کی غایت احتیاط کی بدیہی دلیل ہے۔

کتاب مذکور کے مؤلف ومرتب ایک جلیل القدر عالم دین اور صاحب نسبت بزرگ ہیں آپ کی شخصیت محتاج تعارف نہیں لیکن ہم اپنی سعادتوں میں بایں طور اضافہ کرسکتے ہیں کہ آپ کی کتاب زندگی کے کچھ سنہرے اوراق بھی ملاحظہ کرتے چلیں!۔

مولانا مفتی خالد سیف اللہ صاحب نے اپنے آبائی وطن قصبہ گنگوہ میں ۲۹ رمحرم الحرام ۱۳۸۷ھ مطابق ۱۰ رمئی ۱۹۶۷ء چہارشنبہ متصل بعد نماز فجر استاذ القراء حضرت مولانا قاری شریف احمد صاحب قدس سرہ کے یہاں ایک دینی گھرانہ میں آنکھیں کھولی، تاریخی نام مرغوب الحق رکھا گیا۔ آپ کی تعلیم وتربیت از ابتداء تادورۂ حدیث شریف اپنے پدر بزرگوار کی زیرنگرانی جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ میں ہوئی جسے حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اکابر علماء دیوبند وسہارنپور کے

مشورہ وایماء پر ۱۹۴۴ء میں قائم فرمایا تھا، جہاں اب الحمد اللہ تقریباً ایک ہزار سات سو طلبہ ۹۰/اساتذہ وکارکنان کی زیرنگرانی اپنی علمی پیاس بجھار ہے ہیں اور درجات عربی وفارسی، افتاء، تکمیل ادب اور حفظ وتجوید کے متعدد شعبہ جات قائم ہیں۔

دورۂ حدیث سے فراغت کے بعد مزید استفادہ کیلئے آپ نے دارالعلوم دیوبند کا رخت سفر باندھا اور ۱۴۰۵ھ مطابق ۱۹۸۵ء میں باضابطہ داخل ہوکر دوبارہ دورۂ حدیث شریف پڑھا، بخاری شریف شیخ الحدیث حضرت مولانا نصیر احمد خانؒ سابق صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند سے پڑھی، حدیث کے ساتھ ہی فقہ سے بھی دلچسپی تھی اس لئے ۱۴۰۶ھ میں شعبۂ افتاء میں داخل ہوئے جہاں حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی، حضرت مفتی نظام الدین اعظمی حضرت مولانا مفتی ظفیر الدین مفتاحی مرتب فتاویٰ دارالعلوم دیوبند جیسے مشاہیر افتاء رحمہم اللہ سے فقہ وفتاویٰ نویسی میں زانوئے تلمذ حاصل کیا، دارالعلوم دیوبند کے علمی ماحول نے آپ کی صلاحیتوں کو خوب نکھارا اور بغرض تدریس آپ وطن واپس تشریف لائے اور ۱۴۰۷ھ میں بحیثیت استاذ عربی آپ کا تقرر جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ میں ہوا، چنانچہ بعض ابتدائی کتب کے علاوہ مشکوۃ، ترجمہ قرآن پاک کے اسباق آپ سے متعلق کئے گئے، آپ کی حسن کارکردگی اور علمی انہماک کے پیش نظر بہت جلد دورۂ حدیث کے اساتذہ کی صف میں آپ کو شامل کرلیا گیا یہی وجہ ہے کہ تقریباً ۱۹/سال سے ترمذی شریف آپ سے متعلق ہے جبکہ ۱۴۲۲ھ سے تادم تحریر بخاری شریف جلد ثانی کا درس بھی آپ ہی دیتے ہیں، درسِ حدیث کے علاوہ فقہ وفتاویٰ آپ کی دلچسپی کا حصہ ہیں، چنانچہ عقود رسم المفتی کی تدریس کے ساتھ ساتھ دارالافتاء کے نام ایرادات ومسائل کے جوابات بھی آپ تحریر فرماتے ہیں، واضح رہے کہ ملک کے مشاہیر محدثین کے علاوہ بیرون ممالک عرب وغیرہ کے بعض اساتذہ

حدیث سے بھی آپ کو اجازت حاصل ہے جس میں صاحب ''صفوۃ التفاسیر'' شیخ محمد علی الصابونی حفظہ اللہ تعالیٰ قابل ذکر ہیں۔

حضرت والا درس وتدریس کے علاوہ تصنیف وتالیف کا بھی بہت اچھا ذوق رکھتے ہیں اور زمانہ طالب علمی ہی سے آپ کا گہربار قلم مختلف موضوعات پر گلکاریاں کر رہا ہے چنانچہ اب تک دو درجن علمی وتحقیقی مصنفات ومؤلفات منصۂ شہود پر آچکی ہیں جو علم کے رسیا حضرات سے دادِ تحسین وصول کر رہی ہیں ذیل میں درج فہرست سے اس کا اندازہ کیا جاسکتا ہے (۱) سید المحدثین (امام بخاری اور ان کے اساتذہ ومشائخ) (۲) تحفہ مؤمن (۳) فضائل سید المرسلین (۴) فضیلت علم وحکمت (۵) تصوف کیا ہے (۶) فضیلت تقویٰ (۷) راہ عمل عربی (۸) خیر الکلام فی مسئلۃ القیام (۹) گنگوہ کی دینی روحانی شخصیات (۱۰) ایمان اور اس کے تقاضے (۱۱) مکاتیب شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ (۱۲) مکتوبات فقیہ الامت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ وغیرہ، یہ کتابیں طباعت کے مراحل سے گزر چکی ہیں جن میں سے بعض کے تو متعدد ایڈیشن آچکے ہیں جبکہ بعض دوسری اہم چیزیں ابھی اشاعت کی منتظر ہیں، آپ کے قلم اشہب کے ان علمی وتحقیقی اور اصلاحی وعرفانی شہ پاروں کو مشاہیر امت نے بنظر استحسان دیکھا ہے اور ذوق تالیف کی داد دی ہے، آپ کی ایک کتاب ''تحفۃ المسافرین'' پر اظہار خیال کرتے ہوئے مشہور مؤرخ ومحقق اور ناقد مولانا قاضی محمد اطہر مبارک پوریؒ سابق سرپرست شیخ الہند اکیڈمی دار العلوم دیوبند رقم طراز ہیں ''خوشی کی بات ہے کہ ان کو ہمارے نوجوان عزیز مولانا خالد سیف اللہ سلمہ اللہ نے نہایت سلیقے سے ایک کتاب میں جمع کر دیا ہے اسی کے ساتھ سفر سے متعلق شرعی مسائل بھی تفصیل سے بیان کئے ہیں کتاب اپنے باب میں جامع مفید اور مستند ہے، اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مسلمانوں کو فیض پہنچائے اور عزیز مؤلف کی اس خالص علمی اور دینی خدمت کو قبول فرمائے'' ایک دوسری کتاب پر تاثرات ظاہر کرتے ہوئے دار العلوم دیوبند کے سابق

صدر مفتی حضرت مولانا نظام الدین اعظمیؒ ارقام فرماتے ہیں ''اس رسالہ کے عنوانات دیکھنے کا موقع ملا اسی سے اس کی نافعیت و جامعیت کا اندازہ ہوگیا نیز یہ بے انتہاء علمی صلاحیت واستعداد سلیم کی عکاس ہے اور یقین کے درجہ میں بفضلہٖ تعالیٰ امید ہے کہ یہ رسالہ طبع ہونے کے بعد بے حد مقبول و نافع ہوگا'' تصنیف و تالیف کے باب میں آپ نے دعوت فکر و عمل کے گہرے نقوش ثبت کئے ہیں ادھر گذشتہ دو دہائیوں سے آپ کے شاداب قلم کی جولانیاں شباب پر ہیں، چنانچہ علوم انوری کے ترجمان وشارح صاحب طرز ادیب حضرت مولانا انظر شاہ کشمیریؒ کا یہ تاثر بھی حرف بحرف بجا ہے کہ ''صاحبزادے مگر مبتلائے صاحبزادگی نہیں بلکہ پیکر تواضع ترمذی پر تحقیقی کام کرنے میں مصروف ماضی سے نکل کر حال کو تابناک بنانے میں مشغول تو مستقبل ان کا کیسا تابدار ہوگا''۔

حضرت مفتی صاحب کی شخصیت ہشت پہل خوبیوں کی حامل ہے، ان کی کتاب زندگی کا ہر ورق روشن اور قابل مطالعہ ہے وہ ایک درویش صفت قابل قدر اور لائق تقلید انسان ہیں، انہوں نے ان تمام اوصاف کو اپنے یہاں جگہ دی جن سے انسان اپنے فیوض و برکات کے حوالہ سے لازم کے بجائے متعدی ہو جاتا ہے اور مخلوق خدا کی اولین پسند قرار پاتا ہے، نیز گم کردہ راہوں کو بھی صراط مستقیم کا پتہ چل جاتا ہے، چنانچہ مفتی صاحب بھی ماشاءاللہ ان ہی عالی مقام افراد کے زمرے میں شامل ہیں جنہیں اللہ رب العزت نے زمانۂ طفولیت سے ہی صلاح و نیکی کا خوگر بنایا ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ آپ ابھی بچے ہی تھے کہ حضرت والد صاحبؒ کی معیت میں اکابر علماء و مشائخ عظام کی خدمت میں بکثرت حاضری دینے لگے تھے اور ان کی بابرکت مجلسوں سے بھر پور استفادہ کا جذبہ آپ کو چین سے بیٹھنے نہ دیتا، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ کے یہاں حاضری کا اہتمام خوب رہا اور ان سے روحانی برکتیں حاصل کیں حضرت شیخ بھی گنگوہ اور والد گرامی کی نسبت کا خیال فرماتے ہوئے دعاؤں سے محروم نہ کرتے، ایک مرتبہ فرمانے لگے! ''ابے خالد تیرے لئے دُعا نہیں کرونگا تو پھر کس کیلئے؟ میں تو

تیرے لئے تیرے باپ کیلئے تیری ماں اور تیرے مدرسہ کیلئے برابر دعا کرتا رہتا ہوں'' آخر حضرت شیخ کی یہ مستجاب دعائیں جو سرزمین حجاز کی مقدس وادیوں میں بھی بدستور رہیں کیوں اپنا رنگ نہ دکھاتیں، ان توجہات عالیہ نے آپ کی زندگی پر گہرا اثر چھوڑا اور عشق الٰہی و سرمستی کا سودا دل ودماغ میں کچھ اس طرح سمایا کہ پھر روح وروحانیت کی مجلسیں ہی تسکین قلب وجگر کا سامان بن گئیں، انجذاب الی اللہ کی کیفیات نے کئی ایک عرفانی درسگاہوں سے استفادہ پر مجبور کیا مگر مرشد الامت حضرت مولانا شاہ محمد احمد پرتاپگڈھیؒ کا خوان معرفت ایسا بھایا کہ ان کی زلفوں کے اسیر بن کر رہ گئے ع الجھے تیری زلفوں میں ایسے کہ سنور جائیں

حضرت پرتاپگڈھیؒ کی بافیض صحبتوں نے آپ کی زندگی میں ایک انقلاب پیدا کر دیا اور آپ کے فیضان نظر نے دل کی دنیا ہی روشن فرمادی، حضرت پرتاپگڈھیؒ سے آپ کا یہ تعلق تادم حیات رہا چنانچہ ایک مکتوب میں آپ ارقام فرماتے ہیں:

عزیزم مخلصم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا خط ملا پڑھ کر بہت خوشی ہوئی آپ کی محبت سے میرا دل بھی متاثر ہوا محبت ہی سے کام بنتا ہے اور طریق میں ترقی ہوتی ہے اللہ تعالیٰ اس کا ثمرہ دین ودنیا میں عطا فرمائے یہی حضرت پرتاپگڈھیؒ ہیں جن کے بارے میں حضرت شاہ عبدالغنی پھولپوریؒ فرمایا کرتے تھے کہ ''مولانا محمد احمد کے یہاں فرش سے عرش تک نور ہی نور نظر آتا ہے''۔

حضرت مفتی صاحب کا آپ سے مسلسل چار سال تک یہ تعلق رہا ۱۴۱۲ھ میں آپ کا سانحۂ ارتحال پیش آگیا جس کے بعد شیخ المشائخ حضرت مولانا قمر الزماں الہ آبادی مدظلہ العالی کی طرف رجوع فرمالیا آپ نے حسن حال اور پاکیزہ طبیعت کو دیکھتے ہوئے بہت جلد خرقہ خلافت واجازت سے آپ کو سرفراز فرمایا اور درج ذیل تحریر بھی عنایت فرمائی:

باسمہ تعالیٰ

عزیزم مولانا مفتی خالد سیف اللہ صاحب سلمہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کے علم وعمل اور حسن حال کو دیکھ کر دلی تقاضہ ہے کہ آپ کو خلافت اور بیعت کی اجازت دوں لہذا توکلاً علی اللہ آپ کو چاروں سلاسلِ صوفیہ میں بیعت کی اجازت دیتا ہوں اللہ قبول فرمائے آمین۔

آپ اپنے احباب کو بھی مطلع کر سکتے ہیں اللہ پاک امت کو آپ سے ظاہری وباطنی نفع پہنچائے آمین والسلام۔

محمد قمر الزماں الہ آبادی

حال مقیم دار العلوم کنتھاریہ بھروچ گجرات

۲۷؍رمضان ۱۴۱۳ھ

علاوہ ازیں شیخ الاسلام حضرت مدنی قدس سرہ کے مجاز بیعت حضرت مولانا محمود حسن صاحبؒ نیز برطانیہ میں رہائش پذیر عارف باللہ مرشد الامت سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کے امام وسرخیل حضرت شیخ آصف حسین فاروقی دامت برکاتہم العالیہ جن کی مخصوص عنایات وتوجہات آپ پر ہوتی ہیں ان کے عظیم ترین روحانی احسانات کا سلسلہ برابر جاری ہے، ان کی مجلسوں، صحبتوں کا فیض اس کتاب میں جلوہ افروز ہے ان سے بھی اجازت وخلافت حاصل ہے، الغرض متعدد علماء ومشائخ عظام کی دیرینہ نسبتوں کو آپ نے اپنے اندر جذب کرلیا ہے اور گنگوہ کی قدیم پاکیزہ روایتوں کو آپ زندہ فرما رہے ہیں، حضرت موصوف انتظام واہتمام کی بھاری بھرکم ذمے داریوں کی بطریق احسن بجا آوری کے ساتھ ساتھ تشنہ کامان علم ومعرفت کو سیراب کررہے ہیں الحمدللہ علماء اور عوام الناس کا ایک بڑا طبقہ آپ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہے جو برابر آپ سے روحانی فیض پا رہا ہے آپ کی یہ گوناگوں مصروفیات لائق رشک بھی ہیں اور اسوہ عمل بھی۔

ظاہر ہے کہ ہجوم کار اور کثرت اسفار کے باوجود اتنی اہم ذمے داریوں کی ادائیگی سے وہی شخص سبکدوش ہوسکتا ہے جسے اللہ نے غیر معمولی ہمت اور توفیق سے مالا مال کرنے کے ساتھ ساتھ دل درمند اور فکر ارجمند بخشا ہو، آپ کی ہمہ جہت کوششوں پر روشنی ڈالتے ہوئے ماہنامہ

آئینہ مظاہر علوم سہارنپور کے مدیر مولانا ناصر الدین مظاہری لکھتے ہیں: ’’مفتی صاحب الحمد للہ طلبہ کیلئے باوقار، عملہ کیلئے ملنسار، عوام کی اصلاح کیلئے بے قرار، اپنے مدرسہ کیلئے ہر دم وہمہ دم متحرک وسبک سار، دارالافتاء والارشاد کی مسند سے خلق خدا کی رشد وہدایت کیلئے بلند کردار، عوام الناس کے درمیان خوش گفتار، ہم عصر وہم عمر افراد کے درمیان باغ وبہار، چھوٹوں اور شاگردوں کے لئے حلیم وبردبار، متقی وپرہیزگار، عزم عزیمت اور صبر واستقامت کے کوہسار، منبر ومحراب میں رعب دار، درسگاہ میں للّٰہیت کا آبشار، خانقاہ میں خاکسار اور علم وعمل کے میدان میں تقویٰ شعار ہیں، اللہ تعالیٰ نے انھیں مثبت فکر، مثبت نظریہ، مثبت ذہن اور ثابت قدم مزاج عطا کیا ہے، یہی وجہ ہے کہ بفضل الٰہی انہوں نے فتنوں کی سرکوبی اور مدرسہ کی حفاظت وصیانت میں اپنی جس ذہانت وفطانت کا ثبوت دیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے‘‘ (نقوش دوام رص ۲۲۰)۔

مختصراً یہی کہا جاسکتا ہے کہ محترم عالی مرتبت فاضل مرتب نے مشائخ واکابر گنگوہ کے تذکروں سے مزین یہ حسین مرقع پیش فرما کر علم وکتاب کے رنگا رنگ باغ کی سیر کرنے والوں پر بے کراں احسان فرمایا ہے، مذکورہ کتاب اپنی اہمیت، خصوصیت، جامعیت اور انفرادیت کے لحاظ سے غیر معمولی معنویت کی حامل ہے، حضرت مؤلف گرامی کا یہ جذبہ یقیناً کتاب کی جان ہے کہ ہمیں اپنے ظاہری وباطنی احوال کی اصلاح دامن گیر رہنی چاہئے اور بزرگوں واہل اللہ کی حیات طیبہ سے سبق حاصل کرنا چاہئے، احقر یقین کے درجہ میں یہ امید واثق رکھتا ہے کہ ان شاء اللہ اس کتاب کے مطالعہ سے ایک نئی روشنی حاصل ہوگی اور اسلاف امت سے عقیدت والفت میں بھی ترقی ہوگی۔

اخیر میں یہ خاکسار بھی دست بدعا ہے کہ اللہ رب العزت حضرت والا کے فیوض وبرکات کو عام تام فرمائے مزید خدمت دین کا نمایاں کام لے اور جملہ دینی کاوشوں کو حسن قبول سے بہرہ ور فرمائے نیز اس ناچیز کو بھی اپنے مقبول بندوں میں شامل فرمالے آمین۔

احب الصالحین ولست منهم　　لعل الله یرزقنی صلاحاً

محمد ساجد قاسمی کھجناوری

خادم تدریس جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ

''تذکرہ اکابرِ گنگوہ'' پر

اصحاب علم وقلم کے گراں قدر تبصرے

حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی مدظلہ العالی (مدیر ماہنامہ ''القاسم'' پاکستان

گذشتہ صدی ڈیڑھ صدی میں برصغیر پاک وہند بلکہ عالمِ اسلام میں ایسی کتنی باکمال پُرفیض اور بابرکت شخصیتیں گذری ہیں جن کے وجودِ ظاہری سے دنیا محروم ہوگئی مگر ان کے وجودِ باطنی، معنوی اور روحانی کو ان کے علوم ومعارف، ان کے تذکرہ وسوانح، ان کی تاریخ، درس وتدریس، تصنیف وتالیف، علمی، ادبی اور قلمی افادات اور تعلیمات وہدایات سے ایک امت مستفید اور تشنگانِ سلوک ومعرفت سیراب ہورہے ہیں۔

''تذکرہ اکابر گنگوہ'' میں سرزمین گنگوہ کی باکمال دینی، علمی اور روحانی شخصیات اور مبارک نفوسِ قدسیہ کا تذکرہ وسوانح ایسے قلم سے ہوا ہے جس کی روشنائی میں خود ان اربابِ فضل وکمال کے تعلق ومحبت، عنایات، شفقات اور ان کی قلبی توجہ وتعلق خاطر کی چمک شامل رہی ہے۔

احقر نے دونشستوں میں کتاب کا مطالعہ مکمل کرلیا اور شخصیات کے تذکرہ وسوانح سے بھرپور استفادہ کیا۔ نوٹس بھی لکھے اور اخذ واستنباط بھی کیا۔ شیخ الحدیث مولانا مفتی خالد سیف اللہ گنگوہی نے بڑے خوبصورت، سلیس، آسان علمی، ادبی اور محبت بھری زبان میں

مشائخ علماء اور زعماء گنگوہ کی محفل سجائی، ان میں اہل دل بھی ہیں، اہل علم بھی، اصحابِ فکر ودانش بھی ہیں، اساتذہ اور تلامذہ بھی، عمائدین قوم وملت بھی ہیں اور خادمانِ امت بھی، علماء بھی ہیں اور زعماء بھی۔

تذکرہ نگار خود یعنی فاضلِ جلیل القدر شیخ الحدیث مولانا مفتی خالد سیف اللہ کی شخصیت میں بھی مذکورہ جمیع صفات جمع ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ کی ذمہ داری جس طرح ان کے مقدر فرمائی اور جس احسن طریقہ سے اسے وہ نبھا رہے ہیں اسے مملکت علم دین کی سربراہی ہی کہا جائے گا۔ مولانا مفتی خالد سیف اللہ قاسمی گنگوہی کے قلم کی نمایاں خصوصیت غیر معمولی سادگی، سلاست، ادبیت، توازن اور حقیقت بیانی ہے۔ اس کے باوجود موصوف کی تحریر لطف ولذت اور حسنِ تاثیر سے خالی نہیں رہتی۔

اکابر گنگوہ کے تذکرے کا مقصد نفع وافادہ ہے، زندگی کی اصل کامیابی اور منزلِ مقصود کے طلبگاروں کے راستوں کے لئے روشنی ضروری ہے۔ اکابر گنگوہ، روشنی، ہدایت، علم وعمل، صدق واخلاص کے چراغ ہیں۔ منزل کی یافت کے لئے ان کے نورٌ علی نور ہونے میں شک کی گنجائش ہی نہیں۔ مؤلف موصوف لائق صد تحسین وتبریک ہیں کہ انہوں نے امت کی فلاح، نورِ علم اور ہدایت کے فروغ کے لئے اکابر گنگوہ کے تذکرہ کا حسین گلدستہ سجادیا ہے۔ (بشکریہ القاسم پاکستان ماہ فروری ۲۰۱۳ء)۔

حضرت مولانا نسیم اختر شاہ قیصر مدظلہ العالی

استاذ دارالعلوم (وقف) دیوبند

ہندوستان کے بہت سے شہر اور بہت سی بستیاں ایسی ہیں جنھیں اللہ رب العزت نے شہرت وعظمت کی ان بلندیوں سے سرفراز کیا جن پر رشک ہی کیا جا سکتا ہے یہ بستیاں وہ ہیں جہاں علمائے ربانیین اور ولی صفات لوگ پیدا ہوئے جن کے مسلسل کارناموں سے ایک پورا عالم وجود میں آیا۔ دیوبند کے قریب جو بستیاں مشہور اور شہرۂ آفاق ہیں ان میں گنگوہ کا نام نمایاں ہے، یہ وہ سرزمین ہے جہاں اصحابِ کمال، اصحابِ علم افراد اور روحانی شخصیات نے قدم رکھا اور ان سے یہ سلسلہ بہت دور تک چلا اور یہاں وہ لوگ منصۂ شہود پر نمودار ہوتے رہے جن کی عظمتوں اور رفعتوں کا ایک زمانہ معترف ہے، عجیب بات ہے کہ ان قدسی صفات حضرات کا مفصل اور مرتب تذکرہ منظر عام پر نہ آسکا کچھ ابتدائی کوششیں ضرور ہوئیں اور اختصار کے ساتھ لکھنے والوں نے اس سمت میں بھی کوششیں کیں مگر جیسا ان حضرات کا حق تھا اس حق کی ادائیگی کی سعادت ہمارے مخدوم ومحترم مولانا مفتی خالد سیف اللہ قاسمی شیخ الحدیث وناظم جامعہ اشرف العلوم گنگوہ کی قسمت میں لکھی تھی، انھوں نے انتہائی عرق ریزی، محنت اور انہماک کے ساتھ اس کام کو انجام دیا۔

اکابر اور بزرگوں کے تذکرے میں اور ان کی حیاتِ مبارکہ کے مختلف گوشوں میں موجودین اور آنے والی نسلوں کے لیے سامانِ فکر وعمل موجود ہے، کہ وہ آئیں اور ان حضرات کی زندگیوں کو آئینہ بنا کر اپنی زندگیوں کا جائزہ لیں۔ مولانا کا قلم نکھرا اور ستھرا ہے پوری لگن اور گہرائی میں اتر کر بات کرنے کے عادی ہیں اور جو کچھ لکھتے ہیں جب تک اس

پر مطمئن نہیں ہو جاتے ان کا قلم آگے کا سفر طے نہیں کرتا، اس کتاب میں انھوں نے گنگوہ کے ان نامور انسانوں اور اللہ کے ولیوں کا ذکر کیا ہے جن سے آج گنگوہ کی شناخت اور اس کا تعارف ہوتا ہے، ان اشخاص اور شخصیتوں میں قطب عالم حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ، شاہ ابوسعید گنگوہیؒ، شیخ محمد صادق گنگوہیؒ، شیخ عبدالنبی نعمانی گنگوہیؒ، فقیہ النفس حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حضرت مولانا فخر الحسن گنگوہیؒ، حضرت مولانا فیض الحسن صاحب گنگوہیؒ، حضرت مولانا زکریا قدوسی گنگوہیؒ، حضرت مولانا مفتی محمد محمود حسن صاحب گنگوہیؒ، حضرت مولانا حکیم عبدالرشید محمود صاحب نبیرہ حضرت گنگوہیؒ وغیرہ کا تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے، تصوف وسلوک کے ان بلند میناروں اور علم وعمل کے ان سر بفلک کوہساروں کا تذکرہ دلوں کو حرارت، روح کو نظافت، عمل کو پاکیزگی، سوچ وفکر کو اعتدال بخشتا ہے۔ اور اس احساس کو ابھارتا ہے کہ اس دنیا میں انسان جس مقصدِ عظیم کے لیے بھیجا گیا ہے اس کے عملی نمونے ہمارے درمیان موجود تھے اور موجود ہیں، اکابر گنگوہ کے اس ذکر خیر سے مؤلف مدظلہ کی طبعِ سلیم اور فکرِ رسا کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنے اشہبِ قلم کے لیے ایسے موضوع کا انتخاب کیا جس سے روح کو جلا ملتی اور ماحول نورانی ہوتا چلا جاتا ہے۔

حالاں کہ حرفِ ناگزیر کے تحت مؤلف محترم اس کا اعتراف کر چکے ہیں کہ گنگوہ کی کوئی معتبر، مستند اور قریب ترین تاریخ تک ان کی رسائی نہیں ہوسکی، اس لیے اس بستی کے مکمل حالات وہ لکھنے سے قاصر ہیں، کاش! یہ حالات اندھیرے میں نہ ہوتے تو اس بستی کی پیدائش اور اس کے مختلف ادوار بھی سامنے آتے اور تاریخ کے وہ سنہرے صفحات

پڑھنے کو ملتے جس سے اس بستی کی عقیدت اور محبت میں مزید اضافہ ہوتا لیکن جو رجالِ کار، کتاب میں اپنے کارناموں اور عظیم کاموں کی بناء پر چاند اور ستاروں کی طرح، آفتاب و ماہتاب کی طرح چمک رہے ہیں، ان کے احوالِ زندگی ہر شخص کے لیے نمونہ اور آنے والے انسانوں کے لیے راہِ عمل کا تعین کرتے ہیں۔

مؤلف کا یہ احسان تاریخ میں جگہ پائے گا کہ انھوں نے فرشتہ صفت اور ولی صفات اشخاص کا اتنا جامع اور دلپذیر تذکرہ ترتیب دیا ہے کہ جو پڑھے وہ اپنے دل اور دماغ میں علم وروحانیت کی توانائی اور نظافت محسوس کرے۔ کتاب بہت خوبصورت انداز میں شائع کی گئی ہے کتابت روشن، کاغذ اعلیٰ، چھپائی معیاری اور ٹائیٹل انتہائی دیدہ زیب ہے، کتاب کو پڑھنے کے بعد دل ایک ہی نشست میں مکمل پڑھ لینے کا تقاضہ کرتا ہے یہ کتاب کی ظاہری خوبی ہے اوراس کی باطنی خوبیاں بھی ظاہر ہیں جو یقینی طور پر پڑھنے کے بعد اور کھل کر سامنے آئیں گی۔ میں مؤلف محترم کو اس پاکیزہ، باوقار، جاذبِ نظر اور دلکش تالیف پر دلی مبارک باد پیش کرتا ہوں۔

(بشکریہ ماہنامہ ''صدائے حق'' گنگوہ شمارہ ۳۸/ بابتہ ماہ فروری ۲۰۱۳ء)

حضرت مولانا شاکر فرخ ندوی مدظلہ العالی

(مدیر عربی مجلّہ ''المظاہر'' جامعہ مظاہر علوم سہارنپور)

بزرگان دین اور اکابر ملت کا تذکرہ اور ان کی سیرت وسوانح کے مطالعہ سے یہ پیغام دیا جاتا ہے کہ نسل نو کے اندر اسی طرح کے اخلاق عالیہ اور بلند کردار کے حصول کا شوق اور اشتیاق پیدا ہو، اور اپنے اسلاف کے تئیں ان کے اندر اعتماد پیدا ہو، تذکرہ نگاری وسوانح نگاری کی کوششیں ہر دور میں اور ہر شہر وعلاقہ میں ہوتی رہی ہیں، وہ حضرات جو ملت کا درد رکھتے ہیں، اور انسانیت کے غم گسار ہیں، وہ ہمیشہ اس بات کے لئے کوشاں رہتے ہیں کہ اس درماندہ اور پسماندہ ملت کو صحیح اسلام سے روشناس کرایا جائے، اور اس کے لئے وہ مختلف الجہات کوششیں کرتے ہیں، انہیں میں ایک کوشش سوانح نگاری بھی ہے، مفکر اسلام مولانا علی میاں ندویؒ نے تاریخ دعوت وعزیمت، پرانے چراغ اور دیگر اہل دل، اہل علم، مصلحین ومفکرین کی حیات کو قلم بند کر کے ملت اسلامیہ کی عظیم خدمت انجام دی ہے۔

اسی سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی ''تذکرہ اکابر گنگوہ'' ہے، جس میں سرزمین گنگوہ میں پیدا ہونے والی، اور وہاں رہ کر علمی وفکری واصلاحی فریضہ انجام دینے والی ان قدسی صفات شخصیات کا تذکرہ ہے جن کی خدمات اور فضل وکمال سے کسی بھی ذی علم کو انکار نہیں، یہ درحقیقت ان حضرات اکابر کا ذکر خیر ہے جن کے متعلق ارشاد خداوندی ہے ''ألا إن اولیاء اللہ لاخوف علیھم ولا ھم یحزنون'' یہ وہ بندگان خدا ہیں جن کا فیض تاہنوز جاری ہے، اور انشاء اللہ تا قیامت جاری رہے گا۔

زیر نظر کتاب کے مؤلف معروف ومشہور دینی شخصیت، محبوب العلماء والمشائخ

حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب قاسمی مہتمم جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ ہیں، جو درحقیقت انہیں اکابر کے نقش قدم پر ہیں اور انہیں حضرات کا عکس جمیل معلوم ہوتے ہیں، کتاب کا آغاز قطب عالم حضرت شیخ عبدالقدوس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تذکرہ سے ہے، آگے چل کر اپنے وقت کے عظیم بزرگ اور مصلح جناب حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ ہے، جن سے تمام اکابر دیوبند وسہارنپور نے کسب فیض کیا ہے۔

یہ درحقیقت سرزمین گنگوہ کی شخصیات کی حسین سرگذشت ہے، جس میں ان کے علم وعمل، فکرو اصلاح، تزکیۂ نفس، تطہیر باطن اور علمی وادبی کارناموں، ملی وسماجی خدمات کا مفصل تذکرہ ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالی اس کتاب کو قبولیت عطا فرمائے اور مؤلف کو اپنے شایان شان جزائے خیر عطا فرمائے، آمین۔

(بشکریہ ماہنامہ ''حرا کا پیغام'' مانک مئو اپریل، مئی ۲۰۱۳ء)

حضرت مولانا مسعود عزیزی ندوی مدظلہ العالی

مدیر ماہنامہ ''نقوش اسلام'' مظفر آباد، سہارنپور

پیش نظر کتاب ''تذکرہ اکابر گنگوہ'' سرزمین گنگوہ کی باکمال، دینی، علمی، روحانی، عبقری شخصیات اوران کی زریں خدمات کا ایک حسین مرقع اور تاریخی دستاویز ہے، جو بزرگوں کی امانت، اکابرین کے منظور نظر، صالحین کے صحبت یافتہ، علماء ربانیین کے تربیت یافتہ، صلحاء امت سے اجازت یافتہ حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب قاسمی کے گہر بار قلم سے نکلا ہوا ایک علمی شاہکار ہی نہیں بلکہ تاریخ وسیر کا ایک جامع انسائیکلو پیڈیا اور گنگوہ کی عظیم شخصیات کا ایک بہترین تعارفی مجموعہ ہے۔

صاحب کتاب کو اللہ تعالی نے گو نا گوں خصوصیات وصفات سے متصف فرمایا ہے، وہ اگر ایک طرف علمی خانوادے کے فرد، ایک عظیم باپ کے عظیم سپوت ہیں تو دوسری طرف وہ ایک عالم ربانی، عظیم محدث، ماہر مدرس، بلند پایہ خطیب، زبردست مصنف ہیں، اسی طرح اگر وہ ایک طرف اکابرین کے مجاز اور صحبت یافتہ ہیں تو دوسری طرف ایک عظیم ادارے کے شیخ الحدیث اور عظیم دینی درسگاہ کے ناظم اعلی بھی ہیں، ان تمام اوصاف نے موصوف کو ایک جامع علمی، روحانی، ادبی اور مثالی ہمہ جہت شخصیت بنا دیا ہے، مزید آپ تواضع اور انکساری، حلم وتدبر جیسی صفات حمیدہ سے متصف ہیں، پھر معلومات کی وسعت، مطالعہ کی گہرائی نے آپ کو ایک ایسا سمندر بنا دیا ہے جس کی موجوں میں تلاطم ہی نہیں بلکہ ایک خاموش جوش وخروش موجزن ہے، جس سے کچھ کر گزرنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، ایسے زبردست عالم دین کے قلم سے اگر کوئی شاہکار سامنے آئے، ظاہر ہے وہ کس قدر قابل اعتبار، اہم اور افادیت سے بھرپور ہوگا، اس سے تمام ہی تحقیق وعلم

کے رسیا واقفین باخبر ہوں گے۔

کتاب حضرت قطب عالم شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کے تذکرے سے شروع ہوتی ہے، پھر سلسلۂ اکابر شروع ہوتا ہے، اور سید اشرف سمنائی کا ذکر، مخدوم العالم شیخ احمد عبدالحق کا ذکر، شیخ محمدؒ، شیخ احمد عبدالحق کے واقعات اوران کے باقیات صالحات، حضرت شیخ عبدالقدوس کے چند خلفاء کا تذکرہ، پھر شاہ ابوسعید گنگوہی، شیخ محمد صادق گنگوہی، شیخ داوٗد، شیخ عبدالنبی نعمانی گنگوہی، تذکرہ امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، تذکرہ شاہ عبدالغنی مجددی، تذکرہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی، حضرت گنگوہی کے باقیات صالحات، حضرت گنگوہی کے تلامذہ، حضرت شیخ زکریا کا سرزمین گنگوہ سے تعلق، حضرت مولانا فخر الحسن صاحب گنگوہی، حضرت مولانا فیض الحسن صاحب گنگوہی، حضرت مولانا زکریا قدوسی گنگوہی، مفتی کفایت اللہ گنگوہی، حضرت مولانا عبداللہ گنگوہی، مولانا مفتی ضیاء احمد گنگوہی، مولانا حکیم محمد اسماعیل صاحب گنگوہی، حضرت حکیم محمد مسعود صاحب اجمیری گنگوہی، مولانا حکیم سید محفوظ علی صاحب گنگوہی، مولانا اعجاز الحق صاحب قدوسی گنگوہی، مولانا محمد عادل صاحب قدوسی گنگوہی، حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی، حضرت مفتی صاحب کے خطوط، حضرت مولانا حکیم عبدالرشید محمود صاحب نبیرہ حضرت گنگوہی کا تفصیلی تذکرہ ہے، ان بزرگوں کے بعد گنگوہ کی دوسری شخصیات بھی شامل ہیں، مثلاً حضرت مولانا محمد میاں قدوسی، حکیم قریش احمد صاحب گنگوہی، الحاج مصطفیٰ کامل رشیدی گنگوہی، حضرت مولانا شفیق احمد گنگوہی، حکیم لیاقت صاحب گنگوہی، صوفی عبدالحمید صاحب گنگوہی، حکیم شفیق احمد صاحب قدوسی گنگوہی، حکیم جمیل احمد صاحب گنگوہی، حافظ مقبول احمد صاحب گنگوہی۔

اس طرح مصنف نے پوری کتاب میں چالیس سے زیادہ شخصیات کا تذکرہ کر کے اپنی صلاحیت کے جوہر دکھائے، اور گویا کہ دریا کو کوزہ میں بند کرنے کی ایک خوبصورت کوشش کی ہے، زبان و بیان دلچسپ، اسلوب بالکل سادہ اور جاذب نظر ہے، جس سے پڑھنے میں لطف وحلاوت اور چاشنی محسوس ہوتی ہے، ان تمام اوصاف کے باوصف شروع کتاب میں عرض مؤلف کے بعد عارف باللہ حضرت مولانا قمر الزماں صاحب الہ آبادی کے حرف دعا ہیں، پھر حضرت مولانا حکیم محمد ادریس حبان کے حرف دوام، جس میں مولانا حکیم صاحب نے مولانا کا زبردست تعارف کرایا ہے، ان کی شخصیت کو اجاگر کیا ہے اور اسی طرح مولانا محمد ساجد کھجناوری قاسمی کا حرف حقیقت بھی بہت اہم ہے، جو ماشاء اللہ مصنف کا تعارف اور آئینہ ہے اور بہت جامع ہے، پھر مولانا نعیم الرحمٰن صاحب جلالپوری کا منظوم تاثر ہے۔

ہماری معلومات میں گنگوہ اور اکابر گنگوہ سے متعلق اتنا ضخیم اور جامع تذکرہ پہلی مرتبہ منظر عام پر آیا ہے، جس پر حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب گنگوہ سے نسبت رکھنے والے تمام عوام وخواص کی طرف سے مبارک بادی کے مستحق ہیں کہ انہوں نے یہ عظیم کارنامہ انجام دیا اور اکابرین گنگوہ کا تذکرہ لکھ کر تاریخ کا ایک سلسلہ محفوظ کر دیا اور ان اکابرین کے ساتھ اپنے آپ کو بھی دوام بخش دیا، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے، مؤلف کو بہترین اجر عظیم عطا فرمائے۔

(بشکریہ ماہنامہ ''نقوش اسلام'' مظفر آباد سہارنپور بابتہ ماہ نومبر/ دسمبر ۲۰۱۳ء جنوری ۲۰۱۴ء)

حضرت مولانا فضیل احمد ناصری القاسمی

استاذ حدیث جامعہ امام محمد انور دیوبند

انسان کی سیرت سازی اور تعمیرِ شخصیت میں جتنی چیزیں مؤثر ہیں ان میں صالحین کے تذکرے نمایاں مقام رکھتے ہیں، کیوں کہ یہی وہ پاکیزہ نفوس ہیں جن کا مطالعہ آدم گری میں ممتاز رول ادا کرتا ہے۔ قرآن کریم کھولئے تو اس کی پہلی ہی سورۃ ''الفاتحہ'' منعم علیہم کی راہوں پر چلنے کی تلقین کرتی دکھائی دے گی، اہل علم جانتے ہیں کہ یہ انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کا ''صاحبِ تقدیس'' گروہ ہے، اس سے متصل دوسری سورت پڑھئے! تو اربابِ تقویٰ کا ذکر جمیل جلی عنوان سے نظر آئے گا، انبیاء کرامؑ ہی کیا، نام لئے بغیر عام امتی پر بھی اس آسمانی کتاب میں خوب روشنی ڈالی گئی ہے، اصحابِ کہف کون تھے؟ یہ صلحاء کا ہی ایک گروہ تو تھا، سورۂ کہف میں ہی ''باغ والے'' مردِ مومن کا تذکرہ کون بھول سکتا ہے!! کتبِ احادیث کے اوراق الٹئے تو جا بہ جا صالحیت اور اس کی تلقین بہ عبارتِ واضح دکھائی دے گی، نیکی اور نیکی والوں کی اسی اہمیت کے پیش نظر حق جلّ مجدہٗ کا ارشاد ہے ''کونوا مع الصادقین'' اصحابِ خیر کی معیت اختیار کرو۔ بزرگوں کے احوال اور ان سے جڑے واقعات میں تاثیر ہوتی ہے جو خواہی نہ خواہی سننے اور پڑھنے والے کو اپنا اسیر بنا چھوڑتی ہے، صلحاء کی شبیہ ہمیشہ ایک تحریک کی رہی ہے، اپنی حیاتِ مستعار میں جہاں وہ لاتعداد افراد کے لئے حوصلہ مندی کی علامت رہے وہیں بعد از مرگ بھی انقلاب وتقلبات کے محرک بھی رہے، ان کے اسی تاثیری پہلو نے بعد والوں کو سیرت نگاری پر مجبور کیا اور انبیاء وصحابہؓ سمیت ممتاز دینی پیشواؤں کی زندگیاں الفاظ وعبارات کی صورت میں پیش کی جاتی رہیں۔

ہندوستان علم وفضل، کمال ومعرفت اور ''مردانِ راہ داں'' پیدا کرنے میں سدا سے

ہی بلند مقام رہا ہے، مگر عرصہ دو صدیوں سے اس کا پایہ تخت اتر پردیش بالخصوص سہارنپور ہے، اس کے زیرِ نگیں دو قصبے دیوبند اور گنگوہ تو اس باب میں اس قدر مشہور ہوئے کہ ضلع سے بھی بھاری بھرکم یہ قصبے لگنے لگے، ان کی زرخیزی سے سارا عالم متحیر ہے اور ان کے خوانِ علمی سے پوری دنیا مستفیض ہو رہی ہے، یہاں کی سرزمین سے علماء امت کی وہ مستند کھیپ اٹھی جس نے برطانوی سامراج اور اس کی خوفناک آندھی کے باوجود ہندوستان میں اسلام کی مشعلیں روشن ہی رکھیں، چراغ سے چراغ جلے اور ملک ان کے چنگل سے بالآخر آزاد ہوا، دیوبند اول نمبر پر رہا تو گنگوہ نمبر دوم پر۔ گنگوہ ہی وہ خطہ ہے جسے قطب الاقطاب حضرت مولانا عبدالقدوسؒ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے وطن ہونے کا شرف حاصل ہے۔ امام العصر علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ کی علمی عظمتِ شان اور انفرادی و متنوع کمالات کسی کی تائید و توثیق کی اجازت نہ دیتے تھے، مگر حضرت گنگوہیؒ ان کی نظر میں ''فقیہ النفس'' تھے، وہی ان کے مرشد بھی تھے اور محبوب استاذ بھی۔ لیکن طرفہ تماشہ دیکھئے کہ اکابر امت کا یہ مسکن صرف حضرت گنگوہیؒ کی وجہ سے ہی زیادہ متعارف رہا، جب کہ عالم یہ ہے کہ اس خاکِ پاک نہاد سے ان کے علاوہ بھی وہ ہمالیائی شخصیتیں اٹھیں جن کے سامنے علوم و فنون کے اونچے اونچے پہاڑ بونے معلوم ہوں، مگر وقت کی ستم ظریفی کہ گزرتے دنوں کے دھندلکوں میں ایک طرف تو ان کا لوحِ مزار دھندلا ہوتا چلا گیا، دوسری طرف ان سے وابستہ یادیں بھی ضبطِ تحریر میں کماحقہٗ نہ آسکیں، جن کی روشنی سے نسلِ نو منزل کی سمت گامزن ہو سکے، حالاں کہ یہی وہ کردار تھے جو اپنی اساطیری شناخت کی بنا پر گرمیٔ محفل کا سبب ٹھہرتے تھے۔

زیرِ تبصرہ کتاب اسی خلا کو پُر کرنے کی ایک روح پرور کوشش ہے، مدرسہ اشرف العلوم

رشیدی کے مدیر و معتمد حضرت مولانا خالد سیف اللہ گنگوہی نے ایک طویل تشنگی کو محسوس کرتے ہوئے قلم اٹھایا ہے اور علم دوست حضرات کی خدمت میں گنگوہ اور اس کے اساطین کی ایک روشن و زریں تاریخ پیش کی ہے۔ قطب العالم حضرت مولانا عبدالقدوس گنگوہیؒ سے لے کر ماضی قریب کی اہم شخصیات تک کا عمدہ احاطہ ہوگیا ہے، کہنے کو تو یہ گنگوہ سے متعلق علماء و صلحاء کی تاریخ قلم بند کی گئی ہے مگر ضمناً اور ذیلاً تقریباً ان تمام ہی شخصیات پر روشنی پڑ گئی ہے جو گنگوہ کے تو نہیں لیکن مسلکِ دیوبند کے سرخیل مانے جاتے ہیں۔ کتاب میں پچاس سے زیادہ گنگوہی علماء ربانیین کے بالاصالۃ تذکرے ہیں، تاریخی مواد کے ساتھ ساتھ علمی بحثیں اور صوفیانہ اصطلاحیں بھی ہیں، مولف نے کوشش کی ہے کہ تفصیل آمیز اختصار کے ساتھ یہ ''نوشتہ'' جامعیت کا بھی آئینہ دار ہو، زبان شگفتہ، رواں اور شیریں ہے، معلومات چشم کشا ہیں، منقولات معتبر کتابوں سے ہیں، کتاب کے مطالعہ سے محسوس ہوتا ہے کہ اس کے مصنف نے اس نقش کو سامنے لانے میں اپنی پوری کاوش جھونک دی ہے۔ سطر سطر سے ممدوحین سے شیدائیت ظاہر ہوتی ہے، اسے پڑھ کر گنگوہ کا شاندار ماضی تابناک حال دکھائی دیتا ہے جو یقیناً ایک کمال ہے اور یہ کمال بھی سب کو عطا نہیں ہوتا۔

مؤلف کتاب اس تالیف پر اہل علم کی طرف سے شکریے کے مستحق ہیں کہ انہوں نے ۶۰ رسے زیادہ کتابوں سے مراجعت کر کے یہ ''بیش بہا کشکول'' تیار کیا ہے۔ یہ پہلی جلد ہے، توقع ہے کہ جلد ثانی بھی اسی نہج پر مرتب ہوگی۔ امید ہے کہ یہ کتاب اس پیاس کو بجھانے کا کام کرے گی، جس نے باذوق اربابِ علم کو طویل عرصہ بے چین کئے رکھا۔ ادارہ محدثِ عصر انہیں دل کی گہرائیوں سے مبارکباد پیش کرتا ہے۔

(بشکریہ ماہنامہ ''محدث عصر'' دیوبند بابتہ ماہ فروری ۲۰۱۴ء)

منظوم تأثرات برتذکرہ اکابرِ گنگوہ

از: جناب مولانا محمد نعیم الرحمٰن نعیم جلال پوری

خالدِ وقت، یادگارِ شریف[1]		اِک غلامِ اکابرِ گنگوہ
مفتیِ دین، شیخ سیف اللہ		مستِ جامِ اکابرِ گنگوہ
ہیں نگاہوں میں جن کی جلوہ فروز		صبح و شامِ اکابرِ گنگوہ
جن کو حاصل ہے بالیقین، لاریب		فیضِ تامِ اکابرِ گنگوہ
اُن کی تصنیفِ نو بہ فضلِ اللہ		ہے بنامِ "اکابرِ گنگوہ"
جس میں مذکور ہیں سوانحِ ذات		اور مقامِ اکابرِ گنگوہ
حُسن وخوبی سے جس میں ہیں تحریر		کارہائے اکابرِ گنگوہ
جس سے ضوبار ہوگیا ہر ایک		نقشِ پائے اکابرِ گنگوہ
ایسے انداز سے بہ حدِّ کمال		ہے بیانِ اکابرِ گنگوہ
ہوگئی زیب وزینتِ قرطاس		خوب شانِ اکابرِ گنگوہ
کرلے مولیٰ! کرم سے اپنے قبول		یہ کتابِ "اکابرِ گنگوہ"
جس کو پڑھ کر ہوں سب خواص وعوام		فیضیابِ اکابرِ گنگوہ
جان ودل سے نعیمؔ خستہ مآل		ہے فدائے اکابرِ گنگوہ
اُس کی فکر ونظر میں ہوں روشن		شمعہائے اکابرِ گنگوہ

[1] حضرت مفتی صاحب حضرت مولانا قاری شریف احمد صاحب رحمہ اللہ بانی مدیر جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ کے پسرِ خوش اثر ہیں۔

حرفِ آغاز

بزرگوں کے حالات سے مقصد کیا ہے؟

اولاً ہم کو بزرگوں کے حالات سننے سنانے، پڑھنے لکھنے اور شائع کرنے کا مقصد معلوم کرنا ضروری ہے تاکہ ہم کو صحیح فائدہ حاصل ہو سکے اور اسی نقطۂ نظر سے ان کے حالات کو پڑھا جا سکے۔

تو جاننا چاہئے کہ اسلاف کے کارنامے اور ان کی داستان بعد والوں کے لئے عبرت، نصیحت، موعظت اور بصیرت کا بہترین ذریعہ ہوتے ہیں اور ان سے خلف کو صحیح راستہ طے کرنے میں بہت مدد ملتی ہے اور ان کے واقعات میں نہایت تاثیر اور خاص قسم کی جاذبیت اور کشش ہوتی ہے جن کو عقیدت کے ساتھ پڑھنے سے طبیعت پر ایک خاص اثر اور ایک خاص کیفیت حاصل ہوتی ہے، کم ہمت لوگوں کے لئے ہمت کا سبب بنتا ہے اور گمراہوں کیلئے راہ یابی آسان ہوتی ہے، اس لئے ہم کو اس نیت سے ان کے حالات پڑھنے چاہئیں کہ ہم ان کے طرز پر اپنی زندگی گزاریں اور ان حضرات کی محبت وعقیدت کو ذریعہ بنائیں اللہ اور ان کے رسول ﷺ کی محبت وعقیدت کا اور کتاب وسنت کی اتباع کا، یہی ان حضرات کی سچی محبت کی علامت اور صحیح عقیدت کا مظہر ہے۔

اصل مقصود اللہ اور ان کے رسول ﷺ کی محبت، عقیدت، عظمت اور اطاعت ہے، اس میں شک نہیں کہ اولیاء اللہ کے واقعات کو سن کر اور پڑھ کر طبیعت میں ایک جذبہ اور شوق، ولولہ اور ذوق پیدا ہوتا ہے کہ ہمیں بھی کچھ کرنا چاہئے، اسی لئے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے قرآن کریم میں انبیاء اور اولیاء کے واقعات بیان فرمائے ہیں اور جگہ جگہ بکثرت انبیاء اور اولیاء کے واقعات بیان کرنے کے بعد حق تعالیٰ فرماتے ہیں: لَقَدْ كَانَ فِيْ

قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِأُولِی الالباب (پارہ ۱۳/سورۂ رعد) بیشک ان کے واقعات میں عبرت ہے عقل مندوں کے لئے، قرآن کریم میں حق تعالیٰ شانہ عم نوالہ نے تقریباً پچیس انبیاء علیہم السلام جن میں سرفہرست ابوالبشر حضرت آدمؑ ہیں ان کے بہت سے قصے، اسی طرح حضرت نوحؑ ان کی حیات کا بہت بڑا حصہ، حضرت ادریسؑ، حضرت شعیبؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسمٰعیلؑ اور اسحاقؑ، حضرت یعقوبؑ، حضرت یوسفؑ اوران کی اولاد واسباط کے تذکرے، حضرت موسیٰؑ کا ذکرِ خیر حضرتِ عیسیٰؑ کا ذکرِ جمیل اوران کے بہت سے واقعات اور بنی اسرائیل کی نادانیاں، سرکشیاں، طغیانیاں، بغاوتیں اوران کے فتنے ہنگامے، انکاراورانبیاءؑ کی نافرمانی بلکہ ان کی بے حرمتی یہاں تک کہ ان کو شہید کردینے جیسی قبیح حرکتیں تفصیل کے ساتھ بیان فرمائی گئی ہیں اور یہ سب اس لئے تاکہ یہ امت اپنے داعیانِ حق کے ساتھ ایسی کوئی حرکت نہ کرے اوران کی طرح اللہ کے غضب اور غصہ کا موردومصداق نہ بنے اور صراطِ مستقیم پر چلتی رہے۔

پھر قدیم انبیاءؑ کے واقعات اوران کی اقوام وملل کے تذکرہ کے ساتھ ساتھ اپنی نعمتوں کو یاددلایا اوران سب کے ساتھ اپنے سب سے محبوب نبی ﷺ جو تمام کمالات کے جامع، تمام خوبیوں کے منبع اور مرکز فخرِ رسل رحمتِ عالم ﷺ کا ذکرِ خیر فرمایا اور حضرات صحابہؓ اور ان کی اطاعت وفرمانبرداری سے خوش ہوکر ان کے لئے اپنی رضامندی کا ابدی اوردائمی اعلان ان الفاظ میں فرمایا رضی الله عنهم ورضوا عنه خدا ان سے راضی وہ راضی خدا سے۔

اور کہیں ان کو اُولٰٓئِکَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ، کہیں صِدِّیْقُوْنَ اور کہیں مُفْلِحُوْنَ اور کہیں هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا سے یاد فرمایا، اور بار بار ان حضرات کو تنبیہ بھی

کی کہ دیکھو دوسری قوموں کی طرح مت ہو جانا جن پر اللہ کی ناراضگی وارد ہوئی، اس لئے ہم سب کے لئے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اکابر اولیاء اللہ سے محبت کا ہمارا دعویٰ اور عقیدت کا اظہار اسی وقت درست مانا جائے گا جب کہ ہم ان سب کے بڑے اور بزرگ یعنی حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور رحمتِ عالم ﷺ کے طریقہ پر چلیں گے اور اگر ہم نے اس بات سے صرفِ نظر کیا تو خطرہ ہے کہ ہم بدعات وخرافات میں مبتلا نہ ہو جائیں، کیونکہ ہوتا یہ ہے کہ یا تو ہم اس قدر غلو اور افراط کرتے ہیں کہ سب کچھ انہیں بندگانِ خدا کو سمجھ بیٹھتے ہیں اور انہیں سے اپنی مرادوں اور آرزوؤں کی تکمیل اور قبر پرستی اور مزار پرستی چادریں چڑھانا اور ایسی ایسی خرافات کرنا شروع کر دیتے ہیں جن کا کتاب وسنت میں کوئی ثبوت نہیں، بلکہ ایسی ایسی حرکتیں کرتے ہیں جو ایمان ہی کو خراب کر دیتی ہیں اور اوپر سے تماشا یہ کہ ہم اس کو دین کا کام سمجھتے ہیں، یہ بہت ہی خطرناک عمل ہے یہ غلو کی انتہاء ہے، اور تقریباً یہ وہی طرز ہے جو عیسائیوں نے اپنے پیغمبر کے ساتھ اپنایا کہ ایک طبقہ نے انکو خدا کہا اور ایک طبقہ نے ان کو خدا کا بیٹا کہا اور ایک طبقہ نے ان کو تین خداؤں میں سے ایک قرار دیا۔

چنانچہ قرآن پاک میں ذکر کیا گیا ہے کہ جب اللہ پاک قیامت میں ان سے پوچھیں گے کہ کیا آپ نے لوگوں سے یہ کہا تھا کہ اللہ کو چھوڑ کر میری اور میری والدہ کی عبادت کرنا؟ تو وہ صاف کہدیں گے کہ الہ العالمین میرے لئے اور کسی بندہ کیلئے جو خود رب العزت والجلال آپ کی عبادت کرتا ہو اور اسی کی طرف بلاتا ہو اور آپ کی اطاعت پر لگانا ہی اس کی زندگی کا اہم ترین مقصد اور مشغلہ ہو، کیا وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ آپ کو چھوڑ کر میری عبادت کرو؟ آپ جانتے ہیں کہ جب تک میں حیات رہا، ان کے سروں پر موجود رہا، ان کی نگرانی کرتا رہا

اور کفر وشرک اورخرافات ، بدعات اور ہرنا جائز اور غیر مناسب چیز سے ان کو بچانے کی پوری کوشش کرتا رہا اور جب آپ نے مجھے اپنے پاس بلالیا تو پھر مجھے نہیں معلوم کہ انہوں نے کیا کیا اور نہ میں اس کا ذمہ دار ہوں ، وہ آپ کے بندے ہیں اور آپ ان کے رب ہیں، آپ چاہیں تو ان کو عذاب دیں اور چاہیں تو معاف کریں، اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُکَ وَاِنْ تَغْفِرْلَهُمْ فَاِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (سورۂ مائدہ) اگر آپ انکو عذاب دیں تو وہ آپ کے بندے ہیں اور اگر آپ انکو معاف کردیں تو بیشک آپ غالب اور حکمت والے ہیں غفور ورحیم بھی ہیں، ایک بار تہجد میں رسول اللہ ﷺ کی زبان مقدس پر یہ آیت جاری ہوگئی تمام رات اسی میں مکمل فرمادی (ترمذی شریف)۔

اسی طرح اگر ہم نے اولیاء اللہ کے سلسلہ میں افراط وتفریط سے کام لیا، جیسا کہ غلو اورافراط سے ایک طبقہ کام لے رہا ہے جسکے نتیجہ میں بدعات وخرافات (سجدہ، طواف، چادر پوشی اوران سے مرادیں طلب کرنا، اوران کو حاجت روا سمجھنا وغیرہ جو شرک وکفر والے اعمال ہیں) کا ظہور ہورہا ہے، اس سے وہ بندگانِ خدا عارفانِ حق بیزار ہیں اور نہ ان پر اس کا کوئی الزام دیا جاسکتا ہے نہ ان کی یہ تعلیمات ہیں اور نہ انہوں نے کبھی اس کو پسند کیا، اس سب کی ذمہ داری کرنے والوں پر ہوگی اور عند اللہ وہی مجرم ہوں گے، اور ایک طبقہ وہ بھی ہے جو اولیاء اللہ اور سلوک وروحانیت، تزکیہ واحسان (جس کو تصوف کہا جاتا ہے) کا بالکل انکار ہی کرتا ہے، حالانکہ قرآن وسنت میں انبیاءؑ کے ساتھ اولیاء اللہ کا بھی ذکر ہے، جیسا کہ حضرت خضرؑ، حضرت لقمانؑ، حضرت مریمؑ ہیں، قرآن پاک نے ان حضرات کے واقعات، کشف وکرامات وغیرہ کا ذکر اسی لئے کیا ہے تاکہ اولیاء اللہ سے محبت اور عقیدت کا مضمون بھی مستحضر رہے، اس لئے ان چیزوں کا انکار قرآن کریم کے

ایک بہت بڑے حصہ کے انکار کے مترادف ہے۔

یہ غور کرنے کا مقام ہے کہ وہ خاص صفت (صلاح) جس کا حق تعالیٰ جل شانہ عم نوالہ نے انبیاءؑ کی صفات میں ذکر کیا ہے ''کُلٌّ مِّنَ الصَّالِحِیْن'' نیز ایک موقع پر فرمایا ''مَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیْقًا'' (سورۂ نساء) جس سے انبیاء علیھم السلام، صدیقین، شہداء وصالحین کی معیت اوران کے طرز کو اپنانے کی کس قدر بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے! لہذا افراط وتفریط سے بچتے ہوئے اعتدال کے ساتھ حضراتِ صحابہ کرامؓ اور معتدل مزاج، معتدل ذوق اور شریعت وطریقت کی جامعیت رکھنے والے حضرات کی اتباع کی جائے جس کا تذکرہ اللہ پاک نے یہ کہہ کر فرمایا: وَاَنِیْبُوْا اِلٰی رَبِّکُمْ وَاَسْلِمُوْا لَہٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَکُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَاتُنْصَرُوْن (سورۂ زمر) اور انابت اختیار کرو میری طرف اور میری اطاعت کرو قبل اس کے کہ تم پر عذاب آجائے پھر کوئی تمہاری مدد کو نہ آئے گا۔

ان جیسی آیات میں جو انابت واسلام کا اور منیبین کی اتباع کا حکم ہے اسی کا دوسرا نام تصوف ہے، نیز جس کو حق تعالیٰ نے فرمایا ''وَاتَّبِعْ سَبِیْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ'' (سورۂ لقمان) کہ ہماری طرف جو لوگ چل رہے ہیں ان کا طرز اپناؤ اور تواضع، عبدیت، مسکنت، خلوص وللّٰہیت اور تزکیۂ باطن، تصفیۂ قلب وقالب یعنی اخلاقِ حسنہ کی تحصیل کی محنت کرو کہ یہی انبیاءؑ کی بعثت کا بڑا مقصد ہے، اور اسی سے انسان صحیح معنیٰ میں انسان بنتا ہے جس کا بیان بہت سی آیات میں وارد ہوا ہے۔

چنانچہ ایک موقع پر حق تعالیٰ فرماتے ہیں: ھُوَالَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ

رَسُوْلاً مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ " (سورۂ جمعہ) وہ پاک ذات بھیجا جس نے ان میں ایک رسول انہیں میں سے جو پڑھکر سناتے تھے ان کو اللہ کی آیات اور کرتے تھے ان کو پاک وصاف اور سکھلاتے تھے ان کو کتاب اور حکمت جب کہ وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

اس آیت میں جس تزکیہ کا ذکر ہے یعنی کہ وہ امت کے افراد کو پاک وصاف کرتے تھے برائیوں سے یعنی کفر وشرک، بدعات وخرافات کی گندگیوں سے اور اخلاقی بیماریوں اور روحانی امراض سے، اسی محنت ومشن میں لگنے والے حضرات کو صوفیاء، اولیاء، عارفین کہا جاتا ہے اور ان کی اس محنت کو تصوف، تزکیہ، احسان اور سلوک وروحانیت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اس کتاب میں جن حضرات کا تذکرہ کیا جارہا ہے وہ اسی میدان کے شہ سوار، تزکیہ واحسان کے دریاؤں کے غوطہ زن، اخلاص واخلاق کے روشن مینارے تھے اور ان کی زندگیاں اسی کیلئے وقف تھیں، اللہ پاک ان کے درجات کو بلند فرمائے اور ہمیں ان کے نقش قدم پر صحیح چلنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

تذکرہ قطبِ عالم حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ کا نام ونسب

اسم گرامی حضرت اقدسؒ کا عبدالقدوس ہے، البتہ بعض حضرات نے نام اسمٰعیل اور عبدالقدوس ان کا لقب قرار دیا ہے، مگر مشہور اول ہی ہے، اسماعیل والد محترم کا نام ہے، دادا کا نام صفی الدین ہے، جو اپنے دور کے صاحب تصنیف عالم، فاضل تھے، غایت التحقیق شرح کافیہ آپ ہی کی تالیف ہے، سلسلۂ نسب اس طرح ہے: حضرت شیخ عبدالقدوس بن اسماعیل ابن صفی الدین بن نصیر الدین بن نظام الدین بن آدم بن ظہیر الدین بن احمد بن عبدالواسع بن عبدالقادر الخ۔

آپ کے اجداد میں سے ایک بزرگ نظام الدین نام کے غزنی سے ساتویں صدی میں اپنی اولاد کے ساتھ دہلی چلے آئے تھے، یہ سلطان علاؤالدین خلجی مرحوم کا زمانہ تھا۔

والد صاحبؒ کا مختصراً تذکرہ

آپ کے والد ماجد شیخ اسماعیلؒ بھی صاحبِ علم ومعرفت اشخاص میں سے تھے، درس وتدریس، ارشاد وتلقین آپ کا محبوب مشغلہ تھا، درویشانہ وفقیرانہ زندگی گزارتے تھے، دنیا اور اشیائے دنیا سے کوئی تعلق نہ رکھتے تھے اور ردولی شریف کی جامع مسجد میں ایک عرصۂ دراز تک پند ووعظ کا سلسلہ قائم رکھا، جس سے بہت سے لوگوں کو دینی فائدہ حاصل ہوتا تھا، ۱۳؍ربیع الاول ۸۶۰ھ میں انتقال ہوا (نزہۃ الخواطر ص ۲۵؍ج ۳)۔

اللہ پاک نے سچ فرمایا ہے: وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرَىٰ تَنفَعُ الْمُؤْمِنِينَ (سورۂ ذاریات) (آپ لوگوں کو نصیحت فرمائیے بے شک نصیحت کرنا ایمان والوں کو فائدہ دیتا ہے)۔

بشارت ولادت

اس دنیا میں ضابطہ یہ ہے کہ جو چیز جتنی اہم اور وقیع ہوا کرتی ہے اتنی ہی اس کے ظہور سے قبل اس کی آمد کی تمہیدات بطورِ علامت و بشارت لائی جاتی ہیں، چنانچہ عادت اللہ یہی جاری ہے، جیسا کہ فخرِ دو عالم رحمتِ مجسم ﷺ کے وجود باجود سے قبل کتنوں کو خواب میں بشارت حاصل ہوئی، ہر ہر کتاب میں آپ کی بشارت دی گئی، آگ کا بجھ جانا کنگوروں کا گر جانا یہ سب ولادت باسعادت کی امارات وعلامات تھیں۔

چمنستانِ اسلامی کی بلبلوں میں اس گل کا کھلنے سے قبل ہی سے شور وغوغا مچ گیا تھا، اُفقِ عالم پر کرنیں چمکنے سے پہلے اس آفتاب ولایت کے طلوع ہونے کا ذکر شروع ہو چکا تھا، سینکڑوں بیمارانِ قلب اس روحانی طبیب اور اس مسیحا کی آمد کی خبر سنکر اپنے بیقرار دلوں کو تسکین دے رہے تھے، اس مظہرِ انسانیت اور اس عارفِ اعظم کے متعلق مختلف لوگوں نے جن میں بڑے بڑے اولیاءِ کرام داخل ہیں بشارتیں دی ہیں، نمونہ کے طور پر دو بزرگوں کی بشارت سنئے۔

(۱) سید اشرف سمنانیؒ کی بشارت اور ان کا مختصر تذکرہ

سید اشرف سمنانیؒ ۷۰۷ھ میں سمنان (ایران) میں پیدا ہوئے جو اس دور کے بڑے اولیاء اللہ میں شمار ہوتے ہیں، شیخ عبدالحقؒ اخبار الاخیار ص ۸۴؍ج ۳؍میں تحریر فرماتے ہیں کہ سید اشرف سمنانیؒ اکملِ اولیاء میں سے ہیں، بڑے صاحبِ کرامات وتصرفات ولی تھے، سیر وسیاحت میں میر سید علی ہمدانیؒ کے رفیق تھے، آخر سمنان (ایران) سے ہندوستان آئے اور شیخ علاؤ الدین عمر بن اسعد لاہوری رحمۃ اللہ علیہ کے مرید وخلیفہ ہوئے، پہلے ہی سے مقاماتِ عالیہ وکشف وکرامات حاصل تھے، اب مزید حقائق توحید، نوامیس معرفتِ الٰہیہ حاصل ہوئے، اسی واسطے توحید میں ان کا

کلام بہت اونچا ہے،[1] شیخ اشرف سمنانیؒ کا قیام ردولی میں رہتا تھا، (جو ضلع بارہ بنکی کا مشہور قصبہ ہے) ایک بار کچھوچھہ (ضلع امبیڈکر یوپی) تشریف لائے اس زمانہ میں شیخ عبدالقدوسؒ کے والد ماجد شیخ اسماعیل سوا ماہ کے تھے، شیخ سیف الدین انکو سید صاحب کی خدمتِ مبارک میں لائے، سید صاحب نے ان کو پیار کیا اور فرمایا "یہ بھی میرا مرید ہے اس کو حق تعالیٰ ایک فرزند عطا فرمائے گا جو عالم کا قطب ہوگا" چنانچہ ایسا ہی ہوا سید اشرف سمنانیؒ ۲ر محرم الحرام ۸۰۸ھ میں واصل بحق ہوئے اور کچھوچھہ میں ہی محو استراحت ہیں۔ (تذکرہ اولیاء ہند رص ۱۸۲ رج ۲ر) آجکل حضرت کا مزار بھی خوب بدعت وشرک کا مرکز بنا ہوا ہے، اللہ پاک لوگوں کو ہدایت نصیب فرمائے، آمین۔

(۲) شیخ المشائخ مخدوم العالم احمد عبدالحقؒ کی بشارت

لطائف قدوسی رص ۴ر میں ہے کہ شیخ اسماعیل والد ماجد شیخ عبدالقدوسؒ اپنی صغر سنی کے دور میں بچوں کے ساتھ کھیلتے کھیلتے حضرت مخدوم العالم، صاحب الکشف والکمالات شیخ احمد عبدالحق ردولوی رحمہ اللہ کی خانقاہ پہنچ گئے، انہوں نے خانقاہ کے کسی دریچے سے حضرت مخدوم العالمؒ کی زیارت کی، جب شیخ اسماعیل کی نوبت آئی تو حضرت مخدوم العالمؒ نے شیخ اسماعیل کو اندر طلب فرمایا اور ان کو اپنے سامنے بٹھلایا، ان کی پشت کو بوسہ دیا اور فرمایا کہ اس بچہ کی پشت میں ایک لڑکا میں نے دیکھ لیا جو کہ اپنے دور کا قطب ہوگا اور اس کا تمام تر رجوع ہماری طرف ہوگا اور ہمارے خلفاء میں سے ہوگا اور ہماری نعمت اس کو پہونچے گی، چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جب آپ دنیا میں تشریف لائے اور بڑے ہوئے تو آپ نے تمام تر رجوع روحانیت میں شیخ احمد عبدالحقؒ کی

---

[1] صاحب نزہۃ الخواطر کہتے ہیں کان عالماً کبیراً عارفاً مسفاراً لم یتزوج ولم یزل یسافر ویدرک المشائخ ویأخذ (عنهم) منهم الشیخ بهاء الدین محمد النقشبندی البخاری اخذ عنه الطریقة النقشبندیة، صاحب التصانیف الکثیرة منها (بشارة الذاکرین) حجة الذاکرین الفتاوی الاشرفیة (نزہۃ الخواطر رص ۲۶ رج ۳ر)۔

طرف ہی فرمایا اور فیضِ روحانیت حضرت احمد عبدالحقؒ ہی سے حاصل کرتے رہے حتی کہ انہوں نے ہی تکمیل کرائی جیسا کہ آئندہ سطور میں آپ ملاحظہ کرلیں گے۔

ذکرِ ولادت باسعادت

کس مست کے آنے کی آرزو ہے — کہ ساقی لئے ساغر مشک وبو ہے

آپ کا اصل آبائی وطن ردولی ہے، اس مبارک قصبہ میں ولادت وظہور کا مبارک ومسعود اور مقدس وقت بھی آپہونچا جس کے لئے فضائے روحانی، ماحولِ عرفانی بے چین تھی جس مولود کا خیر مقدم کرنے کے لئے عزم وثبات، توکل ورضاء، اطاعت وعبادت، صبر وقناعت، تواضع وانکساری، فقیری وفاقہ مستی، خودداری وغیرت، عزلت وخلوت، صدق وصفا، تقویٰ وطہارت، شرافت وکرامت، عشق ومعرفت، اتباعِ حق، تقلیدِ سنت، پیرویٔ شریعت جیسے اوصاف بڑے اضطراب کے ساتھ منتظر تھے، الغرض اسی قصبہ ردولی میں یہ آفتابِ ولایت ۸۶۰ھ میں طلوع ہوا، جس نے اپنی نورانی کرنوں سے ایک عالم کو منور کیا جس نے اپنی مہک عنبر وشامہ سے معمورۂ عالم کو معطر وخوشبو دار کیا، جس کے روحانی فیض نے مردہ قلوب کو حیاتِ جاودانی کا ازسرنو پیغام بخشا، جس نے ہر ہر امر میں صفائی باطن کے ساتھ اتباعِ سنت، تقلیدِ شریعت کا درس دیا، جس نے خلوص وللٰہیت کا سبق پڑھایا، جس نے انقطاع عن دار الغرور اور انابت الی دار الخلود کی تعلیم دی۔ شروع ہی سے شیخ علیہ الرحمہ میں آثارِ ولایت نمایاں تھے

مردِ حقانی کی پیشانی کا نور — کب چھپا رہتا ہے پیش ذی شعور

معاصی سے تنفر اور عبادات کا شوق آپ کی فطرت میں ودیعت رکھا گیا تھا، صاحبِ ''معارج الولایت'' لکھتے ہیں کہ آپ مادرزاد ولی تھے، بچپن ہی سے سچے انسان تھے (تاریخ الاولیاء)

عہدِ طفولیت

کچھ بڑے ہوئے تو علوم ظاہر یہ کی طرف متوجہ کرائے گئے، ابتدائی صرف ونحو کی کتب اس دور کے ایک بڑے عالم شیخ ملا فتح اللہؒ سے پڑھیں، ایک روز حضرت کے والد شیخ اسماعیل نے صاحبزادگان سے فرمایا کہ تم لکھنا پڑھنا سیکھو، سب تعمیلِ حکم میں مشغول ہو گئے، مگر حضرت کی طبیعت کا میلان اس طرف زیادہ نہیں ہوتا تھا، حضرت والد ماجدؒ پوری کوشش میں لگے ہوئے تھے کہ آپ ظاہری علوم کی تحصیل میں لگ جائیں، مگر شیخ نے ایک دن جواب دیا کہ ''اکثر لکھنے پڑھنے والے چور دغاباز ہوتے ہیں'' اس کے بعد آپ سے تعرض نہیں کیا، بعد میں لکھنے پڑھنے کی طرف متوجہ ہوئے اور کتابت وخوش نویسی میں کمال پیدا کیا، چنانچہ ایسا عمدہ لکھتے تھے کہ اچھے اچھے کاتب ایسا لکھنے پر قادر نہ تھے۔

چنانچہ حضرت قدس سرہ کے دستِ مبارک کا تحریر کردہ ایک کافیہ کا نسخہ ہی دیکھ لیجئے کہ کس قدر خوش خط ہے، جس کو حضرت نے اپنے صاحبزادگان کے لئے تحریر فرمایا تھا، اس میں متن کے ساتھ ساتھ حاشیہ اور بین السطور مکمل طور پر موجود ہے، اور لطف کی بات یہ ہے کہ الحمدللہ نہ لکھنے کا اعتراض جو صاحبِ کافیہ پر کتاب کے شروع میں کیا جاتا ہے، اس کے پندرہ جواب موجود ہیں، حکیم قریش احمد صاحب مرحوم [1] نے اپنی کرم فرمائیوں سے راقم السطور کو اس کی زیارت سے مشرف فرمایا تھا جزاہ اللہ فی الدارین خیرا۔

---

[1] حکیم قریش مرحوم ومغفور حضرت شیخ عبدالقدوس صاحبؒ کے خاندان کے چشم وچراغ تھے، صاحبِ حال وقال نیک صالح آدمی تھے اور اپنے خاندانی سلسلہ میں بزرگوں سے جو امانت خلافت کی چلی آرہی تھی اس کے امین بھی تھے باقی حالات آئندہ مستقل آرہے ہیں۔

ابتدائی تعلیم کے دوران حضرت پر روحانیت کا اس درجہ استیلاء وغلبہ ہوا کہ تعلیم ظاہری کو خیر باد کہہ کر شیخ المشائخ برہان الواصلین ،تاج الاولیاء والاتقیاء، فخر الصلحاء والفقراء شیخ احمد عبد الحقؒ کے روضہ پر حاضری دی اور مستقل طور پر وہاں رہ کر ریاضت ومجاہدہ، شغلِ باطنی ومراقبہ شروع کر دیا، اتفاقاً ایک روز کتاب کا خیال آیا اور کافیہ لیکر روضہ میں داخل ہوئے کہ وہاں مطالعہ کریں، مطالعہ کرتے کرتے مراقبۂ حق میں لگ گئے، تو اپنے اندر سے ’’حق حق‘‘ کی آواز سنائی دی، آواز اتنی عجیب وغریب تھی کہ مست و بے خود ہو گئے ،اس عالم میں عجیب علوم ومعارف کا انکشاف ہوا، اسی میں سے ایک بات یہ تھی کہ ظاہری علوم حجابِ اکبر ہے، اصل کام میں مشغول ہو جاؤ! بس اب کیا تھا کہ حضرت نے تعلیم بالکلیہ ترک فرمادی اور ہمہ تن شیخ مخدوم العالم علیہ الرحمہ کے مزار پر رہتے تھے اور استفادۂ باطنی فرماتے تھے، یعنی ذکر وفکر، مراقبۂ حق تعالیٰ اور اس جگہ خلوت گاہ کے طور پر رہتے تھے، یہ مطلب نہیں کہ ان سے جہّال کی طرح سوالات کرتے ہوں اور انہیں کو سب کچھ سمجھتے ہوں، یہ سب ممنوع اور شرک ہے۔

الغرض اس حال میں کافی عرصہ گزر گیا، متعلقین کو علومِ ظاہریہ کی عدمِ تکمیل کا حد درجہ افسوس تھا، حتی کہ والدہ محترمہ کی زبان پر گریہ طاری ہو کر یہ کلمات آ گئے کہ افسوس صد افسوس! اگر یہ پڑھتا تو بڑا عالم، فاضل بن جاتا، بہت سمجھایا حتی کہ پریشان ہو کر والدہ ماجدہ نے آپ کے ماموں قاضی دانیال صاحب سے شکایت کی، شیخ دانیال نے جو قصبہ ردولی کے حاکم تھے، بڑے صاحبِ کمال بزرگ تھے، بھانجے کو طلب کیا اور فرمایا کہ تم کیوں نہیں پڑھتے جلد اپنا عذر پیش کرو وجہ بتاؤ؟۔

شیخ علیہ الرحمہ نے فرمایا ’’الخیر لایؤخر‘‘ خیر میں کیا تاخیر، چونکہ عذر پیش کرنا

بھی کارِ خیر ہے اس میں بھی تاخیر نہ ہوگی، اسی وقت مشیت ربانی سے ایک عورت پہنچی اور اس نے چند اشعار پڑھے، جن کو سن کر شیخ عالمِ سُکر و مستی ، حال وجدِ صادق میں پہنچ گئے اور حالت متغیر ہوگئی، یہ دیکھ کر قاضی دانیال سمجھ گئے اور فرمایا کہ تمہارے فرزند کو دوسری طرح کا معلم درکار ہے، تم کچھ فکر و اندیشہ نہ کرو، اس کے بعد انہوں نے آپ کو مجبور نہیں کیا۔

غالبًا بعد میں حضرت اقدسؒ کو دوبارہ علومِ ظاہری کی طرف توجہ ہوئی اور آپ نے فرمایا کہ علوم ظاہریہ کے بغیر طعامِ تصوف لذیذ نہیں ہوسکتا ہے، اس لئے دوبارہ تحصیلِ علوم کی طرف رخ فرمایا، چنانچہ تحصیلِ علوم میں اس درجہ انہماک ہوا کہ تمام دن علوم ظاہریہ میں اشتغال رہتا تھا اور پوری رات عبادت و مجاہدہ، ذکر اللہ اور یادِ حق میں مشغول رہتے۔

تَرَکْتُ النَّومَ رَبِّی فِی اللَّیَالِی   لِاَجْلِ رِضَاکَ یَامَوْلَی الْمَوَالِی

فَوَفِّقْنِی اِلیٰ تَحْصِیْلِ عِلْمٍ   وَبَلِّغْنِی اِلیٰ اَقْصَی الْمَعَالِی

ترجمہ: تیری رضامندی کے حصول کے لئے آقاؤں کے آقا میں نے اپنی نیند قربان کردی، لہٰذا مجھے علم دین عطا فرمادیجئے اور بلندیوں کی انتہا پر پہنچادیجئے۔

ان حالات کا مولانا رکن الدینؒ نے لطیفہ نمبر ۷/ص ۵/ میں ذکر کیا ہے، حق سبحانہ وتعالیٰ نے اس محنت وشوق، جذبہ و ذوق کی برکت سے ابوابِ علوم لدنیہ واکتسابیہ، معارف الٰہیہ اور حقائق ربانیہ کے دروازے مفتوح کردیئے۔

طالبِ علمی کے ایام میں علم صرف میں ایک رسالہ لکھا، جس کا نام لطائف قدوسی میں ''بحر الانشعاب'' لکھا ہے، جس کا تذکرہ تصانیف ذیل میں آرہا ہے۔

سچ کہا ہے حضرت امام شافعیؒ نے۔

اَلْجِدُّ یُدْنِی کُلَّ اَمْرٍ شَاسِعٍ   وَالْجِدُّ یَفْتَحُ کُلَّ بَابٍ مُغْلَقٍ

واحقُّ خَلْقِ اللّٰہ بِالْهَمّ امْرءٌ ذُوهِمَّةٍ يُبْلَىٰ بِعَيْشٍ ضَيّقٍ

ترجمہ: محنت وکوشش ہر دُور و مشکل کو آسان وقریب کر دیتی ہے اور ہر بند دروازہ کو کھول دیتی ہے، اللہ کی مخلوق میں اہم کاموں کے لائق وہ ہمت والا انسان ہے جو تنگ دستی میں محنت کرتا ہے اور ارتقائی منازل طے کرتا ہے۔

سلوک اور روحانیت کی پہلی منزل

اللہ رب العزت نے شیخ علیہ الرحمہ میں بہت سے کمالات واوصاف ودیعت رکھے تھے، بچپن ہی سے آپ کی پیشانی سے آثارِ تقدس وبزرگی، علاماتِ تقویٰ وپرہیزگاری نمایاں اور انوارِ معرفت وولایت تاباں تھے، جو بڑے زور سے اس امر کی شہادت دیتے تھے کہ یہ ہلال عنقریب اقطابِ عالم پر بدر بن کر چمکے گا، سلوک وتصوف، تزکیۂ نفس، نفسِ امارہ کو نفسِ مطمئنہ بنانے کے واسطے، جیسا کہ دستور ہے۔

آپ نے اپنا دستِ مبارک شیخ مخدوم العالم رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے شیخ محمدؒ کے دستِ اقدس میں دیا، اگر چہ شروع شروع میں آپ کو ان سے بیعت میں تذبذب تھا، ایک تو اس لئے کہ وہ آپ کے ہم عمر تھے بلکہ عمر میں کچھ چھوٹے تھے، دوسرے اس وجہ سے کہ رشتہ داری کا تعلق بھی تھا، اس واسطے بعض دفعہ ارادہ کہیں اور بیعت کا ہوتا تھا، مگر شیخ عبدالحقؒ نے خرقِ عادت کے طور پر ظاہر ہوکر حضرت شیخ محمد علیہ الرحمہ سے بیعت ہونے کا حکم فرمایا، جس کا ترک اور اس سے حکم عدولی اب موصوف کے لئے ہرگز ممکن نہیں تھی، اس واسطے انہی سے بیعت ہو گئے۔ جسکی تفصیل اس طرح ہے۔

ظہورِ روحانی

''انوار العیون'' میں جو خود شیخ عبدالقدوس علیہ الرحمہ کی تصنیف ہے، لکھا ہے کہ پنجشنبہ کے دن مجمع عام تھا، ایک جمِ غفیر حضرت شیخ احمد عبدالحقؒ کے روضہ کی زیارت کے لئے جمع تھا، اور بندہ چبوترے کے نیچے بیٹھے ہوئے محوِ مراقبہ تھا، مجھے ایسا محسوس ہوا کہ مزار شق ہوا اور شیخ احمد عبدالحقؒ مزار سے باہر نکلے اور ہاتھ پکڑ کر فرمایا:

مرا زندہ پندار چوں خویشتن　　　من آیم بجان گر تو آئی بہ تن

مجھکو اپنی ہی طرح زندہ سمجھو، اگر تم بدن سے آؤ گے تو میں روح اور جان سے حاضر ہونگا۔

یہ دیکھ کر مجھ پر غشی طاری ہوگئی، دستِ اقدس پھیرا اور تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ ہم نے تم کو خدا تک پہنچا دیا اور یہ قصہ شیخ احمد عبدالحقؒ کے انتقال کے کافی عرصہ بعد کا ہے۔

عالمِ روحانیت میں ظہور دوسرے بزرگوں کے بارے میں بھی ملتا ہے، چنانچہ ''فتاویٰ رحیمیہ'' میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے والد بزرگوار حضرت اقدس شاہ عبدالرحیم صاحب رحمہ اللہ کے متعلق لکھا ہے، کہ آپ پر ایک بار حال طاری تھا اور حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمہ کے یہ اشعار:

جز یادِ دوست ہر چہ کنی عمر ضائع است　　　جز سرِّ عشق ہر چہ بخوانی بطالت است

سعدی بشوئے لوح دل از نقش غیرِ حق

پڑھتے جاتے اور اگلا مصرعہ یاد نہ آنے کی وجہ سے قبض طاری تھا، پریشان تھے، دفعتہً ایسا محسوس ہوا کہ ایک بزرگ ظاہر ہوئے اور فرمارہے ہیں:

علمے کہ راہِ حق نہ نماید جہالت است

یہ سنکر انتہائی فرحت وسرور حاصل ہوا اور طبیعت میں انبساط پیدا ہوگیا، معلوم کیا کہ حضرت آپ کون ہیں؟ فرمایا کہ بندے کو ہی سعدی کہتے ہیں، حالانکہ حضرت شیخ سعدیؒ کے انتقال کو طویل وقت گزر چکا تھا[1]۔

ان اشعار کا ترجمہ:

اللہ کی یاد کے علاوہ جو کچھ کروگے عمر ضائع ہوگی، عشق الٰہی کے اسرار کے علاوہ جو کچھ پڑھوگے بیکار ہے، اے سعدی! دل کی تختی کو غیر اللہ کے نقش سے پاک وصاف کر، اور وہ علم جو راہ حق نہ دکھائے جہالت ہے۔

اگرچہ باطنی طور پر تکمیل شیخ احمد عبدالحقؒ کی روحانیت سے ہوئی، جیسا کہ مشائخ چشت میں رص ۱۹۳ رمیں حضرت شیخ زکریاؒ لکھتے ہیں: چنانچہ حضرت نے اپنی کتاب ''انوار العیون'' میں تحریر فرمایا ہے کہ حضرت احمد عبدالحقؒ کے منجملہ اور تصرفات کے ایک یہ بھی ہے کہ اپنے وصال سے پچاس سال بعد اس ناچیز کی اپنے روحانی فیض سے تربیت فرمائی، مگر ظاہری طور پر ربط وتعلق کسی بزرگ سے ضروری ہے، اسلئے کہ وہ ہی بتا سکتا ہے کہ باطنی معاملہ کس حد تک صحیح اور درست ہو رہا ہے اور کس حد تک اس میں کمی ہے، اس لئے شیخ محمدؒ سے بیعت ہوئے، جس کے لئے بڑے حضرت کا بھی اشارہ تھا،

---

[1] اللہ پاک ہی اس قسم کے واقعات کی حقیقت زیادہ جانتے ہیں جن حضرات کو برزخی حیات عطا ہوتی ہے شہداء وغیرہ ان کی ارواح کا ظہور شاذ ونادر کبھی کبھی ہو جاتا ہے عمومی طور پر نہیں ہوتا کہ یہ قانون الٰہی کے خلاف ہے اور ایک طبقہ اس کا بھی انکار کرتا ہے کہ کبھی بھی نہیں ہوتا، اگر ہوتا تو انبیاءؑ کا ہوتا کیونکہ ان کی حیات برزخی سب سے قوی تر ہے اور ان سے ہدایت کا معاملہ زیادہ متعلق ہے اور یہ ارواح کا ظہور نہیں بلکہ ایک احساسی معاملہ ہوتا ہے اور بعض لوگوں نے شیخ کے اس قصہ کو اسی ظاہری جسم کے ساتھ ظہور کا معاملہ قرار دیا ہے جس کو لیکر بہت سے شکوک وشبہات پیدا ہوتے ہیں جن کے ازالہ کیلئے صاحب سیرت قدوسیہ نے کوشش کی ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

اس طرح سے دونوں ہی شیخ ہو گئے، اسلئے یہاں دونوں حضرات کے احوال مختصر طور پر لکھے جاتے ہیں اولاً شیخ محمدؒ کے احوال پڑھیے۔

تذکرہ شیخ محمد رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شیخ احمد عبد الحقؒ کے پوتے شیخ محمدؒ بھی اپنے والد ماجد شیخ عارفؒ کی اور جد محترم شیخ عبد الحقؒ کی طرح آسمانِ ولایت کے درخشندہ کوکب تھے، اتقاء و پرہیز گاری کے امام تھے، بڑے صاحب کمالات انسان تھے، استغراق ومحویت میں رہتے تھے اور کرامات کثرت کے ساتھ ان سے صادر ہوتی تھیں، حضرت شیخ محمدؒ سخاوت میں مشہور تھے، ایک دن ایک زمیندار آیا اور تھوڑا سا غلہ رکھ کر چلا گیا، حضرت شیخ محمدؒ نے اس میں سے ایک لوٹا بھر کر ایک ضعیفہ کو دیدیا جب تک وہ ضعیفہ حیات رہی برابر اس میں سے کھاتی رہی کبھی ختم نہ ہوا، حتی کہ انتقال کرگئی، یہ شیخ کی برکت تھی۔

لطائفِ قدوسی میں ہے کہ اخیر عمر میں جب شیخ محمدؒ کو مرضِ موت لاحق ہوا اس وقت آپ نے اپنے فرزند کلاں شیخ بدھ کو یاد فرمایا، حاضرین نے بتایا کہ وہ تو شیخ عبد القدوس صاحبؒ کے پاس گئے ہوئے ہیں، کہ ایک دم شیخ کی روحانیت شیخ عبد القدوسؒ پر متوجہ ہوئی اور حکم دیا کہ فوراً شیخ بدھ کو لے کر میرے پاس پہونچو! حکم کی تعمیل میں فوراً روانہ ہوئے، جب ردولی پہنچے تو شیخ محمدؒ بالکل قریب الوصال تھے، اس وقت فرمایا کہ سبحان اللہ! فہم کردم فہم کردم (سمجھ گیا سمجھ گیا) شیخ عبد القدوسؒ نے عرض کیا کہ حضرت کیا مردانِ خدا کی ہوشیاری کا وقت ہے؟ فرمایا الحمد للہ سوائے ذاتِ حق کے کوئی چیز دل میں نہیں سماتی، توحیدِ مطلق حاصل ہوگئی جس کیلئے زندگی بھر محنت ومجاہدہ کیا تھا اور پھر اچھی طرح اٹھے اور خرقۂ خلافت اور جملہ امانات پیرانِ طریقت کی، مع اسم اعظم شیخ عبد القدوسؒ کو مرحمت فرمایا اور اپنا جانشین مقرر فرمایا۔

شیخ عبدالقدوسؒ نے عرض کیا کہ حضرت سے مفارقت کیسے برداشت ہوگی اور یہاں کیسے رہا جائے گا؟ فرمایا کہ تجھ کو کچھ اندیشہ وفکر نہیں کرنا چاہیئے، تو بلاشبہ اولیاء اللہ کے گروہ میں سے ہے، تو میری جگہ ہے، تو جہاں رہے گا میری دعائیں تیرے ساتھ رہیں گی، اور مزید فرمایا کہ میں اپنے فرزند کو تمہارے سپرد کرتا ہوں جب تم اپنے وطن واپس ہونے لگو تو اسرارِ باطنی سے اس کو آگاہ کردینا اور مشائخِ چشتیہ کی امانات سے نواز دینا تاکہ یہ میری جگہ سنبھال لے، یہ وصیت فرما کر ۸۹۸ھ مطابق ۱۴۹۳ء کو شیخ محمدؒ کی زبان مبارک سے ''حق حق'' نکلا اور واصل بحق ہوکر جان جان آفریں کے حوالے فرمائی انا للہ و انا الیہ راجعون۔

اوراس طرح ؎ مدتوں کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا

شیخ محمدؒ روحانیت کے بادشاہ تھے، ان کا کمال سمجھنے کے واسطے یہ ہی کافی ہے کہ شیخ عبدالقدوسؒ جیسے عظیم المرتبہ انسان نے مرید بن کر ان سے فیوض روحانیت حاصل کئے اور کمالات پر فائز ہوئے، انکے حالات ''تاریخ مشائخ چشت'' میں بھی ذکر کئے گئے ہیں۔

تذکرہ شیخ احمد عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ

اب شیخ عبدالقدوسؒ کے روحانیت کے مرجع وماٗوی، اس کمال عظیم کے حصول میں ان کے اصلی مربی ومرشد حضرت شیخ مخدوم العالم احمد عبدالحقؒ ردولوی کے مختصر حالات بھی ملاحظہ کرتے چلیئے، ان کے تفصیلی حالات اگر دیکھنے ہوں تو خود شیخ عبدالقدوسؒ کی تصنیف ''انوار العیون'' کو دیکھئے! جو شیخ احمد عبدالحقؒ کے حالات سے بھری ہوئی ہے۔

مؤلف نے بڑی عمدگی اور محبت کے ساتھ شیخ احمد عبدالحقؒ کے حالات اور کشف وکرامات کو ذکر فرمایا ہے۔

نام ونسب

شیخ کا اصل نام احمد تھا مگر کلمۂ حق کا اس قدر تکرار رہتا کہ ہمہ وقت زبان سے حق نکلتا تھا، اس وجہ سے عبدالحق پکارے گئے اور اسی نام سے شہرت پائی۔

فخر المحدثین، امام العلماء والصوفیاء شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اخبار الاخیار رص ۲۷۰ میں فرماتے ہیں کہ شیخ احمد عبدالحقؒ شیخ جلال الدین پانی پتی کے مرید تھے درویش اور صاحب عشق واستغراق تھے، خرق عادات وکرامات ان سے بہت ظاہر ہوتی تھیں، صاحب ذوق وفکر، جذب قوی، نظر مؤثر اور تصرف غالب رکھتے تھے۔

ولادت باسعادت

شیخ احمد عبدالحقؒ کی ولادت باسعادت ۲۹۷ھ میں قصبہ ردولی میں ہوئی اور مزار بھی وہیں ہے، یہ سن کر انتہائی قلق وافسوس ہوا کہ آج کل لوگوں نے صاحب مزار کو معبود بنالیا ہے کوئی رکوع، کوئی سجدہ، کوئی طواف اور کوئی منتیں مانگتا ہے، ان سب بدعات سے یہ حضرات اکابر پاک تھے، خود بھی اللہ والے تھے اور دوسروں کو بھی اللہ وحدہ لاشریک کی وحدانیت ومحبت سکھاتے تھے، ان بدعات وخرافات کی ان بزرگوں نے کبھی تعلیم نہیں دی یہ سب شرک وکفر والے اعمال ہیں، اللہ پاک فہمِ سلیم، عقل کامل عطا فرمائے! آمین۔

شیخ احمد عبدالحق ردولویؒ کے چند واقعات

سات برس کی عمر میں تہجد

شیخ احمد عبدالحقؒ کی عمر مبارک جب سات سال تھی تو آپ کی والدہ ماجدہ جو مستقل طور پر تہجد پڑھتی تھیں، ان کے پاس سے چپکے چپکے خود بھی اٹھتے اور نماز تہجد ادا

فرماتے کہ والدہ کو خبر نہ ہوتی تھی، ایک بار اسی طرح نماز ادا فرما رہے تھے کہ والدہ محترمہؒ کو خبر ہوگئی، شفقت ومحبت میں والدہ نے اس سے منع فرمایا کہ ابھی تمہاری عمر نہیں ہے بعد میں کر لینا، مگر خدا کے عشق ومحبت کی کیفیت آپ پر غالب تھی آپ نے خیال کیا یہ والدہ روحانی ترقی میں حارج بن گئیں لہذا مجھ کو راہ خدا میں گھر بار ترک کر کے نکل جانا چاہئے، چنانچہ دس برس عمر تھی کہ سفر اختیار فرمایا، ایک بھائی حضرت شیخ احمد عبدالحقؒ کے اس دور میں دہلی میں مقیم تھے جن کا نام شیخ تقی الدین تھا، وہ بڑے اونچے درجے کے عالم اور دانشمند تھے ان کی خدمت میں آ گئے اور تعلیم کا قصد کیا، شیخ تقی الدینؒ نے ان کو علوم ظاہری کا درس دینا شروع کیا مگر شیخ احمد عبدالحقؒ نے فرمایا مجھکو معرفتِ خداوندی کا علم پڑھایئے مجھکو اس سے کوئی واسطہ نہیں ہے، تقی الدینؒ پریشان ہو کر دہلی کے دیگر علماء کے پاس ان کو لے گئے تا کہ وہ ان کو سمجھائیں، شیخ تقی الدینؒ نے یہ بات ان حضرات کو بتائی کہ یہ طالب علم جو میرا ہی بھائی ہے میں اس کو پڑھانا شروع کرتا ہوں تو یہ مجھ کو رنج وتکلیف میں مبتلا کرتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ مجھے معرفت کا علم پڑھایئے، شاید آپ حضرات کی نصیحت اس پر کچھ اثر کرے۔ بعض علماء یہ دیکھ کر علمِ صرف کا ایک رسالہ لائے اور ان سے کہا پڑھو تو اس پر پھر انہوں نے کہا مجھے اس سے کیا واسطہ ہے؟ معرفت کا علم پڑھایئے، سب لوگ اس پر حیران تھے بالآخر شیخ احمد عبدالحقؒ بھائی کو چھوڑ کر کہیں اور چلے گئے کہ مقصود یہاں پورا نہ ہوگا (اخبار الاخیار رص ۲۷۰)۔

لطیفہ

ایک بار بھائی نے علمِ نحو کی کتاب شروع کرائی اس میں ضرب زید عمرواً آیا، بھائی

صاحب سے جو استاذ صاحب تھے معلوم کیا کہ واقعی مارا ہے تو ظلم ہے، خطا ہے اور فرضی مثال ہے تو کذب و بہتان ہے، میں ایسی کتاب نہیں پڑھتا جس میں ظلم اور جھوٹ کی تعلیم ہو۔

قصہ نکاح

مخدوم العالم احمد عبدالحقؒ کے بھائی شیخ تقی الدینؒ نے چاہا کہ ان کی شادی کریں، چنانچہ انہوں نے انکا رشتہ بھی کر دیا، شیخ احمد عبدالحقؒ کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو لڑکی والوں کے پاس کہلا بھیجا کہ جس لڑکے سے تم نے اپنی لڑکی کا رشتہ کیا ہے وہ نامرد ہے اس کو اپنی لڑکی نہ دیں، شیخ علیہ الرحمہ کی مراد یہ تھی کہ مکمل اللہ والا نہیں ہے لہذا کامل مرد کہاں، گویا نامرد ہے۔

خلق اطفال اند جز مست خدا نیست بالغ جز رہیدہ از ہوا

ساری مخلوق اطفال ہیں، نابالغ ہیں، سوائے خدا کے دیوانہ کے، اور کوئی اس وقت تک بالغ نہیں ہوسکتا ہے جب تک کہ اپنے نفس کی خواہشات سے رہائی نہ پالے، اپنی خواہشات پر غالب نہ ہو جائے، جب تک نفس سے مغلوب ہے کہ جو جی چاہے کر لیا اور اللہ کا فرمان توڑ ڈالا تب تک وہ بالغ نہیں ہے، اسی واسطے مولانا رومیؒ فرماتے ہیں:

تا ہوا تازہ است ایمان تازہ نیست کہ ہوا جز قفل آں دروازہ نیست

جب تک خواہشات زندہ اور تازہ ہیں ایمان زندہ و تازہ نہیں ہوسکتا کہ اس کے دروازہ کا تالا ہی خواہشات ہیں، انمیں گرفتار ہوا تو تباہ و برباد ہو جائے گا۔

شیخ علیہ الرحمہ کی مراد یقیناً یہی تھی مگر ظاہری معنی مراد لیکر انہوں نے رشتہ ہٹا لیا شیخ احمد عبدالحقؒ کا مقصد یہ تھا کہ ابھی مزید ریاضت و مجاہدہ و تزکیۂ نفس کر لوں پھر نکاح کروں گا ورنہ اس میں خلل واقع ہو جائے گا، اس لئے شیخ احمد عبدالحقؒ نے منع فرمایا بعد میں اتباعِ سنت میں نکاح فرمایا اور بڑے بڑے صلحاء، اولیاء اللہ شیخ کی اولاد میں پیدا ہوئے، یہ اسی کا ثمرہ تھا۔

سات اذانیں

ایک بار شیخ مخدوم العالم احمد عبدالحقؒ دورانِ سفر ایک مسجد میں پہنچے، جمعہ کی شب تھی، اس محلّہ میں مسلمانوں کا دستور یہ تھا کہ سات اذانیں کہا کرتے تھے انہوں نے اس کی وجہ معلوم کی کہ اس تکرار سے کیا مقصد ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ ہم نے سنا ہے کہ اگر شبِ جمعہ کے اندر سات اذانیں دی جائیں تو خدا تعالیٰ اس شہر سے بلائیں اٹھا دیتا ہے، شیخ نے فرمایا جو کوئی شخص خدا کی پرستش کرے اور پھر وہ اس کی بلاؤں سے بھاگے تو وہ پھر اپنا بندہ ہے خدا کا بندہ نہیں ہے۔

نیز فقہی طور پر بھی سات اذانوں کا کوئی ثبوت نہیں ہے، البتہ دفعِ بلایا کے لئے دعائیں کرنا رسولِ پاک ﷺ سے بیشک ثابت ہے۔

اگر چہ شریعت مطہرہ کے نزدیک مصائب وشدائد سے حفاظت کرنا اور اس کی دعا مانگنا نہ صرف جائز بلکہ مامور ہے، لیکن احوال الگ الگ ہیں، بعض حضراتِ اہل اللہ عارفینِ حق کی نظر بہت بلند پرواز ہوتی ہے وہ انسان کو دوسرے مقاماتِ محمودہ عالیہ کی بھی سیر کرانا چاہتے ہیں اور یہ مقام ہے مقام صبر ورضاء، مولیٰ کریم کی رحمت دو قسم پر ہے: ایک وہ کہ ظاہر میں اس کا رحمت ہونا ہر شخص کی فہم میں آتا ہے اور ایک بصورت مصیبت، دوسری تعبیر یوں کر لی جائے کہ رحمت بصورت رحمت، رحمت بصورت زحمت ہے کہ اللہ سبحانہ وتقدس رحیم وکریم ہونے کے ساتھ ساتھ حکیم بھی ہیں، تو مصائب حکمت اور انسانی مصالح سے کیوں کر خالی ہو سکتے ہیں اور وہ کیونکر اس کی رحمت کے خلاف ہوں گے، یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ بیماری کی صورت میں والد اپنی اولاد کی تھوڑی پریشانی جس سے کہ بڑی پریشانی دور ہو جائے بخوشی برداشت کر لیتا ہے، ایسا ہی حال حضرات اہل اللہ کا ہے

کہ وہ مصائبِ ظاہریہ کو آفاتِ اخرویہ سے نجات کا ذریعہ گمان کرتے ہیں، حدیث شریف میں ہے عن ابی ھریرۃؓ قال قال رسول اللہ ﷺ مایزال البلاء بالمؤمن والمؤمنۃ فی نفسہ وولدہ حتی یلقی اللہ وماعلیہ خطیئۃٌ (ترمذی ج۲ ص۶۵) یعنی مؤمن اور مؤمنہ کو جو بلائیں اس کی جان، اولاد، مال میں آتی ہیں وہ سب گناہ کو ختم کردیتی ہیں یہاں تک کہ جب اللہ پاک سے ملاقات کرے گا تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہوگا۔

میرے حضرت شیخ العارفین حضرت اقدس مولانا شاہ محمد احمد صاحب پرتاپگڈھی رحمۃ اللہ علیہ ''عرفانِ محبت'' میں فرماتے ہیں۔

ہر حال میں اللہ کی مرضی پہ ہو راضی　　تو دنیا ہی میں رہ کر جنت کا مزہ دیکھ

عارفین کو مصائب وشدائد میں وہ لذت نصیب ہوجاتی ہے جو اوروں کو لذائذ میں نصیب نہیں ہوتی۔

ہر چہ از دوست می رسد نیکو است

جو کچھ دوست کی طرف سے پہنچتا ہے بہتر ہے۔

اگرچہ بظاہر وہ اندوہگیں بھی نظر آئیں مگر تب بھی نہ صرف مسرور بلکہ شرابِ محبت کے نشہ میں مخمور رہتے ہیں، شیخ ومحبوب حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحبؒ فرماتے ہیں ؎

بظاہر دیکھتے ہیں آپ یوں اندوہگیں مجھ کو　　بحمد اللہ میں مسرور ہوں مخمور ہوں ہردم

دوست کی جانب سے جو پہنچے بلا　　وہ بلا ہرگز نہیں وہ ہے کرم

شیخ احمدؒ کا اپنے شیخ کی خدمت میں حاضری دینا اور شیخ کا امتحان لینا

جیسا کہ عرض کیا جاچکا ہے کہ شیخ احمد عبد الحق ردولوی کبیر الاولیاء شیخ جلال الدین پانی پتیؒ خلیفہ شیخ شمس الدین ترک پانی پتیؒ کی خدمت میں چلے، جو اپنے وقت کے مشائخ چشتیہ میں بڑے عظیم المرتبہ، عالی قدر ومنزلت اور صاحبِ کشف وکرامات بزرگ تھے، پانی

پت میں اس قطبِ زماں کا وجود باجود طالبینِ روحانیت کے لئے ایک عظیم وجلیل نعمت بنا ہوا تھا، ہزاروں افراد اس دکانِ معرفت سے اپنے اپنے ظرف کے مطابق مئے توحید، شرابِ معرفت، انوارِ الٰہیہ، علومِ روحانیہ اور معارفِ ربانیہ حاصل کرر ہے تھے، کہ شیخ احمدؒ کو اللہ تعالیٰ نے الہامِ غیبی کے ساتھ اس مرکز کی طرف متوجہ فرمایا، ادھر شیخ جلال الدین کبیرالاولیاء قدس سرہ پر آپ کی حاضری منکشف ہوگئی، شیخ جلال الدینؒ نے بغرض امتحان اپنے خدام کوحکم دیا کہ دسترخوان آج کا نہایت وسیع اور پرتکلف ہونا چاہیئے، مختلف اقسام وانواع کے کھانے، ہرقسم کی مشروبات ومطعومات لائی جائیں، حتی کہ بعض منہیات بھی دسترخوان پر رکھی جائیں اور چند عمدہ قسم کے گھوڑے زرّیں زینوں کے ساتھ آراستہ ومزین کرکے خانقاہ کے دروازہ پر باندھ دیئے جائیں، شیخ جلال الدینؒ کا حکم تھا سارے ہی انتظامات مکمل کر لئے گئے۔

شیخ عبدالحقؒ حاضر ہوئے خلاف توقع وامید دنیوی جاہ وجلال عیش وعشرت کے اسباب کروفر کا مشاہدہ ہوا، دل میں خیال آیا کہ اس شیخ کو ولایت وبزرگی سے کیا تعلق ہے یہ تو بالکل دنیا دار آدمی معلوم ہوتا ہے، دسترخوان اور یہ جملہ امور دیکھ کر بلا بیعت رخصت ہوکر چل دیئے، تمام دن چلتے رہے حتیٰ کہ شام ہوگئی، ایک شہر کے کنارے پر پہنچے، معلوم کیا کہ کون سا شہر ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ پانی پت ہے، سخت تعجب ہوا اور راستہ بھولنے کی کوئی وجہ نہ معلوم ہوئی، سخت متحیر تھے، دوسرے تیسرے دن بھی یہی صورت پیش آئی کہ دن بھر چلتے گذرتے پھر وہی پانی پت نظر آتا، ایک دن پریشانی میں ایک سفید ریش سے ملاقات ہوئی اس سے راستہ معلوم کیا، اس نے جواب دیا کہ تم راستہ شیخ جلال الدین کے یہاں گم کر آئے ہو، متحیر ہوئے آگے چلے تو دو شخص ملے ان سے راستہ معلوم کیا انہوں نے بھی یہی جواب دیا،

اب کیا تھا کہ حقیقت سے واقف ہو گئے پھر پختگیٔ اعتقاد کے ساتھ خانقاہ کا عزمِ مصمم کیا اور شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر بیعت ہوئے اور تھوڑے ہی دنوں میں ریاضت کے بعد اس دولت عظمیٰ خلافت وولایت سے آراستہ ہو گئے (تاریخ مشائخ چشت رص ۱۸۸)۔

شیخ احمد عبدالحقؒ کا استغراق

مخدوم العالم شیخ احمد عبدالحق قدس سرہ پر کثرتِ ذکر قلبی کی وجہ سے استغراق کا یہ عالم تھا کہ ماسوااللہ سے بالکل مستغنی ہو کر کمالِ فنائیت اور عبدیتِ تامہ پر فائز ہو چکے تھے جیسا کہ چند نمونے سابق میں پیش کیے گئے ہیں، محویت اس قدر تھی کہ ایک زمانۂ دراز تک جامع مسجد میں نماز ادا کرنے کے لئے جاتے تو خادم حضرت اقدس کا ''حق حق'' پکارتا ہوا آگے آگے چلتا تھا، اس طرح حضرت احمدؒ مسجد پہنچتے مگر اس سارے زمانے میں حضرت شیخ کو مسجد کا راستہ یاد نہ ہوا، ہمارے قریب کے اکابر میں اس طرح کا استغراق حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتویؒ سابق صدر مدرس دارالعلوم دیوبند پر کبھی کبھی طاری ہو جاتا تھا بقول حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت تھانویؒ کے ایک بار پرچہ کے آخر میں اپنا نام لکھنا چاہا مگر نام یاد نہ آیا کہ میرا نام کیا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ باتیں سن کر اور پڑھکر وہ لوگ تعجب کریں جو ہر وقت دنیا کی خرافات میں مشغول رہتے ہیں، لیکن خود دنیا میں مشغول رہنے والے ایسے بھی بہت سے ہیں کہ اپنے کاروبار اور دنیوی خرافات میں لگ کر بہت سی چیزیں ان کو یاد نہیں رہتی، اسی کا نام استغراق ہے، اگر اولیاء اللہ کو یادِ حق میں لگ کر دنیا و مافیہا سے غفلت ہو جائے تو یہ حیرت کی کونسی بات ہے؟ آپؒ ۱۷رجمادی الثانی ۸۳۷ھ مطابق ۱۴۳۴ء کو بعمر ۱۰۸رسال اپنے مولائے حقیقی سے جا ملے اور ردولی ہی میں مدفون ہیں۔

حضرت شیخ عبد القدوسؒ کا عقدِ مسنون

درمیان میں حضرت کے بعض مشائخ کا ذکر آ گیا تھا اب حضرت کے احوال کی طرف عود کرتے ہیں۔

حضرت شیخ قدس سرہ پر ابتدائے دور شباب ہی سے تبتل اور خلوت نشینی وانقطاع کا بے حد غلبہ تھا جس کی وجہ سے تفرید و تجرید اور نکاح سے علیحدگی پسند فرماتے تھے، نکاح کرنے کو اپنی عبادت وریاضت، مجاہدہ وکیفیاتِ روحانیہ میں حارج خیال فرماتے تھے، اور بھی بعض حضرات صوفیاء واہل اللہ کا یہ حال تھا، جیسا کہ شیخ احمد عبد الحقؒ کے حالات میں گزرا کہ وہ اپنے آپ کو شروع میں نکاح وغیرہ کے معاملات سے اس لئے دور رکھنا چاہتے تھے کہ پہلے ان کے اندر ذکر وفکر کی کیفیات، اللہ کے عشق ومحبت کے جذبات پورے طور پر راسخ ہو جائیں، بعد میں انہوں نے نکاح کیا، اسی طرح کی کچھ کیفیت شیخ کی تھی کہ آپ بھی یہی سمجھتے تھے پھر بعد میں اتباع سنت میں نکاح کیا، کیونکہ اگر عشقِ الٰہی کا تقاضہ وہ ہے تو عشق محمد ﷺ کا تقاضہ یہ ہے کہ راہِ عشق میں محبوبِ خدا ﷺ کو کامل اسوہ اور نمونۂ عمل بنایا جائے اور اپنی طبیعت پر اس کو مقدم رکھا جائے کہ معیارِ محبت وقبولیت یہی ہے اور یہی ساری غوثیت اور قطبیت ہے

خلافِ پیمبر کسے راہ گزید! — کہ ہرگز بمنزل نہ خواہد رسید

اس لئے یہ کیسے ممکن تھا کہ حضرت والا، محبوب رب العالمین سید الاولیاء والمقربین امام الانبیاء والمرسلین فداہ ابی وامی ﷺ کی ایک مرغوب سنت کو ترک فرماتے جس کے متعلق آپ نے خود قولاً وعملاً ترغیب وحکم دیا ہے۔

چنانچہ ایک جگہ ارشادِ نبیؐ ہے اِذا تزوج العبد فقد استکمل نصف الدین

فليتق الله فى النصف الباقى (مشکوٰۃ رص ۲۶۸رج ۲)۔

اس حدیث شریف میں فرمایا گیا ہے کہ جب بندۂ مؤمن نکاح کر لیتا ہے تو گویا اس نے آدھا دین مکمل کر لیا، اب چاہئے کہ باقی میں اللہ پاک سے ڈرتا رہے، دیکھئے اس حدیث شریف میں نکاح کو نصف دین فرمایا ہے جس سے نکاح کی بڑی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔

اور کہیں فرمایا رسول پاک علیہ السلام نے **اربع من سنن المرسلين الحياء والتعطر والسواک والنکاح** (ترمذی رص ۱۴۴رج ۱)۔

یعنی چار چیزیں رسولوں کی سنت ہیں: مسواک کرنا، عطر لگانا، حیاء کرنا اور نکاح کرنا، اور بعض روایات میں ختنہ کا بھی ذکر ہے۔ نکاح کی فضیلت پر بہت سی روایات ہیں۔

پھر نکاح کثیر فوائد پر مشتمل ہے، امام غزالیؒ نے ''اِحیاء العلوم'' میں فرمایا ہے نکاح پانچ بڑے بڑے فوائد پر مشتمل ہے (۱) کسرِ شہوت (۲) پاکیزگی نفس (۳) تدبیر منزل (۴) زیادتی خاندان (۵) مجاہدۂ نفس، پھران میں سے ہر ایک متعدد قسم کے فوائدِ عظیمہ پر مشتمل ہے، الغرض اتنے فضائل اور فوائد کے ہوتے ہوئے شیخ علیہ الرحمہ جیسا متبع سنت شخص اس کو ترک کرے، یہ کیسے ہو سکتا تھا، اس وجہ سے حضرت نے اس پر بھی عمل فرمایا چنانچہ شیخ محمد عارفؒ کی صاحبزادی (بی بی مریم) سے نکاح فرمایا جن سے دس اولاد پیدا ہوئیں جن کا تذکرہ آگے کسی مقام پر انشاء اللہ العزیز آئے گا۔

اہلیہ محترمہ

طیبات، طاہرات، صالحات، قانتات میں سے تھیں تقویٰ وطہارت شریعت سے واقفیت، خاندانی ماحول کی برکت سے حصہ میں آئی تھیں، تلاوتِ قرآن کا خاص اہتمام کرتی تھیں تہجد واشراق، چاشت واوابین ان کا معمولِ زندگی تھا، جملہ طاعات پر

مداومت کرتی تھیں، عابدہ، زاہدہ تھیں سچ فرمایا گیا الطیبات للطیبین۔

ہجرت اور اس کے اسباب

قال اللہ تعالی: وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرَاغَماً كَثِيْراً وَّسَعَة (سورۂ نساء) جو شخص اللہ کے راستے میں وطن چھوڑے گا تو دوسرے علاقہ میں اس کو منافع کثیرہ اور وسعت وفراخی میسر آئے گی۔

جیسا کہ سابق میں لکھا جا چکا ہے کہ شیخ عبدالقدوس علیہ الرحمہ کا وطنِ اصلی ردولی ہے جو ضلع بارہ بنکی میں واقع ایک قصبہ ہے، یہیں آپ کی پیدائش ہوئی، آپ کے شیخ بھی اسی قصبہ کے ساکن تھے، خدا تعالیٰ کی حکمتیں اور مصلحتیں ہر ہر کام میں بے حد وحساب ہیں، آپ کے فیوض وبرکات کو مختلف النوع ظروف میں تقسیم کرنا تھا، متعدد مقامات کے لئے آپ کی برکات کا حصہ روزِ ازل سے مقدر ہو چکا تھا، جس طرح متعدد انبیاءؑ واولیاء کرامؒ نے اپنا وطن ترک کر کے دوسرا وطن بنایا جس کے بعد ان کو مزید ترقیات دنیوی ودینی حاصل ہوئی تھیں اس سنت پر بھی عمل کرانا مقصود تھا، اس واسطے ایسے اسباب پیدا ہوتے چلے گئے جن کی وجہ سے وطن کو ترک کرنا پڑا اور وہاں سے ہجرت کرنی پڑی۔

مختصر طور پر یہ کہ سلطان بہلول لودھی کا بیٹا شہزادہ نظام جب تخت نشین ہوا جس نے اپنا نام سلطان سکندر رکھا، تو اس دور میں قصبہ ردولی کے حالات خراب ہوئے ہندوستان کے اکثر مقامات پر کفار کا غلبہ ہو گیا تھا، ردولی میں بھی کافروں کی عمل داری ہو گئی، شعائر اسلام ختم کئے جانے لگے بازاروں میں خنزیر کا گوشت فروخت ہونے لگا جس کی وجہ سے حضرت شیخ عبدالقدوسؒ کو سخت پریشانی لاحق ہوئی، سلطان سکندر نظام کے دور میں عمر خاں ایک دیندار شخص تھا جو اسکے باپ کے دور میں وزیر بھی تھا، وہ شیخ علیہ

الرحمہ سے تعلق رکھتا تھا اس نے حضرت سے درخواست کی کہ آپ ہمارے یہاں شاہ آباد میں قیام فرمالیں تو میری سعادت ہوگی، چنانچہ اس کی درخواست پر شیخ علیہ الرحمہ ردولی سے شاہ آباد منتقل ہوگئے اور ردولی میں آپ کا قیام پینتیس برس رہا تھا۔

شاہ آباد جو پنجاب میں ہے حضرت اقدسؒ یہاں آکر مقیم رہے اور بڑے سکون سے رہتے رہے حتی کہ عمر شریف کے تقریباً پینتیس سال یہاں بھی گزرے، یہیں حضرت شیخ مولانا رکن الدین اور دیگر صاحبزادگان کی پیدائش ہوئی اس کے بعد سخت طوائف الملوکی کا طوفان چھایا، افغان بادشاہ رخصت ہوئے اور تختِ سلطنت پر مغل فرمانروا بابر متمکن ہوا تو اس دور میں شاہ آباد کے حالات خراب ہونے شروع ہوگئے، قتل وغارت گری کا بازار گرم ہوا بہت سے علماء وصلحاء قتل کردئے گئے، بہت سے علمی کتب خانے جلادئے گئے، شیخ عبدالشکورؒ جو حضرت شیخ محمد عارفؒ کے صاحبزادے تھے، حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضرت دنیا پر یہ مصیبتیں آرہی ہیں دعا فرمادیجئے درگاہِ الٰہی میں متوجہ ہوکر التجا فرمایئے تاکہ حق تعالی کی مرضی معلوم ہوجائے، حضرت اقدس شیخؒ نے فرمایا کہ مصائب ونکبات سے انبیاء بھی مستثنیٰ نہیں بلکہ سب سے شدید تر مصائب انہیں پر واقع ہوئے ہیں لہذا ہم تم کیا حیثیت رکھتے ہیں، حضرت نے دیکھ لیا، کہ عالم پر خدا تعالی کے قہر کی تجلی عام ہورہی ہے۔ دیکھئے لطائف قدوسی رص ۷۶۔

الغرض جب یہاں کے حالات بھی خراب ہوئے تو گنگوہ اور اس کے نواح میں اس وقت عامل ملک عثمان مقرر تھے، وہ پہلے بھی چاہتے تھے کہ شیخ عبدالقدوسؒ گنگوہ تشریف لے آئیں آپ کی خاطر انہوں نے خانقاہ ومکانات تعمیر کرادیئے تھے، اب جب کہ حالات مزید خراب ہوگئے تو انہوں نے حضرت اقدسؒ سے درخواست کی کہ گنگوہ منتقل

ہو جائیں تو بندہ کی سعادت ہوگی۔

چنانچہ اس عامل کی درخواست پر حضرت شاہ آباد ترک فرما کر گنگوہ تشریف لے آئے پھر آخری عمر تک یہیں مقیم رہے، اس طرح پینتیس برس ردولی میں پینتیس برس شاہ آباد میں اور چودہ برس گنگوہ میں گزرے، کل عمر ۸۴ برس ہے۔

(تذکرہ اولیاء ہند رص ۱۸۶ روتاریخ مشائخ چشت رص ۲۰۹)

ریاضت و مجاہدہ

قرآن پاک میں جگہ جگہ مجاہدۂ نفس کی تعلیم دی گئی ہے، بہت سے واقعات خدائے عزوجل کی راہ میں مشقت برداشت کرنے والوں کے موجود ہیں، حدیثِ پاک میں بے شمار واقعات مجاہدات کے ملتے ہیں، رحمتِ عالم ﷺ کی ساری حیاتِ مبارکہ مجاہدات پر مشتمل ہے، صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین، تابعین، تبع تابعین، اور بعد کے علماء صلحاء، صوفیاء، فقراء، فقہاء و محدثین کے ہزاروں واقعات سے کتابیں بھری پڑی ہیں، اہل اللہ کی زندگی کا یہ ایک اہم جزو ہے اس لئے ریاضت و مجاہدہ کی مختصر سی کیفیت شیخ علیہ الرحمہ کے متعلق لکھنے سے قبل ضروری ہے کہ اس موضوع پر روشنی ڈالی جائے تاکہ آج کے اس دور میں اگرچہ سابقین جیسے مجاہدات تو ہر شخص کی طاقت سے خارج ہیں کچھ نہ کچھ حاصل کر کے ہی وہ اپنی زندگی کو کامیاب کر سکے بقول حضرت تھانویؒ کے سارے دین کا خلاصہ ہی مجاہدہ ہے۔

لغت کے اعتبار سے مجاہدہ بمعنی مشقت ہے اور اصطلاحِ تصوف میں مجاہدہ نفس کی مخالفت کا نام ہے جس میں مشقت ہی مشقت ہے، چونکہ نفس سہولت و آرام کا خواہش مند ہے، قیدِ شرع اور خدائی احکام طبعاً اس پر گراں گزرتے ہیں جس کی وجہ سے اعمالِ شرعیہ

اس پر شاق ہوتے ہیں، اس لئے شرع متین کا ایک نام تکلیف بھی ہے اور احکام بھی اور احکامِ شرعیہ کو احکامِ تکلیفیہ کہا جاتا ہے اور عبد کو مکلّف کہتے ہیں، گویہ تکلیف حقیقت میں باعث راحت ہے مگر ہر شخص اس راز کو نہیں سمجھ سکتا البتہ خواص امت سمجھتے ہیں، عوام کو دین پر چلنے میں جو تکلیف محسوس ہوتی ہے اس کی وجہ یہ نہیں کہ دین متین واقعی دشوار ہے، انسانی طاقت سے باہر ہے اگر ایسا ہوتا تو سب کے واسطے ایسا ہوتا لیکن ایسا نہیں ہے بلکہ خواص کو اس میں لذت محسوس ہوتی ہے۔

لہذا معلوم ہوا کہ وہ دشواری کسی اور عارض کی وجہ سے ہے، دین کی دشواری کی اصل وجہ یہ ہے کہ انسان کا نفس آزادی کا خوگر ہے اور قید دینی اس پر بھاری ہوجاتی ہے اس لئے احکام شرعیہ اس کو بھاری معلوم ہوتے ہیں، دنیوی قانون میں اس سے زائد قیدیں ہوا کرتی ہیں پھر بھی لوگ ان کو بھاری نہیں سمجھتے ہیں کیونکہ انکے فائدے نقد حاصل کرتے ہیں۔

مجاہدہ کی اقسام

مجاہدہ دوقسم کا ہے: ایک قسم کا تعلق تروک سے ہے یعنی جو چیزیں قابل ترک ہیں اور دوسری قسم وہ جن کا تعلق ادائیگی سے ہے، معاصی تو سب کے سب از قبیل ترک ہیں مثلاً زبان کا گناہ، دل کا گناہ، کان، ہاتھ، پیر اور دیگر اعضاء کا گناہ سب واجب ترک ہیں اور دوسری قسم طاعات ہیں، پھر طاعات دو قسم پر ہیں۔

(۱) واجبہ (۲) مستحبہ۔ یہ دونوں قابلِ عمل ہیں اور دونوں کا بجالانا مجاہدہ ہے بلکہ غور وفکر سے معلوم ہوتا ہے کہ طاعات مستحبہ کا بجالانا زیادہ مجاہدہ ہے، پھر ہر مجاہدہ بھی وصول الی اللہ کا ذریعہ نہیں ہوسکتا، بلکہ وہ ہی مجاہدہ وصول الی اللہ کا ذریعہ ہوگا جو شریعت کے موافق ہوگا، کیونکہ مجاہدہ تو جوگی (غیر مسلم سادھوسنت) بھی کرتے ہیں وہ سب کا سب بیکار ہے اگر چہ

اس سے کچھ دنیوی فائدے اٹھالیں، مسلمانوں کو سہل سے سہل مجاہدوں میں جو تقرب الی اللہ نصیب ہوتا ہے وہ ان کو کہاں نصیب ہوسکتا ہے! بلکہ ایسے لوگ عام کفار سے بھی زیادہ صراط مستقیم سے دور ہٹتے چلے جاتے ہیں کیونکہ وہ اپنے کمالات کو اپنے لئے کامیابی کا معیار سمجھتے ہیں، حالانکہ وہ منجانب اللہ ڈھیل ہے، استدراج ہے جو ان کے لئے نہایت خطرناک ہے۔

مجاہدہ کے چار ارکان

(۱) تقلیلِ طعام (۲) تقلیلِ منام (۳) تقلیلِ کلام (۴) تقلیل اختلاط مع الانام۔

ان میں سے ہر چیز کی زیادتی روحانی اور باطنی ترقی کے لئے مضر اور نقصان دہ ہے، محققین علماء وصوفیاء نے ان کے مضرات ونقصانات پر مفصل گفتگو فرمائی ہے، یہاں خلاصۃً چند باتیں تحریر کی جاتی ہیں۔

(۱) زیادہ کھانا انسان کے لئے معدہ کی خرابی اور فساد کا ذریعہ بنتا ہے جس کے بعد نیند بھی زیادہ آتی ہے جس کی وجہ سے عمل، ذکر اللہ، اور دیگر عبادات میں غفلت ہو جاتی ہے۔

شیخ سعدیؒ نے لکھا ہے کہ ایک نصرانی بادشاہ نے حضور ﷺ کی خدمت میں ایک طبیب بھیجا کہ یہ مدینہ والوں کا علاج کرے گا، آپؐ نے اس کو واپس کر دیا اور فرمایا کہ ہم لوگوں کو طبیب کی ضرورت ہی نہیں ہے کیونکہ ہم بغیر بھوک کے نہیں کھاتے اور بھوک چھوڑ کر اُٹھ جاتے ہیں۔

(۲) زیادہ سونے کے نقصانات پر کلام فرماتے ہوئے محققین نے فرمایا کہ اس سے بلادت وبے وقوفی بڑھ جاتی ہے جس سے قوتِ فکریہ کم ہو جاتی ہے اور امور انتظامیہ میں خلل پڑتا ہے، ایسے شخص کو پابندیٔ احکام کبھی حاصل نہیں ہوتی حالانکہ یہ کام انتظام ہی سے درست ہوسکتا ہے اس کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

(۳) زیادہ بولنے کے نقصانات میں ایک بڑا نقصان یہ ہے کہ لوگ عموماً کذب

بیانی سے محفوظ نہیں رہتے، چونکہ ایسے شخص کے لئے ہر بات سوچ کر کرنا مشکل ہوتا ہے غیبت و بدگوئی میں کثرت کے ساتھ مبتلا ہو جاتا ہے، کثرتِ کلام سے دل میں ظلمت پیدا ہو جاتی ہے، نور ختم ہو جاتا ہے جس کے بعد کسی بھی معصیت میں مبتلا ہو جانا بعید نہیں ہے کیونکہ ساری طاعتوں کا مدار ہی حیاتِ قلب پر ہے نیک کاموں کی توفیق نورِ قلب سے ہی ہوتی ہے اور تمام معاصی کا منشاء قساوت وظلمتِ قلب ہے (ماخوذ از مواعظ حضرت تھانویؒ)۔

(۴) زیادہ میل جول میں آدمی کا اکثر وقت ضائع ہو جاتا ہے جس سے بہت سے ضروری مشاغل اور امورِ دینیہ میں خلل واقع ہوتا ہے اس میں اکثر وبیشتر غیبت و بدگوئی میں آدمی مبتلا رہتا ہے، کثرتِ اختلاط سے باہم دوستی ہو جاتی ہے جو بعض اوقات دشمنی سے زیادہ خطرناک ثابت ہوتی ہے، بسا اوقات انسان کے بہت سے دشمن وہ ہوتے ہیں جو ایک زمانہ میں اس کے دوست رہ چکے ہوتے ہیں اور اسکے راز سے واقف ہو جاتے ہیں اس لئے اگر دشمنوں کی تعداد کم کرنی ہو تو دوستی کم کرنی چاہئے، یہ تمام مجاہدات کی تفصیل اس لئے لکھی گئی کہ حضرت شیخؒ نے یہ سب قسم کے مجاہدات کئے تھے اور اپنی خانقاہ میں اپنے مریدوں سے بھی یہ سب مجاہدات کرایا کرتے تھے، اس لئے حضرت کے یہاں آنے والے لوگ مجلّٰی ومزکّٰی ہو کر نکلتے تھے اور آج جب کہ خانقاہوں میں یہ سب چیزیں مفقود ہوتی جا رہی ہیں اسلئے وہ فوائد ظاہر نہیں ہو رہے ہیں جو ہونے چاہئیں خانقاہوں میں آنے والے اور مدرسوں میں پڑھنے والے بھی آرام وراحت کے طلب گار ہوتے جا رہے ہیں اگر آرام وراحت ملنے کے بعد بھی کچھ کرلیں تو غنیمت ہے، مگر ایک طبقہ کا مقصود ہی جب یہ بن جائے کہ آرام وراحت ہی ہو اور اپنے مقصد سے غافل ہو کر خرافات میں لگ جائے تو پھر سوائے حسرت وافسوس کے کیا ہو سکتا ہے؟۔

اکابر فرماتے ہیں کہ اس راہ سلوک میں خاموش رہنا اور شب بیداری کرنا درکار ہے، قلتِ طعام اور مخلوق سے گوشہ نشینی کرنے کی ضرورت ہے تاکہ معرفت کا کوئی در کھلے:

جان بدہ، جان بدہ، جان بدہ　　　فائدہ در گفتن بسیار چیست

جان دے دو، جان دے دو، جان دے دو

زیادہ کچھ کہنے میں کیا فائدہ ہے

(درالمعارف)

حضرت شیخ عبدالرزاق صحائف معرفت میں ایک مقام پر لکھتے ہیں: راہ سلوک کے سالک کو چاہئے کہ وہ سال بھر میں ایک چلہ ضرور کرے اور اس میں طلب رضائے حق کی نیت سے اپنے وقت کو عبادت الٰہی میں گزارے، تلاوت اور ذکر اللہ میں صرف کرے اور زیادہ کھانے پینے اور سونے سے پرہیز کرے مختصر طعام پر اکتفا کرے اور نظر کان زبان کی تمام خرافات سے حفاظت کرے جو شخص اس طرح چالیس دن گذارے گا اس کی برکت زندگی کے تمام اوقات میں محسوس کریگا (صحائف معرفت رص ۲۰۹)۔

نماز کی عظمت اور حضرتؒ کی نماز

اسلام میں نماز کی عظمت واہمیت اور اس کا مقام اس قدر بلند ہے کہ توحید ورسالت کے اقرار واعتراف کے بعد نماز ہی کا نمبر ہے، قرآن پاک میں بار بار نماز قائم کرنے کی ہدایت وتاکید فرمائی گئی ہے، چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: الٓمّٓ ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَارَیْبَ فِیْهِ هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ (سورۂ بقرہ) اس کتاب میں کوئی شک نہیں ہے، راہ بتاتی ہے اپنے پڑھنے والوں کو یعنی ان لوگوں کو جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں، نمازیں قائم کرتے ہیں اور

جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے اللہ کے راستہ میں خرچ کرتے ہیں، دیکھئے اللہ پاک نمازوں کو قائم کرنے کی تلقین وحکم فرمارہے ہیں اورانہیں کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہی لوگ ہدایت پر ہیں اور یہی کامیاب ہیں، نیز معلوم ہوا کہ جو نماز کا اہتمام نہیں کرتے نہ وہ ہدایت پر ہیں اور نہ فلاح یاب ہوسکتے ہیں۔

نیز فرمایا گیا: وَاَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَآتُوا الزَّکٰوۃَ وَارۡکَعُوا مَعَ الرّٰکِعِیۡنَ (سورۂ بقرہ)
اور قائم رکھو نماز، اور دیا کرو زکوۃ اور جھکو نماز میں جھکنے والوں کے ساتھ۔

نیز فرمایا کہ صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو وَاسۡتَعِیۡنُوۡا بِالصَّبۡرِ وَالصَّلٰوۃِ وَاِنَّھَا لَکَبِیۡرَۃٌ اِلَّا عَلَی الۡخَاشِعِیۡنَ (سورۂ بقرہ) اور مدد چاہو صبر اور نماز سے، البتہ نماز بھاری ہے مگر خشوع وخضوع کرنے والوں پر بھاری نہیں ہے، جو یہ سمجھتے ہیں کہ ان کی رب سے ملاقات ہونے والی ہے اور وہ اللہ کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں، اس آیت سے بھی نماز کی عظمت واہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

نیز فرمایا: وَاَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَمَا تُقَدِّمُوا لِاَنۡفُسِکُمۡ مِنۡ خَیۡرٍ تَجِدُوۡہُ عِنۡدَاللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِیۡرٌ (سورۂ بقرہ آیت ۱۱۰) اور قائم رکھو نماز اور دیتے رہو زکوۃ اور جو کچھ تم اپنی بھلائی کے واسطے آگے بھیجو گے اللہ پاک کے یہاں اس کو پاؤ گے، بیشک باری تعالیٰ تمہارے سب کاموں کو دیکھتے ہیں۔

نیز فرمایا: یٰاَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اسۡتَعِیۡنُوۡا بِالصَّبۡرِ وَالصَّلٰوۃِ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیۡنَ (سورۂ بقرہ آیت ۱۵۳) اے ایمان والو اپنی پریشانیوں اور مصیبتوں میں صبر اور نماز کے ذریعہ سے مدد چاہا کرو، بیشک اللہ پاک صابرین کے ساتھ ہے۔

نیز فرمایا: قَدۡ اَفۡلَحَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ الَّذِیۡنَ ھُمۡ فِیۡ صَلٰوتِھِمۡ خَاشِعُوۡنَ وَالَّذِیۡنَ ھُمۡ عَنِ

الـلَّغوِ مُعرِضُونَ وَالَّذِينَ هُمُ للزَّ كوٰةِ فَاعِلُونَ وَالَّذِينَ هُمُ لِفُرُوجِهِمُ حَافِظُونَ اِلَّا عَلٰى اَزْوَاجِهِـمُ اَوْمَامَلَكَتُ اَيمَانُهُمُ فَاِنَّهُمُ غَيرُ مَلُومِينَ (سورۂ مومنون) تحقیق کہ کامیاب ہوئے وہ لوگ جو اپنی نمازوں میں خشوع کرتے ہیں اور بیکار باتوں سے اعراض کرتے ہیں اور زکوۃ ادا کرتے ہیں اور اپنی شرم گاہوں کی حرام سے حفاظت کرتے ہیں۔

اس آیت پاک میں بھی نماز کو خشوع وخضوع کے ساتھ پڑھنے والے کی کامیابی اور کامرانی کو واضح فرمایا گیا ہے، اب ہم لوگ ہیں کہ نمازوں کے اندر خشوع وخضوع کے بغیر دنیا اور آخرت کی کامیابیاں چاہتے ہیں۔

نیز احادیث شریفہ میں نماز کو دین کا ستون قرار دیا گیا ہے اور کہیں علامتِ اسلام فرمایا ہے اور کہیں اس کے ترک کو کفر کے مترادف قرار دیا ہے، الغرض وعدو وعیدات کا ایک عظیم دفتر ہے اور اہتمام والتزام اور شوق وذوق سے پڑھنے والوں کے لئے فضائل وبشارات کا بھی ایک ذخیرہ ہے، جس کا کچھ حصہ اوپر ذکر کیا جاچکا ہے۔

اور ایک جگہ پر حق تعالی غصہ کے انداز میں فرماتے ہیں: فَخَلَفَ مِنُ بَعُدِهِمُ خَلُفٌ اَضَـاعُـوا الـصَّلوٰةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوَاتِ فَسَوفَ يَلُقَونَ غَيّاً (سورۂ مریم) پھر پیدا ہوئے سلف کے بعد ایسے ناخلف کہ ضائع کر بیٹھے نمازوں کو اور پیچھے پڑ گئے غلط خواہشات کے، عن قریب ان کو ہلاکت میں جانا پڑے گا۔

نیز فرمایا: فَوَيـلٌ لِّلـمُـصَـلِّينَ الَّذِينَ هُمُ عَنُ صَلاتِهِمُ سَاهُونَ الَّذِينَ هُمُ يُرَاؤُونَ وَيَمُنَعُونَ الُمَاعُونَ (سورۂ ماعون) سو خرابی اور ہلاکت ہے ان نمازیوں کیلئے جو اپنی نمازوں سے بیخبر ہیں، جو نماز پڑھتے ہیں اور دکھلاوا کرتے ہیں اور گھریلو برتنے کی چیزیں بھی کسی کو نہیں دیتے، یعنی وہ لوگ جو نہیں جانتے کہ نماز کس کی مناجات ہے اور مقصود اس سے

کیا ہے اور کس قدر اہتمام کے لائق ہے، یہ کیا نماز ہوئی کہ کبھی پڑھی کبھی نہ پڑھی، وقت بے وقت کھڑے ہو گئے، باتوں میں اور دنیا کے دھندوں میں لگ کر نماز کا اہتمام نہ کیا کچھ خبر نہیں کس کے روبرو کھڑے ہیں! کیا خدائے تعالیٰ ہمارے اٹھنے بیٹھنے، جھک جانے اور سیدھے ہونے کو دیکھتا ہے، ہمارے دلوں پر نظر نہیں رکھتا کہ ہم میں کہاں تک اخلاص اور خشوع کا رنگ ہے، یہ سب صورتیں آیت میں داخل ہیں، نیز اس قدر بخیل ہیں کہ زکوۃ وصدقات وغیرہ تو کیا معمولی برتنے کی چیزیں مثلاً دودھ لسّی، دیگچی، کلہاڑی اور گھر کے برتن کسی کو نہیں دیتے۔

نیز نبی کریم ﷺ کا محبوب مشغلہ نماز ہی تھا، اس لئے تمام انبیاء واولیاء نے نماز سے خاص شغف وتعلق رکھا ہے اور یہ ان کی معراج ہے جس میں وہ مشغول رہتے ہیں، اور کیوں نہ ہوں جبکہ اولیاء اللہ کی نمازیں حق سبحانہ وتقدس کی تجلیات وانوار کے ظہور کا موقع ہوتی ہیں، رحمت الٰہیہ کا ان پر نزول ہوتا ہے، دراصل یہ سب اس عشق الٰہی کا کرشمہ ہوتا ہے جو ان کے قلوب میں جاگزیں رہتا ہے جس سے ہر چیز میں ان کو روحانی مزہ، ایمانی لذت، عرفانی حلاوت حاصل ہوتی ہے۔

لطائف قدوسی رص ۱۸ رمیں مرقوم ہے کہ سالہا سال تک حضرت شیخ علیہ الرحمہ نے ایسی نماز ادا فرمائی جس میں کامل استغراق وانہاک اور تلاوت وتسبیحات میں زبردست قسم کی لذت حاصل ہوتی تھی، جس کی وجہ سے اللہ پاک کی معرفت ومحبت کا ایسا باب کھلتا تھا کہ ساری اشیاء کا وجود غائب ہو کر بس ایک حق جل مجدہ کا وجود باقی رہ جاتا تھا اس وقت عالمِ بقاء کا مشاہدہ ہوتا تھا اور وصالِ حق کی لذت حاصل ہوتی تھی۔

شب کے اکثر اوقات نوافل میں گزارتے اور قرأت فاتحہ وضم سورۃ کے بعد

شغل باطنی میں محو ہو جاتے اور ذکر خفی کا دوام رہتا تھا یعنی دل سے اللہ کے ذکر میں مشغول ہو جاتے تھے، قیام کے بعد رکوع وسجدہ وغیرہ میں تسبیحات سے فارغ ہو کر اسی طرح مشغول ہو جاتے تھے، بعض بعض مرتبہ ساری ساری رات اسی انداز سے گزر جاتی، سچ ہے السعید من سعد فی بطن امہ بعض حضرات لکھتے ہیں کہ آپ علاوہ سنن وفرائض کے رات دن میں بکثرت نوافل پڑھتے تھے و اللہ اعلم بالصواب۔

ان واقعات میں شیخ کے نام لینے والوں کے لئے بہت بڑا سبق ہے اور ہمیں اپنے حالات پر غور وفکر کرنے کا سنہرا موقع ہے، کہ ہمارے آبا واجداد کیا تھے اور ہم کیا کر رہے ہیں؟ تہجد اور نوافل تو کیا ہم سے فرائض کی بھی ادائیگی نہیں ہو رہی ہے، نہ ہمیں اس کے اہتمام کی کوئی فکر ہے۔

ذکر اللہ کے مختصر فضائل

حضرت علیہ الرحمہ کے متعلق لکھنے سے قبل عرض ہے کہ ذکر جس کے تعلق سے قرآن وحدیث میں بے شمار ہدایات، ترغیبات وتحریضات وارد ہوئی ہیں جن پر علماء ومشائخ نے مستقل کتابیں لکھی ہیں، چند آیات اور احادیث یہاں لکھی جاتی ہیں تا کہ ہمارے اندر بھی ذکر اللہ کا ذوق وشوق پیدا ہو جائے۔

(۱) یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوا اذْکُرُوا اللّٰہَ ذِکْرًا کَثِیْرًا وَّسَبِّحُوْہُ بُکْرَۃً وَّاَصِیْلًا (سورۂ احزاب) اے ایمان والو! اللہ پاک کو خوب یاد کرو اور صبح وشام اس کی خوب تسبیح بیان کرو (۲) فَاذْکُرُوْنِی اَذْکُرْکُمْ وَاشْکُرُوْا لِیْ وَلَا تَکْفُرُوْن (سورۂ بقرہ) پس تم میرا ذکر کرو میں تمہیں یاد رکھوں گا اور میرا شکر ادا کرتے رہو اور ناشکری نہ کرو (۳) اَلَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیَاماً وَّقُعُوْداً وَعَلٰی جُنُوْبِھِمْ وَیَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ

السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلاً سُبْحٰنَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ (سورۂ آل عمران) وہ ایسے لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں کھڑے بھی اور بیٹھے بھی اور لیٹے ہوئے بھی اور آسمانوں اور زمینوں کے پیدا ہونے میں غور کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! آپ نے یہ سب بیکار تو پیدا کیا نہیں، ہم آپ کی تسبیح کرتے ہیں آپ ہم کو عذاب جہنم سے بچا لیجئے (۴) وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ (سورۂ آل عمران) اور اپنے رب کی یاد کیا کر اپنے دل میں اور ذرا دھیمی آواز سے بھی اس حالت میں کہ عاجزی بھی اور اللہ کا خوف بھی ہو (ہمیشہ) صبح کو بھی اور شام کو بھی اور غافلین میں سے نہ ہو (۵) اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَاناً وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ (سورۂ انفال) ایمان والے تو وہی لوگ ہیں کہ جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو اس کی بڑائی کے تصور سے ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور جب ان پر اللہ کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو ان کے ایمان کو بڑھا دیتی ہیں اور وہ اپنے اللہ پر توکل کرتے ہیں (۶) وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ (سورۂ عنکبوت) اور اللہ کا ذکر بہت بڑی چیز ہے (۷) تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفاً وَّطَمَعاً وَّمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ جَزَآءً بِمَا كَانُوْ يَعْمَلُوْنَ (سورۂ سجدہ) ان کے پہلو خواب گاہوں سے علیحدہ رہتے ہیں اس طرح پر کہ عذاب کے ڈر سے اور رحمت کی امید سے، وہ اپنے رب کو پکارتے ہیں اور ہماری دی ہوئی چیزوں سے خرچ کرتے ہیں، پس کسی کو بھی خبر نہیں کہ ایسے لوگوں کی آنکھوں کی ٹھنڈک کا کیا کیا سامان خزانۂ غیب میں محفوظ ہے، جو بدلہ ہے ان کے اعمال کا

(۸)لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ لِّمَنْ کَانَ یَرْجُوْا اللّٰہَ وَالْیَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَکَرَ اللّٰہَ کَثِیْراً (سورۂ احزاب) بیشک تم لوگوں کیلئے اللہ کے رسول ﷺ کی ذاتِ اقدس میں بہترین نمونہ موجود ہے، یعنی ہر اس شخص کیلئے جو اللہ سے ڈرتا ہو اور قیامت کے دن کی حاضری سے ڈرتا ہو اور اللہ کو خوب یاد کرتا ہو (۹) وَالذَّاکِرِیْنَ اللّٰہَ کَثِیْراً وَّالذَّاکِرَاتِ اَعَدَّاللّٰہُ لَھُمْ مَغْفِرَۃً وَّاَجْراً عَظِیْمًا (سورۂ احزاب) اور بکثرت اللہ کا ذکر کرنے والے مرد اور اللہ کا ذکر کرنے والی عورتیں ان سب کے لئے اللہ تعالیٰ نے مغفرت اور اجرِ عظیم تیار کر رکھا ہے (۱۰) یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لاَ تُلْھِکُمْ اَمْوَالُکُمْ وَلاَ اَوْلاَدُکُمْ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْخَاسِرُوْنَ (سورۂ منافقون) اے ایمان والو! تم کو تمہارے مال اور اولاد اللہ کے ذکر سے، اس کی یاد سے غافل نہ کرنے پائیں اور جو لوگ ایسا کریں گے وہی خسارہ والے ہیں کیونکہ یہ چیزیں تو دنیا ہی میں ختم ہو جانے والی ہیں اور اللہ کی یاد آخرت میں کام دینے والی ہے (۱۱) قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی وَذَکَرَ اسْمَ رَبِّہٖ فَصَلّٰی (سورۂ اعلیٰ) بیشک بامراد ہو گیا وہ شخص جو برے اخلاق سے پاک ہو گیا اور اپنے رب کا نام لیتا رہا اور نماز پڑھتا رہا۔

اسی لئے ذکر اہلِ عشق و محبت کا سب سے بڑا مشغلہ ہے، جس سے جتنی محبت ہوتی ہے اسی قدر کثرت سے آدمی اس کا ذکر کرتا ہے، یہی حال اللہ والوں کا بھی ہے، ذکر منشورِ ولایت ہے جس شخص کو اللہ تعالیٰ ذکر کی توفیق دیتے ہیں، اپنی ولایت کا تصدیق نامہ خود اس کو مرحمت فرما دیتے ہیں، اور اس کے ذریعہ سے یہ انسان ذاکرِ حق بن جاتا ہے اور مذکورِ حق بھی، اس سے بڑھ کر اور کیا اس کا فائدہ ہوسکتا ہے؟۔

حضرت عارف پرتاپگڈھیؒ فرماتے ہیں:

بتاؤں آپ سے کیا عاشقوں کا کام ہوتا ہے

دل ان کی یاد میں اور لب پہ ان کا نام ہوتا ہے

ہر وقت تیرا ذکر ہے ہر وقت تیری یاد

کچھ اور ہی عالم میں ہیں خاصانِ محبت

ذکر گو ذکر تا ترا جانست

پاکئی دل زذکر رحمٰن است

جب تک کہ جان میں جان ہے اللہ کو یاد کرتے رہو، کہ دل کی پاکی اللہ کے ذکر ہی سے ہوتی ہے۔

اللہ کے دیوانوں کو، اللہ کے سچے طالبین کو مطلوبِ حقیقی کے بغیر آرام نہیں ملتا اور وہ اللہ کے علاوہ سے انسیت نہیں رکھتے اور ہر وقت اس شعر کے ساتھ مترنم رہتے ہیں:

بچہ مشغول کنم دیدہ و دل را کہ مدام　　　دل ترا می طلبد دیدہ ترا می خواہد

کس چیز کے ساتھ مشغولی کو اختیار کروں کہ قلب و نظر کا یہ حال ہے کہ قلب ہمیشہ اللہ کی طلب میں اور نظر ان کے دیدار کیلئے تڑپتی ہے۔

فی الحقیقت عشق و محبت کا تقاضا یہی ہے کہ دل محبوب کی یاد میں لگا رہے اور زبان اس کے نام سے تر بتر رہے اور ذکر بھی قلیل نہیں بلکہ کثیر، تبھی کچھ بات بنتی ہے اور اسی سے وصالِ حبیب حاصل ہوتا ہے، اسی لئے عشاق ذکر کو بہترین شراب تصور کرتے ہیں۔

ذِکْرُکَ للمشتاق خیر شراب　　　وکل شراب دونہ کسراب

آپ کا ذکر مشتاق کیلئے بہترین شراب ہے اور ہر شراب اس کے سامنے ریت کی طرح بیکار ہے، جو دور سے پیاسے کو چمکتا ہوا پانی نظر آتا ہے اور قریب جانے کے بعد معلوم

ہوتا ہے کہ وہ ریت ہے، اس سے پیاس نہیں بجھ سکتی۔

یہی اربابِ سلوک کی ترقی کا زینہ ہے، یہی عُشّاق کا شغل اور ان کی شناخت ہے، حضرت قطبِ عالم قدس اللہ سرہ العزیز ذکرِ جہری وسرِّی اس قدر کثرت کے ساتھ کیا کرتے تھے کہ بعض مرتبہ عشاء کے بعد شروع کیا تو صبح کردی، صبح کو بیٹھے تو شام کردی، سوائے اوقات صلوٰۃ اور حوائج انسانیہ ضروریہ کے اور کسی وقت نہ اٹھتے، جس کی وجہ سے اس قدر غلبۂ حق ہوجاتا تھا کہ صاحبزادے آتے تو شیخ نام دریافت کرتے، وہ نام بتاتے اس سے آگے کچھ عرض نہ کرپاتے تھے کہ شیخ پھر مشغول ہوجاتے، اس طرح کئی کئی بار سوال وجواب کی نوبت آتی تھی، اور ہم ان کے نام لیواؤں کا یہ حال ہے کہ ہمیں ذکر وفکر، مراقبہ واستغراق کی کیفیات تو کہاں نصیب! نماز باجماعت پڑھ لیں یہ بھی غنیمت ہے، بلکہ بعضے تو ان کے نام پر ایسی بدعات وخرافات کررہے ہیں اور دوسروں کو بھی ان بدعات وخرافات (سجدہ برقبر وغیرہ) کی دعوت دے رہے ہیں جن سے ایمان کا سالم رہنا بھی مشکل ہے:

تھے وہ آباء تمہارے مگر تم کیا ہو ہاتھ پر ہاتھ دھرے منتظرِ فردا ہو

تجھے اپنے آبا سے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی کہ تو گفتار وہ کردار تو ثابت وہ سیارہ

(علّامہ اقبالؒ)

حضرت شیخؒ کے ذکر کی کیفیت

لطائف قدوسی میں رص ۱۶ر پر لطیفہ ر۲۳ر میں حضرت قطب العالمؒ کے ذکر کی ایک خاص قسم (سلطان الذکر) تحریر فرمائی گئی ہے، یہ ذکر تمام ہی اذکار میں بہت مشکل ترین ذکر شمار کیا گیا ہے، بقول صاحب ''سیرت قدوسیہ'' اس کی پوری حقیقت تو ذاکر ہی سمجھ سکتا ہے اتنا سمجھ لیا جائے کہ اس ذکر میں اس قدر استیلاء وغلبہ ذاکر پر ہوجاتا ہے کہ

اس میں استغراق کامل ہوجاتا ہے جس کی عجیب صورت وہیبت ہوتی ہے، ایسی حالت میں انسان کے حواس معطل ومضمحل ہوجاتے ہیں اور ان کا تعلق عالم ملاء کے ساتھ ہوجاتا ہے، یہ حالت سخت حالت ہوتی ہے مگر ذاکر کو اس میں عجیب لذت ولطف آتا ہے، اسی میں اس کو فناء الفناء پیش آتا ہے، ان سطور کو لکھنے کے وقت خوش قسمتی سے ''مکتوبات قدوسیہ'' پر نظر پڑگئی اس میں حضرت شیخؒ نے ایک مکتوب میں جو شیخ سلطان جونپوریؒ (نزہۃ الخواطر رص ۱۰۶ رج ۶ رمیں شیخ سلطان جونپوریؒ کا تذکرہ ہے) کے نام تحریر کیا ہے، جو سلطان الذکر کے متعلق ایک سوال کے جواب میں ہے، تحریر فرماتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ''جب کوئی ذاکر ذکر اللہ کرتے کرتے اس حد تک پہنچ جائے کہ اس کا تمام بدن ذکر اللہ سے لبریز ہوجائے اور اس کے روئے روئے سے ذکر کی صدا نکلتی ہوئی محسوس ہو، حتی کہ اس کے اطراف درودیوار اور درختوں کی جنبش اور ہواؤں کے جھونکوں سے بھی اس کو اسی آواز کا احساس ہو اور اس کا سینہ اللہ کی یاد سے جوش زن ہوکر بیخودی اور مستی کی کیفیت پیدا کردے، اور اس پر غیبوبت واستغراق کی کیفیت طاری ہوجائے اور دل خطرات ووساوس سے خالی ہوجائے'' اس مقام پر راہ سلوک کے بہت ہی کم لوگ پہنچ پاتے ہیں، حضرت جنید بغدادیؒ جیسے امامِ تصوف کو اس مقام پر پہنچنے میں دس سال لگے، بوالہوس تو اس مقام پر کیسے اور کہاں پہنچ سکتا ہے! یہ کام دو چار دن دس بیس چلوں سے حاصل نہیں ہوسکتا بلکہ زندگی کو وقف کرنا پڑتا ہے، تب جاکر کچھ دولت ہاتھ آسکتی ہے۔

چوں نداری شادی از وصل یار ‏ ‏ ‏ ‏ خیز برخود ماتم ہجران بدار
(مکتوبات رص ۶۱)

جو حضرت شیخؒ کا حال تھا وہی تعلیم وتلقین بھی تھی اور اسی پر سارا زور آپ نے صرف فرمایا، چنانچہ اپنے ایک متعلق کو خلوت مع اللہ، ذکر وفکر اور فنا فی اللہ، بقا باللہ کی تعلیم دیتے

ہوئے اس طرح لکھتے ہیں:

فان الحقیقة هو الله احد، الله الصمد کیونکہ حقیقت کیا ہے، اللہ ہے، جو احد ہے اور صمد بھی، اس مقام پر محمد رسول اللہ ﷺ اپنے آپ سے گذر کر عالم احدیت میں پہنچ گئے تھے "**سبحان الذی اسریٰ بعبده لیلاً**" پاک ہے وہ ذات جس نے سیر کرائی اپنے بندے کو رات کے وقت مسجد حرام سے، یہی مراد ہے، مطلب یہ ہے کہ مشاہدۂ حق کرایا گیا اور ان کی اپنی ہستی سے نجات دلائی گئی، یعنی کون ومکاں طے کرتے ہوئے لامکاں میں پہنچ گئے، لفظِ رات سے اس حقیقت کی جانب اشارہ ہے کہ رات کے وقت شور وغل نہیں ہوتا اور خلوت کے لئے بہترین وقت ہے جب خدا کے سوا کوئی نہیں ہوتا

تجدنی فی سواد اللیل عبد قریباً منک فاطلبنی تجدنی

اے میرے بندے! تو مجھے رات کی تاریکی میں پا اور تو مجھے طلب کرے گا تو پالے گا کیونکہ میں تیرے قریب ہوں۔

پس سالک کو چاہئے کہ اپنے آپ کو اپنے سے نجات دلا کر بے خود ہوجائے اور شغل باللہ میں اس قدر کمال حاصل کرے کہ ماسویٰ اللہ کی نفی ہوجائے اور ذاتِ حق میں محو اور مستغرق ہوجائے، اور اس کام میں ہرگز ہرگز تساہل نہ کرے، باقی ہر کام کو بالائے طاق رکھ دے خواہ وہ تحصیل علم ہو خواہ وِرد و اوراد سب کو ایک طرف پھینک کر گوشہ نشین ہوجائے حتیٰ کہ محویت و بے خودی طاری ہوجائے۔

رُباعی

از دل بروں کنم غمِ دنیا و آخرت یا خانہ جائے رخت بود یا خیالِ دوست
خواہم کہ ہیچ صحبتِ اغیار بر کنم در باغِ دل رہا نکنم جز نہالِ دوست

میں یہ چاہتا ہوں کہ دل سے دنیا و آخرت کا غم نکال کر پھینک دوں کیونکہ خانۂ دل میں یا تو دنیا کا ساز و سامان رکھا جا سکتا ہے یا دوست کا خیال، پس اللہ کے سوا جو کچھ بھی ہے اسے نکال کر دل میں صرف دوست کو جگہ دوں، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ آں عزیز کو یہ دولت نصیب ہو، اور ایسا مقام عطا ہو کہ خلق خدا کے لئے ملجا اور ماویٰ بن جاؤ، سراجاً منیرا بنو اور قطب وقت ہو جاؤ، ان شاء اللہ العزیز، اے برادر! ہمت بلند رکھنی چاہئے اور خدا تعالیٰ اور شیخ کے سوا کسی اور طرف رجوع نہیں کرنا چاہئے (ماخوذ از مکتوبات قدوسیہ رص ۳۰۸)۔

نیز ایک مقام پر لکھتے ہیں: ذکر و عبادت میں اس قدر مشغول ہونا چاہئے کہ ذکر و عبادت حیات بن جائے اور بے ذکر و عبادت موت نظر آئے، اس وقت حق تعالیٰ کے فضل وکرم سے وہ کشش پیدا ہوگی کہ ذاکر محو و مستغرق ہو جائے گا اور عالم قید و اضافت سے نکل کر عالمِ اخلاق میں پہنچ جائے گا، سیر الی اللہ شروع ہو جائے گی اور وَاِنَّ اِلٰی رَبِّکَ مُنْتَھَا (تحقیق انتہائی مقام تیرا رب ہے) مقام ہو جائے گا اور اس کی کوئی انتہا نہیں، پھر کشف در کشف اور مشاہدہ در مشاہدہ نصیب ہوگا اور سالک کا کام بن جائے گا۔

ذکر کی اقسام

یہاں پہنچ کر ہم چند اقسام ذکر کی تحریر کر دیتے ہیں تا کہ اسکا ذوق رکھنے والوں کو فائدہ پہنچے۔

سید الطائفۃ الاولیاء، طریقت کے امام حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ نے ذکر کی چار اقسام ضیاء القلوب میں تحریر فرمائی ہیں۔

(۱) ناسوتی: جیسے لا الٰہ الا اللہ (۲) جبروتی: جیسے اللہ (۳) لاہوتی: جیسے ھو ھو (۴) ملکوتی: جیسے الا اللہ۔

زبان کے ذکر کو ناسوتی، دل کے ذکر کو ملکوتی، روح کے ذکر کو جبروتی، اور ذکر سر کو

لاہوتی کہتے ہیں۔

حضرت شیخ چونکہ چشتی المشر ب تھے اس لئے ذکر جہری انفراداً اور اجتماعاً دونوں طرح آپ کا معمول تھا، اس کے معنیٰ یہ نہیں کہ دوسرے سلاسل سے آپ ناواقف تھے بلکہ آپ جامع السلاسل تھے اور ذکرِ قلبی بھی بکثرت کرتے تھے، لیکن چونکہ غلبہ آپ پر اور آپ کے متبعین پر چشتیت کا رہا، اس اعتبار سے یہ خاندان چشتی کہلاتا ہے۔

بعض لوگ جن کو اس راستہ کی حقیقت سے کوئی واقفیت نہیں ہے ذکر جہری پر اعتراض کردیتے ہیں، حضرت علامہ عبدالحی لکھنویؒ نے اپنے ایک رسالہ میں ذکر جہری پر پچاس احادیث سے یہ بات ثابت کی ہے کہ ذکر جہری انفراداً ہو یا اجتماعاً درست ہے، اور مشائخ نقشبندیہ قدس اسرارہم کے یہاں جو ذکر قلبی اور دیگر لطائف سے کرایا جاتا ہے بہت ہی زیادہ نافع اور لذیذ ترین اور افضل شئے ہے اور اس کو ذکر جہری پر ستر گنا زیادہ فضیلت حاصل ہے، چنانچہ ذکر قلبی کے تعلق سے چند حقائق مع دلائل لکھے جاتے ہیں (۱) اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبَ (سورۂ رعد) (خبردار اللہ کے ذکر ہی سے قلوب کو اطمینان حاصل ہوتا ہے) اس سے معلوم ہوا کہ ذکر اللہ موجب اطمینان قلب ہے، چاہے وہ زبان سے ہو یا دل سے ہو، لیکن تجربہ شاہد ہے کہ ذکر قلبی کے بعد دل کو ایک سکون ملتا ہے اس کی کیفیت ہی بالکل نرالی ہوتی ہے اور اس سے قلب کو ایک خاص قسم کا سکون حاصل ہوتا ہے جو ذکر قلبی کرنے والوں کو معلوم ہے اس لئے اس آیت میں ذکر قلبی کی طرف زیادہ اشارہ ہے، اب مطلب یہ ہوا کہ اگر دل کا سکون چاہئے تو دل سے ذکر اللہ کرو۔

(۲) وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا (سورۂ کہف) (اور آپ اس کی اطاعت نہ کرو جس کے دل کو ہم نے اپنے ذکر سے غافل کردیا ہے

اوراس کا معاملہ حد سے آگے بڑھ گیا ہے) اس آیت سے صاف طور پر یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جس شخص نے اپنے دل کو اللہ کی یاد میں نہیں لگایا اور اللہ سے غافل رہا تو اس کی بات ماننا غلط اور نقصان دہ ہے اور یہ کہ ایسے شخص کے اکثر معاملات حد اعتدال سے باہر ہوتے ہیں، یہ آیت بتارہی ہے کہ جس شخص کا دل اللہ کی یاد میں لگا ہوا ہو اس کی صحبت اور اطاعت مفید اور نافع ہے اور اس کے معاملات بھی اکثر درست ہوتے ہیں، یہ نتیجہ ہے ذکر قلبی کا، لہذا اس آیت سے بھی ذکر قلبی کی تعلیم اور تلقین معلوم ہورہی ہے۔

(۳) رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ (سورۂ نور) (اور اللہ والے وہ لوگ ہیں جن کو تجارت وکاروبار اللہ کی یاد سے نہیں ہٹاتا) یہاں اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اللہ کے نیک بندے تجارت زراعت وغیرہ میں لگ کر بھی نماز روزہ اور دیگر عبادات کا اہتمام برابر کرتے ہیں، اسی طرح یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ وہ لوگ تجارت وکاروبار میں لگ کر بھی ذکر سے غافل نہیں ہوتے اور ظاہر ہے کہ وہ ذکر قلبی ہی ہوسکتا ہے، کیونکہ ذکر لسانی اور ذکر جہری ہر وقت ہر حال میں مشکل ہے۔

(۴) فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَاماً وَّقُعُوداً وَّعَلٰى جُنُوبِكُمْ (سورۂ نساء) (اور یاد کرو اللہ کو کھڑے، بیٹھے اور لیٹے بھی) یہ آیتِ کریمہ بھی اس بات کی طرف اشارہ کررہی ہے کہ ہر حال میں ذکرِ قلبی کرنے کا حکم دیا جارہا ہے (درالمعارف رص ۱۵۷)۔

فناء اور بقاء

ذکر اللہ میں لگ کر تمام چیزوں سے غفلت ہوجانا ہی کمال محبت وعشق ہے، شیخی ومحبوبی عارف باللہ مولانا شاہ محمد احمد صاحبؒ فرماتے ہیں ؎

وہی مقامِ محبت ہے حضرت احمد جہاں کوئی بھی سوا ان کے یاد نہ آسکے

نَسِیتُ کُلَّ طَرِیقٍ کُنتُ اَعرِفُہٗ　　اِلَّا طَرِیقًایُوَّدِّینِی اِلٰی دِیَارِ کُمُ

بھول گیا میں ہر راستہ جو میں پہچانتا تھا مگر ایک راستہ جو مجھے پہنچاتا ہے محبوب کے دیار تک۔ یہ اس کا حال ہوتا ہے اور وہ اللہ کی محبت اور عشق میں جتنے مقامات طے کرتا جاتا ہے اتنی ہی زیادہ اس کے اندر اللہ کی محبت اور تڑپ بڑھتی چلی جاتی ہے اور جب وہ اوپر کو دیکھتا ہے تو سمجھتا ہے کہ ابھی تو کچھ بھی طے نہیں ہوا اور جو کچھ ابھی حاصل ہوا تھا وہ کچھ بھی نہیں تھا، شیخ ابن الفارضؒ نے اسی کو فرمایا:

لو کانت منزلتی فی الحب عندکم　　ماقدرائیت فقد ضیعت ایّامی

اگر میرا مقام ومرتبہ آپ کی محبت میں یہی ہے جو میں دیکھ رہا ہوں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ میری عمر ضائع ہوگئی کچھ بھی حاصل نہیں ہوا۔ حسرت اور یاس ہی کرتا رہتا ہے یہی مقام فنا ہے کہ اب اس عاشق صادق کو سوائے اللہ کی محبت کے اور عشق کے نہ کچھ اور مطلوب ہوتا ہے نہ مقصود، اور اس کی زبان پر یہ ہوتا ہے جو اس شعر میں فرمایا گیا، یہی مقام فناء ہے ؎

ہر وقت تیرا ذکر ہے ہر وقت تیری یاد　　کچھ اور نہیں ہے یہی سامان محبت

مٹادو ہاں مٹادو اپنی ہستی تم محبت میں　　یہی کہتے ہیں بسطامی، غزالی اور جیلانی

اللہ کے تمام عاشقوں کا یہی حال ہوتا ہے، روتے بھی ہیں تو اللہ کی محبت میں، ہنستے بھی ہیں تو اسی کے لئے، ملاقات کرتے ہیں تو بھی اسی کے لئے، آرام کرتے ہیں تو بھی اسی کے لئے، الغرض زندگی کے تمام معاملات عبادات ہوں یا عادات سب کچھ اللہ ہی کیلئے ہوتا ہے۔

حق تعالیٰ فرماتے ہیں اِنَّ صَلَاتِی وَنُسُکِی وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ (سورۃ انعام) بیشک میری نماز اور عبادت، جینا اور مرنا سب کچھ اللہ کے لئے ہے جو رب العالمین ہے ان کے ساتھ کوئی

شریک نہیں ہے اوراسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے اورمیں اطاعت کرنے والوں میں پہلے نمبر پر ہوں۔سچے عاشق کبھی روتے ہیں کبھی ہنستے ہیں، مسکراتے ہیں اور کبھی جلتے ہیں یہی محبت کے الوان ہیں جوان پر ہمہ وقت طاری رہتے ہیں، حضرت پرتا پگڈھیؒ فرماتے ہیں:

رونا کبھی، ہنسنا کبھی، جلنا کبھی بجھنا　　　الوان محبت ہیں یہ الوان محبت

فناء کا ذکر اکابر اولیاء اللہ کی سوانح واذکار واقوال میں کثرت کے ساتھ ملتا ہے حضرت اقدس شاہ مولانا محمد احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

فناء جب تک نہ ہوں اللہ ہرگز مل نہیں سکتا
غزالی ہوں کہ رازی مولوی ہوں کہ جیلانی

اور ایک جگہ فرمایا ہے کہ انعام بھی تبھی ملتا ہے جب یہ کیفیت ہوتی ہے:

مقدر سے جسے حاصل فنائے تام ہوتا ہے
حقیقت میں وہی تو قابل انعام ہوتا ہے

بتاؤں آپ سے کیا عاشقوں کا کام ہوتا ہے
دل ان کی یاد میں اور لب پہ ان کا نام ہوتا ہے

الغرض فناء کا خلاصہ یہ نکلا کہ اللہ کے ذکر وفکر میں انہماک تام اور استغراق کامل نصیب ہوجائے اگر چہ چند لمحات کیلئے ہی کیوں نہ ہو،بعض اولیاء اللہ پر مخصوص اوقات میں یہ مخصوص کیفیات طاری ہوتی ہیں اور بعض اولیاء اللہ پر ایک طویل وقت تک یہ کیفیات طاری رہتی ہیں ،جس کی برکت سے ان کے اندر سے اوصافِ مذمومہ اور عادات رذیلہ ختم ہوجاتی ہیں اور صفات حسنہ، اخلاق محمودہ پیدا ہوجاتے ہیں، اسی پر منجانب اللہ انعامات ملتے ہیں اوراس کا ذکر خیر جاری ہوتا ہے، یہ بقا باللہ کی ایک شان ہے، یہ فنا کا خلاصہ ہے جو اکابر کے کلام سے سمجھ میں آتا ہے۔

اقسامِ فناء

چنانچہ فناء کی مختلف اقسام ہیں:

(۱) فناء الجہل: یعنی جہالت اوراس کے مقتضیات سے بچ کر علم اوراس کے تقاضوں پر عمل کرنا (۲) فناء الغفلۃ: یعنی غفلت کے پردوں کو چاک کر کے اللہ کی یاد میں اور ذکر وفکر میں لگے (۳) فناء الشک: یعنی ایمانیات میں اوراللہ پاک کے وعدوں کے سلسلہ میں کسی طرح کا شک وشبہ نہ کرے بلکہ پورا یقین اوراطمینان ہو (۴) فناء البخل: یعنی حقوق واجبہ مالیہ کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کرے اور حقوق واجبہ اور مستحبہ یعنی زکوۃ، صدقات کے علاوہ بندوں کے اوپر اپنا مال ہر موقع پر اور ہر طرح خرچ کرے جس سے مکمل سخاوت کی کیفیت پیدا ہو جائے (۵) فناء غضب: یعنی غیر مناسب اور بے محل غصہ اور غضب چھوڑ کر نرمی اور رفق، مخلوق پر شفقت اور عنایت کا معاملہ کرے جس سے ان کو دینی فیض پہنچنے میں سہولت ہو اور وہ بآسانی استفادہ کر سکیں (۶) فناء الریاء: یعنی ریا کی کیفیت کا خاتمہ کر کے مکمل اخلاص وللہیت کی کیفیت حاصل کی جائے چاہے اس کے لئے کتنے ہی مجاہدات کرنے پڑیں، جب تک کہ یہ حالت حاصل نہ ہو جائے مقام قبولیت عنداللہ حاصل نہیں ہوسکتا (۷) فناء الکذب: یعنی ہر قسم کے جھوٹ سے اجتناب اور احتیاط کرے اور صدق وصفاء کو اختیار کرے تاکہ اس کا نام صادقین میں لکھا جاسکے (۸) فناء التکبر: یعنی تکبر جوام الامراض ہے اپنے اندر سے پوری طرح نکالنے کی کوشش کرے اوراس کے لئے محنت اور مجاہدہ اختیار کرے اور بزرگوں کے پاس وقت لگائے اور تواضع اور انکساری حاصل کرے اوراس کے لئے پوری طرح جدوجہد کرے (۹) فناء مادون الحق: یعنی غیر اللہ کی محبت وتعلق دل سے بالکل نکال دے اوراللہ سبحانہ وتعالیٰ کی محبت دل میں پورے طور

پر بٹھانے اور جمانے کی کوشش کرے اور اس کے لئے کثرت ذکر قلبی اور فکر ومراقبات اختیار کرے جیسا کہ مشائخ نقشبندیہ کے یہاں اس کا اہتمام کرایا جاتا ہے۔

ان تمام کی تفصیلات کے لئے ''ضیاء القلوب'' مصنفہ حضرت اقدس حاجی امداد اللہؒ ملاحظہ فرمالیں یہاں تھوڑی سی تشریح کے ساتھ اس کو پیش کیا گیا ہے، شیخی ومحبوبی حضرت مولانا شاہ محمد احمد قدس سرہ فرماتے ہیں:

یہ دل کی ہے آواز کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں
اس پر ہے مجھے ناز کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں

تیرے کرمِ خاص پہ سو جان سے قربان
میں اس سے ہوں ممتاز کہ میں کچھ بھی نہیں ہوں

مزید فرماتے ہیں:

خودی اپنی مٹائیں اور خود رائی سے باز آئیں
یہ سب ہیں عشق کے احکام مولانا لئیق احمد

فنا ہے شرط اول قول ہے اہل محبت کا
یہی کرتے ہیں سب ارقام مولانا لئیق احمد[1]

فناء محبوب حقیقی کی مرضی میں اپنی مرضی کو ختم کر دینے کا نام ہے، اور اس کو پیدا کرنے کیلئے بیعت وارشاد کا راستہ اپنایا جاتا ہے، مشائخ مرید کو پہلے فناء فی الشیخ کے مقام پر لاتے ہیں جب وہ اس مقام پر آجاتا ہے پھر فناء فی الرسول کے مقام پر لاتے ہیں پھر فناء

---

[1] مولانا لئیق احمد صاحب مرحوم حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحبؒ کے خواص میں سے تھے، جن کو حضرت کے ساتھ بڑی محبت تھی اور حضرت کو ان کے ساتھ بہت بے تکلفی تھی، ان کے نام سے یہ اشعار منسوب ہیں۔

فی اللہ کے مقام پر پہنچا دیتے ہیں، اس لئے سالک کو اپنی مرضی چھوڑنی پڑتی ہے تبھی کچھ آگے کام بنتا ہے، جس کی طرف حضرت نے ان اشعار میں رہنمائی فرمائی ہے اور مرید کو اللہ کی مراد تک پہنچنے کا ایک اسلوب اور سلیقہ سمجھایا ہے، نیز فرماتے ہیں:

پڑھو قرآں سمجھ کر اور عمل دل سے کرو اس پر
فناء ہوں حق کی مرضی میں بنو محبوب سبحانی

تیرے عشق میں فناء رہوں تیری یاد میں لگا رہوں
تو کرم سے اپنے مجھے بچا کہ یہ دور دورِ شرور ہے

جو اہل عشق کی ابتدا، جو ہے اہل عشق کی انتہا
میں بتاؤں احمد بےنوا میرا اعترافِ قصور ہے

سبحان اللہ العظیم! عارفِ پرتا پگڑھی محبوب سبحانی نے کیا ہی عجیب انکشاف فرمایا کہ عشق کی ابتدء اور انتہاء اعتراف قصور ہی ہے، شروعات بھی توبہ و استغفار ہی سے ہے اور عبادت اور زہد و تقوی کے اخیر میں بھی اس کے علاوہ کوئی راستہ نہیں کہ اللہ کے سامنے اپنے قصور کا اعتراف کرے کہ یا اللہ کچھ بھی نہیں ہوسکا جیسا کہ کرنا چاہئے تھا، معاف فرما اور گرفت سے حفاظت فرما۔ (از عرفان محبت، حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعہ)

درالمعارف رص ۸۷ر پر حضرت مولانا شاہ غلام علی نقشبندی قدس سرہ خلیفۂ اکبر مرزا مظہر جان جاناں قدس سرہ فرماتے ہیں: میں محفل فیضِ منزل میں حاضر ہوا، حضرت والا نے فرمایا امام محمد غزالیؒ کے قول کے مطابق فنا عبارت ہے خصائل رذیلہ کے دفع ہونے سے، اور حضرت محبوب سبحانی غوث صدانی سید محی الدین ابو محمد عبدالقادر جیلانیؒ کے نزدیک فنا کی تین قسمیں ہیں:

ایک فنائے خلق: کہ مخلوق سے امید وبیم (یعنی خوف) کا کوئی واسطہ نہ رہے، دوسرے فنائے ہوا: یعنی غیر حق جل وعلا سے کوئی آرزو بالکل دل میں باقی نہ رہے، اسی معنی میں حضرت والا کا یہ شعر بھی ہے:

من نہ آں مَستم کہ جام مئے ہَوَس باشد مَرا
گردش ازساغر چشمِ توبس باشد مرا
میں وہ مست نہیں جسے شراب کے جام کی خواہش ہو
تیری چشم کے ساغر کی گردش ہی مجھ کو کافی ہے

تیسرے فنائے ارادہ: یعنی کوئی ارادہ دل میں باقی نہ رہے۔

ایک بزرگ نے فرمایا: ''اريد ان لا اريد ''میں ارادہ کرتا ہوں کہ کوئی ارادہ نہ کروں اور ارادہ ہی خواہشات کی اصل ہے، جس طرح چشمہ کسی نہر کا منبع ہوتا ہے اسی طرح ارادہ خواہشات کا منبع ہوتا ہے، اور فنائے خلق وفنائے ہوا حضرات مجددیہ کی اصطلاح کے مطابق لطیفۂ قلب کی سیر میں میسر ہوتے ہیں جو کہ تجلی افعال سے عبارت ہے اور فنائے ارادہ لطیفۂ نفس میں ظاہر ہوتا ہے۔

حضرت والا نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ حضرات مجددیہ کے طریق میں ہر لطیفہ کی فنائیت علیحدہ علیٰحدہ ہوتی ہے، پہلی فنا، فنائے قلب ہے جس کا مطلب ماسوا سے نسیان کا حاصل ہونا اور قلب حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے قدم کے نیچے ہے، جس کسی کو حق سبحانہ وتعالیٰ اس ولایت کا شرف بخشتا ہے اور اپنے تقرب کا معاملہ اس راہ سے فرماتا ہے اس کو ''آدمی المشرب'' کہتے ہیں، اس کے بعد فنائے لطیفۂ روح ہے جو حضرت ابراہیم علی نبینا وعلیہما الصلوٰۃ والسلام کے قدموں کے نیچے ہے، جس کسی کو اس ولایت سے مختص فرماتے ہیں اس کو ''ابراہیمی المشرب'' کہتے ہیں (درالمعارف ص ۸۷)۔

تقویٰ واحتیاط

تقویٰ و پرہیز گاری پر ہی اس راہِ سلوک واحسان (تزکیہ نفس تطہیر باطن) کی بنیادیں قائم ہیں، اس کے بغیر نہ ولایت ہے نہ بزرگی سب کچھ اسی کے ذریعہ سے حاصل ہوتا ہے تمام اعمال شرعیہ کا مقصد اعلیٰ تقویٰ ہی ہے، خدا تعالی نے قرآن کریم میں اس قدر ترغیب دی ہے کہ جگہ جگہ تقوی کا حکم اور متقین کی صفات وکمالات اور انعامات بیان فرمائے گئے ہیں۔

(۱) یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ (سورۂ آل عمران) اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرا کرو جیسا کہ ان سے ڈرنے کا حق ہے اور تمہاری موت اس حالت میں آنی چاہئے کہ تم پکے مسلمان ہو۔

(۲) یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ (سورۂ حجرات) اے لوگو! ہم نے تم (سب) کو ایک مرد اور ایک عورت (یعنی آدم وحوا) سے پیدا کیا ہے (پس اس میں تو سب برابر ہیں اور (پھر جس بات میں فرق رکھا ہے کہ) تم کو مختلف قومیں اور (پھر ان قوموں میں) مختلف خاندانوں میں پیدا فرمایا (سومحض اسلئے) تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کرسکو (جس میں بہت سی مصلحتیں ہیں نہ اس لئے کہ ایک دوسرے پر تفاخر کرو کیونکہ) اللہ کے نزدیک تم سب میں بڑا شریف وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیز گار ہو (اور پرہیز گاری ایسی چیز ہے کہ اس کا حال کسی کو معلوم نہیں بلکہ اس کے حال کو اللہ خوب جاننے والا ہے (اور وہی اس سے) پورا خبر دار ہے (پس اس پر بھی شیخی مت کرنا کما قال تعالیٰ فلا تزکوا انفسکم (سورۂ نجم) (۳) اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا

وَالَّذِیْنَ ھُمْ مُحْسِنُوْنَ (سورۂ نحل) بیشک اللہ پاک ان لوگوں کے ساتھ ہوتے ہیں جو اللہ سے ڈرتے ہیں اور جو اچھے کام کرتے ہیں (۴) وَکُلُوْ مِمَّا رَزَقَکُمُ اللّٰہُ حَلٰلاً طَیِّباً وَّاتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیْ اَنْتُمْ بِہٖ مُؤْمِنُوْن (سورۂ مائدہ) اور کھاؤ ان چیزوں کو جو اللہ نے تم کو دی ہیں حلال وپاکیزہ اور ڈرو اللہ سے جس پر تم ایمان رکھتے ہو (۵) یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّکُمْ فُرْقَانًا وَیُکَفِّرْ عَنْکُمْ سَیِّاٰتِکُمْ وَیَغْفِرْلَکُمْ وَاللّٰہُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِیْم (سورۂ انفال) اے ایمان والو اگر تم اللہ سے ڈرو گے تو بنا دیں گے تمہارے لئے فرقان یعنی ایسی دلیلیں جس سے حق وباطل میں فرق کرسکو گے اور مٹا دیں گے تم سے تمہاری سیئات کو اور معاف کردیں گے تمہارے گناہوں کو اور اللہ پاک بڑے فضل والے ہیں (۶) اِنَّ لِلْمُتَّقِیْنَ مَفَازًا حَدَآئِقَ وَاَعْنَابًا وَّکَوَاعِبَ اَتْرَابًا وَکَاْسًا دِھَاقًا لَّایَسْمَعُوْنَ فِیْھَا لَغْواً وَّلَا کِذّٰباً جَزَآءً مِّنْ رَّبِّکَ عَطَآءً حِسَابًا (سورۂ نباء) بیشک متقین کیلئے کامیابی ہوگی، باغات ہوں گے اور انگور ہوں گے، حوریں ہوں گی ایک عمر کی اور چھلکتے جام ہوں گے، نہ سنیں گے اس میں بیکا ربات اور نہ جھٹلانا اور یہ بدلہ ہوگا تیرے رب کی جانب سے پورا کا پورا۔

ان تمام آیات سے تقوی کی اہمیت وعظمت اور تقوی پر مرتب ہونے والے انعامات کا پتہ چلتا ہے، اس لئے تمام اولیاء اللہ اس کو اپنا شعار بناتے ہیں اور کیوں نہ بنائیں جبکہ حق تعالیٰ نے فرمایا: اَلَا اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰہِ لَاخَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَاھُمْ یَحْزَنُوْنَ اَلَّذِیْنَ آمَنُوْا وَکَانُوْا یَتَّقُوْن (سورۂ یونس) بیشک اللہ کے دوستوں پر نہ خوف ہوگا نہ وہ کسی غم میں پڑیں گے، یعنی وہ لوگ جو اللہ پر ایمان لائے اور اللہ سے ڈرتے تھے شریعت کے مطابق عمل کرتے تھے، نیز فرمایا اللہ کے دوست تو متقی ہی ہوتے ہیں، یہ بات بالکل واضح ہے کہ ظاہری بیماری کا علاج بھی بغیر پرہیز کے ممکن نہیں ہے تو روحانی بیماریوں کا علاج اس کے بغیر کیسے

ہوسکتا ہے؟ حضراتِ اہل اللہ کی زندگیوں میں یہ عنصر بہت ہی زائد نمایاں حیثیت رکھتا ہے، پھر تقویٰ کی مختلف اقسام وانواع ہیں۔

چنانچہ علاّمہ شامیؒ لکھتے ہیں: **قال فی الاحیاء للورع أربع مراتب الاولی مایشترط فیہ عدالۃ الشھادۃ وھو الاحتراز عن الحرام الظاھر ،الثانیۃ ورع الصالحین وھو التوقی من الشبھات التی تتقابل فیھا الاحتمالات، الثالثۃ ورع المتقین وھو ترک الحلال المحض الذی یخاف منہ أداؤہ الی الحرام، الرابعۃ ورع الصدیقین وھو الاعراض عما سوی اللہ تعالیٰ** (شامی رج ۱رص ۳۰)۔

مثلاً تقوی عن الشرک ،تقوی عن البدعۃ ،تقوی عن الحرام ،تقوی عن المشتبھات، پھر اس سے اعلیٰ درجہ ورع ہے پھر وہ بھی کئی طرح کا ہے۔

(۱) ورع العدول ،یعنی ان تمام چیزوں سے بچنے کے ساتھ جو معصیت اور فسق وعصیان ہوں، غیر مناسب چیزوں سے بھی بچنا۔

(۲) ورع الصالحین :حرام چیزوں سے بچنے کے ساتھ ساتھ مکروہات ومشتبھات سے بھی بچنا، اگر چہ فتوی کے اعتبار سے گنجائش بھی ہو۔

(۳) ورع المتقین :اوپر ذکر کی گئی تمام چیزوں سے بچنے کے ساتھ ساتھ غیر مناسب چیزوں سے بچنا اگر چہ اس میں جواز کا پہلو ہی کیوں نہ ہو۔

(۴) ورع الصدیقین: وغیرہ وغیرہ ،اس موضوع پر راقم الحروف نے ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جس کا نام ''فضیلت تقوی'' ہے، جس میں تقوی کے مضمون پر تفصیلی گفتگو کی گئی ہے۔

حضرتؒ کی زندگی سراپا تقویٰ وپرہیز گاری ہی تھی ، ہر چیز میں غایت تورع برتتے تھے حرام تو حرام مشتبھات کے پاس تک نہ جاتے تھے، چنانچہ شیخ رکن الدینؒ لطیفہ ر۵۱، میں

لکھتے ہیں کہ حضرتؒ ان قصابوں کا گوشت نہیں کھاتے تھے جو بے نمازی ہوتے تھے۔

ایک قصاب جو آپ کا مرید تھا، مسائل ذبح اور آداب سے پوری واقفیت رکھتا تھا اس کا ذبیحہ تناول فرماتے تھے اور بس، عام کنوؤں کا پانی استعمال نہیں کرتے تھے چونکہ وہاں بکثرت لوگ آتے ہیں، بہت سوں کو صفائی وطہارت ونظافت کا علم نہیں ہوتا اگر چہ شریعت کا فتویٰ اس کو ناپاک قرار نہیں دیتا کہ اس میں حرج لازم آئیگا، اسی لئے رسول اللہ ﷺ سے بیر بضاعہ جو دار بنی ساعدہ میں ایک کنواں تھا اس کا پانی استعمال کرنا ثابت ہے یہی ''الدین یسر'' کا مقتضیٰ ہے، شیخ علیہ الرحمہ کا یہ عمل اپنے حال وکیفیتِ خاص کے اعتبار سے تھا، یہ ایسا ہی ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہؒ نے سنا کہ ایک بکری کسی کی گم ہوگئی تو ایک عرصہ تک بازار سے بکری کا گوشت کھانا چھوڑ دیا کہ معلوم نہیں وہی تو نہ ہو، ایک جنازہ سے واپسی پر دھوپ کی شدت کی وجہ سے لوگوں نے حضرت سے درخواست کی کہ برابر ہی سایہ ہے اس کے نیچے تشریف رکھیں، تو آپ نے منع فرمایا اور فرمایا کہ یہ میرا مقروض ہے اور صاحبِ قرض کی کسی چیز سے فائدہ اٹھانا ربا (سود) ہے کل قرض جرَ نفعاً فھو رباء او کما قال علیہ السلام جس قرض سے فائدہ حاصل کیا جائے علاوہ اصل رقم کے وہ نفع بھی سود ہے۔

چونکہ یہ حضرات بڑے مقام پر فائز تھے اسلئے ان کی نظر بھی بڑی لطیف اور باریک تھی۔

(عقود الجمان رص ۲۴۴)

عبدیت وتذلُّل

عبدیت سے مراد یہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے سامنے ہر طرح اپنی بندگی کا قولاً فعلاً اظہار کرے، اور تذلل سے مقصد یہ ہے کہ اپنے نفس کو اللہ کیلئے ذلیل کرے، یعنی اس کی نفسانی خواہشات اور اس کی چاہتوں پر ضرب لگائے کیونکہ نفس برائیوں کا بکثرت حکم کرنے

والا ہے اس لئے اگر اس کی مخالفت کر کے اس کو قابو میں نہیں لایا گیا تو وہ ہلاک کر دیگا، اس لئے نفس کی سرکشی اور شرارت سے محفوظ رہنے کیلئے مشائخ مجاہدات کا راستہ اختیار کراتے ہیں اور اس کو اللہ کے سامنے اس لئے ذلت میں ڈالتے ہیں تاکہ تواضع پیدا ہو جائے اور اپنے مریدین پر زجر و توبیخ کا مقصد بھی کسر نفسی ہی ہوتا ہے نہ کہ ان کو ذلیل کرنا۔

یہ دو باتیں راہ طریقت میں چلنے والے کیلئے بہت ہی اہم ہیں، ذیل میں قدر مشترک ان دونوں کے متعلق کچھ باتیں عرض کی جارہی ہیں۔

تزکیہ و احسان کے طریق میں نفس امارہ کی سرکوبی اور اس کو ذلیل کرنا ہی ترقی و بامِ عروج پر فائز ہونے کا ذریعہ ہے اس کے بغیر معرفت و محبت و عشق کے جذبات، انوار و برکات حاصل ہی نہیں ہو سکتے۔

رسول پاک ﷺ کا سب سے بڑا کمال عبدیت ہی ہے، اسی لئے اللہ پاک نے جہاں اسراء و معراج کا تذکرہ کیا وہاں فرمایا سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلاً مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی الَّذِیْ بَارَکْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ آیٰتِنَا اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْر (سورۂ بنی اسرائیل) پاک ہے وہ ذات جو لے گئی اپنے بندے کو رات ورات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک جس کے آس پاس میں ہم نے برکت رکھی ہے تاکہ دکھائیں ہم ان کو اپنی بڑی نشانیاں۔

اس آیت کریمہ میں اللہ پاک نے اتنے بڑے کمال کے ذکر میں آپ کا جو وصف خاص ذکر کیا ہے وہ عبدیت ہے، معلوم ہوا کہ اگر اس سے بڑا کوئی اور وصف ہوتا تو اسکو ذکر کیا جاتا، نیز یہاں یہ بھی بتانا ہے کہ آپ کو جو معراج کرائی گئی وہ آپ کے انتہائی عبدیت کے مظاہرے کی برکت سے ہے، حضرات انبیاءؑ اس وصف میں سب سے بڑھے ہوئے ہوتے تھے، اور کیوں نہ

ہوتے جبکہ وہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو سب سے زیادہ پہچانتے تھے، نیز اللہ پاک نے حضرت عیسیٰؑ کے تعلق سے فرمایا ہے لَنْ یَّسْتَنْکِفَ الْمَسِیْحُ اَنْ یَّکُوْنَ عَبْداً لِلّٰہِ وَلَا الْمَلٰٓئِکَۃُ الْمُقَرَّبُوْنَ (سورۂ نساء) نہیں عار کرتے تھے مسیحؑ اس بات سے کہ بنے اللہ کا بندہ اور تواضع کریں اللہ کے سامنے اور نہ مقرب فرشتے ہی، اور ایک جگہ فرمایا قَالَ اِنِّی عَبْدُاللّٰہِ آتٰنِیَ الْکِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیّاً وَّجَعَلَنِیْ مُبٰرَکاً اَیْنَ مَا کُنْتُ وَاَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوۃِ وَالزَّکٰوۃِ مَادُمْتُ حَیّاً (سورۂ مریم) بیشک میں اللہ کا بندہ ہوں، عطا کی مجھے اللہ نے کتاب اور بنایا مجھکو اپنا پیغمبر اور بنایا مجھکو مبارک، جہاں بھی رہوں، اور تاکید کی مجھکو نماز کی اور زکوۃ کی جب تک میں زندہ رہوں، اس آیت میں بھی سب سے پہلے حضرت عیسیٰؑ نے جس چیز کا اظہار کیا وہ ہے اپنا بندہ ہونا، نیز ایک موقع پر اللہ پاک نے بہت سخت لہجہ میں فرمایا اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَکْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَھَنَّمَ دَاخِرِیْنَ بیشک وہ لوگ جو اعراض کرتے ہیں میری عبادت سے عن قریب جہنم میں داخل ہونگے ذلیل وخوار ہوتے ہوئے، یہ آیت کس قدر تنبیہ کرتی ہے کہ اللہ کے سامنے تذلل اور عبادت اور تواضع سے اعراض کرنا انسان کو جہنم میں داخل کرنے کا سبب بن جائے گا۔

اس لئے عبداللہ و عبدالرحمٰن اور عبدالرحیم جیسے نام جو کہ عبدیت کے مضمون پر مشتمل ہیں اللہ پاک کو بے حد محبوب ہوتے ہیں، شیخی ومحبوبی عارف باللہ، فانی فی اللہ حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

نہیں کی جس نے اپنے نفس امارہ کی قربانی
وہ کیا سمجھے وہ کیا جانے ہے کیا شئی فضل یزدانی

نہیں جس نے کیا پامال اپنے نفس سرکش کو
نہیں آزاد وہ آزاد ہوکر بھی ہے زندانی

نہ جب تک صدق دل سے ترک کر دیں حظ نفسانی

کبھی بھی آپ کو حاصل نہ ہو گا لطف روحانی

اسی لئے سارے اولیاء اللہ سالک سے اولاً ایسے کام کراتے ہیں جس سے نفس امارہ بالکل نفس مطمئنہ بن جائے تاکہ اس کو حیات طیبہ مرضیہ حاصل ہو جائے۔

حضرت شیخ اس حقیقت کو پہلے ہی سمجھ چکے تھے، اس لئے بچپن ہی سے ایسے اعمال شروع فرما دیئے تھے، چنانچہ مسجد میں اول وقت تشریف لاتے اور تمام لوگوں کے نکلنے سے قبل ان کے جوتے سیدھے کرتے تھے تاکہ نفس کا خوب علاج ہو جائے اور اس طرح کے دوسرے کام کر کے اپنے نفس کو مجاہدات میں ڈالتے تھے۔ اسی طرح کا قصہ حضرت مولانا شاہ اسمٰعیل دہلوی قدس سرہ کا بھی ہے۔

نیز ایک موقع پر حضرت شیخ نے عبودیت پر گفتگو کرتے ہوئے شیخ احمد تھانیسریؒ کو لکھا کہ عبودیت نام ہے بندہ کا اللہ کی طرف مکمل رجوع کرنے کا، صفات الٰہیہ کے ساتھ وابستہ ہو کر حق کے اندر فنا ہو جانے کا، پھر جو بھی کچھ وہ کرے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عین مرضی کے مطابق قدم اٹھائے، اپنی ذات کے فائدہ اور اپنے نفس کے لئے کچھ بھی نہ ہو، یہی فنا فی الحق کا مقام ہے جو حق کے ساتھ پوری طرح قیام کے بعد ہی حاصل ہوتا ہے، (مکاتیب قدوسیہ / ص ۱۲)۔

اسی نفس کے تزکیہ وتطہیر کے واسطے تو انبیاء علیہم السلام کی بعثت ہوتی ہے، ارشاد ربانی ہے: هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلاً مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ آیَاتِهٖ وَیُزَکِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَةَ وَاِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلَالٍ مُّبِیْنٍ (سورۂ جمعہ) اللہ پاک نے ان ناخواندہ لوگوں میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو

ان کو اللہ پاک کی آیات سنائے اور ان کا تزکیہ کرے اور ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دے۔

اس کے بغیر شیطانی خواہشات سے دوری ممکن ہی نہیں:

نہ جب تک تزکیہ ہو نفس کا خطرہ ہی خطرہ ہے
رہیں گے عمر بھر گھیرے ہوئے افکار شیطانی

(عرفان محبت/ص ۱۱۶)

یہ ہی ہے "من عرف نفسه فقد عرف ربه" یعنی جس نے نفس کی مکاریوں کو جان لیا اور مزید یہ جانا کہ وہ کتنا نالائق ہے اور پھر اس کے علاج کی طرف متوجہ ہوا تو وہ یہ بھی جان لے گا کہ حق تعالیٰ شانہ عم نوالہ کس قدر قادر ہیں ان کو قدرت تامہ عامہ حاصل ہے، ارشاد ربانی ہے: "قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا" (سورۂ شمس) جس نے اپنے نفس کو پاک وصاف کیا وہی فلاح یاب ہے "وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا" خائب وخاسر ہوا جس نے اپنے نفس کو خواہشات میں دبا دیا۔

مشائخ کرام نفس کے علاج کے لئے مختلف طریقے اپنایا کرتے تھے چنانچہ[1] حضرت مولانا اسمٰعیل شہید دہلوی قدس سرہ کا واقعہ ہے، ایک سفر میں آپ لوگوں سے الگ ہو کر مسجد میں گئے وہاں مؤذن آپ کو پہچانتا نہیں تھا اس نے آپ کو وہاں سے نکال دیا کچھ دیر کے بعد پھر آپ تشریف لے گئے اس نے پھر آپ کو نکال دیا، غالباً یہ نماز کے اوقات کے علاوہ کا واقعہ ہوگا، پھر آپ کے مجاہدین ساتھی آپ کو تلاش کرنے کیلئے نکلے اور آپ کو مسجد کے آس پاس پایا، یہ دیکھ کر مؤذن گھبرایا جب اس کو یہ معلوم ہوا کہ یہ تو بہت بڑے عالم بھی ہیں اور اپنی پوری فوج کے سپہ سالار بھی ہیں آپ نے اس سے فرمایا کہ بالکل

---

[1] آپ اپنے دور کے بہت بڑے عالم فاضل، خاندان ولی اللہ کے عظیم فرزند احقاق حق اور ابطال باطل میں یکتائے زمانہ بزرگ تھے، تمام عمر دین کی خاطر وقف کردی تھی آخر کار بالاکوٹ میں جہاد کرتے ہوئے جام شہادت نوش فرمایا رحمۃ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

اطمینان رکھو تمہیں کوئی کچھ نہیں کہے گا، نیز حضرت فاروق اعظمؓ کے متعلق منقول ہے کہ آپ اپنی کمر پر مشکیزہ لاد کر پھر رہے تھے لوگوں نے کہا کہ حضرت ہمیں دیدیجئے، آپ نے فرمایا نہیں میں اپنے نفس کا علاج کر رہا ہوں ایک وفد میرے پاس آیا تھا اور اس نے میری تعریف کی جس سے مجھکو اپنے دل میں تکبر کا خطرہ پیدا ہوا اس طریقہ سے میں نے اس کا علاج کیا ہے، نیز منقول ہے کہ ایک بار حضرت علیؓ ایک نیا کرتہ پہن کر نکلے پھر آپ نے اس کی آستین کاٹ دی اور اس کو عیب دار بنا دیا جب آپ سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اس طریق سے میں نے نفس کا علاج کیا ہے۔ اس قسم کے بہت سے واقعات ہیں۔

فقر وفاقہ مستی

مشائخ و اولیاء اللہ کی اس مقدس جماعت کو فقر و فاقہ کے ساتھ بے حد محبت و تعلق ہوتا ہے، اکثر ان کی یہ کیفیت اضطراراً ہوتی ہے کیونکہ ان کے پاس اسباب معیشت اور اسبابِ کسب مال نہیں ہوتے، اور بعض مرتبہ اختیاراً بھی، ان کو اس میں لذت محسوس ہوتی ہے اور ملاء اعلی یعنی فرشتوں کے ساتھ مناسبت پیدا ہوتی ہے کیونکہ فرشتے کھانے پینے اور بشری تقاضوں سے پاک ہوتے ہیں، یہی حضرات انبیاء علیھم السلام کی حیات طیبہ کا عنصر غالب ہوتا ہے، سید الاولین والآخرین رحمت عالم ﷺ کی حیات مبارکہ کو پڑھیئے! کہ بیشتر آپ پر فقر و فاقہ کی کیفیت طاری رہتی تھی اور یہ کہ کس درجہ آپ کو اس سے تعلق تھا بلکہ آپ نے اس کو اپنی محبت و تعلق کا معیار قرار دیا ہے۔

ایک صحابیؓ نے عرض کیا کہ حضرت مجھے آپ سے محبت ہے، فرمایا کہ بس تب تو فقر و فاقہ کے لئے تیار ہو جاؤ، جو مجھ سے محبت کرتا ہے اس کے یہاں فقر و فاقہ پانی کے سیلاب سے بھی جلد پہنچ جاتا ہے، یعنی اس کو فقر و فاقہ سے محبت ہو جاتی ہے اور جب کہ وہ

یہ جان لیتا ہے کہ ہمارے نبی ؐ کو بھی یہ محبوب تھا اور ان پر بھی یہ کیفیت طاری رہتی تھی تو پھر اس پر گھبراہٹ وغیرہ طاری نہیں ہوتی اور وہ اس حالت میں بھی صبر وقناعت سے کام لیتا ہے (مشکوٰۃ شریف رص ۴۴۴ رج ۲)۔

اسی طرح راہ سلوک وطریقت میں لگنے والوں پر ذکر وفکر کی کثرت اور رزق کے اسباب کی قلت کی وجہ سے اگر ایسے حالات آجائیں تو گھبرانا نہ چاہئے بلکہ سنتِ سلف صالح سمجھ کر برداشت کرے اور حتی الامکان اس کا اظہار مخلوق سے نہ کرے بلکہ اللہ پاک کے سامنے کرے تا کہ رحمت حق تعالیٰ متوجہ ہو اور ذلت ورسوائی سے بھی بچ سکے۔

قرآن وحدیث شریف میں بیشتر مقامات پر فقر، فقراء کا لفظ استعمال ہوا ہے اور اس کے لئے بڑے اعلیٰ درجہ کے مدارج کا وعدہ فرمایا گیا ہے، مثال کے طور پر ارشاد ربانی ہے: لِلْفُقَرَآءِ الْمُهٰجِرِیْنَ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّیَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِکَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ (سورۂ حشر) ان حاجتمند مہاجرین کا (بالخصوص) حق ہے جو اپنے گھروں سے اور اپنے مالوں سے (جبراً وظلماً) جدا کر دیئے گئے (یعنی کفار نے ان کو اس قدر تنگ کیا کہ گھر بار چھوڑ کر ہجرت پر مجبور ہوئے اور اس ہجرت سے) وہ اللہ تعالیٰ کے فضل (یعنی جنت) اور رضامندی کے طالب ہیں (کسی دنیوی غرض سے ہجرت نہیں کی) اور وہ لوگ اللہ اور اس کے رسول ؐ (کے دین) کی مدد کرتے ہیں اور یہی لوگ (ایمان کے) سچے ہیں۔

نیز فرمایا: لِلْفُقَرَآءِ الَّذِیْنَ اُحْصِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ لَایَسْتَطِیْعُوْنَ ضَرْبًا فِی الْاَرْضِ یَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِیَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِیْمٰهُمْ لَایَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا وَمَاتُنْفِقُوْا مِنْ خَیْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ (سورۂ بقرہ) (صدقات)

اصل حق ان حاجتمندوں کا ہے جو مقید ہو گئے ہوں اللہ کی راہ (یعنی دین کی خدمت) میں (اور اسی خدمت دین میں مقید اور مشغول رہنے سے) وہ لوگ (طلب معاش کیلئے) کہیں ملک میں چلنے پھرنے کا (عادۃً) امکان نہیں رکھتے (اور) ناواقف ان کو تونگر خیال کرتا ہے انکے سوال سے بچنے کے سبب سے (البتہ) تم ان لوگوں کو انکے طرز (وہیئت) سے پہچان سکتے ہو (کیونکہ فقر و فاقہ سے چہرہ اور بدن میں ایک گونہ اضمحلال ضرور آجاتا ہے اور یوں) وہ لوگوں سے لپٹ کر مانگتے نہیں پھرتے (جس سے کوئی انکو حاجتمند سمجھے یعنی مانگتے ہی نہیں، کیونکہ اکثر جو لوگ مانگنے کے عادی ہیں وہ لپٹ کر ہی مانگتے ہیں) اور (ان لوگوں کی خدمت کرنے میں) جو مال خرچ کروگے بیشک حق تعالیٰ کو اس کی خوب اطلاع ہے (اور لوگوں کو دینے سے ان کی خدمت کا فی نفسہ زیادہ ثواب دینگے۔

ان دونوں مذکورہ آیتوں سے ان حضرات کی فضیلت ثابت ہوتی ہے جو غربت وفقر وفاقہ میں وقت گزارتے ہیں اور ذکر اللہ اور دیگر اعمال صالحہ میں مشغول رہتے ہیں اور ہمہ وقت دین کی خدمت یعنی طلب علم، عمل، اخلاق، اخلاص اور جہاد وغیرہ میں لگے رہتے ہیں، یہ سب اللہ کے راستے ہیں "فی سبیل اللہ" کا جملہ قرآن پاک کی بیشتر آیات میں جہاد کیلئے استعمال ہوا ہے، اوپر آیت میں اصحاب صفہ کی تعریف کی گئی ہے جو رسول اللہ ﷺ کے دار العلوم کے سچے طالب علم اور آپ کی خانقاہ کے سچے مریدین اور زلف اور انوار نبویہ سے فیضیاب ہونے کے مشتاقین تھے نیز تزکیہ وسلوک کی محنتیں بھی بلاشک وشبہ اللہ کا راستہ ہے جس کے ذریعہ سے انسان بحر ظلمات یعنی کفر وشرک وبدعات اور دیگر خرافات سے بحر نور میں داخل ہو جاتا ہے، یعنی شریعت وسنت کا نور اور طریقت کی پاکیزہ کیفیات اس سے ظاہر ہونے لگتی ہیں۔ یہ آیت علماء، طلباء جو مدارس میں ہیں اور وہ سالکین راہ طریقت، عشاق تزکیہ واحسان اور ذکر وفکر کے دیوانے جو اپنی اصلاح کی فکر میں اور فکر

آخرت میں ہمہ تن مصروف رہتے ہیں اس کا مصداق ہیں۔

احادیث شریفہ: **روی عبدالله بن عمر رضی الله عنهما قال قال رسول الله ﷺ لأصحابه أيُّ النَّاسِ خَيْرٌ؟ فقالوا اموسر من المال يعطى حق اللّٰه فی نفسه وماله فقال نِعْمَ الرَّجُلُ هَذَا وَلَيْسَ بِه قالوا فمن خير الناس يارسول الله؟ قال فَقِيرٌ يُعْطِیْ جُهْدَهُ وقال ﷺ لبلال ألقَ الله فَقِيراً وَلا تَلْقَهُ غَنِيًّا وقال ﷺ اِنَّ اللّٰه يُحِبُّ الْفَقِيْرَ الْمُتَعَفِّفَ أَبَا الْعِيَالِ، وفى الخبر المشهور ،يَدْخُلُ فُقَرَآءُ أُمَّتِى الْجَنَّةَ قَبْلَ أَغْنِيَائِهَا بِخَمْسِمائَةِ عَامٍ** عبداللہ ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اکرم ﷺ نے ایک بار اپنے اصحاب سے کہ بتاؤ کون بہتر ہے؟ عرض کیا وہ شخص جو مالدار ہو اور اللہ کے حقوق کو ادا کرے جو اس کے اوپر ہو اور اس کے مال میں ہو، فرمایا یہ تو ہے ہی بہتر اور اس کو کوئی تکلیف بھی نہیں پھر صحابہ نے پوچھا کہ حضرت آپ بتائیں کون بہتر ہے؟ فرمایا وہ غریب فقیر آدمی جو محنت مشقت میں مبتلا رہتا ہے، محنت مشقت سے کماتا ہے اور اسکے باوجود راہِ خدا میں خرچ کرتا ہے۔

نیز ایک جگہ دعاء کرتے ہوئے فرمایا: **اللهم احيينى مسكينا وامتنى مسكينا واحشرنى فى زمرة المساكين** (مشکوۃ شریف رص ۴۴۷) یا اللہ! موت وحیات اور حشر سب مساکین کے ساتھ فرما، نیز رسول پاک ﷺ نے بلالؓ سے فرمایا اے بلال! اللہ پاک سے اس حال میں ملاقات کرو کہ تم غریب وفقیر ہو نہ کہ اس حال میں ملاقات کرو کہ تم مالدار رہو، نیز فرمایا رسول پاک ﷺ نے بیشک اللہ پاک ایسے شخص کو پسند کرتے ہیں جو فقیر ہو، سوال سے بچتا ہو اور بال بچوں والا ہو، اور ایک مشہور روایت

میں ہے کہ رسول پاک ﷺ نے فرمایا کہ فقراء جنت میں مالداروں سے پانچ سو برس پہلے داخل ہوں گے ،ان تمام روایات سے ان فقراء کی جو غربت وفاقہ میں زندگی گزارا کرتے تھے اور سوال سے بچتے تھے اور دین کی خدمت میں لگے رہتے تھے بڑی فضیلت ثابت ہوتی ہے،اس سے مراد وہ لوگ نہیں ہیں جو مستقل طور پر مانگنے کا پیشہ اختیار کرتے ہیں اور دین سے اور دین کی خدمات سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے، بلکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بلاضرورت مانگنے اور اس کو پیشہ کے طور پر اپنانے والوں کی مذمت فرمائی ہے،فرمایا کہ جو شخص لوگوں سے سوال کرے گا قیامت کے دن اس طرح آئے گا کہ اس کے چہرہ پر زخموں کے نشانات ہوں گے ، یہ اس کے ذلیل وخوار ہونے کی علامت ہوگی بلکہ بزرگوں نے فرمایا کہ پیشہ ور مانگنے والوں کو دینا گناہ ہے۔

فقر وفاقہ دراصل اولیاء اللہ کی ایک شہنشاہیت ہے یہ ان حضرات اہل اللہ کا کمال ہے کہ فقر وفاقہ کے باوجود بادشاہوں کے دروازہ پر دستک دینا اپنے اوپر حرام سمجھتے تھے اور ایسے شخص کو ''بئس الفقیر'' کہتے تھے جو ان کے پاس جائے،سید الاولین والآخرین ﷺ فداہ ابی وامی کا فقر وفاقہ اضطراری بھی تھا اور اختیاری بھی، اور فرماتے تھے کہ بس میرے لئے اتنا ہی کافی ہے جتنا کہ ایک مسافر کو چاہیئے اس سے زائد کی ضرورت نہیں ہے، واقعی دنیا اور دنیا کی نعمتیں تو غیروں کے لئے ہیں اور ہمارے لئے تو آخرت اور اس کی نعمتیں ہیں **اللھم لاعیش الاعیش الآخرۃ فاغفر الانصار والمھاجرۃ** (مشکوۃ شریف رص ۴۰۹)اے اللہ عیش تو حقیقت میں آخرت ہی کی عیش ہے لہٰذا مہاجرین وانصار کی مغفرت فرما۔

اس مقدس گروہ کی ہمیشہ یہ علامت رہی ہے کہ انہوں نے اپنے کو دنیا سے بے

نیاز رکھنے کی کوشش کی اور دنیا اور اس کی عیش وعشرت اس کی تروتازگی اور حلاوت وجاذبیت ان کو ذرا بھی اپنی طرف مائل نہ کرسکی اور ان کی توجہ الی اللہ اور توجہ الی الآخرۃ میں ذرا بھی تغیر پیدا نہیں ہوا، بلکہ ان حضرات کا مسلک یہ رہتا ہے کہ خدا کے شیروں کو لذات وخواہشات سے کیا سروکار! خواہشات اور لذات تو ضعیف اور کمزور لوگوں کے لئے ہیں تاکہ وہ ان کے ذریعہ سے طاعات وعبادات الٰہی پر قادر رہوں۔

ایک بار قطب الاقطاب، امام الکاملین حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کو سخت بھوک نے بے چین کردیا جس کی وجہ سے آپ کے دل میں یہ خیال آیا کہ میں ایسی حالت میں پہنچ گیا ہوں کہ کسی شخص سے سوال کرلوں تو یہ میرے لئے مباح ہے، یہ سوچ کر آپ ایک شخص کی طرف گئے راستہ میں آپ کو کوئی ایک کاغذ کا پرزہ پڑا ہوا ملا جس پر لکھا ہوا تھا کہ ''اے عبدالقادر کیوں گھبرا گئے ہو! ہمت سے کام لو لذات اور نعمتیں تو ہم نے کمزور لوگوں کیلئے بنائی ہیں اللہ کے شیروں کو اس دنیا سے کیا کام!'' اس مضمون کو پڑھتے ہی آپ واپس چلے آئے مسجد میں آکر بیٹھ گئے، حق تعالیٰ سے دعا میں مشغول ہوگئے۔

حضرت شیخ عبدالقدوسؒ فقر وفاقہ اور صبر وقناعت میں اعلیٰ مقام رکھتے تھے چنانچہ ''لطائف قدوسی'' میں حضرت اقدس شیخ عبدالقدوسؒ کے فقر وفاقہ کا حال مذکور ہے، کہ کئی کئی روز ایسے گذر جاتے تھے کہ گھر میں کچھ بھی کھانے کو نہیں ملتا تھا بھوک کی شدت جب بچوں کے لئے ناقابل تحمل ہوجاتی تو والدہ سے عرض کرتے تو والدہ کہتی کہ بیٹا! ابا جان کے ساتھ کھائیں گے، کافی دیر میں جب شیخ گھر میں آتے تو بچے پھر کہتے تو والدہ کہتی جاکر اپنے ابا جان سے کہو، جب وہ حضرت سے کہتے تو فرمایا کرتے کہ بیٹا صبر کرو جنت سے لاکر کھلائیں گے، کبھی آبدیدہ ہوکر فرماتے کہ میرے گناہوں کے سبب ان

معصوموں پر یہ مصیبت آرہی ہے، بچے پھر جاتے اور والدہ سے کہتے کہ اماں جان جنت کہاں ہے؟ چلو کھانا لے آئیں۔اس طرح کا قصہ ہوتا رہتا تھا شیخ مولائے حقیقی کی یاد میں کسب دنیا سے غافل رہتے تھے، ان کا یہ حال اضطرار کی حد تک پہونچا ہوا تھا اور کسب مال کی طرف متوجہ ہونے نہیں دیتا تھا، بعد میں اللہ پاک نے صبر واستقلال کی برکت سے فتوحات کے دروازے کھولدئے تھے اور وسعت ہوگئی تھی، جیسا کہ اللہ پاک کا نظام ہے کہ وہ کچھ امتحانات کے بعد پھر دروازے کھول دیا کرتے ہیں، شیخ کا یہ حال تھا جو اس شعر میں مذکور ہوا ہے:

هَجَرْتُ الْخَلْقَ طُرّاً فِيْ هَوَاکَ وَاَيْتَمْتُ الْعِيَالَ لِکَی اراکا

وَلَوْ قَطَعْتَنِیْ فِی الْحُبِّ اَرْباً لِمَنْ حُنّ الْفوادُ الی سواکا

(کذافی اللطائف)

چھوڑ دیا میں نے مخلوق کو آپ کی محبت میں اور یتیم کر دیا میں نے بچوں کو تا کہ آپ کو دیکھ سکوں اگر آپ مجھکو محبت سے محروم چھوڑ دیں اور منزل تک نہ پہونچائیں تو میرا دل آپ کے علاوہ پھر کس کی طرف مائل ہوگا؟

اور حضرت کا یہ حال تھا جو کسی شاعر نے کہا:

یارب ہمہ خلق را زمن بدخو کن وز جملہ جہانیاں مرا یکسو کن

روئے دلِ من صرف کن از ہر جہتے در عشقِ خودم یک جہت و یک رو کن

اے میرے اللہ تمام مخلوق کو مجھ سے بدخو کردو اور تمام لوگوں سے مجھکو یکسو کردو

میرے دل کی توجہ کو تمام جہات سے ہٹادو

اور اپنے عشق میں یک جہت اور یک رو کردو

حقیقت بھی یہی ہے کہ حق تعالیٰ کے ساتھ مشغول رہنا بہتر ہے مخلوق کے ساتھ مشغول رہنے سے، اور حقیقی انس باللہ کا مقتضی بھی یہی ہے کہ مخلوق سے متوحش ہو جائے اور جو شخص کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ذات وصفات میں مستغرق ہو چکا ہو اور حق تعالیٰ کی محبت ومعرفت کے دریا میں غوطہ لگا کر حقائق تک پہونچ چکا ہو، پھر وہ اس دنیائے فانی کی محبت، مال ومتاع، اولاد کی عارضی، فانی محبتوں میں لگ کر کیا کریگا اور کیا سمجھے گا، یہی شیخ کا حال تھا اور وہ اس حال میں مغلوب تھے، یہاں یہ اشکال نہ ہونا چاہئے کہ انہوں نے اپنی اولاد کے حقوق کو ادا نہیں کیا، ایک جواب تو اس کا یہ ہے کہ یہ حال دائمی نہیں تھا اور دوسرے یہ کہ وہ اس میں مغلوب تھے واللہ اعلم۔

شیخ علیہ الرحمہ کا لباس

ان حضرات کا اصل لباس تو تقویٰ و پرہیزگاری ہے ''ولباس التقویٰ'' ظاہری ستر پوشی کے لئے ایسا لباس زیب تن کر لیتے ہیں جو صرف بقدر ضرورت کافی ہو۔

حضرت شیخ علیہ الرحمہ کا لباس کیا تھا؟ حضرت کے صاحبزادے شیخ رکن الدینؒ فرماتے ہیں کہ ابتداء حال سے اس فقیر (رکن الدینؒ) کے تولد تک ایک ہی لباس زیب تن رہا، کوئی اور لباس میسر نہیں تھا، لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت بزرگی موٹے کپڑے کا نام ہی نہیں ہے، فرمایا کہ بھائی لباس حلال اس سے زیادہ میسر نہیں ہے، جو ہے اس سے زائد کی وسعت نہیں رکھتا ہوں، تو شیخ کے خدام نے مل کر ایک جبہ حضرت کے لئے تیار کرا دیا تھا جس کا تذکرہ فرماتے ہوئے حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے اپنے ایک وعظ میں فرمایا کہ صاحبو! بادشاہوں کے نام ونشان آج دنیا سے غائب ہو گئے مگر اہل اللہ کا نام باقی ہے لوگوں کے قلوب پر ان کی عظمت طاری ہے، وہ اس واسطے نہیں کہ وہ بہت شاندار قیمتی

لباس پہنتے تھے بلکہ ان لوگوں کے دل عشق الٰہی کی آگ سے گرم تھے، شیخ عبدالقدوسؒ کا خرقۂ کہن جس میں صدہا پیوند لگے ہوئے ہیں آج تک تبرک ہے اور بادشاہوں کے قیمتی تاج اس کے آگے بے کار ہیں، شیخ عبدالقدوسؒ نے سالہا سال تک اس کو پہنا تھا جہاں سے پھٹا وہاں پیوند لگا دیا تھا، کبھی کسی قسم کا کبھی کسی قسم کا مگر آج کل جو خرقہ تیار ہوتا ہے اس میں قصداً ریاکاری کے لئے ایسا کرتے ہیں جو حافظ شیرازیؒ کے اس شعر کا مصداق ہے۔

نقد صوفی نہ ہمہ صافی وبیغش باشد اے بسا خرقہ کہ مستوجبِ آتش باشد

فرماتے ہیں (ہمارے زمانہ کے) بعض صوفیوں کا مال نہ بالکل پاک وصاف ہوتا ہے اور نہ بے غش ہوتا ہے اور بہت سے خرقے نارِ جہنم کو واجب کرتے ہیں یعنی جو حرام سے تیار ہوتے ہیں اللہ کی پناہ۔

مگر حضرتؒ کا خرقہ ایسا تھا کہ اہل اللہ اس میں انوار وبرکات محسوس کرتے ہیں اور اس کی زیارت کے مشتاق ہوتے ہیں، ایک خاص تاریخ میں اس کی زیارت بھی کرائی جاتی ہے، مگر اس میں دیگر غیر مناسب باتیں شامل ہونے کی وجہ سے اور ایک طبقہ کے غلو کرنے کی وجہ سے بہت سے اہل حق ازروئے شریعت، ازروئے فتویٰ اس کو درست نہیں سمجھتے اور استدلال کرتے ہیں اس بات سے کہ اس طور پر تاریخ کے تعیّن، اہتمام، اجتماع اور لوازمات کے ساتھ بزرگوں کے تبرکات کی زیارت اگر شرعی چیز ہوتی تو رسول پاک ﷺ کے ثیاب سے بڑھ کر اور آپ کے دیگر تبرکات سے بڑھ کر تو کوئی چیز ہو ہی نہیں سکتی!! حضرات صحابہ کرام کا یہ معمول ہوتا اور پھر حضرات صحابہ کرامؓ کے کپڑوں اور دیگر تبرکات کی زیارت کا اہتمام اور التزام تابعین کرتے اور تابعین کے کپڑوں اور ان کے تبرکات کی زیارت اور استبراک کا اہتمام والتزام بعد والے کرتے اسی طرح یہ سلسلہ چلا

کرتا، سب سے بڑا تبرک قرآن وحدیث ہے جو براہ راست اللہ اوران کے رسول ﷺ کی طرف سے امت تک پہونچا ہے، اصل تو اس کے پڑھنے پڑھانے کا، سننے سنانے کا، عمل کرنے کرانے کا جذبہ اور شوق التزام واہتمام ہونا چاہئے، فی نفسہ تبرکات کی زیارت باعث برکت تو ہے بشرطیکہ ممنوعات سے خالی ہومگر باعث نجات نہیں زیارت تو کہاں اگر پہننے کا موقع مل جائے تب بھی نجات نہیں ہوسکتی، محض اس بنیاد پر کہ تم نے فلاں بزرگ کا جبہ پہنا تھا کام بن جائے ناممکن ہے۔

مدارِ نجات: ایمان، اعمال صالحہ، شریعت کی پیروی، سنت کا اتباع، توحید میں رسوخ وکمال، کفر، شرک، بدعت، رسومِ باطلہ سے اجتناب ہے، اس بات کی دلیل یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے رئیس المنافقین عبداللہ ابن ابی ابن سلول کے مرجانے کے بعد اس کے کفن کیلئے اپنی مبارک قمیص جس کو آپ زیب تن فرمایا کرتے تھے دی تھی تو بعض صحابہ کو عجیب سا لگا تھا کہ اس شخص نے زندگی بھر نفاق برتا، ظاہر میں ایمان اور حقیقت میں کفروشرک اور حضورؐ سے عداوت کرتا رہا ایسے شخص کو آپؐ اپنی قمیص دے رہے ہیں؟ اس قمیص دینے کو کسی نے یہ نہیں سمجھا کہ اس کی نجات کیلئے ایسا کررہے ہیں اوراس سے اس کی نجات ہوجائیگی، چونکہ اس نے ایک موقع پر آپؐ کے چچا حضرت عباسؓ کیلئے قمیص دی تھی اس کے اس احسان کے صلہ میں آپؐ نے اس کے مرنے کے بعد اپنی قمیص اس کو مرحمت فرمائی۔

الغرض خدا کے عشق میں آپ کا یہ حال تھا:

سوختن، افروختن، جامہ دریدن
پروانہ زمن، شمع زمن، گل زمن آموخت

جلنا ، ر و شن ہو نا ، کپڑ ے پھا ڑ د ینا

پروانے نے مجھ سے، شمع نے مجھ سے، گل نے مجھ سے سیکھا ہے

یعنی جس طرح ایک پروانہ شمع پر نثار ہوتا ہے اور شمع اپنے آپ کو جلا کر دوسروں کو روشنی پہنچاتی اور پھول خوشبو سے بھرنے کے بعد کپڑے پھاڑ دیتا ہے یہی حال اہل اللہ کا اللہ کے عشق ومحبت میں ہوا کرتا ہے۔

انقطاع وتبتل

انقطاع وتبتل سے مقصد یہ ہے کہ بندہ دنیا سے منقطع ہوکر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ذات اقدس کی طرف متوجہ ہوجائے اور آخرت کے حصول کیلئے کام کرے، خدا تعالیٰ وحدہ لاشریک کی ذات سے محبت کے بعد دارِ غرور سے اعراض ضروری ہے، دنیا کا طالب بن کر خدا ملا نہیں کرتا خدا کو طلب کرنے کے بعد دنیاءِ دنی خود بخود پیروں میں آ کر گر جاتی ہے اور خوشامد کرنے لگتی ہے حضرت علیؓ نے فرمایا:

طَلِّقِ الدنیا ثلثاً واطلبن زوجاً سواھا فانھا زوجۃ سوء لاتبالی بمن اتاھا

دنیا کو تین طلاق دیدو اور اس کے علاوہ دوسری بیگم تلاش کرو یہ بہت بری بیگم ہے جو کسی کی پرواہ نہیں کرتی ، دنیا کی حقیقت ہی کیا! جو اس کی طرف رغبت کی جائے یہ باقی نہ رہنے والا ایک سایہ ہے، بلکہ ایک خواب ہے جو کچھ دیر کے بعد ختم ہوجائیگا۔

انما الدنیا کظل زائل او کضیف بات لیلا فارتحل

او کنوم قد یراہ نائم او کبرق لاح فی افق الامل

بیشک دنیا ایک زائل ہونے والے سایہ کی طرح ہے

یا اس مہمان کی طرح ہے جو رات گزار کر آگے بڑھ جاتا ہے

یا اس خواب کی طرح ہے جو کوئی سونے والا دیکھتا ہے

یا اس بجلی کی چمک کی طرح ہے جو امیدوں کے میدان میں چمکتی ہے

یہ تو مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں بلکہ بہت ہی کم ہے، اسی لئے حدیث شریف میں فرمایا گیا ''لو کانت الدنیا تعدل عنداللّٰہ جَنَاحَ بَعُوْضَۃٍ ماسقیٰ کافر اًمنھا شربۃ ماء'' (ترمذی شریف رص ۵۸رج ۲) اگر دنیا کی حقیقت اللہ کے نزدیک ایک مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو اللہ پاک کسی کافر کو ایک گھونٹ پانی بھی نہ پلاتے۔

نیز کسی شاعر نے کہا ہے:

هی الدنیا اقل من القلیل وعاشقها اذل من الذلیل

تُصِمُّ بِسِحْرِ هَا قَوْماً وتُعِمِی فهم متحیرون بلا دلیل

یہ دنیا بہت ہی کم ایک چیز ہے، اور اس کا عاشق ذلیلوں میں سب سے زیادہ ذلیل ہے

یہ اپنے جادو سے لوگوں کو بہرا بھی بنا دیتی ہے اور اندھا بھی، پھر وہ بلا کسی دلیل و رہنما کے یونہی دربدر بھٹکتے پھرتے ہیں۔

یہ بڑی بے وفا ہے اس نے اچھے اچھے بادشاہوں اور اولیاء اللہ، امیروں، غریبوں، عالموں، جاہلوں، کو نہیں چھوڑا اس سے امید وفا رکھنا حماقت ہے، اسی واسطے تمام انبیاء، اولیاء، صلحا، اتقیاء نے دنیا سے بے رغبتی و اعراض کا معاملہ کیا اور اپنے قول و فعل سے ہمیشہ اسی کی تعلیم دی ہے، کہ دنیا سے محبت ہی ساری خطاؤں کی جڑ ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں فرمایا گیا ''حُبُّ الدُّنْیَا رَأسُ کُلِّ خَطِیْئَۃٍ '' کہ دنیا کی محبت ہی تمام غلطیوں کی جڑ ہے اور اس سے اعراض ہی ساری خوبیوں کی اصل و اساس ہے، جیسا کہ حدیث میں فرمایا گیا التجافی عن دار الغرور والانابۃ الی دار الخلود والاستعداد للموت قبل نزولہ (شعب الایمان للبیھقیؒ ۷ر۳۵۲) یعنی نور ایمان کے ساتھ انشراح کی علامت

یہ ہے کہ دارِغرور یعنی دنیا سے جو دھوکہ کا گھر ہے دور بھاگے اور دار خلو دیعنی جہاں ہمیشہ رہنا ہے اس کی طرف پوری توجہ کرے اور موت سے پہلے اس کی تیاری کرے۔

حضرت رسول مقبول ﷺ نے ایک جگہ ارشاد فرمایا کہ نبی کے لئے یہ بھی مناسب نہیں کہ وہ اس طرح رات گزارے کہ اس کے پاس ایک درہم بھی ہو، اسی لئے حضرت اقدس فداہ ابی وامی ﷺ نے اپنے لئے دنیا اور عیش دنیا کو کبھی پسند نہیں فرمایا، جیسا کہ آپ ﷺ کی سیرت کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے۔

حضرت شیخؒ بھی اپنے پاس کچھ نہ رکھتے تھے نہ گھر میں رکھنے دیتے تھے، اہلیہ محترمہ کے پاس ایک ہار تھا وہ ہار پہنتی تو حضرت فرماتے کہ مجھے اس سے دنیا کی بو آتی ہے، کئی بار ایسا ہوا تو اہلیہ نے کسی سے شکایت کی جو شیخؒ کے بہت قریب تھے اور کہا کہ میں نے اپنے لڑکے رکن الدین کی شادی کے واسطے رکھا ہے اس پر انہوں نے حضرت شیخؒ سے عرض کیا کہ حضرت آپ کیوں منع فرماتے ہیں؟ ارشاد فرمایا کہ میرے مزاج میں دنیا سے کمال نفرت ہے، اس پر انہوں نے کہا کہ حضرت آپ کو اپنی دنیا میں سے بدبو آنی چاہئے دوسروں کی دنیا سے کیوں بدبو آتی ہے؟ اس غریب کو تکلیف نہ دیجئے اس نے بچے کی شادی کیلئے رکھا ہے، حضرت تھانویؒ نے بھی اس قصہ کو اپنے ایک وعظ ''انوار السراج'' میں ذکر فرمایا ہے۔

شیخ کا علمی مقام

قال تعالیٰ: فَوَجَدَا عَبْداً مِّنْ عِبَادِنَا آتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنَاهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْماً (سورۂ کہف) انہوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ (یعنی خضرؑ) کو پایا جنکو ہم نے اپنی خاص رحمت (یعنی مقبولیت) دی تھی (مقبولیت کے معنی میں ولایت اور نبوت دونوں کا احتمال ہے) اور ہم نے ان کو اپنے پاس سے (یعنی بلا واسطہ اسباب

اکتساب) ایک خاص طور کا علم سکھلایا تھا۔

اس آیت کا تعلق حضرت خضرؑ سے ہے اس سے معلوم ہوا کہ اللہ پاک اپنے مخصوص نیک بندوں کو علم لدنی عطا فرمایا کرتے ہیں تبھی تو اللہ پاک نے یہ فرمایا ہے کہ ہم نے ان کو اپنے پاس سے علم لدنی دیا تھا ''علم لدنی'' کا مطلب ہوتا ہے وہ علم جو بلا اکتساب ومحنت کے منجانب اللہ عطا کیا جاتا ہے۔

علامہ شاطبیؒ نے علم لدنی کے حصول کے واسطے دو شرطیں لکھی ہیں ''اعراض عن الدنیا اقبال الی الآخرۃ'' یعنی دنیا سے اعراض اور آخرت کی طرف توجہ جب یہ چیز حاصل ہوتی ہے تو اللہ پاک بہت سے علوم بندہ کو عطا فرماتے ہیں۔

خدا تعالیٰ نے حضرت شیخ علیہ الرحمہ کو علوم روحانیت، اسرار، معارف، رموز الٰہیہ کا ایک بڑا ذخیرہ عطاء فرمایا تھا، جس سے بہت سے اشکالات حل فرمادیا کرتے تھے چنانچہ اس کی ایک مثال وہ ہے جو زبدۃ المقامات میں مذکور ہے کہ حضرت شیخ ایک مرتبہ دہلی تشریف لائے ہوئے تھے شیخ حاجی عبدالوہاب بخاریؒ نے جو کہ حضرت سید جلال الدین بخاریؒ کی اولاد سے تھے اور بڑے صاحبِ علم تھے، ایک تفسیر اپنی لکھی ہوئی حضرت شیخ کی خدمت میں مطالعہ کیلئے بھیجی، قطبِ گنگوہیؒ نے جب اس تفسیر کو کھولا تو اتفاق سے آیۂ تطہیر نکل آئی، شیخ عبدالوہابؒ نے اس مقام پر لکھا تھا کہ: اولادِ نبیؐ سب کے سب مامون الخاتمہ ہیں اور ان کی عاقبت یقیناً بالخیر ہوگی، حضرت شیخ عبدالقدوس قدس سرہٗ نے اس تحریر کے حاشیہ پر تحریر فرمایا ''ھذا خلاف مذھب اھل السنۃ والجماعۃ'' یعنی یہ بات اہل سنت وجماعت کے مسلک کے خلاف ہے اور کتاب کو واپس کردیا، اس موضوع پر کئی دن تک علمائے دہلی نے آپس میں مذاکرے کئے وہی بات حق نکلی جو حضرت شیخ گنگوہی

قدس سرہ العزیز نے فرمائی تھی (زبدۃ المقامات ص ۱۰۱) (تاریخ مشائخِ چشت ص ۲۰۷)۔

فائدہ: جب اولادِ نبی کا یہ معاملہ ہے جو شیخ نے لکھا تو پھر کسی کو اپنے اوپر حسنِ خاتمہ کے یقین کرنے کا کوئی مطلب ہی نہیں رہ جاتا بلکہ ہر شخص کو ڈرتے رہنا چاہئے اور اپنے بارے میں نہایت متفکر رہنا چاہئے اور یہ سوچ کر نہ بیٹھ جانا چاہئے کہ سب کچھ کرتے رہو حلال وحرام، جائز و ناجائز، صحیح اور غلط (حتی کہ بدعات وخرافات، شرک، سجدہ لغیر اللہ وغیرہ وغیرہ جو ان بزرگوں کے نام پر ہو رہا ہے جنہوں نے توحید، کتاب وسنت پر جان دیدی انا للہ وانا الیہ راجعون، ہم سب کچھ کرتے ہیں اور یہ خیال کرتے ہیں کہ ہمارے بڑے ہم کو بخشوا دینگے، تو سن لو ایسا ہرگز نہیں ہے وہاں نفسی نفسی کا عالم ہوگا، رسول پاک ﷺ نے صاحبزادیوں اور بیویوں اور دیگر رشتہ داروں سے صاف صاف مخاطب ہو کر فرمایا جو کچھ اعمالِ صالحہ کرنے ہیں کرلو، اس بھروسہ پر مت بیٹھ جانا کہ تم اللہ کے نبی کی بیٹیاں ہوں، بیویاں ہوں، رشتہ دار ہوں، وہاں کوئی کسی کے کام نہیں آئیگا۔ (ترمذی، ابواب الزہد ۲/ ۵۷)۔

بندۂ عشق شدی ترک نسب کن جامی   کہ دراں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

مولانا جامی فرماتے ہیں کہ اللہ کے عاشق بن جاؤ اور حسب نسب کی بات چھوڑ دو کہ اس راستہ میں فلاں ابن فلاں ہونا کام نہیں آتا۔

چنانچہ امام اولیاء تاج الاتقیاء حضرت خواجہ معصوم قدس سرہ ایک صاحب کو لکھتے ہیں:

الحمد للہ والسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

خط پہنچا، بہجت افزا ہوا الحمد للہ کہ تمہارے اوقات ذکر سے معمور ہیں، اتباعِ سنت میں کوشش کرو، بدعت اور اہل بدعت سے دور رہو، صحبتِ صلحاء وفقراء اور پابندِ شرع کی طرف

راغب رہو، جس جگہ خلافِ شرع دیکھو وہاں سے گریزاں اور یکسو ہو جاؤ ۔

باعاشقاں نشیں وہمہ عاشقی گزیں ـــــ باہر کہ نیست عاشق ہرگز مشو قریں

اور عاشقِ صادق وہ ہے جو متابعتِ پیغمبر ﷺ پر راسخ ہے قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ (سورۂ آل عمران) سے اسی حقیقت کا اظہار ہو رہا ہے، سَلَامٌ عَلَیْکُمْ وَعَلٰی سَآئِرِ مَنِ اتَّبَعَ الْھُدَای (مکتوبات خواجہ معصومؒ ص ۴۷)۔

نیز ''تاریخ مشائخِ چشت'' میں لکھا ہے کہ حضرت شیخ کبار مشائخ میں سے ہیں، علوم ظاہریہ، باطنیہ دونوں میں آپ کو کمال حاصل تھا، بقول صاحب ''سیرت قدوسیہ'' آپ نے صرف کافیہ تک پڑھا تھا، مگر راقم الحروف کا خیال ہے کہ یہ پہلے کی بات ہے بعد میں آپ نے تکمیل فرمائی جو بھی اس دور میں ہوتی تھی، یہی بات ''نزہۃ الخواطر'' کے دیکھنے سے معلوم ہوتی ہے، چنانچہ لکھتے ہیں ثم سنح له ان التصوف بدون العلم كالطعام بغير الملح ، فاشتغل بالبحث و المطالعة مرة ثانية وجدّ فيه حتى فتح الله سبحانه عليه أبواب العلم و المعرفة یعنی جب شیخ پر یہ بات ظاہر ہوئی کہ تصوف بغیر علم کے ایسا ہے جیسا کہ کھانا بغیر نمک کے کہ اس میں کچھ لذت و ذائقہ نہیں ہوتا تو آپ نے دوبارہ پھر علم کی طرف توجہ فرمائی اور بحث و مطالعہ میں اپنے آپ کو مشغول کیا، یہاں تک کہ اللہ پاک نے آپ پر علم و معرفت کے دروازے کھولدئے (نزہۃ الخواطر ص ۷۷ ارج ۴)۔

علوم ظاہریہ کو بعض صوفیاء بالکل بے سود و بے فائدہ سمجھتے ہیں حالانکہ یہ ان کی صریح غلطی ہے، جیسا کہ علماء خشک تصوف کو بے کار سمجھیں تو یہ ان کی غلطی ہے، دونوں ضروری ہیں ایک جسم ہے تو ایک روح ہے دونوں میں کامل مناسبت ہے، حضرت شیخؒ کے یہاں اس درجہ علوم ظاہریہ کی قدر و منزلت تھی کہ تمام صاحبزادگان کو برائے تعلیم دہلی بھیجا جو اس وقت علوم اسلامیہ کا مرکز تھا اور جب ان سے ملاقات کو جی چاہتا تو بلاتے نہ تھے

بلکہ خود جا کر ملاقات کرتے تھے تا کہ تعلیم کا حرج نہ ہو، چنانچہ صاحبزادگان کے تعلیم کے عہد میں متعدد بار حضرت اقدس دہلی تشریف لے گئے اور اس درمیان میں بڑے مباحث علمیہ علماء اور شیخ علیہ الرحمہ کے درمیان پیش آتے تھے، اب ذیل میں بطور مثال چند علمی مباحث پیش کئے جاتے ہیں۔

ایک علمی بحث (حلال وطیب کی تحقیق)

صاحب ''لطائف قدوسی'' شیخ مولانا رکن الدین صاحبؒ نے لطیفہ نمبر ۲۶ رمیں فرمایا کہ ایک روز دہلی میں ایک مجلس میں علماء وصلحاء کا اجتماع ہوا شیخ عبدالقدوسؒ بھی وہاں موجود تھے آیت کریمہ یاَ یُّھَاالنَّاسُ کُلُوا مِمَّافِی الْاَرْضِ حلٰلاً طَیِّبًا (سورۂ بقرہ) کا تذکرہ آیا اور حضرت مولانا شیخ عبداللہ دانشمند بھی وہاں پر موجود تھے جو دہلی کے علماء کبار میں شمار کئے جاتے تھے، وہ فرمانے لگے کہ دوست واحباب کی وہ چیزیں حلال ہیں جن کے بارے میں اعتماد ہو کہ اس کے لینے سے وہ منع نہیں کرے گا بلکہ خوش ہوگا اور طیب یہ ہے کہ اعتماد کے باوجود بھی اجازت لے کر کھائے۔

اس پر حضرت قطب العالم قدس سرہ نے فرمایا کہ بھائی حلال وہ ہے جو اپنی پاکیزہ وحلال کمائی ہو اور طیب وہ ہے کہ کسی دوسرے کی حلال و پاکیزہ چیز ہے جسکو کھایا جائے اور ذکر اللہ کیا جائے، جس کے کھانے کے بعد غفلت نہ ہو یعنی اللہ کا ذکر فوت نہ ہو اور نہ اس میں خلل آئے، مولانا عبداللہؒ نے فرمایا کہ شیخ ایسی بات فرمائیے کہ ہم لوگ بھی داخل ہو جائیں، چونکہ یہ بات شیخ نے اپنے ذوق عالی کے اعتبار سے فرمائی تھی۔

امام المفسرین ترجمان القرآن حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آپؓ نے فرمایا حلال طیب وہ ہے کہ دنیا میں بلا مشقت حاصل ہو جائے اور قیامت میں

اس پر کوئی وبال وعذاب نہ ہو، نیز کہا گیا ہے کہ حلال وہ ہے کہ مفتیان دین جس کو حلال کہیں اور طیب وہ ہے کہ دل گواہی دے کہ بالکل صحیح مال ہے۔

نیز فرمایا رسول پاک ﷺ نے شک کی چیز کو چھوڑ کر ایسی چیز اختیار کرو جس میں شرعاً کوئی شک وشبہ نہ ہو اور کسی موقع پر یہ بھی فرمایا واستفت قلبک یعنی اپنے دل سے بھی پوچھ لو تب کام کرو، اگر دل نور الٰہی اور علمِ شریعت سے روشن ہوگا تو ہر جگہ پر صحیح رہنمائی کر دیگا کہ یہ کام کرنا چاہئے یا نہ کرنا چاہئے؟ اس پر شیخ علیہ الرحمہ کا ایک واقعہ لکھا جاتا ہے کہ ایک بار حضرت اقدس علیہ الرحمہ کے سامنے بھنی ہوئی مرغی رکھی گئی حضرت شیخ علیہ الرحمہ نے ایک لقمہ اٹھایا اور فرمایا کہ میرے سامنے سے اٹھالو، مولانا رکن الدین صاحبؒ نے عرض کیا کہ حضرت کیوں؟ فرمایا کہ اس کا ذبح مکمل آداب ومستحبات کے ساتھ نہیں ہوا، تفتیش سے معلوم ہوا کہ واقعی ایسا ہی ہے یہ اسی طرح کا قصہ ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ رحمت عالم ﷺ ایک دعوت میں شریک تھے، کھانا لایا گیا آپ ﷺ نے اس میں سے ایک لقمہ لیا اور فرمایا کہ مجھے یہ محسوس ہو رہا ہے کہ یہ ایسی بکری کا گوشت ہے جو بدون مالک کی اجازت کے حاصل کی گئی ہے، چنانچہ تحقیق سے معلوم ہوا کہ ایسا ہی تھا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کو قیدیوں کو کھلا دو اور خود تناول نہیں فرمایا (مشکوۃ شریف رص ۵۴۴ رج ۲)۔

اگرچہ بعض دفعہ ظاہری طور پر کسی چیز کو حرام ومکروہ نہیں کہا جاتا مگر نور باطن اور دلِ منور کا فتویٰ کبھی اس سے بھی بالاتر ہوتا ہے کیونکہ مفتی تو ظاہری حال پر فتویٰ دیتا ہے اور عارف جو نور باطن رکھتا ہے، وہ باطنی آنکھ سے دیکھ کر فتویٰ دیتا ہے اور حق کی خبر لاتا ہے۔

مگر یہ بھی یاد رہے کہ نور باطن شریعت پر استقامت سے ہی حاصل ہوتا ہے، اس وجہ سے بعض صوفیاء کو اس مقام پر غلطی بھی ہوگئی کہ انہوں نے اپنے فتووں کو ہی سب

کچھ سمجھ لیا اور شریعت کے فتووں کو کالعدم سمجھا، یہ مقام بہت امتحان کا مقام ہے نہ ہر جگہ نورِ باطن کہہ کر شریعت کے فتوی کو جو دلائل کے ساتھ ہو رد کیا جا سکتا ہے اور نہ ہر جگہ ظاہری فتوی کی وجہ سے اس چیز کو جو نورِ باطن اور اشراق قلب سے حاصل ہو رہا ہو رد کیا جا سکتا ہے، بلکہ جس مقام پر احتیاطی پہلو سامنے آ رہا ہو اور وہاں ضرورت یا مضرت نہ ہو تو اسی محتاط پہلو پر عمل ہوگا اور نورِ باطن سے حاصل ہونے والے محتاط پہلو کو دوسروں پر اگر وہ برضاء وخوشی تیار نہ ہو لاگو نہیں کیا جائے گا، واللہ تعالیٰ اعلم، ہاں لیکن اس صورت میں کہ نورِ باطن بالکل ہی ظاہر شریعت اور فتوی کے قانون کے خلاف ہو تو اس کا اعتبار نہیں، جیسا کہ اس قصۂ ذیل میں آ رہا ہے۔

ایک سالک کسی امام کے پیچھے مسبوق ہو گیا، اس نے امام کے سلام سے پہلے ہی ماسبق نماز ادا کرنی شروع کر دی لوگوں نے بعد میں معلوم کیا تو کہنے لگا کہ سلام کے بعد اٹھنا اس احتمال پر ہے کہ امام پر سجدۂ سہو لازم نہ ہوا ہو، یعنی چونکہ یہ احتمال رہتا ہے کہ اس پر سجدۂ سہو واجب ہو تو سلام سے پہلے اٹھنے کو منع کیا گیا اور میں نے نورِ باطن سے معلوم کر لیا کہ امام پر سجدۂ سہو لازم نہیں ہے اس لئے پہلے ہی اٹھ کر نماز پوری ادا کر لی، تو یہ عمل درست نہیں ہوگا کیونکہ یہ بالکل قانونِ نماز کے خلاف ہے اور اس پر عمل کرنے کا کوئی فائدہ بھی نہیں بلکہ دوسروں کے لئے نقصان ہے کہ وہ اس کو دیکھ کر بلاوجہ پریشانی میں پڑ جائیں گے۔

(۲) شیخ علیہ الرحمہ کا سوال اور صاحبزادہ کا جواب

ایک بار شیخ علیہ الرحمہ نے صاحبزادے مولانا شیخ حمید الدینؒ سے فرمایا کہ پانی اور کھانے میں فرق کیوں ہے؟ کہ شرع نے جتنی رخصت پانی میں دی ہے اتنی کھانے

میں نہیں دی، انہوں نے جواب دیا کہ پانی کے مسئلہ میں علماء دین میں کثیر اختلافات ہیں ایک مقدار کو ایک پاک دوسرا ناپاک کہتا ہے جس کی وجہ سے اس میں رخصت وگنجائش زیادہ ہونی ہی چاہئے، بخلاف ماکولات کے، وہ اکثر یا تو باتفاق علماء حلال ہیں یا حرام ومکروہ ہیں، وہاں اختلاف کم ہے، پانی میں ترک احتیاط سے وقوع فی الحرام کا اندیشہ نہیں ہے بخلاف ماکولات کے کہ وہاں وقوع فی الحرمت یا کراہت کا اندیشہ ہے، جیسے جھینگا مچھلی بعض علماء حلال کہتے ہیں اور بعض حرام کہتے ہیں، تو نہ کھانے والا دونوں فریق کے نزدیک قابل تعریف ہے اور کھانے والا اس فریق کی نظر میں جو حرام یا مکروہ اور ممنوع کہتا ہے معیوب ہے، کہ اس نے ایک ممنوع چیز کا ارتکاب کیا ہے، حضرت شیخ نے مسئلہ میں صاحبزادہ کا جواب صحیح قرار دیا، واللہ اعلم۔

(۳) ایک وجد آفریں علمی تحقیق

آیت کریمہ اِنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ اَكَادُ اُخْفِيُهَا لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعٰى (سورۂ طٰہٰ) بیشک قیامت آنے والی ہے میں اس کو تمام خلائق سے پوشیدہ رکھنا چاہتا ہوں، اور قیامت اسلئے آوے گی تاکہ ہر شخص کو اس کے کئے کا بدلہ مل جائے، کی تفسیر میں بعض کتب تفاسیر میں مرقوم ہے کہ قیامت کے بارے میں قریب تھا کہ میں اس کو چھپالیتا یعنی خود اپنے سے بھی ای عن نفسی، لہذا تمہارے لئے اسکو کیسے ظاہر کرسکتا ہوں جس کو خود اپنے لئے مخفی رکھنا چاہتا ہوں، اس پر ملک العلماء فی عصرہ قاضی شہاب الدین جونپوریؒ نے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ علام الغیوب ہیں ان سے کسی چیز کا مخفی رہنا عقلاً محال وناممکن ہے لہذا یہ فرمان صرف مبالغہ کے طور پر وارد ہوا ہے (وکذا فی تفسیر البغوی رص ۲۱۴ رج ۳) لفظ ''اکاد'' اس کی طرف مشیر ہے اور بعض مفسرین نے لکھا ہے

''استرھا عن العباد فلا اقول ھی آتیة لارادة اخفاھا ولو لا مافی الاخبار بـآیـاتھا مع بغتةِ وقتھا من الحکمة واحوالھم اذلم یعلموا متی تقوم کانو ا علی وجل منھا فی کل وقت مما اخبرت به'' اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ اس کو اسلئے مخفی رکھا گیا ہے کہ ہر وقت اس کے اچانک آجانے کا خوف طاری رہے، جس کی وجہ سے آدمی اس کی تیاری میں مشغول رہے، بتادینے میں یہ حکمت فوت ہوجاتی، یہ بات بہت سے مفسرین نے لکھی ہے۔

حضرت مولانا رکن الدین صاحبؒ فرماتے ہیں اس آیت کریمہ کا حل ایک بار زبان شیخ علیہ الرحمہ پر آگیا اور شیخ وجد وسُکر کے عالم میں تھے جس کو بندہ نے ضبط کرلیا خلاصہ یہ تھا کہ کوئی ذرہ کائنات ممکنات موجود ومعدوم کے تمام ذرات میں سے علام الغیوب کے علم واحاطہ سے مخفی وخارج نہیں ہے، کیونکہ علام الغیوب سے کسی چیز کا ذاتی طور پر مخفی رہ جانا عقلاً محال ہے لیکن حق سبحانہ وتعالی کو جو کچھ معلوم ہے اگر وہ اس حیثیت سے ہے کہ اس کا ایک وجود خارج میں موجود ہے تو ممکن ہے ممتنع نہیں ہے اس واسطے وہ چیز ضرور اپنا کوئی نہ کوئی وجود خارج میں رکھتی ہوگی اور جو کچھ حق تعالی کو معلوم ہے مگر اس حیثیت سے نہیں جو اوپر مذکور ہوئی لہذا اس کا وجود بھی محال ہوگا جیسے شریک باری تعالی خدا کو معلوم ہے لیکن اس کا وجود فی الخارج نہیں ہے بلکہ محال ہے وہ اسی طور پر معلوم ہے، اب سنئے کہ قیامت کو جو ممکنات میں سے ہے لہذا علام الغیوب سے اس کا اخفا محال ہے پھر کیسے فرمایا؟

تو جواب یہ ہے کہ قیامت کا دن عام وخاص کی پردہ دری اور ہر شخص کے تمام احوال کے سامنے آنے اور کھلنے کا دن ہوگا مگر ستاریت کا تقاضا یہ ہے کہ ابھی یہ سب کچھ پوشیدہ رہے لہذا کچھ دنوں کے لئے مناسب ہے کہ خالق تعالی سے مخفی رہے ورنہ اس کا

وجود ہو جائیگا کیونکہ وہ ممکنات میں سے ہے، بس اس لحاظ سے فرمایا کہ میں اس کو اپنے سے بھی چھپانا چاہتا تھا مگر میرے لئے کوئی چیز مخفی نہیں ہے لہذا تمہیں کیسے بتا دوں کہ وہ کب قائم ہوگی، جب خدا کو منظور ہوگا اس وقت اس کا وجود ہو جائے گا واللہ اعلم، یہ حضرت شیخ کی ایک دقیق تحقیق ہے جس کی لطافت اور گہرائی غور کرنے سے سمجھ میں آسکتی ہے۔

دوسری علمی بحث

واجب الوجود کلی ہے نہ جزئی

لطائف قدوسی میں لطیفہ نمبر ۳۶ رمیں شیخ رکن الدین علیہ الرحمہ نے لکھا ہے کہ جب بندۂ حقیر دہلی میں زیر تعلیم تھا، شیخ عبدالقدوسؒ تشریف لائے دوران درس واجب الوجود کے کلی ہونے کا ذکر آیا، حضرت شیخ علیہ الرحمہ نے اچانک معلوم فرمالیا آج کل کیا سبق چل رہا ہے، حالانکہ اس سے قبل کبھی معلوم نہ فرمایا تھا، میں نے تذکرہ کیا تو حضرت شیخ نے فرمایا کہ واجب الوجود کو کلی ماننا کفر ہے اور شیخ نے اس کو سمجھایا کہ جب یہ کلی ہوگی تو اس کے افراد متعدد ہوں گے تو ہر ایک کلی کے جزئیات بہت سے ہوتے ہیں لہذا متعدد خداؤں کا ہونا لازم آئیگا، جس کو اہل منطق تعدد وجباء سے تعبیر کرتے ہیں اور یہ محال ہے، اور نہ جزئی ماننا درست ہے کہ جزئی مان کر پھر اس کو کسی نہ کسی کلی کے تحت ماننا پڑے گا کیونکہ جزئی کے لئے کلی لازم ہے اس لئے یہ بھی درست نہیں ہے تو نہ کلی اور نہ جزئی ہے خدا تعالی ان تمام قیودات سے پاک ہیں، بقول حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ: اللہ پاک اطلاق کی قید سے بھی وراء الوراء ہیں چہ جائیکہ کسی قید کے ساتھ مقید ہوں، میں نے یہ چیز حاشیہ پر لکھ دی وہ نسخہ علماء کے ہاتھوں میں پڑ گیا ایک دن مولانا عبداللہ امام العلماء تشریف لائے اور دوسرے علماء بھی موجود تھے کہ بحث شروع ہوگئی آخر کار شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق کو تسلیم کرنا

پڑا۔ سبحان اللہ! یہ ہیں عارفین کے علوم جن تک ایک ظاہری عالم کی رسائی نہیں ہوتی ۔

تیسری علمی بحث

"الانسان اکبر من الله " کے سلسلے میں ایک جگہ فرمایا: اگر صحیح تسلیم کرلیا جائے تو معنی ہوں گے "اکبر من مخلوق الله" کہ انسان اللہ کی مخلوق میں عظمت وتقرب میں بڑا ہے، تب ہی وہ مسجود ملائکہ بنایا گیا ہے۔

یہیں سے شیخ بایزید بسطامیؒ کے اس قول کے معنی بھی سمجھ لئے جاویں جو انہوں نے فرمایا تھا "ملکی اعظمُ من مُلک الله" کہ میرا ملک اللہ کے ملک سے بڑا ہے، مطلب یہ تھا کہ یہ سارا عالم تو اللہ کا ملک ہے اور میرا عالم اور میرا ملک خود اللہ پاک کی ذات مقدسہ ہے اور ذات مقدسہ سب سے عظیم ہے، ظاہر ہے کہ اس میں کیا شک وشبہ ہوسکتا ہے۔

یہ چند نمونے شیخ علیہ الرحمہ کے علم کے پیش کئے گئے ہیں ورنہ شیخ علیہ الرحمہ کے مکتوبات میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں، اللہ تعالی نے اس قدر علم عطا فرمایا تھا کہ بڑے سے بڑا مشکل مسئلہ حل فرما دیا کرتے تھے اور حال یہ تھا، مولانا رومؒ نے فرمایا ؎

اے لقائے تو جوابِ ہر سوال　　　مشکل از تو حل شود بے قیل وقال

(دینی دعوت ص ۳۸)

حضرت شیخ کی تصانیف

مولانا اعجاز الحق قدوسیؒ اپنی مشہور تصنیف "شیخ عبد القدوس اور ان کی تعلیمات" میں اس طرح فرماتے ہیں: قطب عالم حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہیؒ نے چوراسی سال کی عمر پائی، آپ کی عمر کا بڑا حصہ ریاضتوں، مجاہدوں، عبادتِ الٰہی، رشد وہدایت اور مریدوں کی اصلاح وتربیت میں گذرا، لیکن اسی کے ساتھ اس غیر معمولی علم وفضل کی بناء پر جس سے آپ کو قدرت

نے نوازا تھا آپ نے متعدد کتابیں بھی تصنیف فرمائیں، شیخ رکن الدینؒ کا بیان ہے:

اما بعلم لدنّی وفیض الٰہی چنداں استعداد بود کہ
در ہر علمے بحثہا غریب کردند و تصانیف بسیار کردند

لیکن علم لدنی اور فیضانِ الٰہی سے آپ (شیخ عبدالقدوس) میں اس قدر استعداد تھی کہ ہر علم میں نہایت ہی عجیب بحث فرماتے اور آپ کی بہت سی تصانیف ہیں، آپ کی تصانیف میں سے اکثر افغانوں اور مغلوں کے ہنگاموں میں ضائع ہوگئیں، ''لطائف قدوسی'' سے جن تصانیف کا پتہ چلتا ہے ان کی تفصیل حسب ذیل ہے:

(۱) بحرالانشعاب: یہ آپ کے زمانۂ طالب علمی کی تصنیف ہے جب کہ آپ علم صرف کی کتابیں پڑھ رہے تھے اور آپ کے بچپن کا زمانہ تھا، اس زمانہ میں آپ نے علمِ صرف میں ایک رسالہ ''بحرالانشعاب'' کے نام سے تصنیف فرمایا تھا جو آپ نے سوال وجواب کی صورت میں لکھا تھا، جب اس فن کے اساتذہ نے اس نسخے کو دیکھا تو اس کی فنی خوبیوں پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ علمِ صرف میں یہ نسخہ کافی ہے۔

(۲) شرح مصباح: زمانۂ طالب علمی میں جب آپ نے نسخۂ مصباح کو حواشی قاضی شہاب الدین کے ساتھ شروع کیا تو آپ کے اساتذہ درس کے وقت جو تقریریں فرماتے آپ انہیں اپنی شرح اور توضیح کے ساتھ جمع کرتے جاتے تھے۔

(۳) حاشیہ شرح صحائف: حضرت شیخ کے صاحبزادے شیخ رکن الدین کا بیان ہے کہ جب میں نے علمِ کلام میں ''شرح صحائف'' کا مطالعہ شروع کیا تو آپ نے اس زمانہ میں تمام شرح صحائف کا مطالعہ کر کے اس پر نہایت بیش قیمت حواشی لکھے۔

(۴) شرح عوارف: حضرت شیخ کی اہم تصنیف ہے، آپ کا بیان ہے کہ میرے

ابتدائی زمانے میں ''عوارف'' کا نسخہ میرے حجرے میں تبرکاً رکھا رہتا تھا اور مجھے اس میں کوئی دخل نہ تھا لیکن پھر آپ نے عربی میں اس کی نہایت بلند پایہ شرح لکھی اور عجیب وغریب اسرار ونکات تحریر فرمائے۔

(۵) فوائد القرأۃ: حضرت شیخ کو تلاوت قرآن مجید سے غیر معمولی شغف تھا، متذکرہ رسالہ اسی ذوق کا مظہر ہے۔

(٦) رسالہ قدسی: حضرت شیخ نے یہ رسالہ غالباً تصوف میں شیخ سلیمان مندوی کے لئے لکھا تھا، آپ نے با قاعدہ اس رسالہ کی تعلیم شیخ سلیمان مندوی کو دی۔

(۷) رشدنامہ: حضرت شیخ کے ابتدائی زمانے کی تصنیف ہے یہ ایک چھوٹا سا رسالہ ہے۔

(۸) نورالمعانی شرح قصیدہ امانی: یہ رسالہ غالباً حضرت شیخ نے سلطان سکندر لودھی کے عہدِ حکومت میں تصنیف فرمایا تھا اور اس کے دیباچے میں آپ نے وحدۃ الوجود پر تبصرہ فرمایا تھا۔

(۹) انوارالعیون: اس کتاب میں حضرت شیخ نے شیخ احمد عبدالحق ردولوی کے حالات ومناقب مرتب کئے ہیں۔

(۱۰) مظہر العجائب: حضرت شیخ کی اس تصنیف کا تذکرہ خلیق احمد صاحب نظامی نے اپنی کتاب ''تاریخ مشائخ چشت'' میں فرمایا ہے لیکن یہ معلوم نہ ہوسکا کہ یہ کتاب کس موضوع پر تھی۔

(۱۱) مجموعہ کلام فارسی: لطائف قدوسی سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شیخ نے اپنے فارسی کلام کا مجموعہ بھی ترتیب دیا تھا۔

(۱۲) رسالہ نورالہدیٰ (۱۳) رسالہ قُرۃ العین۔

حضرت شیخ کی ان دونوں تصانیف کا تذکرہ حافظ محمود خاں شیرانی مرحوم نے اپنی

کتاب ''پنجاب میں اردو'' میں کیا ہے۔

(۱۴) مکتوباتِ قدوسیہ: یہ حضرت شیخ کے مکاتیب کا مجموعہ ہے جو آپ نے اپنے مریدوں، معتقدین وخلفاء اور اپنے دور کے سلاطین اور ان کے امراء کے نام لکھے تھے۔

(۱۵) منتخب مکتوبات قدوسیہ: یہ حضرت شیخ کے مکتوبات کا انتخاب ہے جو۵۴؍ مکاتیب پر مشتمل ہے، ان مکاتیب کا انتخاب حضرت میاں خاں صدیقی جون پوریؒ کے مرتب کردہ مجموعے ''مکاتیب قدوسیہ'' سے کیا گیا ہے۔

(۱۶) اسرار العجائب: یہ حضرت شیخ کے ملفوظات کا مجموعہ ہے جسے شیخ خضر بڈھن جون پوریؒ عرف میاں خاں ''جامع مکاتیب قدوسیہ'' نے جمع کیا تھا، غالباً آپ کے یہ ملفوظات شائع نہیں ہوئے۔

(۱۷) اورادِ شیخ عبدالقدوسؒ: یہ حضرت شیخ کے ان اوراد ووظائف کا مجموعہ ہے جو آپ کے معمولات میں داخل تھے (ماخوذ از شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ اور ان کی تعلیمات ؍ص۴۲۱)

اتباعِ سنت اور شیخ علیہ الرحمہ

[۱] حضرت شیخ المشائخ مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادیؒ کا یہ مقولہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے اتباعِ سنت ہی ساری غوثیت اور قطبیت ہے۔

---

[۱] یکم رمضان ۱۲۰۹ھ ملاواں ضلع اناؤ یوپی میں پیدا ہوئے، آپ کبار علماء صلحاء میں سے ہیں بہت بڑے عارف باللہ محدث اور فقیہ تھے تفسیر ودیگر علوم میں آپ کو کمال حاصل تھا آپ کی کرامات مشہور ہیں بقول صاحب نزہۃ الخواطر کے آپ کے کشوف وکرامات کے بارے میں مت پوچھو وہ تو حد تواتر کو پہونچے ہوئے ہیں اور میں نے اولیاء سابقین میں اتنی کرامات اور کشوف سوائے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے اور کسی کے بارے میں نہیں سنی، نیز یہ بھی لکھا ہے کہ آپ علم وعمل، زہد وتقوی، شجاعت وکرم، جلالت ورعب، امر بالمعروف، نہی عن المنکر اخلاص اخبات، انابت الی اللہ دعاء ومراقبہ حسن اخلاق مخلوق کو نفع پہونچانے میں اپنے دور میں سب سے آگے تھے ۱۳۱۳ھ بعمر ۱۱۰؍سال آپ کی وفات ہوئی اور گنج مرادآباد ضلع اناؤ یوپی ہی میں مدفون ہیں (مشائخ نقشبندیہ؍ص۱۳۲؍نزہۃ الخواطر؍ص۳۸۶؍ج۸)۔

قرآن کریم میں حق تعالیٰ نے اپنی محبت کا معیار اتباع رسول اللہ ﷺ کو ہی قرار دیا ہے، نیز اسی پر عنداللہ مقبولیت ومحبوبیت اور مغفرت وابستہ قرار دی ہے قرآن و حدیث میں اس پر بے شمار نصوص وارد ہوئی ہیں، بطور مثال کے چند سنئے ارشاد ربانی ہے:

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرُالرَّحِيْم (سورۂ آل عمران) حضرت مولانا گنج مرادآبادیؒ نے ترجمہ فرمایا، آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم کو اللہ تعالیٰ سے محبت ہے تو میری راہ پر چلو تب وہ تم سے پیار کریں گے اور تمہاری مغفرت فرمادیں گے اتباع سنت میں کامیابی وکامرانی کا راز یہ ہے کہ انسان محبوب کی صورت بنا کر جب رب العزت والجلال کے سامنے حاضر ہوتا ہے ضرور اس پر مولائے تعالیٰ کی نظر کرم ہوتی ہے۔

تاج الاولیاء والاتقیاء حضرت خواجہ محمد معصومؒ اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

حامداو مصلیا علیٰ رسوله الکریم امابعد !

ہنگامِ قربِ قیامت ہے اور وقتِ زیادتی ظلمات، ایک عالم ظلمات کے اندر غرق ہے اور غرق ہوتا چلا جارہا ہے، کوئی جواں مرد درکار ہے، جو اس خطرناک زمانہ میں احیائے سنت کرے اور بدعت کو مٹائے، بے انوار سنن نبویؐ راہِ راست پانا محال ہے اور بے التزامِ اطوارِ نبوت نجات ڈھونڈنا محض خیال ہے، طریقۂ صوفیا کا سلوک اور ''محبت ذاتیہ'' کا وصول بے اتباع حبیبؐ رب العالمین متحقق نہیں ہوسکتا آیۂ **قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ الله**، ہمارے اس قول کی گواہ ہے، اپنی سعادت اسی میں سمجھنی چاہئے کہ عادات، عبادات اور معاملات میں آنحضرتؐ سے نسبت پیدا ہو، عالمِ مجاز میں دیکھو کہ جو شخص محبوب سے مشابہت اختیار کرتا ہے محبؐ کی نظر میں وہ کتنا محبوب

وزیبا اور مرغوب ورعنا معلوم ہوتا ہے، محبوب کے دوست محبّ کی نظر میں عزیز اور محبوب کے مبغوض، محبوب کی نظر میں مبغوض ہوتے ہیں، پس کمالاتِ صوری ومعنوی، آنحضرتؐ کی محبت کے ساتھ وابستہ ہیں (مکتوبات خواجہ محمد معصومؒ ص ٦٩) سبحان اللہ العظیم! اللہ پاک بلند سے بلند درجات نصیب فرمائے حضرت خواجہ صاحبؒ کو کس قدر زبردست انداز سے اتباع سنت پر ابھارا ہے۔

نیز اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ اعمال کی قبولیت کا مدار اتباع سنت پر ہی ہے اور اسی پر عند اللہ محبوبیت اور مغفرت موعود ہے۔

وَمَا اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذۡنِ اللّٰه (پارہ ٥ رکوع ٦) ہم نے نہیں بھیجا کوئی رسول مگر اس لئے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے، معلوم ہوا کہ رسول کی اطاعت کے بغیر چارۂ کار نہیں اور یہ کہ یہ اللہ کا حکم ہے لہٰذا رسولوں کی اطاعت فرض ہے اسی پر ساری شریعت وطریقت کا مدار ہے۔

يَا اَيُّهَا الَّذِيۡنَ آمَنُوۡا اَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَاَطِيۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَلَا تُبۡطِلُوۡا اَعۡمَالَكُمۡ الآية (پارہ ٢٦، رکوع ٨) اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو باطل نہ کرو یعنی اللہ اور ان کے رسول ﷺ کی مخالفت کرکے، اگر یہ مخالفت نفس ایمان میں ہے تو کفر وشرک ہے اور اگر یہ مخالفت ان کے احکامات میں ہے تو فسق وعصیان ہے (بیان القرآن)۔

نیز معلوم ہوا کہ اللہ اور ان کے رسولؐ کی اطاعت کرنا فرض ہے، اس کے بغیر ایمان اور اسلام کچھ بھی نہیں چہ جائے کہ کوئی شخص تصوف وروحانیت کا دعوی کرے۔

مَنۡ يُّطِعِ الرَّسُوۡلَ فَقَدۡ اَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنۡ تَوَلّٰى فَمَاۤ اَرۡسَلۡنٰكَ عَلَيۡهِمۡ حَفِيۡظًا (پارہ ٥، رکوع ٨) اور جس شخص نے اللہ کے رسولؐ کی اطاعت کی اس نے درحقیقت

اللہ کی اطاعت کی اور جو شخص آپ کی اطاعت سے روگردانی کرے تو آپ اس پر کچھ غم نہ کیجئے کیونکہ ہم نے آپ کو ان کا نگراں بنا کر نہیں بھیجا، یعنی اگر یہ لوگ آپ کے طریقہ پر نہیں چلیں گے تو اس بارے میں سوال آپ سے نہیں ہوگا بلکہ خود انہیں لوگوں سے ہوگا۔

نیز ایک جگہ حضور اقدس سرکار دو عالم ﷺ سے بیعت کرنے کو اللہ نے اپنے سے بیعت کرنا قرار دیا ہے، فرماتے ہیں: اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ فَمَنْ نَکَسَ فَاِنَّمَا یَنْکُسُ عَلٰی نَفْسِہٖ وَمَنْ اَوْفٰی بِمَا عَاھَدَ عَلَیْہُ اللّٰہَ فَسَیُؤْتِیْہِ اَجْرًا عَظِیْمًا (پارہ۲۶،رکوع۹) بیشک وہ لوگ جو آپ سے بیعت کر رہے ہیں وہ درحقیقت اللہ سے بیعت کر رہے ہیں، خدائے تعالیٰ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے پھر جو شخص بیعت توڑے گا تو اس کے بیعت توڑنے کا گناہ اسی کی ذات پر ہوگا اور جو شخص پورا کرے گا اس چیز کو جس پر اس نے اللہ سے عہد کیا تھا یعنی بیعت کی تھی تو حق تعالیٰ اس کو اجر عظیم عطا فرمائیں گے، اس آیت میں اللہ پاک نے اپنے رسول ﷺ سے بیعت کرنے کو خود اپنے سے بیعت کرنا قرار دیا ہے جس سے اتباع رسول اور اتباع سنت کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے، نیز یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بیعت کرنا سنت سے ثابت ہے اور اس پر قائم رہنا موجب اجر وثواب ہے اور بلا وجہ یا خواہش نفس کے تابع ہو کر توڑ دینا باعث نقصان اور خسران ہے۔

قُلْ یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعَا نِ الَّذِیْ لَہٗ مُلْکُ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ لَا اِلٰہَ اِلَّاھُوَ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ فَآمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ الَّذِیْ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَکَلِمٰتِہٖ وَاتَّبِعُوْہُ لَعَلَّکُمْ تَھْتَدُوْنَ (سورۂ اعراف) آپ کہہ دیجئے اے لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ کا بھیجا ہوا ہوں جس کی بادشاہی آسمانوں

اور زمینوں میں ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے وہی زندگی دیتا ہے وہی موت دیتا ہے پس تم ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسولؐ پر جو نبی امی ہیں، جو خود ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور ان کے احکامات پر اور تم انہیں کی اتباع کرو تبھی تم ہدایت پاؤ گے۔

اس آیت میں اللہ پاک نے کس قدر تاکید سے اپنے پیغمبر ﷺ کی اتباع کا حکم دیا ہے اور صاف صاف بتا دیا ہے کہ ہدایت پر تبھی آؤ گے جب نبی کی اتباع کرو گے اور اگر تم نے نبی کے طریقے کو چھوڑا تو گمراہی میں جا پڑو گے، آج لوگ نبی کی اتباع کو چھوڑ کر مختلف چیزوں میں لگے ہوئے ہیں اور بہت سے تو بزرگوں کے نام پر رکوع سجدے اور منتیں اور نا معلوم کیا کیا خرافات کر رہے ہیں اور کروا رہے ہیں، جب کہ یہ آیت صاف بتاتی ہے کہ موت و حیات نفع نقصان سب کچھ اللہ کے اختیار میں ہے نہ کسی زندہ کے اختیار میں ہے اور نہ کسی مردہ کے اختیار میں ہے۔

نافع وضار جز اللہ نہیں ہے کوئی مؤمن ہو کر پھر شرک سے تجھ کو کیا کام

اس بارے میں چند احادیث پڑھیے اور غور کیجیے!

احادیث

قال رسول اللہ ﷺ مَنْ اطاع محمداً فقد اطاع اللہ و من عصی محمداً فقد عصی اللہ و محمد فرقٌ بین الناس (مشکوٰۃ شریف رص ۲۷ رج ۱) فرمایا رسول پاک ﷺ نے جس شخص نے محمد ﷺ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس شخص نے محمد کی نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی محمد کی اطاعت لوگوں کے درمیان حق و باطل کا فرق کرنے والی ہے۔

نیز ایک جگہ فرمایا: **ترکت فیکم امرین لن تضلوا ان تمسکتم بھما**

کتاب اللہ وسنۃ رسولہ (مشکوۃ شریف رص۳۱) کہ تم میں دو چیزوں کو چھوڑ کر جارہا ہوں اللہ کی کتاب اور سنت، جب تک تم ان کو پکڑے رہو گے گمراہ نہ ہو گے۔

فائدہ: بالکل حقیقت ہے کہ جب تک امت ان دونوں چیزوں کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے رہے گی تب تک ہدایت پر قائم رہے گی اور جب امت ان دونوں کو چھوڑ دیگی گمراہی کے راستہ پر چل پڑیگی جیسا کہ بہت سی جگہوں پر بہت سے لوگوں کے حالات ثابت کرر ہے ہیں۔

نیز ایک جگہ ارشاد فرمایا رسول اللہ ﷺ نے لا یؤمن احدُکم حتی اکُونَ اَحبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَالِدِہٖ وَوَلَدِہٖ وَالنَّاسِ اجْمَعین (بخاری شریف رص۱۴رج۱) یعنی تم میں سے کوئی کامل مؤمن نہیں بن سکتا جب تک کہ میں اس کو اس کے والد سے اس کی اولاد سے اور تمام ہی لوگوں سے پیارا نہ ہو جاؤں۔

ان تمام ہی نصوص سے معلوم ہوا کہ اصل ولایت اتباع سنت ہی ہے اور جو طریقت اس کے خلاف ہو وہ گمراہی ہے، چنانچہ مرشدی محبوبی حضرت مولانا محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں

جو طریقت خلاف شریعت ہو ضلالت ہے
طریقت اور حقیقت یہ دونوں خادم ہیں شریعت کے

لہذا یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک قطب وولی احکام شرع سے بے نیاز رہے، حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ طریق چشتیہ کے کتنے بڑے شیخ صاحب حال وقال درویش ہیں انہیں کے مکتوبات کو دیکھ لیجئے، کوئی مکتوب اتباع شرع کی تاکید اور ترغیب سے خالی نہیں ہے۔

چنانچہ آپ کے اتباعِ سنت کے چند نمونے پیش کیے جاتے ہیں! ایک بار ایک بزرگ کا آپ کے سامنے ذکر کیا گیا، آپ کو ملنے کا شوق پیدا ہوا ان کے پاس پہنچے تو معلوم ہوا کہ وہ اپنے عبادت خانے سے نکل کر اڑتے ہوئے کسی جگہ پہنچے ہیں، حضرت شیخ عبدالقدوسؒ اندر تشریف لے گئے تاکہ ان کے عبادت خانہ کی زیارت کریں، وہاں دیکھا کہ ان کے ہاتھ گھٹنے اور سر ٹیکنے کے نشانات پڑے ہوئے تھے، لیکن سب نشانات خلاف سنت واقع ہوئے تھے ارشاد فرمایا وہ شخص کیا خاک بزرگ ہوگا جسکی نماز بھی سنت کے موافق نہ ہو اور اڑنا کوئی کمال نہیں ہے۔

رابعہ بصریہؒ نے دیکھا کہ حسن بصریؒ نے پانی پر مصلی بچھایا اور نماز پڑھی تو انہوں نے ہوا پر بچھا کر نماز شروع کی، بعد میں فرمایا ہوا میں اڑنا اور پانی پر چلنا کمال نہیں ورنہ مچھلی اور مکھی ہم سے زائد با کمال ہو جائیں گی، اصل کمال اتباعِ سنت ہے، شیخ اتباع سنت میں راسخ تھے اسی وجہ سے ان کے مریدوں میں بھی یہ جوہر راسخ تھا، چنانچہ آپ کے خلیفہ شیخ جلال الدینؒ بیمار ہوئے تو لوگوں نے دوا پلانی چاہی اور آپ چارپائی پر تھے فرمانے لگے کہ پہلے مجھے نیچے اتار دو تب دوا نوش کروں گا کیونکہ یہ خلاف سنت ہے۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ عین استغراق میں ہوتے اور نماز کا وقت آجاتا تو فرماتے کہ شرع محمدی سے چارہ نہیں ہے، اس کے علاوہ اور واقعات بھی ہیں اختصار کی وجہ سے ترک کیے جاتے ہیں۔

حضرت شیخ زکریاؒ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ کے حالات میں حضرت تھانویؒ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ میں نے جتنے بزرگان سلف کے تذکرے دیکھے ہیں ان کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ ان کی حالت اور طرز وہ نہ تھا جو آج کل کے اکثر مشائخ کا ہے

ان مشائخ کو دیکھا جاتا ہے وہ اتباع شریعت کو وصول الی اللہ کے لئے چنداں ضروری نہیں سمجھتے اوران کا اعتقاد ہے کہ شریعت اور ہے طریقت اور ہے، بلکہ بزرگان سلف کا حال تقویٰ وطہارت اوراتباع سنت میں صحابہ کرامؓ کے جیسا تھا، چنانچہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کا قصہ لکھا ہے کہ ایک بار آپ وضو کرنے میں انگلیوں کا خلال کرنا بھول گئے، تو غیب سے آواز آئی کہ محبتِ رسول کا دعویٰ اورسنت کا ترک؟ آپ نے فوراً توبہ کی کہ آئندہ ایسی حرکت نہیں کروں گا، اور لکھا ہے کہ آپ کی یہ حالت تھی کہ جہاں آپ آگ کو دیکھتے تو کانپ اٹھتے کہ کہیں قیامت کے روز اس کی سزا نہ ہو، تو اتباع سنت میں ان حضرات کا وہی حال تھا جو حضرات صحابہؓ کا تھا (تاریخ مشائخ چشت رص ۱۶۷)۔

مسئلہ سماع اور شیخ عبدالقدوسؒ

اس مسئلہ پر حضرت شیخ کی سوانح لکھنے والوں نے خاص گفتگو کی ہے چونکہ بعض لوگوں نے جو منسوب کردیا کہ شیخ سماع وغیرہ کے قائل تھے اور یہ ان کے یہاں ہوتا تھا، اس بارے میں ہمارے بزرگوں میں سے شیخ المشائخ محدث کبیر عالم جلیل حضرت شیخ زکریاؒ اور عالم جلیل فاضل کبیر حضرت مولانا حکیم عبدالرشید محمود نبیرہ امام ربانی حضرت گنگوہیؒ نے اپنی اپنی کتابوں میں اچھی خاصی گفتگو کی ہے ان کو اور دیگر کتابوں کو سامنے رکھ کر چند باتیں سپرد قلم کی جاتی ہیں۔

(۱) سماع کی تعریف: سماع دو قسم پر ہے:

(۱) سماع لغوی (۲) سماع متعارف۔

سماع لغوی اسے کہتے ہیں کہ ذرا آواز بنا کر کوئی نعت وغیرہ پڑھ لی جاوے

کچھ گا دیا جاوے۔

(۲) سماع متعارف: با قاعدہ مجالس میں نغمات اور قوانین موسیقی کے مطابق گایا جائے جن میں آلات معصیت مزامیر، ڈھول، ہارمونیم، سارنگی، اور اس کے علاوہ تمام خرافات اور واہیات ہوں جیسا کہ اس دور میں فساق و فجار کا طریقہ ہے، ظاہر ہے کہ اس کے ناجائز وحرام ہونے میں کون مسلمان شک کرے گا۔

شرائطِ سماع

سماع کی پہلی صورت کی چند شرائط کے ساتھ گنجائش ہوسکتی ہے۔

(۱) شرط اول: رعایت زمان ومکان واخوان، یعنی وقت ایسا ہو کہ اس میں کوئی ضروری امر طبعی یا شرعی موجود نہ ہو مثلاً نماز کے اوقات، رعایتِ مکان آمد ورفت کی جگہ نہ ہوں بلکہ مخصوص جگہ ہو، رعایتِ اخوان تمام اہل مجلس ایک مشرب کے ہوں فساق وفجار نہ ہوں۔

شرطِ دوم: سماع سننے والے ایسے لوگ ہونے چاہئے جن کو سماع سننا مضر نہ ہو جیسے بے نمازی مقطوع اللحیہ اور شرعی احکام سے غافل لوگ ہیں، نیز ان میں مضامین کو سمجھنے کی پوری صلاحیت موجود ہو۔

شرط سوم: خوب کان لگا کر سنیں بغیر اضطرار کے نہ اچھلیں، نمائش نہ کریں بناوٹی وجد وحال کا اظہار نہ کریں۔

شرط چہارم: جب تک ضبط ممکن ہو کھڑے نہ ہوں آواز بلند نہ کریں۔

شرط پنجم: ایک کے کھڑے ہونے پر سب کھڑے ہو جائیں تا کہ اس کو قبض نہ ہو جس سے اس کی جان کا خوف پیدا ہو جاتا ہے اس مصاحبت سے اس میں بسط رہے گا، پھر

ان شرائط کے ساتھ موانع نہ ہوں جن کا تذکرہ کیا جارہا ہے۔

موانعِ سماع

(۱) مانع اول: یہ ہے کہ گانے والا کوئی خوبصورت امرد ہو یا کوئی عورت ہو جیسا کہ آج کل مشاعروں میں ہوتا ہے جس کی وجہ سے سننے والوں میں شہوت کے جذبات ابھریں ۔

(۲) آلاتِ سماع ہوں۔

(۳) اشعار میں غلط مضمون ہو۔

(۴) سننے والوں میں قوت شہوانیہ غالب ہو۔

(۵) سننے والے عوام الناس ہوں۔

ان تمام باتوں میں سے کسی بھی ایک چیز کا وجود سماع کے لئے مانع بن جائے گا اور اس کے ہوتے ہوئے سماع جائز نہ ہوگا۔جیسا کہ آج کل یہ ساری خرابیاں پائی جارہی ہیں۔

تکبیر اولیٰ فوت ہونے کے کفارہ میں دو برس کے روزے

حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ نے ارشاد فرمایا کہ ایک دفعہ سماع کی مشغولی میں تکبیر اولیٰ فوت ہوگئی تھی تو اس کے کفارہ میں دو برس روزے رکھے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ یہ حضرات احکام شرع کا کتنا اہتمام واحترام فرماتے تھے جو کچھ سماع کی کیفیت تھی وہ بدرجۂ مجبوری علاجاً تھی نہ کہ حظ نفسانی کے لئے ،آج کل کے لوگ ان اکابر کے حالات کا مطالعہ کریں پھر اپنے متعلق رائے قائم کریں کہ کس مقام میں ہیں، درحقیقت اپنے اعمال کو ان اکابر کا اتباع قرار دینا افتراء ہے اور ان کو بدنام کرنا ہے۔

(ماخوذ از ملفوظات فقیہ الامت ص/۸۶ /ج ۱)

سماع کے بارے میں مشائخ کے اقوال

(۱) شیخ شہاب الدین سہروردیؒ نے فرمایا کہ سماع بہر حال حرام ہے یا منکر ہے۔

(۲) حضرت جنید بغدادیؒ نے فرمایا کہ عوام کے لئے سماع حرام ہے اور شیخ بغدادیؒ نے آخر عمر میں اس سے توبہ کر لی تھی (دیکھئے شامی جلد ۵)۔

(۳) قاضی ابو الطیب الطبریؒ نے امام شافعیؒ و ابو حنیفہؒ، امام ثوریؒ اور علماء کی ایک جماعت سے ایسے اقوال نقل فرمائے ہیں جن سے سماع کا حرام ہونا معلوم ہوتا ہے، علامہ علاؤ الدین صاحب در المختار فرماتے ہیں: وفی السراج: ودلت المسئلة ان الملاهی کلها حرام ویدخل علیهم بلا اذنهم لانکار المنکر قال ابن مسعودؓ صوت اللهو والغناء ینبت النفاق فی القلب کما ینبت الماء النبات قلت وفی البزازیة استماع صوت الملاهی کضرب قصبٍ ونحوه حرام لقوله علیه السلام استماع الملاهی معصیة والجلوس علیه فسق والتلذذ بها کفر ای بالنعمة الی ان قال انه علیه السلام ادخل اصبعه فی اذنه عند سماعه، واشعار فیها ذکر الفسق تکره قال العلامة ابن عابدین الشامیؒ صاحب ردالمحتار.

وما یفعله متصوفة فی زماننا حرام لایجوز القصد والجلوس الیه .

وما تقول انه علیه السلام سمع الشعرلم یدل علی اباحة الغناء ویجوز حمله علی الشعر المباح المشتمل علی الحکمة والوعظ وحدیث تواجده صلی الله علیه وسلم لم یصح .

وقال السرِّی شرط الواجد ان یبلغ الی حد لو ضرب وجهه بالسیف لایشعر قلت وفی التاتارخانیه عن العیون ان کان السماعُ سماعَ القرآن

والـمَوعِظة يجوز وان كان سماع غنا فهو حرام باجماع العلماء ومن اباحه من الـصوفية فهـو لمن تخلى عن اللهو وتحلى بالتقوىٰ واحتاج الى ذالک احتياج المريض الى الدواء وله شرائط .ستةٍ

(۱) ان لايكـون فيه امرد (۲) ان تكون جماعتهم من جنسهم (۳)وان تـكـون نية الـقـول الاخـلاص لاا خذ الاجر والطعام (۴) وان لا يجتمعوا لاجل طعـامٍ اوفتـوحٍ (۵)و ان لايـقـومـو ا الا مـغـلـو بيـن (۶) وان لايظهـر واوجدا ً الاصـادقيـن . والحاصل انه لارخصة فى السماع فى زماننا لان الجنيدؒ تاب عن السماع فى زمانه انتهى (شامی ص۲۷۵ / ۲۷۶ ج ۵)۔

علامہ شامیؒ کی اس طویل عبارت سے چند امور خلاصۃً لکھے جاتے ہیں۔

(۱) مزامیر آلات غنا کا استعمال علی الاطلاق حرام ہے، اوراس کے ساتھ تلذذ یعنی اس کا مزہ لیکر سننا کفر ہے، العیاذ باللہ (۲) ایسے اشعار ناجائز ہیں جو غلط مضامین پر مشتمل ہوں (۳) دورِ حاضر کے لوگوں کے لئے حرام وممنوع ہے (۴) آنحضور ﷺ نے ایسے اشعار سنے ہیں جو حکمت پر مشتمل تھے اوران چیزوں کا وہاں وجود نہ تھا جو آج ہیں یعنی وجد وحال کا اظہار، امردوں کا اجتماع، جاہلوں فساق وفجار کا اجتماع، ڈھول ڈھماکے وغیرہ وغیرہ (۵) آنحضور ﷺ سے وجد والی حدیث ثابت نہیں ہے، یعنی حضور ﷺ کے بارے میں بعض لوگ جواس قسم کی روایت نقل کرتے ہیں کہ حضورؐ نے اشعار سنے اورآپ کو وجد آیا یہ ثابت نہیں ہے (۶) وجد اُس کے لئے جائز ہے جو اتنا مغلوب ہو کہ اگر اس کے تلوار ماردیں تو اس کو پتہ نہ چلے، اس سب کے لکھنے کے بعد علامہ شامیؒ کہتے ہیں کہ خلاصہ یہ ہے کہ ہمارے اس دور میں سماع حرام اور گناہِ کبیرہ ہے، اور حضرت جنید بغدادیؒ وغیرہ نے

اس سے توبہ کرلی تھی، جب حضرت علامہ شامیؒ نے اپنے دور کے بارے میں ایسا فرمایا ہے تو پھر ہمارے اس دور میں جب کہ خرافات ومحرمات کا شیوع عورتوں مردوں کا اختلاط اور اس پر مرتب ہونے والے قبائح اور برائیوں نے جو صورتِ حال پیدا کردی ہے اس میں کون اس کے جواز کا قائل ہوسکتا ہے؟

سماع بشرائطِ مخصوصہ مضطر کے لئے حلال ہے جیسا کہ مریضِ مضطر کے لئے بعض ایسی چیزیں بطور دوا حلال ہوجاتی ہیں جو ممنوع ہوتی ہیں مگر یہ سخت مجبوری کی حالت میں ہے۔

اب ہمیں واقعات کی روشنی میں دیکھنا چاہئے کہ شیخ عبدالقدوسؒ کا سماع اضطراری حالت پر محمول ہے یا کہ اختیاری تھا۔

اس سلسلہ میں چند واقعات لکھے جاتے ہیں جن سے آپ خود فیصلہ کرلیں گے کہ وہ مجبور تھے، ضبط پر قادر نہ تھے۔

(۱) محکمۂ احتساب: یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور رد بدعات وخرافات کیلئے سلاطین اسلام کے عہد میں ہوا کرتا تھا کہ ایک امیر وذمہ دار ہو، شیخ حسام الدین جب گنگوہ حاضر ہوئے تو ''محلّہ شہر'' میں قیام کیا اور شیخ علیہ الرحمہ جس محلّہ میں رہتے تھے وہ چونکہ اس سے کافی فاصلے پر تھا (جو سرائے کہلاتا ہے[۱]) کہلوا بھیجا کہ رقص وتواجد شرعاً حرام ہے آپ آئندہ احتیاط کیجئے گا، ورنہ مجھے اپنا فرض منصبی ادا کرنا پڑے گا، حضرت شیخ علیہ الرحمہ نے شاہی محتسب کے حکم کی تعمیل کی اور کئی روز اسی طرح گذر گئے، بستی کے

---

[۱] قصبہ گنگوہ کی آبادی کچھ اس انداز کی واقع ہوئی تھی کہ بیچ میں ایک بڑا تالاب تھا اسکے مغربی کنارے پر ایک بہت بڑی آبادی تھی اسی میں ان بزرگوں کی خانقاہ واقع تھی اور شیخ جب شاہ آباد سے تشریف لائے تھے اسی علاقہ میں قیام فرمایا تھا اور دوسرا علاقہ جو تالاب کے مشرقی کنارے میں واقع تھا وہ شہر کہلاتا ہے، اب کثرت آبادی کی وجہ سے وہ تالاب تقریباً ختم ہوگیا ہے مگر سرائے اور شہر کی اصطلاح ہنوز باقی ہے۔

لوگوں نے اسپر اعتراض کیا اور کہا کہ شیخ محتسب سے ڈر گئے، شیخ علیہ الرحمہ تک جب ان کے الفاظ پہنچے تو فرمایا کہ میں مسلمان ہوں مسلمان زادہ ہوں حکم شرعی کے سامنے کیسے نہ گردن جھکاؤں، اس کے بعد پھر حضرت پر حال طاری ہوا برابر میں ایک عورت چکی پیستے ہوئے یہ مصرع گا رہی تھی ؎

یہ دیکھو چنبل کے گھاٹ پاٹ ڈوبیں اور پتھر ترائیں

حضرت شیخ علیہ الرحمہ نے جب یہ مصرعہ سنا تو تأثر شروع ہوا، شاہی محاسب کو اطلاع پہنچی وہ آئے تو نماز کا وقت ہو چکا تھا اس میں مشغول ہو گئے، نماز کے بعد پھر وجد طاری ہو گیا سماع فرمایا، محاسب نے اپنا فرض پورا کرنے کے لئے جب دروازہ پر قدم رکھا تو حواس باختہ ہو گیا، دیکھا کہ دو شیر منہ کھولے کھڑے ہیں محاسب نے چاہا کہ لوٹ جائیں، شیخ علیہ الرحمہ نے جلدی سے ہاتھ پکڑ لیا بالآخر منع کرنے کے لئے آئے تھے اور خود بھی شیخ علیہ الرحمہ کے مریدِ صادق ہو گئے۔

واقعہ

شروع میں گذر چکا ہے کہ جب ان کے ماموں نے شیخ کو ظاہری تعلیم کے لئے مجبور کیا اور غصہ کا اظہار کیا تو بعض اشعار سنتے ہی وجد طاری ہو گیا، شیخ علیہ الرحمہ کا یہ حال اضطراری تھا چنانچہ حضرت کو مولانا رکن الدین صاحبؒ نے سماع سے منع کیا اور عرض کیا کہ حضرت شرعاً ممنوع ہے تو حضرت نے فرمایا کہ اچھا!

ایک روز شیخ علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ میاں رکن الدین یہاں آؤ! بدن دبانے کے لئے کہا ہاتھ لگایا تو بدن میں موٹے موٹے آبلے محسوس ہوئے، انہوں نے معلوم کیا تو شیخ علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ بھائی عشق الٰہی کی آگ سماع سے نکل جاتی تھی تم نے منع کر دیا

اس کا یہ اثر ہورہا ہے، مولانا نے فرمایا آپ کے لئے حلال ہے آپ مضطر ہیں، آپ شرعاً معذور ہیں، آپ کا اس سلسلہ میں یہ حال تھا جو حضرت شیخ فرید الدین شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا تھا ؎

سبحان اللہ یکے سوخت وخاکستر شد　　　دیگر ہنوز دراختلاف است

سبحان اللہ ایک آدمی تو جل گیا بھن کر خاک ہوگیا
اور دوسرا اس کے بارے میں اختلاف کررہا ہے

بہرحال ان تمام واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ نہ تو شیخ علیہ الرحمہ کا سماع مزامیر وغیرہ امور محرمہ پر مشتمل ہوتا تھا جیسا کہ حضرت شیخ داؤد گنگوہیؒ سے کسی نے معلوم کیا کہ آپ کے دادا حضرت شیخ عبد القدوسؒ تو بغایت متبع سنت تھے میں نے سنا ہے کہ آپ کو مخصوص سماع وغیرہ میں بہت غلو ہے، فرمایا کہ غلط ہے ہمارے یہاں تو تالی بجانا بھی جائز نہیں، ان حضرات کے یہاں جو اشعار پڑھے یا سنے جاتے تھے وہ خرافات سے بالکل پاک وصاف ہوتے تھے ان مشائخ کی طرف یہ منسوب کرنا کہ یہ حضرات ایسی قوّالیاں سنتے تھے، جیسے آج کل پروگراموں میں ہوتا ہے کہ شریعت کا کوئی پاس ولحاظ نہیں ہوتا یہ ان حضرات پر ایک الزام ہے جس سے ان حضرات کی زندگی پر ایسا حرف آتا ہے جو ان حضرات کے مقصد حیات کے بالکل خلاف ہے، کیونکہ ان حضرات کا منشاء اور مقصد ساری خانقاہی محنتوں کا، خود بھی شریعت وسنت کا اتباع تھا اور دوسروں کو بھی اسی پر گامزن کرنا تھا ، اگر یہ حضرات خود غیر مشروع افعال میں مبتلا ہوتے یا رہتے تو دوسروں کو کیسے بچنے کی دعوت دیتے؟ اور اگر بالفرض کسی سے کہیں ثابت بھی ہوجائے وہ حالتِ اضطرار پر محمول ہوگا جو اوروں کیلئے لائق اتباع نہیں ہوسکتا، پھر اصل اتباع تو جائز عمل میں ہوتا ہے نہ کہ غیر

مشروع میں لاطاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق الحدیث (مسند احمد) یعنی جس چیز میں اللہ پاک کی نافرمانی ہو اس میں کسی کی اتباع نہیں ہو سکتی۔

پھر یہ بھی یاد رہے کہ حضرت شیخ کے بارے میں صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ کبھی کبھار آپ کے بعض خادم جو خوش الحان تھے کوئی حمد یا نعت وغیرہ پڑھ دیا کرتے تھے، مستقل باقاعدہ مجلس منعقد کر کے لوگوں کو اکھٹا کر کے آپ نے ایسا کیا ہو یہ سب کچھ نہ تھا، واللہ تعالیٰ اعلم۔ جس طرح کا سماع شیخ کا تھا اس انداز کا سماع اور بہت سے مشائخ سے بھی ملتا ہے مگر اس سے مراد صرف اتنا ہے کہ کوئی غزل، حمد، نعت وغیرہ سن لی جائے نا کہ طبلہ وسارنگی وغیرہ کے ساتھ جس میں مزامیر وغیرہ شامل ہو، حضرت شیخ حمید الدین ناگوریؒ حضرت شیخ نظام الدین اولیاء وغیرہ کی طرف جو کچھ منسوب ہے وہ اسی انداز کی شئی تھی۔

چنانچہ درالمعارف ص ۳۹ پر امام العارفین قدوۃ الصالحین حضرت اقدس مرزا مظہر جان جاناں نقشبندی قدس سرہ العزیز کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

ایک دن سماع کا ذکر آیا، آنجناب نے ارشاد فرمایا کہ اہلِ سماع وہ لوگ ہیں جو ماسوا سے کٹ کر اللہ تعالیٰ ہی کی جانب متوجہ رہتے ہیں، جو کچھ سنتے ہیں حق کی جانب سے سمجھتے ہیں اور غیریت ان کی نظر سے اٹھی ہوئی رہتی ہے (غیریت یعنی غیر حق تعالیٰ کے تعلقات، ان کی طرف توجہات اور ظاہر ہے کہ ہمارے اس دور میں ایسے حالات کہاں، ذکر وفکر، مراقبات، توحید وعبادات سے کیا تعلق صرف قوالیاں کر لینا ہی دین داری تصور کر رہے ہیں استغفر اللہ العظیم) اور آنجناب نے فرمایا کہ وجد اور تواجد میں فرق ہے، وجد بے اختیار رقص کرنے کو کہتے ہیں لیکن تواجد اختیار کے ساتھ ہوتا ہے اور نیز فرمایا کہ درستی نیت کے ساتھ تواجد بھی صوفیاء میں جائز ہے۔

اور فرماتے تھے کہ حضرت نظام الدینؒ کی مجلس میں سماع ہوتا تھا مگر نہ تو اس میں باجا تھا اور نہ عورتیں اور نہ نابالغ ہوتے تھے بلکہ تالیوں کی آواز بھی نہیں ہوتی تھی، اور اس قسم کا سماع شریعت میں بھی جائز ہے جیسا کہ (کتاب) فوائد الفوائد اور سیر الاولیاء میں لکھا ہوا ہے اور فرماتے تھے کہ حضرت قطب المحققین خواجہ بختیار اوشی کاکی قدسنا اللہ بسرہ الاقدس سماع مترنم میں (یعنی خوش آوازی کے ساتھ اشعارِ عاشقانہ سنتے ہوئے) اس شعر پر دار فانی سے دار جاودانی (ہیشگی کے مکان) کی طرف رحلت فرما گئے تھے شعر:

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را ہر زماں از غیب جانِ دیگر ست

(تسلیم و رضا کے خنجر سے قتل ہوئے لوگوں کے لئے غیب سے ہر لمحہ ایک نئی زندگی ہے) اللہ اللہ حضرت مولانا جامیؒ کا کیا کلام ہے کہ جام وصال پلاتا ہے اور ہستی کی قید سے چھڑاتا ہے اور اسی دن کی محفل میں انسان کی جامعیت کا ذکر آیا تو آنجناب نے ارشاد فرمایا کہ حضرت امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ رحمۃً واسعۃً نے لکھا ہے کہ انسان تمام کائنات کا مجموعہ اس لحاظ سے ہے کہ جو کچھ عالم میں الگ الگ پایا جاتا ہے وہ سب انسان میں موجود ہے، مثلاً ''سر'' مثل آسمان کے اور ''خیالات'' مثل فرشتوں کے اور ''ہڈیاں'' پہاڑوں کی طرح اور ''خون'' بمنزلہ دریا کے اور ''رگیں'' درختوں کی شکل میں پھیلی ہوئیں اور دونوں ''آنکھیں'' مثل چمکتے سورج اور روشن چاند کے، اسی طرح اور چیزوں پر قیاس کرلو، لیکن میں کہتا ہوں کہ انسان تمام ممکنات کا جامع اس لحاظ سے ہے کہ تمام عالم اسماء وصفات کا مظہر ہے لیکن انسان مظہر ذات ہے اور ذات تمام صفات کی جامع ہے (یعنی وہ آئینہ ہے جس میں سارا عالم دکھائی دیتا ہے) لیکن عارف ہی

دیکھتا ہے کہ تمام عالم میرے دل میں ہے بلکہ حضرت حق جل مجدہ وعلا بھی میرے دل میں جلوہ گر ہے، اکثر اولیاء اسی حالت میں وحدۃ الوجود کے قائل تھے اور (حالتِ کیف میں) اَنَا الْحَقُّ (میں حق ہوں) اور سُبْحَانِی مَا اَعْظَمُ شَانِی (پاکی ہے مجھ کو میری کیا بڑی شان) مَالَیْسَ فِیْ جُبَّتِی سِوَی اللّٰہ (میرے جبہ میں اللہ کے سوا کوئی نہیں) کا نعرہ لگاتے تھے مولانا جامیؒ نے فرمایا:

ما آئینہ جہاں نمائیم ما نورِ جمالِ کبریائیم
موجود بجز وجودِ مانیست در ہر چہ نگہ کنی تو مائیم
ہر قطرہ کہ بنگری ز دریا دریاب کہ قطرہ نیست مائیم

ترجمہ: ہم آئینہ جہاں نما ہیں ہم نورِ جمالِ کبریا ہیں
میرے سوا ہے اور کیا چیز جس سمت نظر اٹھاؤ ہم ہیں
دریا کا ہر ایک قطرہ دیکھو قطرہ نہیں ہے ہم ہیں

استاذ گرامی، شیخ وقت، فقیہ الامت حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ مفتی اعظم ہندوستان نے فرمایا: کہ ایک صاحب نے حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ سے پوچھا کہ شاہ عبدالقدوس گنگوہیؒ بزرگ تھے؟ تو آپ نے فرمایا کہ جی ہاں بزرگ تھے، اس نے دریافت کیا کہ ان کی طرف سماع کی جو روایت منسوب ہے کیا وہ صحیح ہے؟ فرمایا جی ہاں صحیح ہے، اس نے کہا کہ پھر آپ کیوں نہیں سنتے؟ تو فرمایا کہ انہیں دلیل پہنچی ہوگی، ہمیں دلیل نہیں پہونچی، پھر حضرت دام مجدہ نے فرمایا کہ اس سے حضرت گنگوہیؒ کا کمال ظاہر ہوتا ہے کہ شاہ عبدالقدوس گنگوہیؒ کی بزرگی کو بھی کتنا ملحوظ رکھا اور شریعت کا

بھی کتنا پاس ولحاظ کیا کہ قابل عمل نصوص ہی ہیں ، پھر فرمایا کہ جب شاہ عبدالقدوس صاحبؒ کے صاحبزادے مولانا رکن الدین صاحبؒ پڑھ کر عالم ہوکر آئے تو دیکھا کہ یہاں محفل سماع ہے پس حدیث ''من رأیٰ منکم منکرًا فلیغیرہ بیدہ ''(جو شخص تم میں سے کسی برائی کو ہوتا ہوا دیکھے اس کو چاہیئے کہ اس کو اپنے ہاتھ سے روک دے) (رواہ الترمذی فی ابواب الفتن ۲/۴۰) پر عمل کیا حالانکہ اس وقت محفل میں صرف اللہ، اللہ کا نغمہ تھا مگر اس کو بھی بند کرادیا، اس پر شیخ عبدالقدوسؒ نے یہ شعر پڑھا ؂

خشک تار وخشک چوب وخشک پوست　　　از کجا می آید ایں آوازِ دوست

اس پر یہی اللہ اللہ کا نغمہ در و دیوار اور فضا میں پیدا ہوگیا تو فرمایا کہ رکن الدین سے کہو اس کو بھی بند کردے، جب افاقہ ہوا تو مولانا نے کہا کہ ابّا سماع شرعًا ناجائز ہے، فرمایا اچھا بھائی شرع کا حکم سر آنکھوں پر، آئندہ نہیں سنیں گے، پھر ایک وقت فرمایا ذرا رکن الدین میرا بدن دبادو، وہ دبانے کیلئے بیٹھے تو دیکھا کہ بدن سے چار چار انگل کھال خشک الگ ہورہی ہے درخت کی چھال کی طرح، پوچھا ابّا یہ کیا؟ فرمایا یہ وہی ہے، سماع سن لیتا تھا تو عشق الٰہی کی گرمی نکل جاتی تھی کچھ سکون ہوجاتا تھا، اب بدن پھوٹ پھوٹ کر نکل رہی ہے، مولانا نے کہا کہ آپ کیلئے جائز ہے کیونکہ آپ کیلئے یہ تداوی بالمحرم کے قبیل سے ہے جس کی اجازت ہے۔

(ماخوذ از ملفوظات فقیہ الامت ص/۸۵/ج۱)

حضرات مشائخ اولیاء اللہ کی تمام زندگیوں کی تمام تر محنتیں اور کاوشیں توحید کی اشاعت، کفر وشرک سے لوگوں کو بچانا اور سنت کی طرف لانا اور بدعات وخرافات سے بچانا اور بندگان خدا کو بندوں کی خدائی سے ہٹا کر وحدہٗ لاشریک لہ کے دربار میں حاضر کرنا رہا

ہے، چونکہ یہ حضرات اپنے وقت کے مجدد ہوتے ہیں اور منصبِ رسالت کے جانشین بھی، اس لئے یہ حضرات قلوب میں رسول اللہ ﷺ کی عظمت ومحبت اور آپ کی اطاعت یعنی پیرویٔ سنت کا جذبہ پیدا کرتے ہیں اور اپنے آپ کو ایک ادنیٰ خادم بنا کر پیش کرتے ہیں، اور بیعت بھی توحید وسنت پر ہی کی جاتی ہے اور تمام ایمان والوں کو اچھے اخلاق کی طرف دعوت دی جاتی ہے، اور وہ حضرات جو ان سے بیعت اور منسلک ہوتے ہیں ان حضرات کی نگرانی اور تربیت کا فریضہ یہ حضرات بہت شوق وذوق سے ادا کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ جنہوں نے ہمارے ہاتھ میں ہاتھ دیا ہے ان کو صحیح عقائد پر لانا، شرک سے بچانا، سنت پر لانا اور بدعت سے بچانا ہماری سب سے بڑی ذمہ داری ہے، اس کا ہم سے اللہ کے یہاں محاسبہ ہوگا کسی بھی پیغمبر اور ولی کیلئے اس بات کی گنجائش نہیں کہ وہ لوگوں کو یہ کہے کہ تم میری عبادت کرو یعنی زندگی میں مجھے سجدہ کرو، یا یہ کہ میرے مرنے کے بعد میری قبر پر سجدہ کرنا یا یہ کہ مجھ ہی سے مانگو اس لئے کہ مجھے سب اختیارات دیئے گئے ہیں، اور میرے مرنے کے بعد مجھ ہی کو حاجت روا جاننا اور مجھ ہی سے مانگنا، کسی بھی نبی، پیغمبر اور ولی و بزرگ کا نہ یہ عقیدہ رہا ہے اور نہ کسی نے اس قسم کی دعوت دی، حق تعالیٰ فرماتے ہیں ''كُونُوا عِبَادًا لِّي مِن دُونِ اللّٰهِ وَلٰكِن كُونُوا رَبَّانِيِّينَ بِمَا كُنتُمْ تُعَلِّمُونَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنتُمْ تَدْرُسُونَ ○'' ترجمہ: (کوئی نبی یہ نہیں کہتا) بن جاؤ تم میرے بندے خدائے تعالیٰ کو چھوڑ کر لیکن کہے گا کہ تم لوگ اللہ والے بن جاؤ بوجہ اس کے کہ تم کتاب سکھاتے ہو اور بوجہ اس کے کہ پڑھتے ہو، نیز فرمایا: قُلْ يَآ اَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ٥ (آل عمران پ۳ ررکوع ۱۴) ترجمہ: آپ فرمادیجئے کہ اے اہل کتاب آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان (مسلّم ہونے میں) برابر ہے وہ یہ کہ بجز اللہ تعالیٰ کے ہم کسی اور کی عبادت نہ کریں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھیرائیں اور ہم میں سے کوئی کسی دوسرے کو رب قرار نہ دے خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر، پھر اگر وہ لوگ حق سے اعراض کریں تو تم لوگ کہہ دو کہ تم ہمارے اس اقرار کے گواہ رہو کہ ہم تو ماننے والے ہیں۔ اب اگر کوئی شخص ان بزرگوں کو ایسا سمجھتا ہو تو ان پر بعد والوں کے غلط عقائد اور غلط اعمال کا الزام نہیں دیا جاسکتا اور نہ وہ ان کے گناہ میں شریک ہیں۔

حیاتِ شیخ سے متعلق متفرق واقعات

(۱) ایک مرتبہ امامِ مسجد وقت پر نہ آئے کسی دوسرے نے نماز پڑھائی جو شیخ علیہ الرحمہ کے رشتے داروں میں سے تھے، انہوں نے انعمت کے بعد فصل اور وقفہ کردیا شیخ علیہ الرحمہ نے دوبارہ نماز پڑھی اور بہت غصہ فرمایا کہ نوعمروں کو امامت سے منع کرنا چاہئے لوگوں کی نمازیں فاسد نہ کریں، کیا اتنی بات بھی نہیں جانتے کہ موصول صلہ سے مل کر بمنزلہ ایک کلمہ ہوا کرتا ہے؟ درمیان میں وقفہ کرنا درست نہیں ہے۔

(تاریخ مشائخ چشت مصنفہ حضرت شیخ زکریاؒ ص ۲۰۸)

(۲) شیخ عبدالقدوس علیہ الرحمہ ایک دن ایک ہندو جوگی کی کٹیا (اس کے پوجا کی جگہ) کی طرف جانکلے، دفعۃً چند چیلے اس کے نظر پڑے، آپ نے پوچھا کہ تمہارا گرو کہاں ہے؟ انہوں نے بتایا کہ ایک مکان میں بند ہے جس کے اندر جانے کا کوئی راستہ

نہیں ہے صرف اپنے آنے جانے کے واسطے اس نے سوراخ کر رکھا ہے، شیخ علیہ الرحمہ بھی اسی سوراخ کے اندر سے تشریف لے گئے، وہ مشغول باطن تھا آپ نے توجہ ڈالی اس نے پوچھا کہ تم کون ہو؟ فرمایا ایک خدا کا بندہ ہوں اس کے ارادۂ قدرت سے آ گیا ہوں، شیخ علیہ الرحمہ نے اس سے معلوم کیا کہ تو اپنا کمال ظاہر کرا سنے کہا اس قدر عبادات وریاضات شاقہ کر چکا ہوں کہ پانی میں تبدیل ہو جاتا ہوں اور یہ کہہ کر فوراً پانی بن گیا، شیخ نے اس کے پانی میں ایک پھایا تر کر لیا اس کے بعد اپنی اصلی شکل میں موجود ہوا آپ نے فرمایا کہ اس پر تو میں بھی قادر ہوں اور تو میرے پانی سے ایک پھایا تر کر لینا اس نے ایسا ہی کیا پھر دونوں پھایوں کو سونگھا گیا تو شیخ علیہ الرحمہ کے پھائے میں خوشبو اور اس کے پھائے میں بدبو تھی، فرمایا بس یہ فرق ہے، ایمان وتوحید اور شرع کی رعایت کے بعد یہ مجاہدہ معتبر ہے اس کے بغیر بے سود، یہ سنکر وہ مسلمان ہو گیا اور شیخ کی غلامی اختیار کی (سیرت قدوسیہ ص ۵۶)۔

(۳) تاریخ مشائخ چشتیہ میں ہے کہ شیخ محمد غوث گوالیاری ''جواہر خمسہ'' کے مصنف جو بہت بڑے عامل تھے شیخ علیہ الرحمہ کے ہم عمر تھے، ایک بار ان کو زیارت کا شوق پیدا ہوا تو انہوں نے اپنے تابع کردہ جنات کو حکم دیا کہ شیخ کو لاؤ وہ خانقاہِ قدوسیہ میں پہنچے، شیخ نے خود ہی سر اٹھا کر معلوم کیا کون ہو؟ جنوں نے جواب دیا کہ محمد غوث نے بھیجا ہے وہ زیارت کا مشتاق ہے، اگر اجازت ہو تو ہم اس طرح لے چلیں کہ مطلق زحمت نہ ہو، شیخ علیہ الرحمہ نے فرمایا محمد غوث کو یہیں لے آؤ چنانچہ وہ وہاں پہنچے اور لے کر چلدئے، انہوں نے کہا کہ یہ کیسی سرکشی ہے؟ جواب دیا کہ سب کے مقابلہ میں تمہاری اطاعت کرتے ہیں مگر

شیخ کے مقابلہ میں تمہاری اطاعت نہیں، غرض ان کو لے کر گنگوہ پہنچے شیخ نے بہت ڈانٹا آخر کار مرید ہو کر صاحب نسبت ہوئے، گوالیار میں مزار ہے (تاریخ مشائخ چشت رص ۲۰۶)۔

دُور کے ڈھول سہانے لگتے ہیں

(۴) حضرت شیخ کے ایک مرید تھے ان کو وسوسہ ہوا کہ یہاں کی تعلیم تو معلوم کر لی اور بھی تو مشہور مشائخ ہیں اور اللہ کا نام کسی سے پوچھنے میں حرج نہیں ہے، لہذا اور جگہوں کا بھی رنگ ڈھنگ چل کر دیکھنا چاہئے مگر اس خیال کو پیر سے ظاہر کرتے ہوئے حجاب مانع تھا، شیخ نے یا تو کشف سے یا قرائن سے معلوم کرلیا اور ایک موقعہ پر ان سے فرمایا کہ بھائی حق تعالیٰ کا ارشاد ہے سیروا فی الارض لہذا تم اگر کچھ عرصہ ادھر ادھر پھر آؤ تو تفریح بھی ہو جائے گی اور مختلف مشائخ کی زیارت وبرکات سے بھی مشرف ہو جاؤ گے اور اس وقت میں اگر کسی سے اللہ کا نام بھی پوچھ لو تو کچھ حرج نہیں، یہ مرید دل میں خوش ہو گئے کہ اچھا ہوا شیخ سے حجاب بھی نہ ٹوٹا اور کام بھی بن گیا، رخصت ہو کر روانہ ہوئے، جہاں جس شیخ کے پاس بھی گئے سب نے وہی پاس انفاس کا شغل بتایا جو کہ ابتداء میں شروع کرایا جاتا ہے، بہت گھبرائے کہ جس کے پاس جاتا ہوں وہ ابتداء (الف، با، تا) سے ہی کراتا ہے اور پچھلا کیا کرایا سب بیکار ہو جاتا ہے، آخر شرمندہ ہو کر پھر حضرت شیخ گنگوہیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور توبہ کی، شیخ نے فرمایا کہ کیوں بھائی اب تو تسلی ہوئی؟ بس دور کے ڈھول ہی سہانے معلوم ہوتے ہیں، اب ایک طرف گوشہ میں بیٹھ کر اللہ کا نام لو اور طبیعت کو یکسو رکھو (تاریخ مشائخ چشت رص ۲۰۵)۔

محبت ہوتی تو خوشبو آتی

(۵) ایک مرتبہ حضرت کے ایک خادم نے جو امیر کبیر آدمی تھے، اپنے بیٹے کے ولیمہ میں شہر کے امراء وغرباء کی دعوت کی اور ان کو کھانا کھلایا تو حضرت شیخ بھی امتحاناً وہاں تشریف لے گئے، اس غرض سے کہ کسی کو اس تشریف لے جانے کی اطلاع نہ ہو، لباس بدل کر اور شب کے وقت تشریف لے گئے، وہاں پہونچ کر غرباء کی مجلس میں جا کر بیٹھ گئے تو دیکھا کہ وہ خادم اس موقع پر موجود ہے اور دیکھا کہ جس طرح امراء کی خاطر ومدارات کی جارہی ہے اسی طرح غرباء کا بھی اعزاز واکرام کیا جارہا ہے، بس حضرت شیخ وہاں بیٹھے رہے، مگر اس خادم کو چونکہ اسکا احتمال بھی نہ تھا کہ حضرت شیخ بھی میرے یہاں تشریف لائے ہیں اور یہاں موجود ہیں، اور پھر حضرت شیخ اپنا لباس بھی تبدیل فرمائے ہوئے تھے، اس لئے اس خادم نے حضرت شیخ کو بالکل نہ پہچانا، یہاں تک کہ جب سب لوگ فارغ ہو کر رخصت ہوئے تو حضرت شیخ بھی وہاں تشریف لے آئے، اس کے بعد وہ خادم جب حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضرت ان سے ناراض تھے، انہوں نے ناراضگی کی وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ ہم تمہارے جلسۂ دعوت میں گئے مگر تم نے ہم کو پہچانا نہیں، اس نے عذر کیا کہ جب سب اسباب عدم معرفت کے جمع تھے تو کس طرح پہچانتا، فرمایا تم کو ہمارے اندر سے خوشبو کیوں نہیں آئی؟ اگر تمکو ہمارے اندر سے خوشبو آتی تو گو ہم لباس تبدیل کئے ہوئے تھے، مگر تم ہمکو ضرور پہچان لیتے اور جب خوشبو نہیں آئی تو معلوم ہوا کہ تم کو ہم سے محبت نہیں (تاریخ مشائخ چشت رص ۲۰۶)۔

شیخ کے بارے میں چند اقوال

قطب العالم شیخ عبدالقدوسؒ کو علماء وصوفیاء نے بڑا مقام دیا ہے بطور نمونہ چند

حضرات کے اقوال پیش کرتا ہوں:

''زبدۃ المقامات'' ملفوظات امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ میں ہے کہ شیخ عبدالقدوس ہندوستان کے مشہور مشائخ میں سے ہیں، حضرت مجدد سرہندیؒ کے والد ماجد شیخ عبدالاحد جو شریعت وطریقت کے ماہر تھے، علوم ظاہری آپ نے اوائل عمر میں حاصل کئے تھے عالم شباب میں انجذاب الی اللہ کی کیفیت نے شیخ عبدالقدوسؒ تک پہنچا دیا تاکہ سلوک کی تکمیل کریں، شیخ نے پوچھا کہ علوم ظاہری سے فراغت ہوگئی؟ عرض کیا بس علم فرائض باقی ہیں فرمایا ان کی بھی تکمیل کرو شیخ عبدالاحد نے عرض کیا کہ حضرت اس وقت تک اگر آنحضور کی زندگی نے وفا نہ کی تو کیا کروں گا؟ فرمایا مولانا رکن الدین صاحب سے بیعت کرلینا وہ میرے سچے جانشین ہیں۔

اس گفتگو کے بعد شیخ عبدالاحد چلے گئے اور باقی علوم کی تحصیل میں مشغول ہوگئے ابھی تحصیل علم میں مشغول تھے کہ شیخ عبدالقدوسؒ کی وفات حسرت آیات کی اطلاع پہنچی، پھر تو کیا تھا دل تنّور کی طرح دردحسرت سے بھڑک اٹھا آہوں سے پر فریادوں سے معمور اور شورسوں سے لبریز ہوگیا، آنکھیں ندیوں کی طرح بہنی شروع ہوگئیں، روح کے اضطراب اور بیقراری کی کوئی حد باقی نہ رہی بزبان حال پکار اٹھے ؎

اک میری ہی پریشانی قسمت لکھ کر
تہ کیا کاتب تقدیر نے دفتر اپنا !!

چونکہ تحصیل علوم سے فارغ ہونے میں ایک بہت ہی قلیل مدت رہ گئی تھی اس لئے عین فارغ ہونے کے وقت آپ کو شیخ کی وفاتِ حسرت آیات کی خبر پہنچنا یہ ایک نہایت ہی

تکلیف دہ اور نا قابل برداشت رنج والم کے پیدا کرنے والی خبر تھی، فارغ التحصیل ہونے کے بعد آپ کو شیخ کی خدمت میں حاضر ہونے کا بیحد شوق تھا بہت سی امیدیں اور آرزوئیں دل میں تھیں، مگر اس حسرت ناک خبر کے سنتے ہی سب خاک میں مل گئیں ؎

دل کی گتھی جو تھی الجھی سو وہ الجھی رہ گئی اپنی روداد الم یونہی ادھوری رہ گئی

اس جانکاہ حادثہ کا صدمہ حضرت شیخ عبدالاحد صاحبؒ پر بہت پڑا ہر وقت یہی کہتے کہ کاش! میں تعلیم سے چند یوم پہلے فارغ ہو گیا ہوتا کاش! میں نے اپنی دلی آرزوؤں کو پورا کر لیا ہوتا مگر افسوس ؎

حیف ہے وہ بھی نہ چھوڑی تو نے اے بادصبا یادگار رونق محفل تھی پروانہ کی خاک

آخر صبر سے کام لیا اور تکمیل تحصیل کے بعد کئی سال مختلف شہروں کی سیاحت کرتے ہوئے شیخ قدس سرہ العزیز کے آستانہ پر حاضر ہوئے، شیخ رکن الدین کو شیخ قدس سرہ العزیز شیخ عبدالاحد کی تعلیم کے متعلق ہدایت فرما گئے تھے، انہوں نے اس کے بموجب آپ کا کمال اعزاز کیا بہت جلد فیوض و برکات سے بہرہ یاب کرا کے آپ کو طریقۂ قادریہ اور چشتیہ، صابریہ کا خرقۂ خلافت عنایت فرمایا، غرض حضرت شیخ عبدالاحدؒ نے سلوکِ باطنی میں سے جو کچھ باقی رہ گیا تھا وہ شیخ رکن الدینؒ سے پورا کیا اور پھر حضرت مجدد صاحبؒ کو سلسلہ چشتیہ میں آپ سے فیض پہونچا چونکہ وہ اس سلسلہ میں اپنے والد کے خلیفہ ہوئے، تو اس طرح حضرت مجدد صاحبؒ کو حضرت قطب عالم کا فیض پہنچا، نیز جس زمانہ میں حضرت مجدد صاحب کے والد حضرت شیخ عبدالقدوس صاحبؒ کی خدمت میں آئے تھے جب آپ نے فرمایا میں تمہاری پیشانی میں ایک ولی

برحق کا نور جلوہ گر دیکھ رہا ہوں جس سے بدعت وگمراہی کا خاتمہ ہو جائے گا اگر میری زندگی نے اس وقت تک وفا کی تو میں اس کی خدمت کو بارگاہ الٰہی کے قرب کا وسیلہ گردانوں گا (سیرت امام ربانی مجدد الف ثانی رص ۴۷)۔

صاحب ''اقتباس الانوار'' نے لکھا ہے کہ شیخ عبدالقدوسؒ از محتشمان روزگار وعارفان صاحب اسرار میں سے تھے، بلند شان رکھتے تھے اربابِ عشق ومحبت میں امتیازی مقام پر فائز تھے، تمام مشائخ نے ان کے کمال کو تسلیم کیا ہے مریدوں کی تربیت میں بہترین انداز رکھتے تھے، صاحبزادے فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے خفیۃً درود ووظائف شروع کردئے اول دن جب میں حاضر ہوا تو فرمایا کہ ابھی کوئی بھی وظیفہ مت شروع کرو جب ہم کہیں گے شروع کرنا۔

اسی طرح صاحبزادگان نے شب بیداری شروع کرنی چاہی لیکن شیخ نے اشراق باطنی سے معلوم کرلیا اور فرمایا کہ تم لوگ ابھی بچے ہو، خبردار! شب بیداری مت کرنا۔

ایک شخص جو حضرت کے مرید تھے ایک روز تنہا کسی تالاب کے کنارے گئے جگہ بالکل سنسان تھی انسانوں کا گذر بہت کم ہوتا تھا، اچانک ایک خوبصورت عورت نظر آئی، نفس جو امارہ بالسوء ہے فوراً برے خیالات میں گھر گیا اور غلط کام کی تیاری کرنے لگا کہ دفعۃً تالاب کے وسط میں شیخ عبدالقدوسؒ کو بیٹھا ہوا دیکھا، فوراً متنبہ ہوگئے، سنبھل گئے یہ شیخ کی کرامت بھی ہے اور مریدوں کے حالات سے خبردار رہنا بھی ہے جو شیوخ کیلئے بہت ضروری ہے۔

شیخ علیہ الرحمہ کی نظر اس قدر تاثیر رکھتی تھی کہ جس پر نظر پڑ جاتی درجۂ کمال تک پہنچ جاتا حتی کہ خانقاہ قدوسیہ کے سائیس وکناس (یعنی جاروب کش وغیرہ) بھی صاحب ولایت تھے مصنف ''اقتباس الانوار'' نے یہ بھی لکھا ہے کہ شیخ علیہ الرحمہ کو اللہ تعالی نے

جلال و جمال دونوں اوصاف بدرجہ اتم عطا فرمائے تھے، اس سلسلے کے بعض مشائخ پر صفت جلال کا غلبہ ہے جیسے شیخ علاؤ الدین صابر کلیریؒ [1] کہ بہت زائد جلال رکھتے تھے ان کے بارے میں شیخ کا قصہ آستین بھی مشہور ہے اور بعض مشائخ پر جمال غالب تھا مگر شیخ عبدالقدوسؒ نے دونوں میں اعتدال پیدا کر دیا تھا اور حقیقت میں اس سلسلہ کی ترقی شیخ ہی سے ہوئی، خود فرماتے تھے کہ میں نے سلسلہ چشتیہ کو ایک دوسرا رنگ بخشا ہے صاحب مرأۃ الاسرارؒ نے لکھا ہے کہ قطب عالم شیخ عبدالقدوسؒ کو اللہ تعالی نے طویل زندگی عطا فرمائی تھی کہ سلطان بہلول لودھی کے زمانے سے سلطان نصیر الدین محمد ہمایوں کے دور تک تمام ادوار دیکھے، شاہان عالم آپ کی خدمت میں حاضری دیتے تھے، حضرت نے شاہان عالم کی اصلاح کیلئے ان کے پاس خطوط بھی لکھے ہیں۔

''تذکرہ اولیاء'' میں یہاں تک مرقوم ہے کہ شیخ عبدالقدوسؒ سے ہمایوں کو کافی محبت تھی اور وہ ان سے علوم و معارف اور تصوف کے حقائق بھی حاصل کرتا تھا (منتخب مکتوبات رص ۶)۔

شیخ المحدثین عبدالحق محدث دہلویؒ نے ''اخبار الاخیار'' میں لکھا ہے کہ شیخ بڑے درجے کے آدمی تھے۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کو بھی شیخ عبدالقدوسؒ سے بہت زیادہ مناسبت اور تعلق تھا اکثر ان کے مزار پر حاضر ہوتے رہتے تھے، ایک جگہ حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا مجھے جو بھی ملا وہ حضرت حاجی امداد اللہ اور حضرت شیخ عبدالقدوسؒ کی برکت ہے۔

---

[1] آپ حضرت شیخ فرید گنج شکرؒ کے بھانجے اور اکابر خلفاء میں سے ہیں ۵۹۲ھ مطابق ۱۱۹۶ء میں ملتان کے ایک مقام کوتوال میں آپ تولد ہوئے ۱۲ رسال حضرت فریدؒ کے لنگر خانہ کے خادم رہے اذن صریح نہ ہونے کی وجہ سے کچھ تناول نہ فرمایا اور ہمیشہ روزہ دار رہے دریافت کرنے پر فرمایا کہ غلام کی کیا مجال تھی کہ بدون ارشاد اس میں تصرف کرتا، یہ جواب سن کر آپ کو صابر کا خطاب ملا، صاحب حال و استغراق بزرگ تھے فنا فی اللہ ہو کر باقی باللہ ہو گئے ۱۳ ربیع الاول ۶۹۰ھ مطابق ۱۲۹۱ء میں وفات ہوئی کلیر میں مزار ہے۔

’’تذکرۃ الرشید‘‘ میں ایک جگہ ہے کہ ایک بار مولانا گنگوہیؒ نے فرمایا کہ میں نے ایک بار شیخ عبدالقدوسؒ کی خواب میں زیارت کی شیخ عبدالقدوسؒ دروازہ پکڑے ہوئے **اللھم صل علی سیدنا محمد وعلی آل سیدنا محمد بعدد کل ذرۃ الف الف مرۃ** پڑھ رہے ہیں، اس کے بعد فرمایا کہ میں نے اس درود شریف کو بکثرت پڑھا اور بہت سارے فائدے وبرکات ظاہر ہوئے (تذکرۃ الرشید ج ۲ / ص ۳۱۶)۔

شیخ عبدالقدوسؒ کے بارے میں صاحب نزہۃ الخواطر لکھتے ہیں:

وکان صاحب المقامات العلیۃ والکرامات المشرقۃ الجلیۃ والأذواق الصحیحۃ والمواجید الصادقۃ وکان یستمع الغناء یفرط فیہ ویفشی أسرار التوحید علی عامۃ الناس ویستغرق فی بحار الجذبات والسکر ومع ذلک کان لایقصر فی اتباع السنۃ والتزام العزائم وکان متخلفاً بدوام الذل والافتقار والتبتل الی اللہ سبحانہ والتوکل علیہ وکان شدید التعبد کثیر البکاء کثر ذکر الموت والخواتم کہ شیخ عبدالقدوس صاحبؒ بلند مقامات روشن کرامات والے انسان تھے صاحب ذوق وجد صادق رکھتے تھے، اللہ کی محبت وعشق کے اشعار وغیرہ بہت زیادہ دلچسپی کے ساتھ سنتے تھے اور وجد وحال آپ پر طاری ہوجاتا تھا، اسکے باوجود اتباع سنت اور اختیار عزیمت میں بالکل کوتاہی نہیں کرتے تھے، اللہ کی بہت عبادت کرنے والے تھے اور اللہ کے سامنے بہت رونے والے تھے، موت کو کثرت سے یاد کرتے اور رویا کرتے تھے اور اپنے خاتمہ کے بارے میں بہت متفکر رہتے تھے۔

چنانچہ ایک بار حضرت شیخ کو کسی نے ایک خط لکھا اور اس میں قطب عالم غوث اعظم وغیرہ کے الفاظ لکھے تو آپ بہت سخت ناراض ہوئے اور فرمایا کون ہے یہ خط لکھنے والا؟ (کیسا

قطب، کیسا غوث اگر عبدالقدوس کا خاتمہ ایمان پر ہوگیا تو خیریت ہے) سبحان اللہ! یہ تھا اولیاء اللہ کا حال اور ایک ہمارے حالات ہیں کہ بالکل مطمئن ہیں گویا کہ جنت ہماری میراث ہے بغیر شریعت وسنت کے ہی مل جائے گی، ایسے ہی صرف امیدوں سے کیسے کام چلتا ہے۔حق تعالیٰ فرماتے ہیں: لَیْسَ بِاَمَانِیِّکُمْ وَلَآ اَمَانِیِّ اَهْلِ الْکِتٰبِ مَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءً یُّجْزَبِهٖ وَلَا یَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِیًّا وَّلَا نَصِیْرًا ٥ ترجمہ: نہ تمہاری تمناؤں سے کام چلتا ہے اور نہ اہل کتاب کی تمناؤں سے جو شخص کوئی برا کام کرے گا وہ اس کے عوض سزا دیا جائے گا اور اس شخص کو خدا تعالیٰ کے سوا نہ کوئی یار ملے گا نہ مددگار ملے گا۔

شیخ عبدالقدوسؒ کے چند ملفوظات وارشادات

(۱) ایک جگہ فرمایا کہ بندہ کو مشیت خداوندی میں کیا دخل؟ اس کا پس منظر یہ ہے کہ ایک کام کے بارے میں آپ کی تمنا کچھ اور تھی اور ہوگیا تھا کچھ اور لوگوں نے دریافت کیا تو فرمایا کہ مشیت خداوندی میں بندہ کو کوئی دخل نہیں ہے، جو خدا تعالیٰ چاہے وہی ہوتا ہے۔

(۲) قطب از جا نمی جنبد ولے جنبد بادشاہ وقت بمیرد

اس کا پس منظر یہ ہے کہ ابراہیم لودھی نے جب کہ اس کا پانی پت کے میدان میں شاہ بابر سے معرکہ جنگ ہونا طے ہو چکا تھا، دعا کرانے کے لئے اپنے وزیر کو حضرتؒ کی خدمت میں بھیجا چونکہ حضرت پر استغراق کامل کا عالم طاری تھا اس کے احترام واکرام کی طرف ملتفت نہ ہوئے اور مطلقاً توجہ نہیں کی اس پر اس نے کہا کیسا قطب ہے جو اپنی جگہ سے حرکت نہیں کرتا، اس پر حضرت نے فرمایا ہاں! اگر حرکت کرے تو بادشاہ وقت کا خاتمہ ہو جائے، کچھ دنوں کے بعد پانی پت کے میدان میں جنگ ہوئی اور ابراہیم لودھی کو شکست ہوئی اور بابر غالب آگیا، حالانکہ آپ کا رجحان ابراہیم ہی کی طرف تھا کہ وہ غالب ہو تو

اچھا ہے لیکن جو اللہ کو منظور تھا وہی ہوا، بابر کو اس بات کا علم ہوا کہ شیخ کا میلان ابراہیم کی طرف تھا تو اس نے شیخ سے کہلوایا کہ آپ نے میرے مقابلہ میں اس کی حمایت کیوں کی؟ فرمایا کہ مجھے یہ خیال تھا کہ وہ تمہارے مقابلہ میں زیادہ دیندار ہے اس کے اندر دین کی حمایت کا جذبہ تمہارے سے زیادہ ہے، اس نے پھر پوچھا جب آپ کی دلی تمنا تھی تو وہ غالب کیوں نہیں ہوا؟ اس پر فرمایا کہ اللہ کی مشیت میں بندہ کو دخل نہیں ہے۔

(۳) کوئی ذکر تلاوت کلام اللہ سے بڑھ کر یا اس سے بلند نہیں ہے سارے مشائخ چشتیہ کا عقیدہ ہے کہ خلوص کے ساتھ تلاوت قرآن کریم روحِ انسانی کو جلا دے کر پرتوئے قدسی کا آئینہ بنا دیتی ہے۔

(۴) ''بندگان خدا را از خلق خدا چہ کار'' اس کا پس منظر یہ ہے کہ گنگوہ کے لوگوں نے شیخ عبدالقدوسؒ کی خدمت میں بمقام شاہ آباد (انبالہ) ایک عریضہ لکھا جو اس مضمون پر مشتمل تھا کہ شاہی عامل گنگوہ بندوبست اراضی کی غرض سے یہاں آیا ہوا ہے حضرت تشریف لا کر اپنی اراضی جو ڈابر کے قریب ہے اپنے نام درج کرالیں تو شیخ نے جواب میں لکھدیا ''بندگان خدا را از خلق خدا چہ کار'' یعنی بندہ کو ان چیزوں سے کوئی مطلب نہیں ہے۔

(۵) اتباعِ شریعت پر شیخ علیہ الرحمہ نے اپنے ملفوظات و مکتوبات میں کثرت کیساتھ ترغیب دی ہے، اتباعِ سنت شیخ کے ذیل میں یہ مضمون آچکا ہے۔

وفات حسرت آیات

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ (سورہ آل عمران) كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُوالْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ (سورہ رحمٰن) ہر انسان کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے اور جو بھی آیا اس کو فنا ہونا ہے، باقی رہنے والی ذاتِ پاک اللہ الصمد ہی کی ہے وہی ہمیشہ

سے ہے ہمیشہ رہیں گے نہ کوئی رہا نہ کوئی رہیگا اگر کوئی رہتا تو حضرات انبیا علیہم السلام رہتے کہ وہ اس کے زیادہ مستحق تھے، جبکہ سید عالم ﷺ کے حق میں فرمادیا گیا ہے:

وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِکَ الْخُلْدَ اَفَاِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخَالِدُوْنَ (سورۂ انبیاء)

اور کہیں فرمایا گیا: اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَیِّتُوْنَ (سورۂ زمر) آپ سے پہلے ہم نے دنیا میں ہمیشہ رہنے کا موقع کسی کو نہیں دیا یعنی کوئی نہیں رہا جو آپ رہیں گے، ایسا نہیں ہے کہ آپ انتقال کر جائیں اور دوسرے لوگ یہاں ہمیشہ رہیں سبھی کو اس دنیا سے اپنے اپنے وقت پر رخصت ہونا ہے اور اپنے کیئے کا بدلہ پانا ہے، بروں کو برا اور اچھوں کو اچھا، موت انبیاء علیہم السلام کے حق میں اور اہل اللہ کے حق میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے ملاقات کا بہترین ذریعہ ہوتی ہے اور اپنی محنتوں کے بہترین صلے اور بدلے پانے کا بہترین ذریعہ ہوتی ہے، اسی طرح اولیاء اللہ زندگی بھر جس کی ملاقات کیلئے جیتے ہیں اور محنتیں کرتے ہیں موت کی ظاہری تلخیوں سے گزر کر فوراً رب کریم کی ملاقات کے مزے اور جنت کے باغات کی سیر کے مواقع میسر آجاتے ہیں، چونکہ اولیاء اللہ ہر وقت آخرت کی تیاری کرتے ہیں اس لئے موت سے انہیں زیادہ کوئی خوف نہیں ہوتا بلکہ اشتیاق وانتظار رہتا ہے، کیونکہ درحقیقت موت ایک ایسا پل ہے جو دوست کو دوست سے ملا دیتا ہے اور اصل منزل تک رسائی کا ذریعہ ہے چونکہ انسان کی اصل منزل تو آخرت ہی ہے یہ دنیا ایک سفر گاہ ہے عبرت گاہ اور تماشہ گاہ ہے، دائمی اور حقیقی آرام گاہ اور مستقر تو آخرت ہی ہے جو بھی آیا وہ جانے کے لئے ہی آیا، سوائے رب ذوالجلال والاکرام کی ذات کے ہر شئے کو فنا ہونا ہے، وہ شخص کامیاب وبامراد ہوگیا جس نے اس حقیقت کو سمجھ کر اصل مستقر کی تیاری میں لمحاتِ زندگی اور اوقات عزیز صرف کئے اور اللہ سے واصل ہوا، حضرات اہل اللہ اپنے تعلق مع اللہ، ربط

باللہ اور عشق ومحبت کے سبب حیاتِ جاودانی حاصل کر لیتے ہیں اس کی وجہ سے وہ حقیقت میں زندہ ہی ہیں کیونکہ وہ اس سے قبل اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے آپ کو فنا کر چکے تھے مگر چونکہ ظاہری طور پر موت کو اللہ تعالیٰ نے اس دار فانی میں ہر شخص کے لئے مقرر فرما رکھا ہے اس لئے اس قانون قدرت سے کسی چیز کا استثناء ممکن نہیں ہے۔

چنانچہ اس آفتابِ کمالات شاہِ ولایت قطب العالمؒ کو بھی اس مرحلہ سے گزرنا ہی تھا چنانچہ اس کے اسباب بنتے چلے گئے ''لطائف قدوسی'' میں مولانا رکن الدین صاحبؒ نے فرمایا کہ اس دارِ فنا سے انتقال فرمانے سے تین سال قبل حضرت پر سکوت کا عالم طاری ہوگیا تھا گفتگو وکلام بالکل ترک فرما دیا تھا، اس دوران ہمیشہ فناء فی اللہ اور مقام احدیت میں غرق رہتے تھے صرف نماز کے وقت ''حق حق'' کی آواز پر بیدار ہو جاتے تھے، ایک روز مولانا رکن الدین صاحبؒ کے برادر معظم شیخ احمدؒ نے باہم گفتگو کی کہ اس سکوت کا سبب معلوم ہو جائے تو اچھا ہے اطمینان ہو جائے گا کہ یہ سب کیا کیفیت ہے، حضرت سے عرض کیا تو فرمایا کہ میں نے ذکر اللہ میں دل کو اس قدر کوٹ دیا ہے کہ میرا تمام وجود ہی عین ذکر بن چکا ہے اس کے اندر ہر وقت بحر فنا موج مارتا رہتا ہے اور میں اسی میں غرق رہتا ہوں، یہ مراقبۂ فنا ہے جو ماسوا اللہ سے تعلقات کو ختم کر دیتا ہے اور صرف اللہ پاک کی ذات وصفات ہی سے وابستہ رکھتا ہے اور یہی میری ساری محنتوں کا لب لباب اور ماحصل ہے، مگر اس سب کے باوجود بھی نمازوں سے اور امور شرعیہ سے غفلت نہ ہوتی تھی اور کھانا وغیرہ بہت کم ہو چکا تھا زبردستی کرنے پر کچھ کھالیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ بحمد اللہ میں اس مقام پر پہنچ چکا ہوں کہ بغیر کھائے بعض اوقات کام چلا سکتا ہوں اور یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ اس منزل پر

آ کر ذکر ہی ان حضرات کی غذا بن جاتا ہے جس کے بعد اور کسی غذا کی ضرورت نہیں رہتی، چنانچہ قیامت کے قریب ایک زمانہ ایسا بھی آئے گا کہ ایمان والے ذکراللہ سے کام چلالیا کریں گے، جب کہ اس زمانہ میں عام ایمان والوں کی یہ کیفیت ہوگی تو اگر اولیاء اللہ کو یہ کیفیت حاصل ہو جائے تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے اور نہ قابلِ اعتراض۔

۱۵ر جمادی الآخر بروز دوشنبہ ۹۴۴ھ حضرت قدس سرہ کو بخار شروع ہوا جو مسلسل چار دن چلتا رہا، پانچویں دن جمعہ کو اس میں یک گونہ تخفیف محسوس ہوئی نماز جمعہ اطمینان سے ادا فرمائی بعد نماز جمعہ پھر بخار میں شدت آگئی اور پھر برابر چار یوم اسی حالت میں گزر گئے، باوجود انتہائی درجہ ضعف اور علالت کے عبادت کے شوق میں کوئی کمی نہ آنے دی، اس دوران ایک رات میں متعدد بار وضو کر کے تحیۃ الوضو پڑھی بالآخر وصل حبیب کا وہ وقت بھی آ پہنچا جس کا ایک بے قرار کو بڑی اضطراری کے ساتھ انتظار تھا، چنانچہ سہ شنبہ کا دن تھا، چاشت کا وقت آ چکا تھا، وضو کے لئے اشارہ فرمایا وضو کے بعد دو رکعت کی نیت باندھی کہ عین حالت صلوٰۃ میں ہنستے اور مسکراتے یہ روحِ مقدس ''روح وریحان وجنت نعیم'' کی بہار دیکھنے کیلئے اپنے جملہ متعلقین ومتوسلین کو یتیم و بے کس چھوڑ کر اس دار فنا سے دار بقا کی طرف ۲۴ر جمادی الآخر بروز سہ شنبہ ۹۴۴ھ مطابق ۱۵۳۷ء کو مشاہدۂ حبیب کیلئے انتقال فرما گئی اور اس طرح آپ نے جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی اور اعلیٰ علیین میں پہنچ کر قرار حاصل کیا، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ انتقال کے بعد حضرت شیخ مولانا رکن الدین صاحبزادہ نے سینہ اقدس پر ہاتھ رکھا تو دل کی حرکت ذکراللہ کے ساتھ بدستور جاری تھی۔

سچ کہا گیا ''ان اولیاء اللہ لا یموتون بل ینقلبون من دار الی دار''

بیشک اولیاء اللہ مرتے نہیں ہیں بلکہ ایک دار سے دوسرے دار کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں، شیخ اجل سے تاریخ وفات ۹۴۴ھ برآمد ہوتی ہے، گنگوہ محلّہ سرائے میں آپ کا مزار مبارک ہے۔

نہ سکون ہے نہ قرار ہے　　　نہ غم و الم کی شمار ہے
یہ نظر جو آتا مزار ہے　　　وہ حبیب اس میں سما گئے

آہ!

وہ شمعِ ہدایت جس پر لاکھوں پروانے فدا ہو رہے تھے اور اپنے تن من کو نثار کر رہے تھے آناً فاناً گل ہو گئی، وہ چراغ جس کی روشنی سے غریب مسلمانوں کا اندھیرا گھر منور تھا یکایک بجھ گیا، وہ ماہتاب جس کی ضو پاشی گم گشتگانِ راہ کے لئے خضرِ راہ کا کام دے رہی تھی فوراً بدلی کے نیچے آ کر چھپ گیا، وہ آفتاب جس کی منور اور روشن کرنوں نے اقطابِ عالم کو چمکا رکھا تھا دیکھتے دیکھتے غروب ہو گیا۔

باقیات صالحات

صاحبزادگان عالی مقام

یوں تو حضرت شیخؒ کی اولاد جسمانی اور روحانی کثیر ہے جو آپ کے بعد آپ کیلئے عظیم صدقۂ جاریہ ہے مگر یہاں آپ کی حقیقی و جسمانی اولاد اور کچھ خلفاء کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

شیخ المحدثین حضرت مولانا شاہ عبدالحق دہلویؒ نے اخبار الاخیار میں لکھا ہے کہ اللہ تعالی نے شیخ عبدالقدوسؒ کو اولاد بہت دی تھی اور آپ کے تمام فرزند عالم فاضل، عابد وزاہد اور متقی و پرہیزگار تھے، لباسِ مشائخین سے آراستہ تھے، صاحبِ سیرت قدوسیہ نے لکھا ہے کہ آپ کے دس صاحبزادے تھے۔

(۱) شیخ حمید الدینؒ　　　(۲) شیخ احمدؒ

(۳) شیخ علیؒ (۴) شیخ محمد محدثؒ
(۵) حضرت شیخ عبدالسلامؒ (۶) شیخ نظام الدینؒ
(۷) شیخ قطب الدینؒ (۸) شیخ محی الدینؒ
(۹) شیخ نورالدینؒ (۱۰) شیخ رکن الدینؒ

ان میں اول الذکر پانچ صاحبزادے اور ایک آخر کے عمر طبعی تک پہنچے اور بقیہ چار بچپن میں ہی انتقال کر گئے اور شاہ آباد (انبالہ) میں مدفون ہوئے ، ان چھ صاحبزادوں میں شیخ احمدؒ، شیخ رکن الدینؒ کے متعلق خلافت کا پتہ مل سکا ہے، ذیل میں چند مشہور صاحبزادگان کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

(۱) شیخ رکن الدینؒ

سرزمین گنگوہ کی ان عظیم شخصیات میں جن کی ذات میں کمالات ظاہری وباطنی جمع تھے اور علوم روحانیت میں ایک عظیم مرتبہ پر فائز ہوئے مولانا شیخ رکن الدینؒ بھی ہیں آپ کا نام محمد ہے رکن الدین سے مشہور ومعروف ہوئے ،آپ کی پیدائش شاہ آباد میں ۱۵ر جمادی الاولیٰ ۸۹۷ھ میں ہوئی جیسا کہ خود مولانا نے ''لطائف قدوسی'' میں تحریر کیا ہے، کچھ بڑے ہوئے علوم ومعارف کے اشتیاق میں اس دور کے مرکز علم وفن دہلی روانہ ہوئے وہاں پہنچ کر بہت سے علماء سے استفادہ کیا، چند حضرات کے نام یہ ہیں۔

شیخ فتح اللہ بن نصیر الدین دہلویؒ، شیخ سید احمد الحسینی الملتانیؒ، شیخ ابراہیم بن معین الحسینیؒ ،علوم ظاہریہ سے فراغت کے بعد علوم روحانیت کی طرف متوجہ ہوئے اور اپنے والد ماجد قطب العالم شیخ عبدالقدوسؒ سے بیعت ہوئے ، شیخ قطب العالم جامع السلاسل تھے ہی اس لئے تمام علوم ومعارف ان سے حاصل کر لئے ،مزید سلسلۂ قادریہ شیخ ابراہیم

الحسینی مذکور سے حاصل کیا جو آپ کے استاذ بھی ہیں۔

شیخ رکن الدینؒ کے کمال دینی کو سمجھنے کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ شیخ عبد القدوسؒ نے فرمایا کہ اگر اللہ نے پوچھ لیا کہ دنیا سے کیا لائے ہو؟ تو شیخ جلال الدین تھانیسری اورعزیزم مولانا رکن الدین کو پیش کر دونگا، اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ شیخ قطب العالمؒ ان کو کس درجہ کا سمجھتے تھے، نزہۃ الخواطر ص ۲۷۰ رج ۴ر میں لکھا ہے کان من المشائخ المشھور ین فی الطریقۃ الچشتیہ یعنی آپ خود بھی مشائخ چشتیہ میں سے ایک بڑے مقام پر فائز تھے۔

نیز محدث دہلوی شاہ عبدالحقؒ نے اخبار الاخیار ص ۲۷ رج ۴ر میں آپ کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ بالکل اپنے والد کے نقش قدم پر چلتے تھے اور یہ کہ بڑے ولی اللہ اور برگزیدہ دربار الٰہی تھے، حضرت اقدس مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ کے والد بزرگوار آپ ہی سے بیعت ہوئے، جسکی پوری تفصیل سابق میں گزر چکی ہے۔

مختصر یہ کہ اصل میں تو آپ حضرت قطب العالم سے بیعت ہونے کے لئے آئے تھے حضرت نے معلوم کیا کہ ظاہری تعلیم سے فراغت ہوگئی یا نہیں؟ عرض کیا کہ بس فرائض باقی ہیں فرمایا پہلے یہ بھی حاصل کرلو پھر اس طرف متوجہ ہونا اس پر انہوں نے عرض کیا تھا کہ اگر حضرت کو نہ پاؤں تو کیا کروں گا؟ حضرت نے فرمایا میرے بیٹے رکن الدین سے بیعت ہوجانا جو فیض ہم سے ہوتا ہے ان سے بھی ہوگا، چنانچہ ایسا ہی ہوا جب علم فرائض سے فارغ ہوکر آئے تو حضرت کا انتقال ہو چکا تھا مولانا رکن الدینؒ سے بیعت ہوئے اور ان کے خلیفہ ہوئے، صاحب نزہۃ الخواطر نے لکھا ہے اخذ عنہ الشیخ عبدالاحد بن زین العابدین العمری السرھندی وخلقٌ کثیر

(نزہۃ الخواطر ص ۲۷۰ رج ۴) یعنی آپ سے شیخ عبد الاحد نے علومِ روحانیت حاصل کئے اور بہت سے لوگوں نے شیخ رکن الدینؒ سے فیض حاصل کیا۔

تصانیف

حضرت مولانا رکن الدین صاحبؒ علم ظاہری و باطنی دونوں میں درجۂ کمال پر فائز تھے آپ کے قلم سے جو کتابیں نکلیں ان کے نام یہ ہیں:

(۱) مرج البحرین (۲) لطائف قدوسیہ (۳) مکتوبات۔

وفات

۹۷۲ھ یا ۹۸۳ھ گنگوہ میں ہی انتقال ہوا، آپ کا مزار حضرت قطب العالم کے برابر میں ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

(۲) شیخ حمید الدینؒ

آپ قطب العالم کے بڑے صاحبزادے ہیں صاحبِ نزہۃ الخواطر نے ''احد العلماء المتصوفین'' سے آپ کو یاد کیا ہے، آپ کی پیدائش ردولی میں ۸۸۶ھ میں ہوئی، گنگوہ میں نشوونما ہوئی، آپ نے علم کے لئے سفر فرمایا مولانا قطب الدین سرہندیؒ اور شیخ احمد الحسینیؒ الملتانی اور ان کے علاوہ دیگر علماء سے استفادہ کیا، علمِ روحانیت والد بزرگوار قطب العالمؒ سے حاصل کیا۔

آپ کا مزار بھی گنگوہ میں ہے آپ نے وحدۃ الوجود پر ایک رسالہ لکھا ہے جس کا مولانا رکن الدینؒ نے ''لطائف قدوسیہ'' میں ذکر کیا ہے (نزہۃ الخواطر ص ۱۹۰ رج ۴) مگر صاحبِ نزہۃ نے آپ کو عبد المجید کے نام سے موسوم کیا ہے، ہوسکتا ہے کہ عبد المجید نام ہو اور حمید الدین لقب ہو، واللہ اعلم بالصواب۔

شیخ احمدؒ

آپ بھی شیخ المشائخ قطب العالمؒ کے صاحبزادے ہیں اور مشائخ مشہورین میں بقول صاحب نزہۃ الخواطران کا بھی شمار ہے، اجازت وخلافت اپنے والد بزرگوار سے حاصل کی تھی، سماع، وجد، حال اور وحدۃ الوجود کے قائل تھے، ان کا اس سلسلہ میں ایک رسالہ بھی ہے، ان تمام مسائل میں شیخ احمدؒ کے بیٹے مولانا شیخ عبدالنبیؒ نے ان کی مخالفت وتردید کی تھی جس کی وجہ سے اہل خاندان نے ان کو گنگوہ سے نکال دیا تھا جو یہاں سے دہلی پہنچے، اللہ پاک نے آپ کو علوم وفنون کا ایک بڑا حصہ عطا فرمایا تھا اس لئے بہت جلد بامِ عروج پر پہنچ گئے، شاہ اکبر کا دور تھا اس کو مسند صدارت کیلئے ایک بڑے عالم فاضل کی ضرورت تھی اس کا آپ کو علم ہوا، طلب کیا اور آپ کو صدارت عظمیٰ پر فائز کیا، جس کی مزید تفصیل خود ان کے احوال میں آرہی ہے، شیخ احمدؒ کی وفات حسرت آیات ۹۷۲ھ میں ہوئی (نزہۃ الخواطر ص ۲۲ ج ۴)۔

حضرت شیخ عبدالقدوسؒ کے چند خلفاء کا تذکرہ

سرزمین گنگوہ میں آپ کی مستقل ایک بڑی خانقاہ چلتی تھی جس میں ہزاروں طالبین توحید ومعرفت کا ہروقت ہجوم رہتا تھا اور اللہ کی ایک بڑی مخلوق حق تعالیٰ شانہ کے عشق ومحبت کے جام پینے کیلئے پروانہ وار پڑی رہتی تھی اور سالکین ہروقت ذکراللہ، مراقبہ، صحبت شیخ اور زیارت شیخ سے مشرف ہوتے اور باطنی کیفیات میں یوماً فیوماً ترقی کرتے رہتے تھے اور وقت پر جو میسر آتا گذارا کرتے، کبھی خانقاہ میں کھانا ہوتا اور لنگر طعام چلتا تو اللہ کا شکر بجالاتے اور نہ ملتا اور فقر وفاقہ ہوتا تو بہت سے روزہ رکھتے اور بہت سے اسی

حالت میں ذکر وفکر میں مشغول رہتے اور صبر کی وادیوں کی تفریح کرتے اور شکوہ شکایت نہ کرتے، یہی چیز خانقاہوں کی جان اور روح ہے کہ وہاں آکر صرف اور صرف یاد الٰہی میں مصروف کار ہوں اور اپنے تمام خیالات سے یکسو ہوکر دنیا اور دنیا کے تعلقات کو کم کر کے بلکہ پس پشت ڈال کر صرف حق تعالیٰ جل شانہ کی محبت دل میں رچانے اور بسانے میں لگا رہے، یہ اس زمانہ کی خانقاہیں ہوتی تھیں، یہ تزکیہ واحسان کی دکانیں یہ معرفت ومحبت کے خزانے پانے کے مقامات خانقاہوں سے موسوم تھے اور رسول اللہ ﷺ سے لیکر آج تک یہ سلسلہ برابر کہیں نہ کہیں چلا آ رہا ہے، اگرچہ اس میں بھی بہت سے غلط اور باطل پرست لوگ مل چکے ہیں جنہوں نے اس کی صورت کو مسخ کر دیا اور صرف تعویذ گنڈوں اور بے محابہ عورتوں اور اجانب کا اختلاط ہونے لگا اور وہاں تمام خرافات دیکھنے میں آنے لگی ہیں اور جو روح تھی خانقاہوں کی یعنی ذکر وفکر، مراقبہ ومشاہدہ، نمازوں کا اہتمام، روزہ کا اہتمام اور تلاوت کی آوازیں وہ سب وہاں سے ختم اور غائب ہیں جب کہ بیعت کا منشا ہی ان چیزوں کو اپنانا ہے، بیعت کی حقیقت پر مختصر روشنی ڈالی جاتی ہے:

حقیقتِ بیعت

انسانی نفس حسد، کینہ، غیبت، ریاء، غرور وتکبر جیسی برائیوں میں جکڑا پڑا ہے۔ یہ تمام روحانی امراض ہیں۔ ان کی موجودگی میں باطنی کمالات کے حاصل کرنے سے اور اللہ رب العزت کی محبت اور معرفت کے حصول سے محرومی رہتی ہے۔ اس محبت اور معرفت کی غیر موجودگی میں ہر نیک عمل کی صحت مشکوک ہو جاتی ہے۔ کیونکہ عمل اخلاص سے خالی ہوتا ہے، پس اللہ پاک کی محبت اور معرفت کا حاصل کرنا فرض سے بھی اوپر کے درجہ میں آتا ہے۔ اس کے لئے کسی مردِ کامل کی بیعت ناگزیر ہے۔ حضور ﷺ سے تمام

صحابۂ کرام ؓ نے حضرت ابوبکر صدیق ؓ، حضرت عمر فاروق ؓ، حضرت عثمان غنی ؓ، اور حضرت علی ؓ کے ہاتھوں پر بالترتیب بیعت کی۔ پس بیعت کی اِفادیت کی اس سے بڑھ کر کوئی دلیل نہیں ہوسکتی۔ نیز یہاں بیعت کا ایک قانون بھی ثابت ہوتا ہے کہ اگر مرشد کامل دنیا سے پردہ فرما جائے یا اس سے رابطہ منقطع ہوجائے تو فوراً دوسری جگہ بیعت کرنا ضروری ہوجاتا ہے۔ اس میں شخصیت پرستی نہیں ہے اگر ہوتی تو قیامت تک حضور ﷺ کی بیعت سے بڑھ کر کس کی بیعت ہوسکتی ہے؟۔

اسی طرح بیعت کرتے وقت خوب سوچ وفکر سے کام لینا چاہئے۔ اگر فاسق، فاجر اور بے عمل عالم سے بیعت جائز ہوتی تو حضرت امام حسین ؓ یزید سے بیعت کرلیتے۔ حضور ﷺ کا فرمان مبارک ہے کہ اگر کوئی شخص ہوا میں اُڑتا ہوا، سمندر پر چلتا ہوا نظر آئے اگر وہ اتباع سنت وشریعت سے خالی ہو تو وہ شیطان ہے۔ بزرگی اور کمال کی سب سے بڑی علامت اور پیمانہ اتباع سنت وشریعت ہے۔ لہذا ان تمام حقائق کو ذہن میں رکھتے ہوئے کسی مردِ کامل کا ہاتھ پکڑلیں۔ بیعت کرنے کے بعد اللہ پاک کی اس عظیم نعمت کے حاصل ہونے پر شکرانے کے نوافل پڑھیں۔ اللہ پاک اور حضور ﷺ کے بعد سب سے زیادہ لائق احترام ہستی آپ کا اپنا شیخ ہے۔ آپ کے شیخ کی رضا میں اللہ پاک کی اور نبی ﷺ کی رضا اور شیخ کی ناراضگی میں اللہ پاک اور نبی ﷺ کی ناراضگی پنہاں ہے۔ اپنے شیخ کو دنیا میں تمام موجود بزرگوں سے افضل جانیں۔ لہذا دوسرے بزرگوں کے پاس دُعا وبرکت کے لئے جانے کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔ آپ کو آپ کا شیخ بس ہے۔ اپنے تمام دینی ودنیوی معاملات اپنے شیخ کے علم میں لاکر کیا کریں۔ مشورہ،

برکت اور دعا مفت میں حاصل ہوتی رہے گی۔ بہانے بہانے سے صحبت شیخ اور رابطۂ شیخ میں رہنے کی کوشش کیا کریں۔ کیونکہ پیاسا کنویں کے پاس جاتا ہے کنویں پیاسوں کے پیچھے نہیں بھاگا کرتے۔ جب بھی شیخ سے ملاقات کرنے جائیں تو اپنے عہدہ، امارت، علم کے زعم کو دفن کر کے مکمل محتاج بن کر حاضر ہوں۔ فرش یا چٹائی پر دوزانو بیٹھیں جب تک وہ خود توجّہ نہ کریں آپ توجّہ حاصل کرنے کی کوشش نہ کریں بلکہ فیضان حاصل ہونے کی نیت کر کے بیٹھے رہیں۔ اس لئے کہ یہ مقامِ ادب ہے۔ شیخ کی کسی بات پر اعتراض نہ کریں۔ کسی قسم کا بحث و مباحثہ نہ کریں اور نہ ہی دینی یا دنیوی ہدایات دینے کی کوشش کریں۔ شیخ ان باتوں سے بے نیاز ہوتے ہیں۔ جب آپ کا شیخ آپ سے ازخود رابطہ کرے تو اس کو اپنی بہت بڑی خوش قسمتی جانیں اور تمام مصروفیات کو بالائے طاق رکھ کر فوری جوابی رابطہ کریں۔ جوابی رابطہ نہ کرنے سے شیخ کی بے ادبی اور بے اکرامی ہوتی ہے۔ جتنا زیادہ آپ اپنے شیخ سے رابطہ میں رہیں گے اتنا ہی اس کی نظر، توجہ اور دعا کی زد میں رہیں گے اور اتنی ہی آپ کی روحانی منازل جلد طے ہوں گے۔ اللہ پاک عمل کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

مقصدِ بیعت

بعض حضرات کم علمی کی وجہ سے اس میں بہت سی غیر ضروری اور غیر متعلق باتیں شامل کر دیتے ہیں جن سے عقیدوں میں بگاڑ اور گمراہی اور بے دینی وجود میں آتی ہے۔ بیعت کا مقصد کشف و کرامات و بزرگی حاصل کرنا نہیں ہوتا نہ ہی اس میں قیامت میں بخشوائے جانے کی کوئی ذمہ داری ہوتی ہے۔ یہ بھی ضروری نہیں کہ ذکر و شغل میں

انوارات وغیرہ نظر آئیں اور نہ ہی اس میں عمدہ عمدہ خوابوں کا نظر آنا اور الہامات کا صحیح آنا لازم ہے۔

بعض حضرات بیعت صرف شیخ کی دُعاؤں کی برکتوں کے حصول کے لئے کرتے ہیں، ان کا مقصد اپنی اصلاح نہیں بلکہ صرف حصولِ دنیا ہوتا ہے۔ تحفے تحائف اور نذرانے دیکر کوشش کرتے ہیں کہ شیخ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر چوبیس گھنٹے حالت سجدہ میں گر کر ان کے لئے دُعائیں مانگتا رہے۔ان کے تحفے گئے، شیخ کی دُعائیں گئیں۔ یہ کھلّم کھلاّ کاروبار ہے۔شیخ کے بتائے ہوئے طور طریقوں پر چلنے کے بجائے شیخ کو اپنے پیچھے چلانے کی کوشش کرتے ہیں اور محنت مشقت اور عمل سے دور بھاگتے ہیں۔ ایسی بیعتوں کا انجام کیسے اچھا ہو سکتا ہے؟۔

بیعت کا مقصد اپنا سارا اختیار اپنے شیخ کے سامنے بے بس کر کے اور اپنی تمام خواہشات کو اپنے شیخ کے حکم کے تابع کر کے اپنے نفس کی غلامی سے نکل کر اللہ پاک کی غلامی میں جانا ہوتا ہے۔ یہ اصلاحِ ظاہر و باطن کا سب سے افضل طریقہ ہے۔اس کا مقصد اپنے اندر بندگی کا پیدا کرنا ہے۔اللہ پاک کی رضا حاصل کرنا ہے۔

زندگی آمد برائے بندگی　　　زندگی بے بندگی شرمندگی

اس کے قواعد اور ضوابط پر عمل کرنے سے ہدایت و رُشد کے چشمے پھوٹتے ہیں۔ معاشرتی بگاڑ ختم ہوتے ہیں۔ بے دینی اور گمراہی کا قلع قمع ہوتا ہے اور کائنات میں ہر سُو امن، چین اور سکون کی فضاء قائم ہوتی ہے۔ دین، دنیا میں پھیلتا ہے اس کے پھیلنے سے سارے عالم پر اللہ پاک کی رحمتیں نازل ہوتی ہیں۔ ظلم و ستم، ناانصافیوں کی تہذیبوں کا

صفایا ہو جاتا ہے اور آپس میں بھائی چارہ، دوستی اور محبت پیدا ہوتی ہے۔ اسلامی تعلیمات پر مکمل عمل کرنے سے وہ وقت پھر آ سکتا ہے کہ شیر اور بکری ایک گھاٹ پر پانی پینے لگیں۔ یہ ناممکن نہیں بشرطیکہ ہم اور آپ اللہ کریم کو راضی کر لیں۔ اس کیلئے ایسے اعمال اختیار کرنے پڑیں گے جن سے اللہ کریم راضی ہو جائے۔ اللہ کریم توفیق عطا فرمائے، آمین۔

آپ کے مریدین اور خلفاء کی تعداد کثیر ہے ان میں سے چند مشہور حضرات کے نام یہ ہیں: (۱) شیخ جلال الدین تھانیسریؒ (۲) شیخ بھوروؒ (۳) شیخ عمرؒ (۴) شیخ عبدالغفور اعظم پوریؒ (۵) حضرت شیخ سید راجاؒ (۶) شیخ عزیز اللہؒ (۷) شیخ عبدالستار سہارنپوریؒ (۸) شیخ عبدالعزیز کیرانویؒ (۹) شیخ رفیع الدین اکبر آبادیؒ (۱۰) شیخ خان خضرؒ۔

ان سب میں سب سے مشہور شخصیت شیخ جلال الدین تھانیسریؒ کی ہے اور انہیں سے آپ کا سلسلہ جاری ہوا ہے، اس لئے اب ان کے حالات لکھے جاتے ہیں۔

شیخ جلال الدین بن محمود عمری تھانیسریؒ

آپ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کے اکابر خلفاء میں سے ہیں، فاروقی النسب ہیں، وطن آپ کا بلخ تھا آپ کے والد قاضی محمود عالم تھے، صاحب نزہۃ الخواطر نے آپ کے والد محترم کا نام ''محمود'' ہی تحریر کیا ہے، آپ کی ولادت بظاہر ۸۹۴ھ مطابق ۱۴۸۹ء ہے، سات سال کی عمر میں قرآن شریف حفظ فرما لیا تھا، اور سترہ سال کی عمر میں علوم ظاہریہ کی تکمیل فرما کر تدریس و افتاء میں مشغول ہو گئے تھے، تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی جاری کیا، طاعت، عبادت، نوافل، اوراد و وظائف اور پابندیٔ اوقات

آپ میں خاص طور سے پائی جاتی تھی۔

اتباع سنت میں بھی آپ کا وہی حال تھا جو مشائخ چشت کے لئے بمنزلہ عادت ثانیہ کے ہوتا ہے، ایک مرتبہ بیمار ہوئے دوا پیش کی گئی، اس وقت آپ صاحب فراش تھے بیٹھنا مشکل تھا لیکن جوں توں کر کے بیٹھنے پر خادموں سے فرمایا مجھے اٹھا کر زمین پر بٹھا دو، خدام نے حکم کی تعمیل کی جب زمین پر بیٹھ گئے اس وقت دوا نوش فرمائی، اور فرمایا نبی اکرم ﷺ سے یہ ثابت نہیں کہ آپ نے تخت وسریر پر کوئی چیز کھائی ہو۔

ریاضت ومجاہدات کی کثرت نے لاغر کر دیا تھا، لیٹے رہتے تھے، مگر عجیب بات یہ تھی کہ اذان کے وقت قوت اور بشاشت لوٹ آتی تھی اور بڑے اطمینان سے نماز ادا کرتے تھے (نزہۃ الخواطر ص ۲۶ / ج ۴)۔

حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کے اکثر مکاتیب آپ کے نام بڑے پر حقائق ہیں۔

بیعت وارادت

آپ کی ابتدائی بیعت کا واقعہ بھی پر لطف ہے، آپ چونکہ علوم ظاہریہ کے امام تھے اس لئے ایک مدرسہ میں تعلیم فرماتے تھے طلباء کا مجمع رہتا تھا، کچھ لوگ حضرت شیخ گنگوہیؒ سے بیعت تھے، حضرت وہاں تشریف لے گئے مولانا جلال کو بھی علم ہوا، ان مریدین سے کہا کہ سنا ہے تمہارے پیر آئے ہیں اور وہ ناچتے بھی ہیں (غلبہ حال اور وجد وغیرہ کو ناچنے سے تعبیر کیا) ان سے ہمارا اسلام کہہ دینا، کسی وقت موقع ہوا تو میں خود بھی آؤں گا، خدام نے سلام پہنچا دیا، حضرت شیخ نے جواب سے سرفراز فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ کہہ دینا کہ وہ پیر خود بھی ناچتے ہیں دوسروں کو بھی نچاتے ہیں، اتفاقاً ایک روز نداء

غیبی نے حضرت شیخ کو مژدہ سنایا کہ مولانا جلال کو تمہیں بخشد یا ان کو اپنے حلقہ میں لے آؤ، اس کے امتثال کے لئے حضرت شیخ مدرسہ تشریف لے گئے وہاں طلبہ کا مجمع مولانا کو احاطہ کئے ہوئے تھا، جب درس سے فراغت ہوئی تو حضرت شیخ کی طرف متوجہ ہوکر مولانا نے دریافت کیا کہ آپ کون بزرگ ہیں؟ حضرت نے فرمایا کہ میں وہی ناچتا پیر ہوں، یہ فرما کر حضرت نے ایک تیز نظر سے توجہ ڈالی جس کی بناء پر مولانا کے علوم سب زائل ہو گئے اس پر مولانا نے بڑی التجاو معذرت کی تو حضرت نے تشفی اور علوم حقیقی کا اظہار فرمایا، اسی طرح چند توجہات کے بعد حضرت کو اشغال کی تعلیم فرمائی اور خلوت ومجاہدہ کا امر فرمایا، کچھ دنوں بعد مولانا پر ایک بیخودی کا عالم طاری ہونے لگا اور اپنے احوال کی حضرت کو اطلاع کرتے رہتے حضرت شیخ اس کی اصلاح فرماتے رہتے تھے، استغراق کا غلبہ آپ پر بھی بہت تھا۔

کرامات

آپ صاحبِ کرامات تھے، ایک مرتبہ ایک مرید کے دل میں یہ خطرہ گزرا کہ پہلے زمانہ میں ایسے لوگ ہوتے تھے کہ جس پر نظر کرتے تھے وہی صاحب کمال ہو جاتا تھا، حضرت شیخ اس خطرہ پر مطلع ہو گئے اور فرمایا کہ اب بھی ایسے شخص موجود ہیں، یہ فرما کر ایک تیز نگاہ سے دیکھا وہ مرید تین دن تک بیہوش رہے اور اس کے چند روز بعد انتقال ہو گیا، حضرت شیخ تک جب ان کی وفات کی خبر پہونچی تو فرمایا کہ ہر شخص کو اس بار کے اٹھانے کی طاقت نہیں ہوتی یہ بیچارہ بھی اسکی طاقت نہ رکھ سکا۔

تھانیسر میں ایک میلہ ہوتا ہے جس میں لاکھوں ہندو جمع ہوتے ہیں، حضرت نے ایک روز اپنے خدام سے فرمایا کہ یہ کیا بات ہے یہاں اتنے ہندو کیوں جمع ہیں؟ عرض

کیا کہ حضرت یوں تو ان کا یہ ایک مذہبی میلہ ہے لیکن اس میں ایک عجیب بات ہے جو زیادہ ہجوم کا باعث ہے، وہ یہ کہ ایک جوگی آتا ہے جو بہت مرتاض ہے، اس میں یہ تصرف ہے کہ وہ زمین میں غوطہ لگاتا ہے یہاں غوطہ لگاتا ہے، اور وہاں نکلتا ہے، اندر ہی اندر یہاں سے وہاں پہنچ جاتا ہے، یہ سنکر فرمایا کہ بھائی اس تماشہ کو تو ہم بھی دیکھیں گے، لوگوں کو تعجب ہوا کہ کیا شیخ بھی اس تماشہ کو دیکھیں گے، مگر کون بول سکتا تھا، حضرت نے فرمایا مجھے وہاں لے چلو جہاں اس کا مرکز ہے، چنانچہ لوگوں نے حضرت کو لیجا کر اس کے مرکز کے پاس کھڑا کر دیا جہاں سے وہ غوطہ لگاتا تھا، جب وقت آیا تو اس نے حسب معمول غوطہ لگایا غوطہ لگاتے ہی زمین پھٹ گئی اور وہ غائب ہوگیا، آپ نے جھٹ اپنا قدم مبارک اس موقع پر رکھدیا اب جوگی صاحب نہیں نکلتے، وہیں زمین کے اندر دھنس گیا اور مر گیا اور حضرت اپنا کام کر کے چلے آئے۔

''ارشاد الطالبین'' آپ کی تصنیف ہے، اس میں ایک مقام پر تحریر فرماتے ہیں:

عاشق لوگ کشف و کرامات کے درپے نہیں ہوتے، بلکہ ان کا سارا اہتمام عبادت، زہد، تقویٰ کے لئے ہوتا ہے اور وہ لوگ ان چیزوں کو کسی حال میں نہیں چھوڑتے بلکہ وہ لوگ اپنے نفوس کو رضائے الٰہی کے لئے فنا کر دیتے ہیں اور مرنے سے پہلے مر جاتے ہیں (یہ ایک حدیث پاک کی طرف اشارہ ہے جس میں نبی پاک ﷺ کا ارشاد ہے موتوا قبل ان تموتوا)۔

ایک دوسرے مقام پر تحریر فرماتے ہیں کہ جاہل صوفیاء راستہ سے پھسل کر لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں اور مشائخ صوفیاء کے کلام سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، ان مشائخ کا کہنا ہے کہ یہ جاہل صوفیاء وصول الی اللہ سے اس لئے محروم ہوتے ہیں کہ اصول چھوڑ

بیٹھتے ہیں اور اصول یہ ہے کہ شریعت مطہرہ کی رعایت کرے، بدعات وخرافات سے بچے، اب جبکہ بعض جاہل لوگوں نے بدعات وخرافات ہی کو تصوف اور روحانیت سمجھ لیا ہے تو اس کو سوائے حماقت کے اور کیا کہا جا سکتا ہے؟

بسوخت عقل زحیرانی ایں چہ بوالعجبی ایست

حضرت شیخ کے کلام میں بہت بڑی بات ارشاد فرمائی گئی ہے جس میں ایک صحیح صوفی اور عاشق کیلئے راہِ سلوک وتصوف کا پورا سامان بصیرت ہے اور جس کا مطمحِ نظر اس کے علاوہ کچھ اور ہو تو اس کا تصوف سے دور کا بھی رشتہ نہیں نہ روحانیت سے اس کو کوئی تعلق ہے۔

وفات

حضرت شیخ نے ۲۵؍ذی الحجہ ۹۸۰ھ یا ۹۸۹ھ مطابق ۱۵۷۲ء یا ۱۵۸۱ء بروز جمعہ پچانوے یا چھیانوے سال کی عمر میں وصال فرمایا، اور صاحب نزہۃ الخواطر کے قول کے مطابق ان کی وفات ۹۶۹ھ میں ہے (تاریخ مشائخ چشت؍ص ۲۱۳)۔

شیخ بھوروؒ

شیخ بھورو ابتداءً رنگریزی کا پیشہ کرتے تھے، پہلے وہ ہندو تھے پھر آپ کے دستِ فیض رس پر مسلمان ہو کر اپنا پیشہ چھوڑ دیا اور یادِ الٰہی میں مصروف ہو کر بلند پایہ بزرگ بن گئے، ان کی وفات ۹۸۲ھ میں ہوئی۔

شیخ عمر دینیؒ

شیخ عبدالقدوسؒ کے ایک خلیفہ شیخ عمر دینی بھی تھے وہ اگرچہ آپ کے خلیفہ تھے لیکن ان کا قلبی رجحان زیادہ تر شیخ عبدالرزاق کی طرف تھا۔

منقول ہے کہ شیخ عبدالرزاق[1] ایک دن شیخ عبدالقدوسؒ سے ملنے کی غرض سے آپ کے پاس آئے اس وقت آپ پر ایک خاص قسم کی حالت طاری تھی، جب ہوش میں آئے تو اپنے تمام مریدوں کو شیخ عبدالرزاق سے ملایا اور شیخ عمر دینی کا ہاتھ آپ کے ہاتھ میں دیتے ہوئے فرمایا کہ یہ آپ کا مرید اور آپ کی نظر شفقت کا متمنی ہے، اس کے بعد شیخ عمر دینی اٹھے اور شیخ عبدالرزاق کی غایت درجہ تعظیم وتکریم کی۔

شیخ عبدالغفور اعظم پوریؒ

آپ کے ایک خلیفہ شیخ عبدالغفور اعظم پوریؒ بھی تھے جو بڑے صاحب کرامات بزرگ تھے، انہوں نے ایک بار خواب میں نبی ﷺ کی زیارت کی تو نبی ﷺ نے ان کو اس درود شریف کے پڑھنے کا حکم دیا **اللهم صل علی محمد و اله و اصحابه بعدد اسمائک الحسنیٰ** ان سب خلفاء کا تذکرہ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے اخبار الاخیار ص ۶۶/۶۷/ج ۴ میں کیا ہے، آپ نے ۹۸۵ھ میں بعمر ۸۲/سال وفات پائی اور اعظم پور نواح سنبھل میں مدفون ہیں۔

شیخ عبدالستار سہارنپوریؒ

شیخ عبدالستار سہارنپوریؒ حضرت شیخ عبدالکریم سہارنپوریؒ کے فرزند ارجمند ہیں جو بہت بڑے بزرگ تھے اور ولایت کے ایک بڑے مقام پر فائز تھے، حضرت شیخ عبدالقدوس صاحبؒ ان کی بہت تعریف کرتے تھے، فرمایا کہ ایک بار میں دہلی کی جامع

---

[1] شیخ عبدالرزاق جھنجھانویؒ جھنجھانہ میں ۸۸۶ھ میں پیدا ہوئے صاحب صحائفِ معرفت، بہت بڑے صاحب نسبت اولیاء اللہ میں تھے، کثیر الفیض والبرکت بزرگ تھے ان کی کتاب صحائف معرفت علوم ومعارف اسرار ورموز کا خزانۂ عامرہ ہے ۹۴۹ھ میں وفات ہوئی۔ (کذا فی النزہہ ص ۱۵۷/ج ۴)۔

مسجد میں نماز جمعہ کیلئے حاضر ہوا، میں نے دیکھا کہ شیخ عبدالکریم نماز کے بعد ممبر پر وعظ فرمارہے ہیں اور ستّر اکابر اولیاء اللہ اور ان کے ساتھ ایک بڑا طبقہ ان کے فیض سے استفادہ کررہا تھا، ان کے بیٹے شیخ عبدالستارؒ، شیخ عبدالقدوسؒ کے خلیفہ ہیں عالم فاضل، متقی پرہیزگار آدمی تھے، آپ کی پیدائش اور نشو ونما سب کچھ شہر سہارنپور میں ہوا، اور آپ نے دہلی جاکر علوم حاصل کیے، پھر گنگوہ آکر شیخ عبدالقدوسؒ کے ہاتھ پر بیعت ہوئے اور کافی عرصہ آپ کی خدمت میں رہے، آپ کے بتائے ہوئے طریقہ پر ریاضت ومجاہدہ کیا اور اپنے شیخ سے خلافت پائی اور خلافت کے ساتھ ساتھ قطبیت کی بشارت بھی ملی، آپ نے ۹۵۰ھ میں وفات پائی (نزہۃ الخواطر ص ۱۵۸ / ج ۴)۔ آپ کے صاحبزادہ شیخ عبدالخالق ہوئے وہ بھی نیک صالح آدمی تھے، بہترین قاری ومجود تھے، عالم فاضل تھے اور حضرت شیخ عبدالقدوس صاحبؒ کے بیٹے شیخ رکن الدینؒ کے خلیفہ ہوئے۔ نزہۃ الخواطر ص ۲۳۲ / ج ۵ / میں آپ کا تذکرہ ملتا ہے۔

تذکرہ شاہ ابوسعید صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ

قال اللہ عزوجل ، اَمّا الَّذِیْنَ سُعِدُوا فَفِی الْجَنّۃِ ٭ وَاَمَّا الَّذِیْنَ شَقُوْا فَفِی النَّار (سورۂ ہود) بہرحال وہ لوگ جوسعادت مند ہیں جنت میں ہونگے اور وہ لوگ جوشقی اور بد بخت ہیں جہنم میں ہونگے۔

سعادت سے مراد ایمان اور اعمال صالحہ ہے کسی انسان کا سعید ہونا اسی پر موقوف ہے اور شقاوت سے مراد کفروشرک اور فسق وفجور میں مبتلا ہونا ہے، اللہ حفاظت فرمائے ، دوسرے انداز سے یوں کہہ لیجئے کہ سعادت نام ہے مرضیات رب پر چلنے کا اورشقاوت نام ہے مرضیات نفس وشیطان پر چلنے کا، یایوں کہہ لیجئے کہ اللہ پاک کی خوشی حاصل ہوجانے کا نام سعادت ہے اور اللہ پاک کے ناراض ہوجانے کا نام شقاوت ہے اصل سعادت اور شقاوت کا فیصلہ تو میزان اعمال میں اعمال کے وزن ہونے کے وقت ہوگا جس انسان کے اعمال صحیح نکلیں گے اور ایمان کے کامل ہونے کا معاملہ سامنے آئے گا اس کے بارے میں اعلان ہوجائے گا **سعد فلان سعادۃ لایشقی بعد ھا ابدا** کہ فلاں آدمی سعید ہوچکا ہے اب کبھی شقی نہیں ہوگا اور جس شخص کے حصہ میں شقاوت آجائے گی اسکے بارے میں اعلان ہوگا **شقی فلان شقاوۃ لا یسعد بعدھا ابدا** کہ فلاں آدمی بد بخت ہوچکا ہے جس کے بعد کبھی سعید نہیں ہوگا، اس مضمون کی روایت کو حافظ ابونعیم اصفہانیؒ نے حلیۃ الاولیاء میں ذکر کیا ہے، انبیاء علیہم السلام لاریب سعید ہیں ان کی سعادت منصوص ہے، اسی طرح اولیاء اللہ کی سعادت کا معاملہ ہے کیونکہ اللہ پاک نے ان کے بارے میں فرمادیا ہے اَلَا اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَاھُمْ

یَحْزَنُوْنَ (سورۂ یونس) کہ بیشک اللہ کے نیک بندوں پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غم زدہ ہونگے اور ایک حدیث شریف میں ذاکرین کے تعلق سے فرمایا گیا ''هم القوم لایشقی جلیسهم'' یہ ایسے حضرات ہیں کہ ان کے پاس بیٹھنے والا بھی شقی نہیں ہوسکتا واللہ اعلم، بہر حال ہمیں اولیاء اللہ کے سعید ہونے کا غالب گمان یقین کے درجہ میں ہوتا ہے اس لئے ان کے حالات سننے اور سنانے کا جذبہ بھی رہتا ہے نیز انہیں سعید حضرات میں سے سعید ازلی عارف باللہ قطب دوراں حضرت شیخ ابو سعید نعمانی گنگوہیؒ کی شخصیت عبقریت بھی سرزمین گنگوہ کی ان قابلِ عظمت واحترام شخصیات میں سے ہے جن کا مشائخ چشتیہ میں عظیم مرتبہ ہے، صاحب نزہۃ الخواطر نے آپ کو الشیخ الصالح الفقیہ احد المشائخ چشتیہ کے الفاظ سے یاد کیا ہے (صفحہ ۲۲ / ج ۵)۔

آپ نجیب الطرفین ہیں ایک طرف شیخ عبدالقدوسؒ کے حفید محترم ہیں تو دوسری طرف سے شیخ جلال الدین تھانیسریؒ کے نواسے ہیں۔

آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی نور الدین بن عبدالقدوس ہے جیسا کہ صاحبِ نزہۃ الخواطر نے ذکر کیا ہے، لیکن راقم السطور کے ناقص علم میں شیخ عبدالقدوسؒ کے صاحبزادوں میں کوئی اس نام کا نہیں ہے اس لئے صاحبِ تذکرہ اولیائے ہند نے رکن الدین لکھا ہے یہ ہی صحیح معلوم ہوتا ہے واللہ اعلم ۔

ولادت باسعادت

آپؒ کی ولادت اسی ارض قدوس میں ہوئی یہیں نشو ونما ہوا، شروع دور میں سپہ گری اور فوج کی ملازمت اختیار کی اور اسی کام میں مشغول ہو گئے، لیکن عشق الٰہی کی

چنگاری جو آپ کی فطرت میں ودیعت رکھی گئی تھی جوش زن ہوئی تو شیخ جلال الدین تھانیسریؒ سے جو آپ کے نانا تھے اور شیخ قطب العالمؒ کے خلفاء میں سے تھے بیعت ہونے کا اظہار فرمایا، مگر شیخ جلال الدین تھانیسریؒ نے کبرسنی ضعف اور پیری اور بحر وحدت وتوحید میں استغراق کی وجہ سے اپنے متعلقین کو شیخ نظام الدین تھانیسریؒ [1] کے حوالہ فرمادیا تھا، اس لئے آپ کو بھی انہیں کے سپرد فرمایا اور شیخ نظام الدینؒ کو ان کی تربیت روحانی کا امر فرمایا، ابتداءً ذکر نفی واثبات کی مشق کی اور اس میں کمال پیدا کیا، اس کے بعد دیگر ریاضت ومجاہدات کئے، شیخ نظام الدینؒ کی محبتوں سے سیراب ہو رہے تھے کہ کچھ روز کے بعد شیخ نظام الدین تھانیسریؒ بلخ کے لئے روانہ ہوئے، جس کا آپ کو بیحد افسوس ہوا، اس مفارقت نے آپ کو نہایت اضطراب وبے چینی میں مبتلا کیا،

---

[1] شیخ نظام الدین بن شیخ عبدالشکور تھانیسریؒ علوم ظاہریہ باطنیہ کے جامع تھے علوم معرفت اسرار رموز اور دیگر علوم بھی آپ کو حاصل تھے، فضائل کمالات میں اس درجہ ترقی کی کہ لوگ آپ کے حاسد ہوگئے اور اکبر بادشاہ کے دربار میں آپ کی کئی بار شکایتیں کی جس کی وجہ سے اس نے ایک بار تو آپ کو حرمین شریفین بھیجا، آپ کچھ عرصہ کے بعد پھر آگئے اور رجوع عام ہونے لگا تو دوسری مرتبہ بلخ کے علاقہ کی طرف سفر کا حکم دیا وہاں پہنچے وہاں بھی آپ کے حاسدین پیدا ہوگئے اور بادشاہ بلخ کو شکایت کی تو اس نے بھی آپ کے نکلنے کا حکم دیا پھر اس کو خواب میں رسول پاک ﷺ کی زیارت ہوئی اور دیکھا کہ آپ فرمارہے ہیں کہ شیخ نظام الدین کو تنگ نہ کرو وہ نیک آدمی ہیں یہ دیکھ کر وہ آپ کا معتقد اور مرید ہوگیا، حضرت شیخ نظام الدین اصلاً تھانیسر کے رہنے والے تھے اور شیخ جلال الدین کے بھتیجے اور داماد بھی تھے، آپ انتہائی عابد وزاہد تھے جس پر نظر ڈالتے ایک ہی مرتبہ میں صاحب کمال بن جاتا اسی وجہ سے لوگوں نے آپ کا نام ولی تراش رکھ لیا تھا آخری وقت آپ کا بلخ ہی میں گزرا اس لئے بلخی بھی کہلاتے ہیں اور وہاں اللہ کی مخلوق کو کثیر فیض پہونچایا اور بلخ ہی میں ۸؍رجب ۱۰۲۴ھ مطابق ۱۶۲۶ء میں انتقال ہوا اور وہیں مزار ہے آپ صاحب التصنیف بزرگ تھے کئی تصانیف چھوڑی ہیں (تاریخ مشائخ چشت؍ص ۲۱۵)۔

جنگلوں میں چلے جایا کرتے تھے اور روتے رہتے تھے، انہی حالات میں ایک بار قطب العالم شیخ عبدالقدوسؒ کے روضہ پر حاضر تھے اور مفارقتِ شیخ میں گریاں تھے کہ اچانک سے ایک آواز محسوس کی کہ ابوسعید! اگر طلب خدا ہے تو بلخ جا، آپ نے تین راتیں شیخ کے روضے پر گذاریں تینوں رات یہی آواز سنتے رہے۔

سفرِ بلخ

لیکن گنگوہ کہاں؟ اور بلخ کہاں؟ ہزاروں میل کی طویل مسافت تنہا کیسے طے کریں؟ اب یہ دوسرا فکر ہوا ایک روز دیکھا کہ اچانک ایک شخص سامنے آیا اور کہنے لگا کہ اگر تم کو بلخ کا راستہ معلوم نہیں ہے تو میں چلتا ہوں، اب شیخ ابوسعیدؒ کو بیحد خوشی ہوئی اور آپ چل دئے، راستہ میں جس منزل پر قیام فرماتے لوگ بیحد خاطر و مدارات سے پیش آتے غایت شوق میں اتنا طویل سفر بآسانی طے کرلیا۔

سچ ہے کہ محبت اور اسکے ساتھ ہمت مشکلات کو آسان کردیتی ہے، جتنا جتنا بلخ قریب ہوتا جاتا تھا، شوق لقاء، ذوق تماشا اتنا ہی مضطرِب کرنے لگتا تھا۔

شیخ کا استقبال

حتی کہ وصل یار کا مقام مقدس جب صرف تین میل رہ گیا، تب شیخ نظام الدینؒ کو کشف ہوا کہ ابوسعیدؒ آرہے ہیں کچھ پہلے سے شیخ عبدالقدوسؒ کی طرف سے آپ کے متعلق بعض ہدایات منکشف ہوچکی تھیں، اس لئے ان کے استقبال کے لئے اس شان سے تشریف لے چلے کہ سلطان بلخ بھی جو شیخ نظام الدین کا معتقد تھا ساتھ تھا، اور سیکڑوں افراد کا مجمع تھا اس قدر شان وشوکت کے ساتھ بلخ کی حدود میں داخل ہوئے

اور خانقاہ پہنچے یہاں آنے کے بعد شیخ نظام الدینؒ کی طرف سے آپ کا بیحد احترام واکرام، خاطر ومدارات، امیرانہ دعوتیں کی گئیں، ہرروز نئے نئے لذیذ کھانے پکواکر کھلاتے ان کو مسند پر بٹھاتے اور خود خادموں کی جگہ بیٹھتے، اس طرح جب پندرہ ایام گذر گئے تو آپ نے اجازت طلب کی اور عرض کیا کہ حضرت میں یہاں دعوتیں کھانے کے لئے نہیں آیا تھا اور نہ میں نے طلب جاہ ومال کے لئے اتنا طویل سفر کیا، اس پر شیخ نظام الدینؒ نے معلوم فرمایا اچھا پھر کیا مقصد ہے؟ عرض کیا کہ میں تو وہ دولت حاصل کرنے آیا ہوں جو آپ ہمارے یہاں سے لیکر آئے ہیں، بس اتنا سننا تھا کہ شیخ نظام الدینؒ کا رنگ بدل گیا اور زبان حال سے فرمایا:

ناز پروردہ تنعم نبرد راہ بدست　　　　عاشقی شیوۂ رنداں بلاکش باشد

اور فرمایا صاحبزادے! اگر وہ دولت لینا چاہتے ہو تو پھر یہ شان وشوکت رخصت کرو اور آج سے یہ امور انجام دو۔

(۱) حمام کی خدمت تمہارے سپرد کی جاتی ہے جاکر حمام جھونکو۔

(۲) جاکر گھوڑوں کے اصطبل میں بیٹھو اور شکاری کتوں کے دانہ راتب کی فکر کرو اور جب تک ہم نہ یاد کریں سامنے مت آنا، نقیبِ خانقاہ سے فرمایا کہ ان کو لنگر کی روٹی صبح وشام دے دیا کرو اور بس، نہ ذکر بتلایا نہ شغل، بس نماز روزہ کرتے رہا کرو۔

الغرض اس خدمت پر مامور کردئے گئے، کبھی شکاری کتوں کو نہلاتے، صاف کرتے اور کبھی حمام جھونکتے اور کبھی شکار کے وقت جب شیخ علیہ الرحمہ گھوڑے پر سوار ہوتے اور یہ کتوں کی زنجیریں تھام کر ہمراہ چلتے اور نہایت پریشانیاں برداشت کرتے تھے نقیب خانقاہ حکم کے مطابق لنگر خانہ سے صبح وشام دو روٹیاں جَو کی لاکر دے دیتا اور بیٹھ کر

کھالیا کرتے اور جو کبھی آجایا کرتے تو شیخ نظر بھی اٹھا کر نہ دیکھتے تھے، دور بیٹھنے کا حکم دیا کرتے، مطلقاً التفات نہ فرماتے کہ کون آیا اور کون گیا، اسی حالت میں تین چار ماہ کا عرصہ گذر گیا کہ ایک روز حضرت شیخ نے بھنگن کو حکم دیا کہ اصطبل کی لید اکٹھی کر کے اس کا کوڑا ابوسعید کے سر پر کچھ حصہ ڈال دینا، بھنگن نے حکم کے مطابق ایسا ہی کیا، پاس سے گذری تو اس کی نجاست ان کے سر پر ڈال دی شاہ ابواسعیدؒ کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا تیوری چڑھا کر بولے کہ نہ ہوا گنگوہ ورنہ اچھی طرح مزہ چکھا دیتا، غیر ملک ہے، شیخ کی بھنگن تھی اس لئے کچھ نہیں کر سکتا، بھنگن نے یہ سارا واقعہ ان کا قول سب شیخ کو بتا دیا اس پر شیخ علیہ الرحمہ نے فرمایا، ارے ابھی خناس دماغ میں گھسا ہوا ہے، صاحبزادگی کی بو ابھی باقی ہے گنگوہ کی بوئے ریاست نہیں نکلی، ابھی اور حمام جھونکنے کی ضرورت ہے، دو ماہ پھر خبر نہ لی اس کے بعد ایک روز پھر بھنگن کو حکم دیا کہ آج پھر ویسا ہی کرنا ہے بلکہ قصداً غلاظت ابوسعیدؒ پر ڈال دینا اور جواب سننا کیا کہتے ہیں:

چنانچہ بھنگن نے پھر ارشاد کی تعمیل کی اس مرتبہ شاہ ابوسعیدؒ نے کوئی کلمہ زبان سے نہیں نکالا، ہاں تیز اور ترچھی نظر سے اس کو دیکھا اور گردن جھکا کر خاموشی اختیار کی، بھنگن نے آکر پھر بتایا کہ آج کچھ کہا تو نہیں مگر تیز نظروں سے دیکھ کر خاموش ہو گئے۔

شیخ علیہ الرحمہ نے فرمایا ابھی کچھ بو باقی ہے پھر دو چار ماہ کے بعد وہی حکم دیا کہ اس بار لید مٹی بھرا ٹوکرہ سب اوپر پھینک ہی دینا کہ پاؤں بھی بھر جائیں، چنانچہ بھنگن نے ایسا ہی کیا مگر اب شاہ ابوسعیدؒ پہنچ چکے تھے، دل بدل چکا تھا گھبرا کر گڑ گڑا کر کہنے لگے بیچاری مجھ سے ٹھوکر کھا کر گر گئی کہیں چوٹ تو نہیں لگی، یہ فرما کر گری ہوئی لید ٹوکرے میں بھرنے لگے، بھنگن نے یہ قصہ حضرت شیخ سے بتایا کہ آج تو میانجی غصہ کی جگہ مجھ پر ترس

کھانے لگے اور لید بھی بھر کر میرے ٹوکرے میں ڈال دی، شیخ نے فرمایا کہ اب کام ہو گیا الحمدللہ ایک قدم تو طے ہوا، واقعی تکبر ہی راستہ میں حائل ہے جب یہ نکل جائے تو راستہ بہت جلد طے ہو جاتا ہے۔ایک عارف نے فرمایا ؎

میانِ عاشق و معشوق ہیچ حائل نیست تو خود حجاب خودی حافظ از میاں برخیز

یعنی عاشق و معشوق کے درمیان کوئی حجاب نہیں، ہاں تو اپنے تکبر کے حجاب کو اے حافظ درمیان سے اٹھا، یعنی جب یہ حجاب اٹھ جاتا ہے کام بن جاتا ہے۔

اس ریاضت کے بعد شیخ ابوسعیدؒ کو صرف اتنی اجازت ملی کہ مجلس میں آجایا کریں اور باتیں سنا کریں، پھر کچھ عرصہ کے بعد ذکر کی تلقین کی گئی اب وصل کی تدبیر شروع ہوئی ذکر شروع کرنے کے بعد کچھ حالات و کیفیات طاری ہو گئیں تو شیخ کو معلوم ہوا کہ ابوسعیدؒ میں عجب پیدا ہو گیا ہے تو فوراً سب ذکر و شغل چھوڑ وادیا اور کتّوں کی خدمت پھر سپرد کی، شیخ نے خادم سے کہلا بھیجا کہ آج شکار کو چلیں گے کتوں کو تیار کر کے ہمراہ ہو جانا، شام کو شیخ گھوڑے پر سوار خدام کا مجمع ساتھ لیکر جنگل کی طرف نکلے شاہ ابوسعیدؒ کتوں کی زنجیر تھامے پابہ رکاب ہمراہ تھے، کتے بڑے زبردست شکاری تھے، کھاتے پیتے خوب تھے اس لئے خوب مضبوط تھے اور ابوسعیدؒ بیچارے سوکھے بدن، کمزور لاغر، اس لئے ان کو سنبھالے سنبھلتے نہ تھے کچھ کھینچتے، روکتے مگر وہ قابو سے باہر ہو جایا کرتے تھے، آخر انہوں نے زنجیر اپنی کمر سے باندھ لی تاکہ زنجیر چھوٹ نہ جائے اور شیخ کا عتاب نہ ہو، جب ان کتوں نے شکار دیکھا تو تیزی سے دوڑ پڑے اور بیچارے ابوسعیدؒ گر گئے اور زمین پر گھسٹتے کتوں کو کھینچتے کھینچتے چلے جاتے تھے کہیں اینٹ لگتی، کہیں کنکر چبھتی، سارا بدن لہولہان ہو جاتا اسی حالت میں ان پر فضل خاص ہوا اور ایک تجلی خاص ان پر ہوئی جس کی لذت

نے تمام کلفتوں کو بھلا دیا، ادھر شیخ پر یہ حالت منکشف ہوئی اور انہوں نے خدام سے فرمایا کہ اس وقت ابوسعید پر پھر فضل حق ہوگیا اور ایک خاص تجلی سے رب تعالیٰ وتقدس نے ان کو مشرف فرمادیا جاؤ جنگل سے ان کو اٹھالاؤ ، خدام دوڑے اور ادھر سلطان نظام الدینؒ پر شیخ عبدالقدوسؒ کی روحانیت منکشف ہوئی اور فرمایا کہ نظام الدین! تم کو اس سے زیادہ مشقت لینے کا بھی حق تھا مگر ہم نے تو تم سے اتنی مشقت نہ لی تھی، یہ ایک محبت انگیز عتاب تھا، جس سے شیخ نظام الدینؒ کے قلب پر گہرا اثر ہوا، اب جب شیخ ابوسعید سامنے آئے تو سلطان جی نے ان کو محبت سے سینہ سے لگالیا اور ذکر وشغل میں لگا دیا اور پھر خاطر ومدارات کا معاملہ جاری کر دیا گیا۔

شاہ ابوسعیدؒ کو اس روز کی تجلی کا بہت اشتیاق رہتا تھا کہ وہی تجلی پھر ہو، روزانہ ذکر کے وقت اس اشتیاق میں رہتے تھے، جب کئی روز تک نہ ہوئی تو ایک روز حبس دم کرکے بیٹھ گئے کہ جب تک وہ نہ ہوگی سانس نہ چھوڑوں گا خواہ دم نکل جائے ایسی زندگی سے مرجانا بہتر ہے بالآخر وہ تجلی ہوئی اس کی فرحت میں سانس اتنی زور سے چھوڑا پسلی پر ضرب لگی اور وہ ٹوٹ گئی اسی وقت ایسا محسوس ہوا کہ غیب سے ایک ہاتھ نمودار ہوا جس میں ایک چمچہ کے اندر کوئی دوائی تھی، وہ ان کے منہ میں لگادی اس کے کھاتے ہی پسلی فوراً ہی جڑ گئی وہی حالت ہوگئی ؎

دردم نہفتہ بہ زطبیبان مدعی باشد کہ زخزانۂ غیبش دوا کند

انہوں نے یہ سب شیخ سے عرض کیا اس کے ساتھ یہ بھی محسوس ہوا کہ کہا جارہا ہے چوزہ کا شوربا چند روز تک پینا، انہوں نے شیخ سے یہ سب عرض کیا، فرمایا کہ فوراً چوزوں کا انتظام کرایا جائے اور کئی روز تک چوزے کھلائے گئے، اس کے بعد خلافت

عطاء ہوئی، شیخ نے فرمایا کہ میں خاندان چشتیہ کا فیضان ہندوستان سے لیکر آیا تھا تم ہی ہو جو میرے پاس سے اس فیضان کو ہندوستان لے جاتے ہو، مبارک ہو، وطن جاؤ اور اپنا نائب کامل بنا کر گنگوہ واپس فرمایا، وطن مالوف گنگوہ پہنچ کر ہدایت خلق میں مشغول ہوئے اور حضرت شیخ ابوسعیدؒ کی یہ کیفیت ہوگئی کہ دنیا و مافیہا سے لاتعلق رہتے تھے شہرت سے دور بھاگتے تھے مگر چونکہ اللہ کو آپ کا فیض عام تام کرنا تھا اسلئے شہرت ہوتی چلی گئی اور طالبین حق کا رجوع عام ہوا، یہاں تک کہ شیخ محب اللہ الہ آبادیؒ آپ کی طرف متوجہ ہوئے جو ایک عرصہ سے طلب حق کیلئے بے چین تھے۔

شیخ محب اللہ الہ آبادیؒ [1]

شیخ محب اللہ صدیقی الہ آبادیؒ ۲ر صفر یکشنبہ ۹۹۶ھ صدر پور نواح خیر آباد میں پیدا ہوئے، علوم ظاہریہ سے فراغت کے بعد علوم باطنیہ کی طلب میں سرگرداں تھے، اکثر مشائخین سے ملتے تھے مگر مدعا اور مطلوب حاصل نہ ہوتا تھا، آخر دہلی میں آکر خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے روضہ پر مراقب ہوئے، وہاں سے روحانی طور پر اشارہ ملا جو کہ

---

[1] صاحب نزہۃ الخواطر نے آپ کے حالات میں آپ کو اس طرح یاد کیا ہے: ''شیخ، عالم جلیل، علامہ محب اللہ (الہ آبادی) چشتیہ کے بڑے مشائخ میں شمار ہوتا ہے، طلبِ معاش کے لئے دہلی تشریف لائے تھے، وہاں ایک وزیر سے قربت اختیار کی جس سے ماضی کی شناسائی تھی، دل میں للّٰہیت کا داعیہ اور جذبہ پیدا ہوا تو سب کچھ چھوڑ کر زہد وعبادت میں لگ گئے، اور (اسی شوق وجذبہ کے پیش نظر) گنگوہ کا سفر فرمایا، اور یہاں آکر خدمت میں رہے حتیٰ کہ راہِ سلوک میں اونچے مقام تک پہنچے، بعدازاں خیر آباد کے مضافات میں ایک گاؤں ''صدر پور'' آئے اور ایک عرصہ تک یہیں مقیم رہے، پھر یہاں سے الہ آباد کے لئے پا بہ رکاب ہوئے اور الہ آباد میں ''نہر جمنا'' کے کنارے سکونت پذیر ہوئے، آپؒ نے کافی عرصہ فقر وفاقہ میں بسر کیا، پھر حق تعالیٰ نے رزق کے دروازے کھول دیئے، اور رزق کی فراوانی ہوگئی، اور بیس سال تک مسندِ ارشاد پر متمکن رہے (نزہۃ الخواطر ۳۵۰/۵)۔

درحقیقت من جانب اللہ تھا کہ حضرت شیخ ابوسعیدؒ کے پاس گنگوہ جاؤ! وہاں آج کل تکمیل کا بازار گرم ہے تمہارا حصہ وہاں ہے، اُدھر شیخ ابوسعید کو اشارۂ غیبی ہوا کہ میں نے محبّ اللہ کو آپ کے سپرد کردیا ہے یہاں پہنچے، شیخ پہلے ہی سے منتظر تھے اذکار اور اوراد و وظائف تعلیم فرما کر مسجد کے برابر حجرہ میں قیام وخلوت کے لئے حکم فرمایا، ابھی ایک چلہ بھی نہ گذرا تھا شیخ نے الجھے ہوئے مسائل وحدۃ الوجود جیسا مسئلہ واضح فرمادیا، اس کا قصہ یہ ہوا کہ آپ پر شیخ کی توجہ سے اللہ کی محبت اور عشق کا وہ حال طاری ہوا جو شیخ منصور حلاج پر طاری ہوا تھا اور آپ نے بھی ''انا الحق'' کا نعرہ مارنا شروع کیا، ایک روز یہی کیفیت تھی کہ حضرت شاہ ابوسعیدؒ فوراً اٹھ کر وہاں تشریف لائے جس وقت ان پر یہ حال طاری تھا اور ایک مخصوص توجہ دیکر فرمایا محبّ اللہ چہ میگوئی ''گفت اللہ گفت اللہ'' اس کے بعد ''انا'' فنا ہوگیا اور حق باقی رہ گیا اور انشراح تام حاصل ہوا اور ہر طرح سے روحانی تکمیل فرما کر بشارت ومژدہ سنایا کہ ہم نے تم کو اللہ تک پہنچادیا اور پورب کی ولایت تمہارے حوالے کردی ہے اور اجازت وخلافت سے نوازا۔

اس پر بعض خدام نے جو ایک زمانہ سے پڑے ہوئے تھے عرض کیا کہ حضرت یہ خدام ایک عرصہ سے پڑے ہوئے ہیں، ان کی طرف حضرت نے التفات نہیں فرمایا، یہ نووارد جن کی حاضری کو کچھ بھی زمانہ نہیں ہوا آپ نے ان کی تکمیل فرمادی، حضرت شیخ نے فرمایا **ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء** ،اس کے بعد ان کو نصیحت فرمائی کہ ہر شخص کا یکساں حال نہیں ہوتا بعض لوگ محتاج بڑے مجاہدوں کے ہوتے ہیں اور بعض کو تھوڑی سی مشقت میں تجلیات حاصل ہوجاتی ہیں، اجازت پر خود مولانا کو یہ خیال ہوا کہ میں اس کا اہل نہیں ہوا ہوں

لیکن اجازت کے ساتھ وہ توجہ حضرت شیخ کی ہوئی کہ خود مولانا نے فوراً عرض کیا کہ حضرت اس سے زائد کا مجھ میں تحمل نہیں، بس کیجئے بس کیجئے! (تاریخ مشائخ چشت رص ۲۲۱)۔

یہاں پر آکر سکون ہوا اور مسئلۂ وحدۃ الوجود[1] کو سمجھ کر کمال پیدا کیا اور واپس تشریف لے گئے، اور الہ آباد جاکر خلق خدا کو فیض رسانی میں مشغول ہوگئے اور آپ ہی سے آگے سلسلہ میں ترقی ہوئی جو سلسلہ آج گنگوہ کے بزرگوں کا جاری ہے اس میں آپ ہی کا زیادہ حصہ ہے، شہر الہ آباد میں بیس سال مسلسل فیض رسانی کے بعد ۹ / رجب ۱۰۵۸ھ مطابق ۱۶۴۸ء بروز شنبہ غروب آفتاب کے وقت یہ آفتاب ہدایت بھی غروب ہوا اور الہ آباد ہی میں مزار ہے، آپ کی تاریخ وفات قطب الشیوخ سے برآمد ہوتی ہے۔

شیخ کا تصرفِ روحانی

''سواطع الانوار'' میں ہے کہ ایک شخص جو بزرگوں کے حالات و کرامات کا منکر تھا آپ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا کہ میں خدا کی طلب میں آیا ہوں مگر ریاضت و مجاہدہ بس کافی ہے، فرمایا کہ ٹھیک ہے میں طالب خدا کو تین ضرب میں خدا رسیدہ کرتا ہوں، آپ نے ایک عصا لیا اور سر پر مارا، اول مرتبہ میں عالم ملکوت منکشف ہوا، دوسرا مارا تو عالم جبروت کھل گیا، تیسرا مارا عالم شہود سے بہرہ ور ہوا اور مرید ہوکر صاحب کمال ہوا، واللہ تعالیٰ اعلم۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کے فیضان کو اس قدر عام اور تام فرمایا کہ آپ سے ہزاروں افراد نے علم معرفت کا درس لیا، ان میں وہ حضرات جن کو حضرت اقدس نے اس کمال میں سند سے نوازا ہے ان کی تعداد بھی کثیر ہے۔

---

[1] اس کی کچھ تفصیل آگے آرہی ہے۔

شیخ علیہ الرحمہ کے خلفاء

مشاہیر خلفاء میں محبّ اللہ الٰہ آبادی رحمۃ اللہ علیہ جن کا تذکرہ اوپر آچکا ہے اور شیخ محمد صادق گنگوہیؒ، اور شیخ ابراہیم سہارنپوریؒ ہیں۔

وفات

۲ربیع الاول یا ربیع الثانی ۱۰۴۰ھ مطابق ۱۶۳۰ء میں حضرت شاہ ابوسعید صاحبؒ کا وصال ہوا ہے، گنگوہ میں ہی مزار ہے (تاریخ مشائخ چشتیہ ص ۲۲۰)۔

مسئلہ وحدۃ الوجود

چونکہ اس مسئلہ کا حضرات صوفیاءِ کرام کے یہاں کافی تذکرہ ملتا ہے پھر اکابر گنگوہ کو بھی اس کا ذوق رہا ہے اس لئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ کچھ نہ کچھ اس پر کلام کیا جائے، چنانچہ اولاً حضرت گنگوہیؒ کے کلام سے اس کا خلاصہ سنئے!

وحدۃ الوجود کی تحقیق! مسئلہ وحدۃ الوجود: یہ بات ثابت ہے کہ وجود حقیقی ذات پاک حق تعالیٰ ہی کے واسطے ہے اور باقی جملہ موجودات فانیہ موجود بوجود ظلّی ہیں اور ظلی بہ نسبت حقیقی کے کالعدم ہوتا ہے، پس مطلب ہمہ اوست کا یہ ہوا کہ جملہ موجود حقیقی واصلی وہ ذات پاک باقی ہے اور باقی جملہ موجودات معدوم وفانی ہیں، یہ عین توحید ہے اور حق ہے، نہ یہ مطلب ہے کہ جملہ موجودات ظلیہ کو اصلیہ حقیقیہ اعتقاد کر کے سب موجودات عدمیہ فانیہ کو، موجود حقیقی وعین ذات حق تعالیٰ قرار دیں معاذ اللہ! کہ یہ سخت شرک ہے، مطلب اول وثانی میں فرق زمین وآسمان کا ہے، اول مرادِ عارفین ہے اور ثانی ملحدین جاہلین۔ فقط رشید احمد گنگوہی (مجموعہ کلاں ص ۸۴)

اب درالمعارف رص ۸۴ر سے ملاحظہ کیجئے! کیا لکھتے ہیں:

اکابر کے صبر وتحمل کے ذکر کے بعد ان کے حالات میں جب وحدۃ الوجود کا ذکر آیا تو حضرت والا شیخ غلام علی نقشبندیؒ نے فرمایا کہ اس مقام کے مجتہد کانِ احادیث کے لعل، بحرِ فردیت کے موتی، جوہر وگوہر شیخ محی الدین العربی قدس سرہ ہیں، چنانچہ فرمایا:

لا آدمَ فِی الْکَوْنِ و لا اِبْلِیْسَ   لَامُلْکَ سلیمانَ و لابِلْقِیْسَ

فَالْکُلُّ عِبَارَتٌ وَاَنْتَ الْمَعْنٰی   یَامَنْ ھُوَ لِلْقُلُوبِ مَقْنَاطِیْس

(اس کائنات میں نہ تو آدم نہ ابلیس نہ ملک سلیمان اور نہ بلقیس ہیں یہ سب الفاظ ہیں اور تو معنی ہے، اے وہ ذات جو دلوں کے لئے مقناطیس کی کیفیت رکھتا ہے) اور اکثر اولیاء رحمہم اللہ تعالیٰ اسی (وحدۃ الوجود کے) بحرِ عرفان کے غوّاص (عرفان کے سمندر میں ڈبکی لگا کر موتی نکالنے والے) ہیں۔ اور مولانا مغربیؒ نے فرمایا:

قطعہ

ز دریا موج گونا گوں برآمد   ز بے چونی برنگ چوں برآمد

گہے در صورتِ لیلیٰ فروشد   گہے در کسوتِ مجنون برآمد

چو یار آمد زخلوت خانہ بیروں   ہموں نقشِ دروں بیروں برآمد

(دریا سے رنگ رنگ کی موجیں اٹھیں بیچوں سے چوں کے رنگ میں نکلی، کبھی اس نے لیلیٰ کی صورت اختیار کی تو کبھی مجنوں کے لباس میں وہ برآمد ہوا، جب یار خانۂ خلوت سے باہر آیا تو وہی نقشِ دروں یعنی پوشیدہ نقش باہر آگئے)۔ اور مولانا احمد جام رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

ما ز دریائیم و دریا ز ماست | ایں سخن داند کسے کو آشنا ست

(ا ہم دریا سے ہیں اور دریا ہم سے ہے، یہ بات وہی شخص جانتا ہے کہ جو اس سے آشنا ہے) اور مولانا عبدالرحمٰن جامی قدس سرہ نے فرمایا ہے:

چیست می دانی صدائے چنگ و عود | انت حسبی انت کافی یا ودود
ہست بے صورت جناب قدس عشق | لیک در ہر صورتے خود را نمود
در لباس حسن لیلیٰ جلوہ کرد | صبر و آرام از دلِ مجنوں رُبُود
پیش روئے خود ز عذرا پردہ بست | صد درِ غم بر رخِ وامق کشود
در حقیقت خود بخود می باخت عشق | وامق و مجنوں بجز نامے نبود

ترجمہ: (۱) تو کیا جانے کہ چنگ و رباب سے کیا صدا نکلتی ہے؟ یہی کہ تو ہی میرے لئے کافی ہے، تو ہی مجھ کو بس ہے اے چاہنے والے (۲) پاکیزہ عشق اگر چہ کوئی صورت نہیں رکھتا مگر ہر صورت میں جلوہ گر ہوتا رہتا ہے (۳) کبھی لیلیٰ کے حسن کے لباس کی صورت اختیار کی، کبھی مجنوں کے دل سے صبر و قرار اُچک لیا (۴) اپنے چہرہ پر جب عذرا (وامق کی محبوبہ) کا حجاب باندھا، تو وامق کے دل پر غم کے سینکڑوں دروازے کھل گئے (۵) دراصل عشق خود ہی کھیل کرتا ہے، ورنہ وامق و مجنوں سوائے نام کے اور کچھ نہ تھے۔

پس حضرت والا نے فرمایا کہ اگر حضرت مجدد الف ثانی قدسنا اللہ باسرارہ السامی ان تمام (توحید وجودی والے) اکابر کی طرف پوری ہمت کے ساتھ توجہ فرمائیں تو یقین

ا اس سلسلہ میں حضرت علامہ مولانا ابوالحسن علی ندویؒ نے تاریخ دعوت و عزیمت ص ۲۷۳ ج ۴ میں بہت تفصیل کے ساتھ کلام کیا ہے جس کو شوق ہو وہ اس کی مراجعت کرے، نیز اس سلسلہ میں علامہ بحر العلوم مولانا عبدالعلی لکھنوی کا بھی ایک مستقل رسالہ ہے۔

ہے کہ ان کو اس مقام سے عروج حاصل ہوگا، لیکن حضرت محی الدین ابن العربی قدس سرہ اس سمندر میں اس طرح ڈوبے ہوئے ہیں کہ ان کو لبوں تک ابھارلانا مشکل ودشوار ہے مگر یہ امید ہے کہ انکو بھی اس مقام سے عروج ہوسکتا ہے۔

نیز حضرت والا نے مشاہدۂ حق جل وعلا کے تذکرہ میں یہ شعر ارشاد فرمایا:

چو غلامِ آفتابم ہمہ زآفتاب گویم　　　نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیثِ خواب گویم

(چونکہ میں شمس (آفتاب) کا غلام ہوں اس لئے آفتاب ہی کی بات کرتا ہوں، نہ میں شب (رات) ہوں نہ شب پرست ہوں کہ خواب کی باتیں بیان کروں)۔

نیز ''درالمعارف'' میں لکھتے ہیں:

فدوی محفل پاک میں حاضر ہوا، حضرت والا نے فرمایا کہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت محی الدین ابن عربی اور حضرت مجدد الف ثانیؒ دونوں کے کلام میں تطبیق کی ہے اور توحید وجودی وتوحید شہودی کو محض لفظی نزاع قرار دیا ہے وہ (شاہ ولی اللہؒ) بڑے بزرگ شخص تھے اور انہوں نے نیا طریقہ نکالا ہے، لیکن اس مقام پر ان سے غلطی ہوگئی ہے (کیونکہ) حال کو قال سمجھ کر علمی گفتگو میں معارف کشفیہ کو لاکر مطابقت کرنے کی کوشش کی ہے، اور ان دونوں مقامات میں بڑا اور کھلا ہوا فرق ہے، جن حضرات کو حضرت مجدد کے معارف سے کچھ حصہ ملا ہے انہوں نے برملا دیکھا ہے کہ توحید وجودی ابتداء احوال میں یعنی لطیفۂ قلب کی سیر میں ظاہر ہوتی ہے اور لطیفۂ نفس کی سیر میں توحید شہودی کا انکشاف ہوتا ہے اور حضرت مجدد الف ثانی کے معارف ان دونوں مقامات سے آگے ہیں (یوں سمجھنا چاہئے کہ) حضرت محی الدین ابن عربی کے معارف کی حیثیت اگر ایک قطرہ کی سی ہے تو حضرت مجدد کے معارف ایک سمندر کی حیثیت رکھتے ہیں۔

چہ نسبت است بکُوہ آسمانِ عالی را

پہاڑ کو بلند آسمان سے کیا نسبت

اگر حضرت محی الدین ابن عربی حضرت مجدد کی حیات طیبہ میں بقیدِ حیات ہوتے اوران معارف کو سنتے تو سمجھتے اوران سے مستفید ہوتے۔

حضرت والا (شاہ غلام علیؒ) نے یہ بھی فرمایا کہ حق تعالیٰ بے نہایت ہے، حدنہیں رکھتا اس لئے کسی کی مجال نہیں کہ اس پاک بے نیاز کی انتہا کو پہنچ سکے، وہ وراء الوراءثم وراء الوراء ہے (یعنی جس بلند مرتبہ تک عقل بشری یا ادراک انسانی پہنچ سکے وہ پاک بے نیاز اس سے بھی آگے ہے)۔

اے اوّلِ تو ورائے اول حیراں زِ تو انبیاءؑ و مُرسَل

اے وہ ذات جو سب سے پہلے ہے! تو حدِ اول سے بھی پہلے ہے، یعنی ہمارے فہم جس حد کو پہنچیں تو اس سے بھی قبل ہے، تیری شان کو سمجھنے میں انبیاء ورسل بھی حیران ہیں۔

ہر شخص اپنے حوصلہ ومقدرت کے مطابق اس کی بارگاہ کی جانب لپکا ہے اور اپنی استعداد اور اپنی بساط بھر اس سے پایا ہے لیکن اس کی حقیقت تک کوئی پہنچ نہیں سکا۔

دور بینانِ بارگاہِ اَلَست غیر ازیں پے نبُردہ کہ ہست

بارگاہِ الست میں دور تک دیکھنے والے اس سے زیادہ نہ جاسکے کہ ’’وہ ہے‘‘

(درالمعارف ص ۲۱۶)

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک متعلق کے نام اس مسئلہ پر روشنی ڈالتے ہوئے اس طرح لکھتے ہیں جس سے آپ کا مسلک نظریہ اور عندیہ واضح ہوتا ہے، کیونکہ آپ وحدۃ الوجود کے بجائے وحدۃ الشہود کے قائل ہیں، دونوں کے فرق کو مندرجہ

تحریر سے سمجھنے میں کافی حد تک مدد ملتی ہے۔

سلمکم الله تعالیٰ و سبحانه وعصمکم عما یصمکم وصانکم عما شانکم (اللہ سبحانہ وتعالیٰ تمہیں سلامت اور داغدار کرنے والی چیزوں سے محفوظ رکھے اور تمہیں عیب کی باتوں سے بچائے) وہ توحید جو اس بلند گروہ صوفیہ کو راہِ سلوک وفقر میں میسر آتی ہے دو قسم پر ہے:

(۱) توحید شہودی (۲) توحید وجودی۔

توحید شہودی ایک ذات کو دیکھنا ہے یعنی سالک کا مشہود صرف ایک ہی ذات ہو اور توحید وجودی ایک ذات کو موجود جاننا ہے اور اس کے غیر کو معدوم خیال کرنا اور معدوم خیال کرنے کے باوجود کائنات کے آئینوں اور مظاہر کو ایک جاننا، پس توحید وجودی علم الیقین کے قبیل سے ہے اور توحید شہودی عین الیقین کی قسم سے، توحید شہودی اس راہ کے ضروری امور میں سے ہے، کیونکہ بغیر اس کے فنا متحقق نہیں ہوتی اور عین الیقین کی دولت بھی اس کے بغیر میسر نہیں آتی، کیونکہ ایک ذات کے غلبے کے باعث صرف اسے ہی دیکھنا اس کے ماسوا کو نہ دیکھنے کو مستلزم ہے، بخلاف توحید وجودی کے کہ وہ اس طرح نہیں یعنی ضروری نہیں ہے، کیونکہ علم الیقین توحید وجودی کی معرفت کے بغیر بھی حاصل ہے، علم الیقین اس ذات کے ماسوا کی نفی کو مستلزم نہیں، نہایت درجہ یہ ہے کہ اس کے ماسوا کے علم کی نفی کو مستلزم ہے جبکہ اس ایک کے علم کا غلبہ اور زور ہو۔

مثلاً ایک شخص کو وجود آفتاب کا یقین ہو، اس یقین کا غلبہ اس امر کو مستلزم نہیں کہ ستاروں کو اس وقت منتفی اور معدوم جانے، لیکن جب آفتاب کو دیکھا تو ستاروں کو نہیں دیکھے گا اور اس کے مشاہدہ میں صرف ایک آفتاب ہی ہوگا، لیکن اس وقت کہ ستاروں کو

نہیں دیکھ رہا، یہ ضرور جانتا ہے کہ ستارے معدوم نہیں ہیں، بلکہ یہ جانتا ہے کہ موجود تو ہیں مگر پوشیدہ ہیں اور آفتاب کے پرتو کے آگے مغلوب ہیں، یہ شخص اس جماعت کے ساتھ جو اس وقت ستاروں کے وجود کی نفی کر رہی ہے مقام انکار میں ہے اور جانتا ہے کہ ستاروں کے وجود کی نفی کرنا غیر واقعی بات ہے، بخلاف توحید شہودی کے کہ ایک ذات دیکھنے میں کچھ مخالفت نہیں، مثال کے طور پر طلوع آفتاب کے وقت ستاروں کے وجود کی نفی کرنا اور معدوم جاننا خلاف واقع ہے، لیکن ستاروں کو اس وقت نہ دیکھنے میں کچھ مخالفت نہیں بلکہ ستاروں کو نہ دیکھنا نور آفتاب کے ظہور کے غلبہ کے واسطہ سے دیکھنے والے کے ضعف بصارت کی بنا پر ہے، اگر دیکھنے والے کی آنکھ اسی آفتاب کے نور سے سرمگیں ہو جائے اور اپنے اندر قوت و استعداد پیدا کر لے تو عین اسی وقت ستاروں کو بھی آفتاب سے جدا دیکھے گی اور یہ دید حق الیقین کے مرتبہ پر ہے۔

پس بعض مشائخ کے اقوال جو بظاہر شریعت حقہ کے مخالف معلوم ہوتے ہیں اور بعض لوگ انہیں توحید وجودی پر محمول کرتے ہیں، جیسے ابن منصور الحلاج کا قول ''انا الحق'' اور بایزید البسطامی کا ''سبحانی'' کہنا اور اس طرح کے اور اقوال، اولیٰ اور انسب یہ ہے کہ انہیں توحید شہودی پر محمول کیا جائے اور عقل و شرع کے ساتھ مخالفت کو دور کیا جائے، چونکہ غلبۂ حال میں ماسوائے حق سبحانہ کے ہر شے ان کی نظر سے پوشیدہ تھی تو ایسے الفاظ ان سے صادر ہو گئے اور انہوں نے حق سبحانہ کے سوا اور کسی شے کو ثابت و موجود نہ مانا، ''انا الحق'' کا معنی ہے ''حق ہے میں نہیں ہوں'' جبکہ وہ اپنے آپ میں بھی نہیں دیکھتے تو اپنے آپ کو ثابت نہیں کرتے، یہ مطلب نہیں کہ یہ بزرگ اپنے آپ کو دیکھتا ہے اور خود اپنے کو حق کہتا ہے یہ مفہوم تو صریح کفر ہے، (ماخوذ از مکتوبات دفتر اول حصہ دوم رص ۳۰)۔

تذکرہ شیخ محمد صادق گنگوہیؒ

ان عظیم المرتبت ناقابل فراموش شخصیات میں جن پر سرزمین گنگوہ کی عظمت کا مدار ہے، ایک ہدایت وولایت کے درخشندہ کوکب حضرت شیخ محمد صادق گنگوہیؒ بھی ہیں، آپ شیخ فتح اللہ کے صاحبزادے ہیں صاحب نزہۃ الخواطر نے آپ کو ''الشیخ الصالح الفقیہ محمد صادق ابن فتح اللہ احدا الکبار المشائخ الچشتیہ'' کے الفاظ سے یاد کیا ہے (نزہۃ الخواطر ص ۴۰۸ رج ۵)

آپ نے اپنے عم محترم آسمان ولایت کے آفتاب و ماہتاب حضرت شیخ ابوسعیدؒ سے علوم روحانیت حاصل کئے اور ان کے خلیفہ ہوکر ان کے بعد گنگوہ میں مسند ارشاد پر فائز ہوئے سماع، وجد اور حال میں اعلیٰ مقام رکھتے تھے مگر یہ سب شرع کی پابندی کے ساتھ تھا، ظاہری شرع سے خروج بالکل نہ کرتے تھے، خوبصورت وخوب سیرت تھے ''صورت بھی حسیں آپ کی سیرت بھی حسیں ہے'' کا مکمل مصداق تھے۔

ایک بار شیخ محمد صادق اپنے شیخ ومرشد حضرت شاہ ابوسعیدؒ کی خدمت میں عید کے روز نہایت ہی عمدہ لباس میں حاضر ہوئے، آپ نے اسی وقت ان پر تصرف کیا اور عشق ومعرفت کی راہ میں مشغول کر دیا، ریاضتِ شاقہ مجاہدات کثیرہ کئے حتی کہ اس درجہ قوی النظر ہو گئے کہ جس پر نظر پڑ جاتی وہ آپ کا گرویدہ ہو جاتا تھا اور آپ سے بے اختیار محبت وعقیدت اپنے دل میں محسوس کرنے لگتا تھا اور آپ کی برکت سے عشق الٰہی کی ایک چوٹ دل میں پاتا جس کو کبھی نہ بھولتا تھا، سچ کہا ہے ؎

پہلی نظر بھی آپ کی اف کس بلا کی تھی　　　ہم آج وہی چوٹ ہیں دل میں لئے ہوئے

ایک نظر میں دلوں کی دنیا بدل دیا کرتے تھے اور دنیا کی محبت وتعلق بالکل معدوم

کر دیتے تھے، اللہ والوں کی نظر میں ایسی ہی تاثیر ہوتی ہے، چنانچہ ایک بار آپ سہار نپور کے بازار میں چلے جارہے تھے ایک غیر مسلم پر نظر پڑی اس نے جو پھر کر حضرت کو دیکھا فریفتۂ جمال ہوکر قدموں پر گر پڑا اور مسلمان ہوگیا اور خاص مرید ہوا، آپ نے اس کا نام عبدالسلام رکھا اور یہ شخص آپ کی برکت سے کمال تک پہونچا، آپ کا حال یہ تھا ؎

تصویر ہے کھینچی ہوئی ناز و نیاز کی　　　ہم سر جھکائے اور وہ خنجر لئے ہوئے

سچ کہا:

مجذوبِ نارسیدہ کو واصل بنادیا　　　ناقص کو اک نگاہ میں کامل بنادیا

نقشِ بتاں مٹایا دکھایا جمالِ حق　　　جس دل کو تم نے دیکھ لیا دل بنادیا

اتنا اٹھایا کہ صدر افاضل بنادیا

کرامات

غیر مسلموں کا اسلام قبول کرنا

بعض لوگوں نے اس طرح لکھا ہے کہ ایک بار سہارنپور کے کسی بازار سے گذر رہے تھے، دیکھا کہ بہت سے ہندو ایک بڑے بت کی پوجا کرتے ہیں، آپ بھی محو تماشہ ہوگئے کچھ دیر کے بعد وہ بت آپ سے کلام کرنے لگا اور آپ کی بے حد تعریف و مدح کی، یہ دیکھ کر بہت سے ہندو مسلمان ہوگئے اور بعض مرید بھی ہوئے۔

فائدہ: یہ آپ کا کوئی تصرف روحانی رہا ہوگا یا بطور کرامت کے اللہ پاک نے ان لوگوں کو ہدایت کا ایک ذریعہ بنانے کیلئے ایسا ظاہر فرمایا ہوگا، اولیاء اللہ کی کرامات برحق ہیں جو ان کو توحید میں کمال اور شریعت و سنت کی اتباع کے طفیل حاصل ہوتی ہیں اور جو چیزیں کفار اور فجار و فساق سے ظاہر ہوں ان کو ''استدراج'' کہا جاتا ہے وہ کرامات

کے ذیل میں نہیں آتیں۔ اللہ کی طرف سے وہ ایک استدراج ہے اور ان کو مزید گمراہی میں رکھنا مقصود ہے تاکہ وہ اسی میں بھٹکتے پھرتے رہیں۔

لب لگاتے ہی گویائی مل گئی

(۲) آپ کا ایک مرید شیخ عبدالحق نامی ایک گاؤں میں رہا کرتا تھا، شیخ کو اس سے بہت تعلق تھا، اس کے باغ میں ایک بار تشریف لے گئے، آپ نے فرمایا چند عدد آم لاؤ! وہ نہایت تلاش کر کے عمدہ چھ آم اور ایک آم کترا ہوا لائے اور آپ کے سامنے رکھ دئے، آپ نے کھانے کے بعد فرمایا، اللہ تعالی تجھ کو چھ بیٹے عطا فرمائے گا وہ صحیح سالم ہونگے مگر ایک ان میں سے ناقص پیدا ہوگا، چنانچہ شیخ علیہ الرحمہ کی پیشین گوئی کے مطابق ایسا ہی ہوا کہ چھ بیٹے اچھے اور ایک بیٹا گونگا پیدا ہوا، چند سال کے بعد شیخ محمد صادق علیہ الرحمہ پھر وہاں تشریف لے گئے، تمام لوگ آپ کیلئے مٹھائی لائے آپ نے وہ انہیں میں تقسیم فرمادی، عبدالحق کے تمام بیٹوں کو بھی تقسیم کردی، چھ بھائیوں نے اپنے ساتویں گونگے بھائی کی مٹھائی چھین لی اس نے شور وشغب کیا، آپ نے وجہ معلوم کی تو لوگوں نے بتادیا، آپ نے اس کو بلوایا اور اپنا لب اس کے منھ سے لگایا، اسی وقت اللہ نے اس کو گویائی عطا فرمائی، واللہ اعلم بالصواب (تذکرۃ الاولیاء)۔

آپ کی وفات ۱۸ رمحرم ۱۰۵۸ھ مطابق ۱۶۴۸ء میں ہوئی اور گنگوہ میں مولا بخش پیر والی مسجد کے متصل آپ کا مزار ہے، جس پر ایک خاص زمانہ میں بدعت وخرافات بھی ہوتی ہیں جس طرح کہ اور دوسرے مزاروں پر بہت سے مقامات میں خرافات ہورہی ہیں، لوگوں نے ان بزرگوں کی تعلیمات کو چھوڑ کر غیر مشروع و ناجائز

کاموں میں خود لگنا اور دوسروں کو لگانا شروع کردیا ہے، غیر اللہ کو سجدے کرنا چاہے مردہ ہو یا زندہ قطعاً حرام اور شرک ہے، اور ان سے منتیں ماننا اور ان پر چادریں، مرغے، بکرے اور دیگر اشیاء کو چڑھانا ہماری شریعت میں ان سب چیزوں کی کہیں سے کہیں تک کوئی گنجائش نہیں ہے، اللہ پاک سب کو ہدایت نصیب فرمائے اور ان بزرگوں کی تعلیمات پر چلنے اور چلانے کی توفیق بخشے، آمین۔

اس سلسلہ میں ایک سوال وجواب ''فتاویٰ محمودیہ'' کے حوالے سے پیش خدمت ہے۔

سوال: بزرگانِ دین کے عُرسوں میں شامل ہوکر وہاں کچھ کھانا پکا کر اور اس کو فی سبیل اللہ بغیر کسی خرافات کے تقسیم کرنا ٹھیک ہے یا نہیں؟ اور اس کا ثواب بزرگانِ دین کی ارواح کو پہونچانا درست ہے یا نہیں؟۔

الجواب حامداً ومصلیاً: مزارات پر جا کر کھانا پکوانا یا کھانا لے کر وہاں جانا اور تقسیم کرنا بدعت اور ناجائز ہے، ایصال ثواب کے لئے تاریخ مقرر کر کے اس کو شرعی حیثیت دینا درست نہیں (۱) عرس کرنا بدعت ہے، بلا کسی غیر ثابت پابندی کے جب دل چاہے ایصال ثواب کرنا، خواہ غریبوں کو کھانا، غلہ، کپڑا، نقد یا کسی بھی ضرورت کی چیز دیکر یا قرآن پاک، تسبیح، نماز پڑھ کر ہو، یا حج کر کے ہو غرض ہر نیک کام کر کے شرعاً درست اور باعث اجر وثواب ہے (۲) قبروں پر کبھی کبھی جا کر دعائے مغفرت اور ایصال ثواب کرنا اور اسلاف کو یاد کرنا بھی ثواب ہے (۳) لیکن مزارات پر پھول، چادر چڑھانا، سجدہ کرنا، طواف کرنا، قبروں کو چومنا، چراغ جلانا، ان کی ارواح سے رزق یا اولاد وغیرہ مانگنا، ان کی نذر ماننا، قوالی کرنا، یہ سب شرعاً ناجائز ہیں ان سے بچنا لازم ہے، بعض

چیزیں ایسی ہیں کہ وہ شرک کی حدتک پہنچی ہوئی ہیں، فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ یکم شعبان ۱۳۸۷ھ

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۲/۸/۱۳۸۷ھ

(فتاوی محمودیہ ج ۱۲/ص ۱۲۶)

شرک سے متعلق کچھ تفصیلات

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس جگہ پر شرک و بدعات کے تعلق سے کچھ تفصیل قارئین کے سامنے رکھی جائے، کہیں ایسا نہ ہو کہ بزرگان دین کی عقیدت میں غلو اور افراط کی وجہ سے ہم خدانخواستہ شرک میں مبتلا ہو جائیں اور دوسروں کو بھی اس میں مبتلا کریں، نام ہو بزرگوں کی عقیدت کا اور کام ہو مشرکانہ، جس سے وہ اہل اللہ بھی بیزار ہیں جن کے مزارات پر اور جن کی عقیدت کے عنوان سے یہ سب کچھ کیا جارہا ہے، وہ حضرات خود توحید پرست تھے، توحید کے قائل تھے اور اسی کے داعی و مبلغ تھے، اور توحید میں کمال اور فنائیت ہی ان کی زندگی کا محبوب مشغلہ تھا:

شرک کی حقیقت اور اس کا نقصان

''توحید'' اردو زبان میں ایک ماننے کو کہتے ہیں اور شرک کے معنی ساتھ ملانے کے ہیں۔ اولاً تو مسلمانوں پر یہی فرض ہے کہ اللہ تعالیٰ کی توحید کو جانیں اور شرک سے بچیں۔ توحید اس کا نام نہیں کہ خدا کو زبان سے ایک کہے اور اپنی حاجتوں اور مرادوں کے واسطے پیغمبر اور پیروں کی نذریں مانے اسی کا نام تو شرک ہے، بلکہ توحید کے یہ معنیٰ ہیں کہ صرف اللہ ہی کو ہر چیز کا مالک و مختار جانے اور یہ جانے کہ اس کے سوا پیر ہوں یا پیغمبر، فرشتے ہوں یا شہید کسی کو کچھ اختیار اس کے کارخانے میں نہیں، اس کے روبرو سب عاجز اور بے اختیار ہیں۔

اور شرک اس کا نام نہیں کہ آسمان وزمین کا مالک اللہ کے سوا کسی اور کو جانے یہ تو کوئی مشرک اور کافر بھی نہیں کہتا، وہ بھی یہی کہتے ہیں کہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا اللہ ہی ہے بلکہ شرک کے معنیٰ ہیں کہ اللہ نے جو چیزیں اپنے واسطے خاص کرلی ہیں ان میں کسی دوسرے کو بھی ملانا جیسے بارش کا برسانا، رزق کا دینا، بیمار کا اچھا کرنا، آفتوں اور بلاؤں سے بچانا، اولاد کا دینا، غیب کی بات جاننا، ہر جگہ پر حاضر وناظر رہنا، لوگوں کی مدد کرنا، مارنا، جلانا (زندہ کرنا) یہ سب کچھ اللہ ہی کے اختیار میں ہے، ان باتوں میں کسی دوسرے کا بھی اختیار سمجھنا بس یہی شرک ہے کہ جس کے مٹانے کے واسطے قرآن شریف اترا اور پیغمبر خدا کافروں سے لڑے، قرآن شریف میں ہزاروں جگہ اس کا بیان ہے اگر سب آیتیں لکھی جائیں تو مضمون طویل ہوجائے گا اس لئے چند آیتیں لکھی جاتی ہیں، دل سے پڑھنا چاہئے !!۔

ارشاد باری ہے "قُلْ لَا اَمْلِکُ لِنَفْسِیْ نَفْعاً وَّلَا ضَرّاً اِلَّا مَاشَآءَ اللّٰہُ وَلَوْ کُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَاسْتَکْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ وَمَا مَسَّنِیَ السُّوْٓءُ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ وَّبَشِیْرٌ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ" (سورۃ الاعراف پارہ ۹)۔ (اللہ تعالیٰ اپنے نبی سے فرماتا ہے کہ اے نبی!) تو کہدے کہ میں مالک نہیں اپنی جان کے بھلے کا نہ برے کا مگر جو اللہ چاہے، اگر جانا کرتا میں غیب کی بات تو بہت خوبیاں جمع کرلیتا اور مجھ کو برائی کبھی نہ پہنچتی، میرا کام سوائے اس کے کچھ نہیں کہ عذاب سے ڈراتا ہوں اور ثواب کی خوشخبری سناتا ہوں ایمان والے لوگوں کو۔

فائدہ: یہ تو سب جانتے ہیں کہ پیغمبر خدا کے برابر کوئی اللہ کا بندہ مقبول نہیں پھر جب انہیں کو خود اپنی جان کے نفع اور ضرر کا کچھ اختیار نہیں اور وہ بھی غیب کی بات نہیں جانتے تو امام اور پیر کس گنتی اور شمار میں ہیں۔ اس آیت سے صاف معلوم ہوا کہ مدد چاہنا اور حاجتیں

مانگنا سوائے اللہ کے اور کسی سے نہیں چاہئے، پیر ہوں یا پیغمبر، ولی ہوں یا شہید۔

سوال: بعض لوگ کہتے ہیں کہ پیغمبر خدا نے بہت سی چیزوں کی خبر دی ہے کہ آگے یوں ہوگا اگر ان کو علم غیب نہ تھا تو خبر کیوں کر دی؟ اور اولیاء کا بھی اسی طرح حال ہے۔ دیکھو! فلاں بزرگ نے کہا تھا کہ ہم فلاں روز مریں گے اور ویسا ہی ہوا، اور کسی سے کہا تھا کہ تیرے چار بیٹے ہوں گے تو چار ہی ہوئے۔

جواب: اس کا یہ ہے کہ یہ ان کو اللہ کے بتانے سے معلوم ہوا اس سے زیادہ کچھ معلوم نہیں، مشہور ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام، حضرت یوسف علیہ السلام کے غم میں رویا کرتے تھے معلوم نہ تھا کہ وہ کہاں ہیں، جب حضرت یوسف علیہ السلام مصر کے بادشاہ ہوئے تب ان کو ان کی خبر معلوم ہوئی اگر پہلے سے معلوم ہوتا تو کیوں روتے؟ اور کافروں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر تہمت لگائی تھی جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت رنج ہوا تھا جب بہت دنوں کے بعد خدا نے قرآن میں فرمایا کہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پاک صاف ہے، کافر جھوٹے ہیں تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا، اگر پہلے سے خبر ہوتی تو غم کیوں کرتے؟۔

پھر جب پیغمبروں کی حالت یہ ہے تو بھلا اولیاء کا کیا رتبہ؟ ہر ایک چیز کا حال جاننا آدمی کا کام نہیں یہ اللہ تعالیٰ کی شان ہے۔

مزارات پر مشرکانہ افعال

یہ مضمون ایک عربی کتاب ''ارکب معنا'' سے ماخوذ ہے جو عرب کے ایک نامور عالمِ دین ڈاکٹر محمد العریفی، ریاض (سعودی عرب) کی ایک قابل قدر تحریر ہے اس کا اردو ترجمہ عزیزم مولوی شمشاد احمد مظاہری مدرس جامعہ ہذا نے کیا ہے، جو ماہنامہ ''صدائے حق'' میں شائع ہوا، مفید سمجھ کر یہاں بھی پیش کیا جارہا ہے۔

ابوجہل وابولہب کے شرک اور آج کل قبر کے پاس ذبح کرنے والوں، مزار کے آستانوں پر سجدہ ریز ہونے والوں، غیر اللہ کے نام پر جانور کی قربانی پیش کرنے والوں، قبر کے اردگرد چکر لگانے والوں کے شرک کے مابین کوئی فرق دکھائی نہیں دیتا، یہ لوگ کسی بھی ولی کے مزار پر انتہائی عاجزی وانکساری، خشوع وخضوع کے ساتھ دست بستہ کھڑے ہوکر اس سے اپنی حاجتیں مانگتے ہیں اور اپنی پریشانیوں کا حل چاہتے ہیں، بوسیدہ ہڈیوں سے مریض کی صحت یابی اور مسافر کی بخیریت واپسی کی درخواست کرتے ہیں، ان کی عقلوں پر ماتم ہی کیا جاسکتا ہے!

باری تعالیٰ فرماتے ہیں''ان الذین تدعون من دون اللہ عباد امثالکم فادعوھم فلیستجیبو الکم ان کنتم صادقین'' یہ شرک جو قبروں اور مزارات پر کیا جاتا ہے، خواہ ان کے نام پر جانور کی قربانی ہو، یا اہلِ قبور کی رضا جوئی ہو، یا قبروں کے اردگرد چکر لگانا ہو، تمام گناہوں میں سب سے بڑا گناہ ہے، جی ہاں! یہ زنا کاری، شراب نوشی، قتلِ ناحق اور والدین کی نافرمانی سے بھی عظیم تر ہے، اس لئے کہ فرمان باری ہے''ان اللہ لایغفران یشرک بہ ویغفر مادون ذلک لمن یشاء'' دیکھئے! حق تعالیٰ نے شرک کے ماسوا تمام گناہوں کی بخشش کا وعدہ فرمایا، اللہ زانیوں کو بھی بخشدینگے اور قاتلوں وخطا کاروں کو بھی معاف کردیں گے، صحیحین کی روایت میں آپ ﷺ نے ایک واقعہ ذکر فرمایا'' کہ بنو اسرائیل کی ایک فاحشہ عورت جنگل سے گذر رہی تھی، اس کی نظر کنویں کے پاس موجود ایک کتّے پر پڑی (جو پیاس بجھانے کی غرض سے) کبھی تو کنویں کی منڈیر پر چڑھتا ہے، اور کبھی کنویں کے چاروں طرف گھومنے لگتا ہے، وہ گرمی کا سخت دن تھا (کتا) پیاس کی شدت سے اپنی

زبان باہر نکالے ہوئے تھا، قریب تھا کہ پیاس اسے ہلاک کر ڈالے، اس فاحشہ عورت نے جس نے نہ جانے کتنی بار اپنے رب کی نافرمانی کی تھی، دوسروں کو گناہ میں مبتلا کیا، اور خود فواحش و معاصی میں ملوث تھی، حرام مال اس کا لقمہ تھا، جب اس کتے کی یہ حالت دیکھی تو اس نے اپنا جوتا نکال کر دوپٹہ میں باندھا اور کنویں سے پانی نکال کر کتے کو سیراب کیا، اللہ جل شانہ نے اس عمل کی وجہ سے اس کی مغفرت کر دی، اللہ اکبر!۔

غور کیجئے! کہ اللہ نے اس کی بخشش کس سبب سے کی؟ آیا اس بنا پر کہ وہ رات بھر نماز پڑھا کرتی اور دن بھر روزہ رکھتی تھی؟ یا یہ کہ وہ اللہ کے راستہ میں شہید کر دی گئی تھی؟ ایسا کچھ بھی نہ تھا، صرف اس نے پیاس سے بے حال ایک کتے کو پانی پلایا تھا، اللہ نے اس کی مغفرت فرما دی، اصل وجہ یہ تھی کہ گرچہ وہ گناہوں میں ملوث تھی لیکن اللہ کی ذات پاک میں کسی ولی کو یا کسی صاحبِ قبر کو شریک نہیں سمجھتی تھی، اسکے دل میں کسی پتھر اور بشر کی عظمت نہ تھی، اسی لئے اللہ نے اس کو بخش دیا، ایسے حضرات ہوش کے ناخن لیں! اور سوچیں کہ کیا چیز مغفرت کو گنہ گاروں سے قریب لائی اور کس چیز نے مغفرت کو مشرکین سے دور کیا!!۔

کچھ لوگ فواحش، زنا اور شراب نوشی کی کثرت دیکھ کر تو بڑے غمزدہ اور بے چین ہوتے ہیں، لیکن قبر کے آستانوں کو چومنے والوں، اور مزارات پر طرح طرح کی عبادات اور خرافات کرنے والوں کو دیکھ کر ان حضرات کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی، بلاشبہ زناکاری اور شراب نوشی بڑے گناہ ہیں، لیکن یہ دین اسلام سے خارج نہیں کرتے، اسکے برخلاف غیر اللہ کی عبادت شرک ہے، اگر انسان اسی حالت میں مرجائے تو کافر شمار ہوتا ہے، اس وجہ سے علماء راسخین عقیدہ کی تدریس سب سے اہم قرار دیتے ہیں، (تدریس عقیدہ کتنی وقیع چیز ہے اس پر ایک واقعہ ملاحظہ کیجئے) ایک عالم نے ''توحید'' کی اہمیت پر ایک کتاب

مرتب کی، وہ اپنے طلباء کے سامنے اس کی تشریح کرتے، اور روزانہ اسی کے مسائل طلباء کے سامنے دُہرایا کرتے، طلباء نے ایک روز ان سے کہا استاذِ محترم! ہماری خواہش یہ ہے کہ آپ ہمیں اس کے علاوہ دیگر موضوعات مثلاً قصص، سیرت اور تاریخ پر درس دیا کریں! استاذ بولے: ان شاء اللہ میں اس سلسلہ میں غور کروں گا، اگلے دن وہ طلبا کے پاس آئے تو غمزدہ اور کسی فکر میں تھے، طلباء نے غم کی وجہ پوچھی، تو کہنے لگے ''میں نے سنا ہے کہ قریب کے ایک گاؤں میں ایک شخص نے اپنے نئے مکان میں رہائش کا آغاز کیا ہے، اسے جن سے اذیت رسانی کا اندیشہ ہوا تو اس نے ایک مرغ جن کا تقرب حاصل کرنے کی نیت سے گھر کے دروازہ کی چوکھٹ پر ذبح کیا ہے، میں نے ایک صاحب کو وہاں بھیجا ہے تاکہ وہ آکر مجھے حقیقتِ حال سے روشناس کرائے، طلبہ یہ واقعہ سن کر زیادہ متاثر نہ ہوئے بس اس شخص کے لئے ہدایت کی دعا کی اور خاموش ہو گئے، اگلے دن استاذ محترم آئے اور طلباء سے کہا کہ گذشتہ خبر کی تحقیقی رپورٹ یہ ہے کہ بات ویسی نہ تھی جیسی ہم تک پہنچائی گئی، اس شخص نے جن کی خوشنودی اور تقرب کے لئے مرغ تو ذبح نہیں کیا ہے، البتہ اس نے (نعوذ باللہ) اپنی والدہ سے زنا کیا ہے، یہ سنکر طلبہ نمناک ہو گئے، بے انتہا متاثر ہوئے اور اس شخص پر جی بھر کر لعن طعن کیا، اور کہا کہ ایسے شخص پر نکیر کرنا، راہِ راست پر لانا، اور کڑی سزا دینا بیحد ضروری ہے اور طلباء کا اضطراب، جوش وخروش بڑھتا ہی گیا۔

یہ منظر دیکھ کر استاذ محترم طلباء کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا تمہاری بات بڑی عجیب لگی، تم نے اس شخص پر تو نکیر کی جو کبیرہ گناہ میں ملوث ہوا، حالانکہ وہ گناہ اسے دین اسلام سے خارج نہیں کرتا اور ایسے شخص کے خلاف کہ جس نے شرک جیسے عظیم جرم کا ارتکاب کیا، تمہاری طرف سے کوئی نکیر یا سخت ردعمل سامنے نہ آیا، طلبہ پر خاموشی چھا گئی، استاذ محترم نے

ایک طالب علم کی طرف اشارہ کیا اور کہا، اٹھو اور ہمیں ''کتاب التوحید'' لا کر دو! ہم پھر سے اس کی تشریح کا آغاز کرتے ہیں۔

شرک سب سے بڑا گناہ ہے جسے اللہ کبھی معاف نہیں کرتے، اللہ نے فرمایا ''ان الشرک لظلم عظیم'' بیشک شرک ظلمِ عظیم ہے، مشرکین پر جنت حرام ہے، وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے، حق تعالیٰ نے فرمایا ''إنه من یشرک بالله فقد حرم الله علیه الجنة ومأواه النار وما للظالمین من أنصار'' جو آدمی شرک کا ارتکاب کرتا ہے شرک اس کی تمام عبادات، نماز، روزہ، حج، جہاد اور صدقہ وغیرہ کو ضائع کر دیتا ہے، فرمان باری ہے ''ولقد اوحی الیک والی الذین من قبلک لئن اشرکت لیحبطن عملک ولتکونن من الخاسرین''۔

شرک کی ایک قسمِ شنیع

شرک کی ایک قسم ایسی ہے جو دین سے خارج کر دیتی ہے، اگر اس کا مرتکب بلا توبہ کے مر جائے تو ہمیشہ ہمیش کیلئے جہنم میں داخل کر دیا جاتا ہے، جیسے غیر اللہ کو پکارنا، ان کے تقرب اور خوشنودی کے لئے جانور ذبح کرنا، غیر اللہ یعنی اہلِ قبور اور جن و شیاطین کیلئے منتیں ماننا، مردوں یا جنات و شیاطین کی طرف سے اس بات کا خوف رکھنا کہ وہ ہمیں ضرر یا مرض میں مبتلا کر سکتے ہیں، جو چیزیں صرف حق تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہیں مثلاً حاجات کا بر لانا، مصائب اور تکلیفوں کا دور کرنا، ان میں غیر اللہ سے امید وابستہ کرنا، علاوہ ازیں وہ تمام خرافات و شرکیات جو مزاروں اور قبروں پر رونما ہوتی ہیں۔

حدیث پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ قبروں کی زیارت کی مشروعیت حصولِ عبرت اور مرحومین کے حق میں دعاء مغفرت کیلئے ہوئی ہے، جیسا کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا''

قبروں کی زیارت کرو کہ وہ تمہیں آخرت کی یاد دلاتی ہیں'' لیکن قبروں ومزارات پر اس نیت سے جانا تا کہ اہلِ قبور سے دعا مانگیں، ان سے مدد چاہیں، ان کے نام پر جانور ذبح کریں، یا ان سے تبرک کا حصول مقصود ہو، یا حاجت برآری کی درخواست ہو اور ان کے نام پر منت ماننا ہو یہ سب باتیں شرک میں داخل ہیں، قطع نظر کہ مدفون شخص اللہ کے نبی ہوں، یا ولی ہوں یا کوئی بندۂ صالح ہوں۔ کیونکہ یہ تمام حضرات بہر حال ایک انسان ہیں جن کو دوسروں کے نفع وضرر کا اختیار تو کیا ہوتا خود اپنے نفع ونقصان سے سروکار نہیں ہے، حضور ﷺ تمام مخلوق میں اللہ کے سب سے زیادہ محبوب بندہ ہیں اللہ نے ان سے ارشاد فرمایا ''قل لا املک لنفسی نفعا و لا ضراً '' اے نبی! آپ ان لوگوں سے کہہ دیجئے کہ میں بھی اپنے نفع ونقصان کا مالک نہیں ہوں۔

تعجب ہے کہ مسلمان شخص یہ جاننے کے باوصف کہ قبروں ومزارات میں دفن شدہ افراد، مردہ لاشے اور بوسیدہ ڈھانچے ہیں، وہ اپنے اوپر پیش آمدہ احوال سے نپٹنے کے اہل نہیں پھر بھی ان سے توقعات وابستہ رکھتا ہے!! عموماً ان مزارات پر پختہ عمارات موجود ہیں وہاں بہت سے سجادہ نشین، مجاورین رہتے ہیں جن کا تقویٰ بناوٹی اور طرزِ عمل زاہدانہ ہوتا ہے وہ من گھڑت خرافات عوام الناس کے سامنے پیش کرتے ہیں اور انہیں شرک وبدعات میں مبتلا کرتے ہیں۔ (بہ شکریہ ماہنامہ ''صدائے حق'' گنگوہ شمارہ نمبر ۴۹)

آپ کے خلفاء

آپ کے خلفاء میں آپ کے دو بیٹے شیخ داؤد اور شیخ محمد ہیں اور شیخ ابراہیم مرادآبادی اور شیخ عبدالجلیل الہ آبادی ہیں (نزہۃ الخواطر ص ۴۰۸ ر ج ۵)۔

حضرت شیخ داؤد گنگوہیؒ

شیخ داؤدؒ جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے کہ آپ شیخ محمد صادق کے صاحبزادے ہیں اللہ تعالیٰ نے علونسبی کے ساتھ علو رتبی، شرافت وفضیلت اور کشف وکرامات بھی عطا فرمائے تھے صاحب نزہۃ الخواطر نے ر ص ۱۵۸ ر ج ۵ ر میں ''احد الرجال المعروفین بالفضل والصلاح'' سے آپ کو یاد فرمایا ہے، مشاہیر میں آپ کا شمار ہوتا ہے، آپ سرزمین گنگوہ کی مایۂ ناز وافتخار ہستی ہیں، تصرف وہمت میں اعلیٰ مقام پر متمکن تھے، ''مرأۃ الاسرار'' اولیاء اللہ کے حالات میں ایک کتاب ہے جو آپ کے عہد میں لکھی گئی ہے، اس کے مؤلف نے لکھا ہے کہ اوائلِ عمر ہی میں آپ کو طلب حق کی تلاش ہوگئی تھی، اس لئے اپنے والد شیخ محمد صادق کی خدمت میں بغرض اصلاح وتربیت روحانی حاضر ہوکر باضابطہ بیعت ہوئے اور خوب ریاضت ومجاہدہ کیا نماز روزہ، ذکر اللہ، تلاوت، توبہ، استغفار، تقویٰ وپرہیز گاری کو اپنا شعار بنایا، شرک وبدعت سے بچنا اور دوسروں کو توبہ کرانا آپ کا مقصد حیات بن گیا اور ذکر اللہ اس کثرت سے کیا کہ بکثرت آپ سے کشف وکرامات کا صدور ہونے لگا، اپنے والد ماجد سے آپ کو اجازت وخلافت حاصل ہوئی اور ان کے بعد ان کی مسند پر بیٹھے اور حق کی اشاعت، شریعت وسنت کی ترویج میں سرگرم ہوگئے، اور شرک وبدعت غلط قسم کے رسوم ورواج اور بداخلاقی سے لوگوں کو بچانے میں بہت حصہ لیا اور ایک خلق کثیر آپ سے فیضیاب ہوئی، یہاں تک کہ شیخ ابوالمعالی انبہٹویؒ[1] آپ کی طرف متوجہ ہوئے اور آپ کے خلیفہ ہوئے۔

---

[1] شیخ ابوالمعالی انبہٹویؒ اپنے دور کے بہت بڑے بزرگ گزرے ہیں، قصبہ انبہٹہ ضلع سہارنپور میں پیدا ہوئے اور وہیں نشونما ہوئی، یہی قصبہ مشہور عالم، عارف، محدث، فقیہ، مفسر، مناظر، بلند پایہ بزرگ حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ مصنف بذل المجہود شرح ابوداؤد کا وطن ہے، شیخ ابوالمعالی نے علم ومعرفت شیخ صادق اور شیخ داؤدؒ سے حاصل کئے اور شیخ داؤدؒ کے خلیفہ ہوکر حق کی اشاعت کا کام کیا، آپ سے خلقِ کثیر کو فیض پہونچا، آپؒ انبہٹہ میں مدفون ہیں، صاحبِ نزہۃ الخواطر نے آپ کو الشیخ الکبیر احدالمشائخ المشہورین فی الھند کہہ کر یاد کیا ہے (ص۲۰ ر ج۶)۔

آپ کے چند ملفوظات

آپ سے معلوم کیا گیا کہ فقیر سالک بخدا کب ہوتا ہے؟ فرمایا جب اس کا فقر تام ہو جائے یعنی جملہ لوگوں سے کٹ کر صرف ذات باری تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جائے اور خلق سے امیدیں چھوڑ دے، نیز آپ سے معلوم کیا گیا کہ بندہ اللہ کا نام لینے کے لائق حقیقت میں کب ہوتا ہے؟ فرمایا جب ''اللہ احد'' اس قدر کثرت سے کہے کہ سب فنا ہو جائے اور وہی باقی رہ جائے، آپ سے کثرت کے ساتھ کرامات کا صدور وظہور ہوا ہے، چنانچہ بعض کرامتیں یہاں ذکر کی جاتی ہیں۔

آپ کی کرامات

منقول ہے کہ جب اورنگ زیب عالم گیرؒ ۱۰۶۰ھ میں تخت سلطنت پر متمکن ہوئے، بعض اعیان نے دربار میں شکایت کی کہ شیخ داؤد وجد وسماع میں مبتلا رہتے ہیں بادشاہ وقت نے حکم امتناعی روانہ کر دیا اور شیخ کو دربار میں طلب کر لیا گیا، شیخ داؤدؒ پہنچے ادھر سے ملا عبدالقوی جو فقراء مشائخ کے اس طرز (سماع وجد وغیرہ) کو بدعت سمجھتے تھے [1] شیخ سے مناظرہ کرنے کے لئے سامنے آئے اور معلوم کیا کہ سماع کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ شیخ نے فرمایا جو اس کا اہل ہو اس کے لئے جائز ہے، اگر حقیقتِ حال

---

[1] نوٹ شیخ داؤدؒ کا سماع بھی اسی انداز کا تھا جو شیخ عبدالقدوسؒ کے حالات میں گزر چکا ہے وہاں پوری تفصیل کی طرف مراجعت کریں، نیز وہاں خود شیخ داؤدؒ کا قول بھی گزر چکا ہے کہ ہم تو تالی بجانے کو بھی جائز نہیں سمجھتے ہیں، حضرت گنگوہیؒ سے کسی نے پوچھا کہ کیا شیخ عبدالقدوس کے یہاں سماع مع المزامیر ہوتا تھا؟ فرمایا بالفرض اگر سنتے ہی تھے تو رات کو چار سو رکعت بھی تو پڑھتے تھے اور تمہیں کبھی دو رکعت بھی پڑھنے کی توفیق نہیں ہوتی۔

معلوم ہی کرنا چاہتے ہوتو پھر چلو وہ چلدیئے، نعت خواں لوگوں کو طلب کرلیا گیا اور مجلس گرم ہوئی شیخ نے جام توحید نوش فرمایا اور مست ہوگئے اور مناظر سے فرمایا اے جاہل! یہ کہنا تھا کہ وہ سب علم فراموش کرگئے، اس لئے گریہ وزاری شروع کی اور معافی کے خواستگار ہوئے، شیخ کو رحم آیا اور فرمایا اے ملک العلماء! صوفیوں کو کیوں پریشان کرتے ہو؟ یہ فرمانا تھا کہ سب کچھ علم لوٹ آیا اور بدل وجان مرید ہوئے، صاحب ''اقتباس الانوار'' نے لکھا ہے کہ انتقال پر ملال سے تین روز پہلے اپنے چھوٹے بھائی شیخ محمدؒ سے فرمایا کہ میری قبر کی تیاری کرو تین روز سے میں رسول مقبول ﷺ کی زیارت کررہا ہوں، اس کے بعد چند نصائح فرمائی اور انتقال فرمایا، یہ ۱۰۹۵ھ کا واقعہ ہے، آپ کے خلفاء میں شیخ سوندھاؒ اور شیخ ابوالمعالی چشتی صابری انبہٹویؒ بہت مشہور ہیں، واللہ اعلم بالصواب۔

تذکرہ شیخ عبدالنبی نعمانی گنگوہیؒ

آپ اپنے دور کے شیخ الاسلام عظیم محدث اور بہت بڑے فقیہ تھے اور ہندوستان کی مشہور عالم شخصیات میں شمار کئے جاتے ہیں آپ قطب العالم شیخ عبدالقدوسؒ کے پوتے ہیں، والدمحترم کا اسم گرامی احمد ہے۔

مقامِ ولادت

آپ کا مقامِ ولادت گنگوہ ہے یہیں آپ کی نشونما ہوئی، ابتداءً علوم دینیہ اسی دیار و بلاد کے علماء سے حاصل کئے، آپ علوم معارف کے ماہر تھے صاحب نزہۃ الخواطر نے رص ۱۹۶رج ۴ر پر ''احد العلماء المشھورین فی الارض الھندیہ'' سے آپ کی ذات کو تعبیر کیا ہے، حضرت مولانا عبدالحیؒ نے طرب الاماثل میں رص ۲۸۳ر پر تحریر فرمایا ہے:

قد کان مولانا عبدالنبیؒ من العلماء الصالحین والفضلاء العاملین۔

حرمین شریفین کا سفراور ذوقِ حدیث

حرمین شریفین کا کئی بار سفر فرمایا وہاں جا کر بڑے بڑے علماء سے حدیث شریف کا علم حاصل کیا، خاص طور پر آپ کو حافظِ وقت، علامۂ دوراں، امام حدیث شیخ شہاب الدین احمد ابن حجر مکی ہیثمیؒ سے بھی سماعِ حدیث کی سعادت حاصل ہوئی، چنانچہ آپ نے اپنی کتاب ''سنن المصطفیٰ''میں جو علم حدیث پر نہایت شاندار کتاب ہے علامہ ابن حجر سے آپ نے حدیث سننے کی صراحت فرمائی ہے، بندہ راقم السطور نے اس کتاب کی زیارت کی ہے فللہ الحمد، یہ حافظ ابن حجر عسقلانی شارح بخاری کے علاوہ ہیں

اس کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو حدیث میں کس قدر بلند مقام حاصل تھا، جو عام طور پر لوگ نہیں جانتے، اس طرح گنگوہ کی سرزمین گویا نویں صدی ہجری سے علم حدیث وفقہ، اسرارِ تصوف سے مشرف ہے **فهنيئاً لاصحاب گنگوه۔**

ردبدعات اور وطن سے اخراج

کیونکہ شیخ عبدالنبیؒ کو کبار علماء فقہاء ومحدثین کی خدمت میں رہنے کا طویل موقع ہوا تھا، اسلئے آپ کے اندر محدثین وفقہاء کا مذہب بڑی قوت وشدت کے ساتھ راسخ ہوگیا تھا اور آپ اس کے خلاف کسی چیز کو پسند نہ کرتے تھے، چنانچہ آپ جب حرمین شریفین کے سفر سے واپس اپنے وطن گنگوہ پہونچے اور اپنے خاندانی بعض بزرگوں کو جس میں خود ان کے والد بھی تھے کچھ چیزوں میں یعنی سماع وجد، مسئلہ وحدۃ الوجود، عرس اور رسوم مشائخ میں مبتلا دیکھا تو ان سے سخت اختلاف کیا اور خالص سنت کی دعوت دی اور اس پر براہین ودلائل پیش کئے، جب یہ مخالفت بہت زیادہ شدت اختیار کرگئی تو آپ کے والد و چچا وغیرہ نے آپ کو یہاں سے نکالدیا، یہ نکالا جانا آپ کی ترقی کا باعث بنا چونکہ یہ وطن سے اخراج خالص سنت کی نصرت وحمایت اور بدعات کی تردید واصلاح کی بنا پر ہوا تھا جس کا صلہ ان کو سربلندی واقبال مندی سے ملنا ہی تھا، جیسا کہ مختلف آزمائشوں اور پریشانیوں کی وجہ سے اللہ کے دیگر صالح بندوں نے جب اہل وعیال وطن ومال وغیرہ کو ترک کیا تو اللہ پاک نے ان کو سرخروئی اور بلندی پر پہونچایا، ایسا ہی شیخ عبدالنبیؒ کے لئے منجانب اللہ مقدر ہو چکا تھا اور یہ قصہ آئندہ عروج کے لئے ذریعہ بن گیا۔

صدارتِ عظمیٰ پر فائز ہونا

وطن محبوب گنگوہ کو ترک کر کے دارالسلطنت دہلی کو روانہ ہوئے یہ سلطان جلال الدین اکبر کا دور تھا اور یہ اس کا وہ دور تھا جب شاہ اکبر علماء، صلحا، فقہاء اور بزرگوں کا نہایت احترام کرتا تھا، ان کا قدرداں تھا، علم اور متعلقات علم پر فدا تھا اور یہ دور اس کا عملی لحاظ سے اعلیٰ کردار کا حامل تھا، شاہ اکبر کو ایسے علماء کی اشد ضرورت تھی، جب اس کو شیخ عبدالنبیؒ کے بارے میں معلوم ہوا تو اس نے شیخ عبدالنبیؒ کو طلب کرلیا اور اپنے یہاں صدارت عظمیٰ کا منصبِ جلیل جو اس دور کا سب سے بڑا عہدہ مانا جاتا تھا پیش کیا، اب آپ ہندوستان کے طول وعرض میں سب سے بڑے قاضی، (چیف جسٹس) بنادئے گئے، یہ ۹۷۱ھ کا واقعہ ہے۔

شیخ عبدالنبیؒ اپنی شکل وصورت اور عالمانہ وجاہت اور رفتار و گفتار سے بارعب اور باوقار شخص تھے، شیخ کی شاہ اکبر سے برابر ملاقاتیں ہونا شروع ہوگئی وہ آپ کے علم وفضل رفتار و گفتار سے بیحد متأثر ہوا اور آپ کا حد درجہ اکرام وتعظیم کرنے لگا، اس کے اکرام کی انتہا ہوگئی کہ شیخ عبدالنبیؒ سے حدیث شریف سننے کے لئے ان کو بلانے کے بجائے خود ان کے مکان پر حاضر ہوکر احادیث وعلوم دینیہ سے فیضیاب ہوتا تھا اور شیخ کی جوتیوں کو اپنے لئے سرمایۂ سعادت تصور کرتا اور ان کو سیدھی کر کے رکھتا تھا، بس ہر وقت شیخ کے اشارہ کا منتظر رہتا جیسا فرمادیتے سرِ مو روگردانی نہ کرتا تھا، اور بقول حضرت علامہ مولانا عبدالحی لکھنوی ابوالحسناتؒ کے یہ تعظیم بلیغ کیوں نہ کرتا؟ جب کہ شیخ عبدالنبی علمائے صالحین وفضلائے عاملین میں سے تھے اور محدثین وفقہاء کے گروہ میں سے تھے اور اپنے اوصاف وکمالات میں ممتاز تھے (طرب الاماثل بتراجم الافاضل ص۲۸۳)۔

شاہی اعزاز اور حسد

"الناس علی دین ملوکھم" جب رعایا نے اپنے بادشاہ کو جو اس دور کا سب سے بارعب اور طاقتور بادشاہ سمجھا جاتا تھا پورے ملک کے سیاہ اور سفید کا مالک تھا اس قدر تعظیم کرتے دیکھا تو ان کے اندر شیخ کی عظمت ومقبولیت اور عزت واحترام انتہائی درجہ پر پہونچ گیا، یہ دیکھ کر ایک طبقہ آپ کے حسد میں مبتلا ہو گیا جیسا کہ یہ اکثر شخصیات کے ساتھ ہوا کرتا ہے، کہ جب اللہ پاک کسی کو کوئی مقام ومرتبہ دیتے ہیں اور اس کے متعلقین اور محبین کی تعداد میں اضافہ ہوتا ہے تو وہیں ایک طبقہ حسد اور دشمنی میں مبتلا ہو جاتا ہے اور پھر وہ اپنے حسد کی آگ کو ٹھنڈا کرنے کیلئے جو نہ کرنا چاہئے وہ سب کچھ کر گزرتا ہے، چاہے اس کے لئے اس کو کتنا ہی جھوٹ کذب وافتراء اور بہتان اور اپنے محسود کو ایذا پہونچانے کیلئے کتنے ہی سہارے لینے پڑیں، حسد وہ بیماری اور مرض ہے جو سب سے پہلے وجود میں آئی جس کے نتیجہ میں قابیل نے ہابیل کو مارا اور بہت سارے انبیاءؑ اور انسان شہید وہلاک کئے گئے، یہاں تک کہ یہود نے سرور عالم ﷺ کو زہر تک دیا اور قتل کرنے کی کفار کے ساتھ مل کر متعدد بار اسکیمیں اور پلان بنائے، محض اس وجہ سے کہ آپ ﷺ ان کے خاندان سے نہیں تھے، یہی سلسلہ پوری دنیا بھر میں چلتا رہا ہے حکومتیں ادارے، مدرسے، جماعتیں، تنظیمیں کوئی جگہ اور کوئی دور اس رذیلہ اور خبیث مرض کی گل کاریوں سے خالی نہیں رہا، ماضی قریب کے واقعات بھی اسی کا نتیجہ ہیں۔

اور خاص طور پر وہ شخصیات جو علمی روحانی اور حکومتی مناصب اور عہدوں پر فائز رہیں ان سب کو اس سے ابتلاء اور پالا پڑتا رہا، اس میں ائمہ اربعہ صوفیاء فقہاء اور منتظمین

ومدرسین وغیرہ سبھی کو گرفتار ہونا پڑا، اسی رذیلہ نے خوامخواہ کے انقلابات کراکر شیطان اوراس کے اعوان کومسرت وشادمانی کے مواقع فراہم کیئے، علمی وجاہت کے ساتھ شیخ عبدالنبیؒ کو مالی اعتبار سے بھی جو وسعت اور فراخی اس عہدۂ جلیلہ پر فائز ہونے کے بعد حاصل ہوئی تھی جس کی وجہ سے آپ ایک بے تاج بادشاہ محسوس ہوتے تھے۔

اس زمانہ کے حالات پر مؤرخِ شہیر عبدالقادر بدایونی کا تبصرہ

ان حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے شیخ عبدالقادر بدایونی جو اس دور کے مشہور مؤرخ ہیں جو صاف گوئی اور بے لاگ تبصرہ وتنقید میں اپنی مثال نہیں رکھتے، انہوں نے اپنے ولی نعمت اور محسن سلطان اکبر کو بھی معاف نہیں کیا، یہ علامہ عبدالقادر بدایونی آپ کے تقوی وطہارت، شرافت وعبادت اور ظاہری محاسن وکمالات کے بھی قائل ہیں، انہی کا قول ہے کہ چند سال کا عرصہ اسی طرز پر گذر گیا کہ شیخ عبدالنبیؒ نعمانی کا ہندوستان میں طوطی بول رہا تھا اور ہر خاص وعام کے دل ودماغ پر آپ کا تسلط تھا، آپ کی مقبولیت عام وتام تھی اور آپ کا اقبال پورے عروج پر تھا کہ دربار اکبری میں ابوالفضل فیضی جیسے فتنۂ زمانہ، رسوائے روزگار، دنیا وجاہ پرست علماء داخل ہوگئے، جس کے بعد شیخ کی داستانِ عروج داستانِ زوال میں تبدیل ہوگئی اور آپ کے پرانے دوست جو ایک زمانہ میں آپ کے بہت قریب تھے وہ بھی اس کا باعث بنے، جیسا کہ اس زمانہ میں بھی ایسا بہت دیکھنے میں آتا رہتا ہے، ابوالفضل فیضی بھی ظاہری علم وفن کے اعتبار سے بہت آگے تھے، بادشاہ کے قریب ہوتے چلے گئے اور اس قدر قریب ہوئے کہ بادشاہ کی ساری توجہ اپنی طرف کھینچ لی اور دیگر علماء صلحاء سے اس کو بدظن کرنے میں کامیاب ہوگئے، شیخ عبدالنبیؒ کے متعلق بادشاہ کو غلط سلط، طرح طرح کی شکایات پہونچائیں اور ان کو ان کے مقام سے

نیچے اتارنے کیلئے جو اسکیم اور پلان فتنہ وسازش کر سکتے تھے کمی نہ چھوڑی، ادھر اتفاق سے اس زمانہ میں بادشاہ شہر فتح پور میں تھا۔

متھرا کے اندر مسجد کی تعمیر اور ایک غیر مسلم کی گستاخی

یہ قصہ پیش آیا جو ان کے لئے بہترین ہتھیار ثابت ہوا کہ متھرا شہر میں قاضی عبدالرحیم ایک مسجد تعمیر کرنا چاہتے تھے، جس پر بعض برہمن ہندوؤں نے جن کی وہاں خاصی تعداد رہتی تھی شدید ردعمل کیا اور مسجد کی تعمیر میں رکاوٹ بن گئے بلکہ ایک برہمن نے آ کر رات ورات وہ سامان اٹھا کر مندر کی تعمیر میں لگا دیا، جب مسلمانوں نے اس سے باز پرس کی تو وہ اسلام اور سرور کائنات ﷺ کی شان میں گستاخیاں کرنے لگا، بات جب زیادہ بڑھ گئی تو شیخ عبدالرحیم نے اس کو بلایا، قاضی عبدالرحیم نے یہ قصہ شیخ عبدالنبیؒ کو لکھا کیونکہ وہ چیف جسٹس تھے تو معاملہ ان تک پہونچانا ضروری تھا تو شیخ عبدالنبیؒ نے اس گستاخ کو طلب کیا مگر وہ نہیں آیا، تو بادشاہ نے ابوالفضل اور بیربل (اکبر کا خاص ہندو وزیر) کو متھرا بھیجا تاکہ اس کو لائیں، ابوالفضل متھرا سے تحقیق کر کے واپس ہوئے اور کہا کہ سب اہل متھرا کہتے ہیں کہ اس بدبخت نے اہانت رسول اللہ ﷺ کا ارتکاب کیا ہے، اب اس مسئلہ پر علماء دو حصوں میں بٹ گئے، ایک گروہ کہتا تھا یہ کمبخت منحوس گستاخ رسولؐ واجب القتل ہے اور دوسرا گروہ تعزیر وسزا کا قائل تھا، مسئلہ کو مناظرہ کی شکل دیدی گئی، چونکہ شیخ عبدالنبیؒ کی رائے مصلحت شرعیہ کی بناء پر قتل کی تھی، حضرت نے بادشاہ سے اجازت لی مگر اس نے قتل کی اجازت صراحۃ تو نہیں دی مگر انکار بھی نہیں کیا جس سے اس کی اجازت سمجھی گئی، حالانکہ بار بار شیخ جب بادشاہ سے پوچھتے تھے تو وہ کہدیا کرتا تھا کہ

شرعی معاملات کا تعلق تو آپ حضرات سے ہے اور آپ لوگ اس بارے میں زیادہ جانتے ہو مجھ سے مت پوچھو، ادھر اندر اندر کچھ کافر عورتیں جو اکبر کے گھر میں تھیں اور جن کا اندر اندر اچھا خاصہ اثر رسوخ تھا وہ اس کی سفارش کر رہی تھیں اور اس کو بچانے کے لئے پورا زور لگا رہی تھیں، جن سے اکبر بھی متاثر تھا اور اس کی سوچ بھی یہی تھی کہ قتل نہ ہو لیکن وہ مصلحتاً صاف کہنے سے گریز کر رہا تھا، کیونکہ اس سے اس کی سیاست متاثر ہوتی تھی، کیونکہ ایک طرف تو مسلمانوں اور دین کا مسئلہ تھا اور دوسری طرف ہندوؤں کا اور دونوں بڑے فریق تھے، جیسا کہ اس طرح کے معاملات میں اکثر ارباب سیاست اور سلطنت گومگو کی پالیسی اختیار کیا کرتے ہیں اور گول مول باتیں کہا کرتے ہیں، جیسا کہ ہم رات دن اپنے دور کے سیاسی لوگوں کے بیانات معاملات پڑھتے اور دیکھتے ہیں کہ اگر کوئی مسلمان کسی علاقہ کا لیڈر رہوتا ہے اور وہاں ہندوؤں کی خاصی تعداد ہوتی ہے تو وہ ان کی حد درجہ رعایت رکھتا ہے، چاہے اس کو اسلامی اصول سے کیوں نہ ہٹنا پڑے۔

جب شیخ بار بار کے استفسار سے مایوس ہوگئے اور وہ ہر بار یہی کہتا تھا کہ یہ چیزیں آپ لوگوں سے متعلق ہیں میں کیا جانوں؟ تو شیخ نے اپنی پاور اور طاقت کو استعمال کرتے ہوئے اور شرعی نقطۂ نظر سے اس وقت کے حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کے قتل کا حکم صادر کر دیا، پھر تو کیا تھا حاسدین اور معاندین نے اس کو ایک فتنہ اور طوفان کی شکل دیدی اور ہر جگہ شیخ عبدالنبی کو بدنام کرنے کیلئے طرح طرح کے پروپیگنڈے ہونے لگے اور بادشاہ کے گھر کی عورتوں اور بیگمات کو جس میں ہندو بیگمات بھی تھیں جو وہ سیاستہً رکھا کرتا تھا بادشاہ کو غضب ناک کرنے کیلئے استعمال کی گئیں، انہوں نے یہ کہنا شروع

کر دیا کہ یہ ملا مولوی لوگ اتنے سر چڑھ گئے ہیں کہ منشاء سلطانی کی بھی پرواہ نہیں کرتے اور کوئی یہ کہتا تھا کہ تعجب ہے کہ اس معاملہ کو رفع دفع کیوں نہیں کر دیا گیا جبکہ حدود شکوک وشبہات سے ختم ہو جاتی ہیں اور کوئی یہ کہتا تھا کہ تعجب ہے مولانا عبد النبی پر کہ امام اعظم کی اولاد میں سے ہونے کا دعویٰ کرنے کے باوجود اپنے امام اور بزرگ کا مسلک چھوڑ دیا اور دوسرے ائمہ کے مسلک پر فتویٰ دیا، جبکہ اس ملک میں مسلک حنفی چلتا ہے، اور وہ اپنے امام کے مسلک کے مطابق فتویٰ دینے اور کہنے کے مکلّف ہیں، شیخ نے اس بارے میں جن جن بزرگوں کا نام جیسے قاضی عیاض مالکی وغیرہ ہیں حوالہ پیش کیا، تو یہ کہہ کر جھڑک دیا گیا کہ تم حنفی ہو اور وہ مالکی ہیں۔

ملا مبارک ناگوری اور ابوالفضل فیضی کی کارستانیاں

پھر یہ مسئلہ ملا مبارک ناگوری تک پہونچا، بقول حضرت علامہ مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے نہ صرف ہندوستان بلکہ اپنے عہد کے اعلیٰ علمی استعداد اور تبحر رکھنے والے علوم عقلیہ وادبیہ پر حاوی، فارسی کے شاعر وانشا پرداز، غرض یہ کہ اس زمانہ کے نظام تعلیم طرز تدریس وتحقیق اور رائج ومقبول علوم وفنون کے لحاظ سے لائق فاضل اور "دانشمند" تھے اگر اس تبحر وتفنّن علمی، ذہن کی درّاکی، طبیعت کی موزونیت اور زبان وقلم کی ہم زبانی کے ساتھ ان باپ بیٹوں میں دین میں استقامت رسوخ فی الدین، خدا ترسی وآخرت کوشی اور اخلاص وللّٰہیت بھی ہوتا تو وہ اس عہد کی ایسی خدمت انجام دے سکتے تھے اور اس کو وقت کے فتنوں سے محفوظ رکھ سکتے تھے، جس کی نظیر ملنی مشکل ہوتی (تاریخ دعوت و

عزیمت رص ۹۷رج ۴) لیکن انہوں نے اپنی ذہانت وفطانت اوراپنے علم وفن کو تخریب کاری اور فتنہ پردازی میں زبردست طریقہ سے استعمال کیا اور بادشاہ کو اس قدر بڑھایا اور چڑھایا اوراس کیلئے ایک محضر تیار کیا جس میں صاف صاف کہا گیا تھا ''خدا کے نزدیک سلطان عادل کا مرتبہ مجتہد کے مرتبہ سے زیادہ ہے اور حضرت سلطان کہف الانام امیر المؤمنین ظل اللہ علی العالمین ابوالفتح جلال الدین محمد اکبر بادشاہ غازی سب سے زیادہ عدل والے، عقل والے اور علم والے ہیں، اس بنیاد پر ایسے دینی مسائل میں جن میں مجتہدین باہم اختلاف رکھتے ہیں اگر وہ اپنے ذہن ثاقب اور رائے صائب کی روشنی میں بنی آدم کی آسانیوں کے مدنظر کسی ایک پہلو کو ترجیح دے کر اسی کو معیّن کردیں اوراس کا فیصلہ کریں تو ایسی صورت میں بادشاہ کا یہ فیصلہ قطعی اور اجماعی قرار پائے گا اور رعایا کے لئے اس کی پابندی حتمی وناگزیر ہوگی ،اوراس کی رو سے بادشاہ امام مجتہد، واجب الاطاعت اور خلیفۃ اللہ قرار پایا، اور یہی اس سفر کا نقطۂ آغاز ہے جو نہ صرف دین اسلام سے انحراف بلکہ اس سے عناد واختلاف پر جاکر مکمل ہوا۔

بقول حضرت علامہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے یہی موقعہ تھا، یعنی جب وہ فتنہ شباب پر تھا جس کا تذکرہ اوپر آیا ہے جب ملا مبارک نے بادشاہ کی دستگیری کی اوروہ اہم اور تاریخی محضر تیار کیا جو اکبر اوراس کی مملکت کے رخ کے پھیرنے میں سنگ بنیاد ثابت ہوا اور جو ذہنی وتہذیبی ارتداد کے پورے قصر کا صدر دروازہ کہا جاسکتا ہے (تاریخ دعوت وعزیمت رص ۱۰۸رج ۴)۔

محضر نامہ فساد کا شاخسانہ

یہ محضر نامہ رجب ۹۸۷ھ میں تیار کیا گیا اور اس کا مملکت میں نفاذ ہوا، بادشاہ کے ایماء پر تمام علماء نے اس محضر پر دستخط کئے، اس محضر نامہ پر دستخط کرنے کیلئے اکبر نے خاص طور پر شیخ عبدالنبی گنگوہیؒ اور ان کے معاصر مولانا شیخ عبداللہ سلطان پوریؒ کو بلوایا جن کا لقب مخدوم الملک تھا، جو ایک بہت بڑے دینی عہدہ پر سلطان کی طرف سے فائز تھے اور ان دونوں میں آپس میں چپقلش بھی چلتی رہتی تھی جو اکثر معاصرین کے درمیان ہو جایا کرتی ہے، اسی لئے مشہور ہے ''المعاصرۃ قنطرۃ المنافرۃ'' کہ معاصرت منافرت کا پل ہے، دونوں ایک دوسرے کے حریف اور رقیب بھی تھے اور ایک دوسرے کی تجہیل وغیرہ بھی کرتے تھے، اللہ معاف فرمائے۔

جب ان دونوں کو بلوایا گیا، کوئی ان کی تعظیم کیلئے بادشاہ کی مجلس میں سے نہیں اٹھا اور یہ دونوں چپلوں کی صف میں بیٹھ گئے، پھر وہ محضران دونوں کے سامنے رکھا گیا ان دنوں نے اس پر بادلِ ناخواستہ دستخط کئے جس کے بعد بادشاہ نے ان دونوں کو حرمین شریفین کی طرف سفر کرنے کا آڈر جاری کر دیا، اس حکم کے تحت شیخ عبدالنبیؒ حجاز مقدس چلے گئے اور وہاں ایک طویل عرصہ قیام کر کے لوٹے تو بادشاہ سے عفو وسماحت کی درخواست کی مگر بادشاہ کی بد دماغی برقرار رہی، اس نے اپنے وزیر خاص راجا ٹوڈرمل کو ان کے پھنسانے اور تکلیف پہونچانے پر مسلط کر دیا، اس نے حساب وکتاب وغیرہ کا معاملہ اٹھا کر آپ کو پھنسایا اور سخت تکلیف دی یہاں تک کہ اسی مصیبت میں آپ انتقال کر گئے اور مآثر الامراء میں یہ بھی ہے کہ بادشاہ نے ان کے معاملہ کو ابوالفضل وغیرہ کے حوالہ کر دیا انہوں

نے بادشاہ کا ایماء پا کر ان کو مروادیا، انا للّٰہ و انا الیہ راجعون ،اور مخدوم الملک مولانا عبداللہ سلطان پوریؒ بھی تقریباً تین سال کے بعد ہندوستان لوٹے، گجرات پہونچے تو وہاں ان کو زہر دیکر مروادیا گیا ۹۹۱ھ مطابق ۱۵۸۴ء میں انتقال کیا بقول حضرت مولانا علی میاں صاحب ،اس بات کے پورے قرائن موجود ہیں کہ ان کا یہ معاملہ بھی اشارۂ سلطانی سے ہوا، انا للّٰہ و انا الیہ راجعون ،شیخ عبدالنبیؒ کی تدفین قصبہ اندری ضلع کرنال ہریانہ میں ہوئی، جہاں آج بھی ان کے خاندان والے آباد ہیں۔۔

یہ کوئی نئی بات نہیں ہے دنیا دار المحن ہے اور دار الامتحان بھی ہے، بڑے بڑے انبیاء ورسل اولیاء وصالحین کو آزمائشوں و پریشانیوں سے گذرنا پڑا جو اللہ پاک کے زائد قریب ہوئے ان کے امتحان بھی شدید ہوئے ،اسی لئے رحمتِ عالم ﷺ نے فرمایا اشد "بلاء الانبیاء ثم الامثل فالامثل" (ترمذی، ابواب الزہد ۶۵/۲) یعنی سب سے زیادہ مصائب انبیاء پر آتے ہیں پھر جو ان سے زیادہ مشابہت رکھتا ہے وہ گرفتار آلام وشدائد ہوتا ہے، صحابہ کرامؓ کو کس قدر تکلیفیں اٹھانی پڑیں، امام اعظم ابوحنیفہؒ اور امام احمد بن حنبلؒ، کے واقعاتِ ابتلاء تاریخ نے ریکارڈ کئے ہیں اور جب ان اولیاء اللہ نے صبر سے کام لیا تو اللہ پاک نے ان کے درجات بلند فرمائے اور مغفرت کا ذریعہ بنادیا۔

تعمیر مسجد عبدالنبیؒ (دہلی) موجودہ دفتر جمعیۃ علمائے ہند

شیخ عبدالنبیؒ کو اپنے زمانۂ عروج میں مساجد وغیرہ کی تعمیر کا بہت زیادہ شوق وذوق تھا، آپ نے مختلف مقامات پر مختلف شہروں میں مساجد کی تعمیر کرائی اور بہت سے اوقاف بہت سے نیک کاموں کیلئے عطا فرمائے، بقول ملا عبدالقادر بدایونیؒ جتنے اوقاف اور جائدادیں شیخ عبدالنبی نے مدارس اور خانقاہوں اور مساجد کے نام کئے انکا عشر عشیر

بھی کسی اور نے نہیں کیا، مسجد عبد النبی بھی اسی دور کی یادگار ہے اور یہ اس دور کا قصہ ہے جبکہ شیخ عبد النبی اور ابو الفضل فیضی کے درمیان خوشگوار تعلقات تھے، دوستانہ اور نیاز مندانہ مراسم تھے، چنانچہ ۹۸۳ھ میں جب شیخ عبد النبیؒ مسجد تعمیر کرا چکے تو فیضی نے پانچ شعر موزوں کئے جن میں چار عربی میں ہیں اور آخری شعر جس میں تاریخ ہے اس کا پہلا مصرع فارسی میں ہے جو عربی ادب کے لحاظ سے ایک صنعت سمجھی جاتی ہے:

(۱) فی زمان خلیفة الاکبر اید الله ذاته النّفاع

اکبر بادشاہ کے زمانہ میں، اللہ تعالیٰ اس بادشاہ کو مضبوط کرے جس کی ذات نفع بخش ہے

(۲)قدبنی بقعة مقدسة مثلُها لایکون فی الاقطاع

ایک ایسی مقدس جگہ کی تعمیر کی کہ اس کا نمونہ دوسرے مقامات میں نہیں ہے

(۳)شیخ الاسلام زائر الحرمین شیخ اهل الحدیث بالاجماع

یہ تعمیر اس زمانہ کے شیخ الاسلام نے کی ہے جو حرمین شریفین کی زیارت کر چکے ہیں۔ جو بالاتفاق محدثین کے شیخ ہیں۔

(۴)شیخ عبدالنبی نعمانی معدن العلم منبع الانفاع

جن کا نام عبد النبی نعمانی ہے، جو علم کی کان اور افادات و منافع کا سرچشمہ ہیں۔

(۵)سال تاریخِ ایں بنا فیضی سال العقل قال خیر بقاع

فیضی نے اس کی تاریخِ تعمیر اپنی عقل سے دریافت کی، تو اس نے ''خیر بقاع'' ماہ وتاریخ تخریج کیا جو کہ ۹۸۳ھ ہے۔

یہ اشعار ایک ایک لوح پر کندہ تھے، یہ لوح صدر محراب پر نصب تھی اور اب لال قلعہ کے عجائب خانہ میں محفوظ ہے۔ واللہ اعلم۔

مسجد عبد النبی ایک زمانہ سے جمعیۃ علمائے ہند کا دفتر چلا آرہا ہے اور یہاں سے جمعیۃ کی تحریکیں پوری دنیا میں چلائی جاتی ہیں، اللہ پاک مسجد کی اور وہاں سے اٹھنے والی تحریکوں کی تائید وتقویت فرمائے، اور جمعیۃ میں حقیقتاً اجتماع، جمع وتطبیق اور جمعیت کی شان وکیفیت پیدا فرمائے اور انتشار وافتراق سے علماء اور امت میں جو انتشار وافتراق پھیل گیا ہے اس کے سمٹنے کے حالات پیدا فرمائے (آمین) یہ اختلاف وانتشار اب امت میں ہر جگہ پھیل گیا ہے جس کی بنا اکثر حسد ونفاق ہے اور جہاں اتفاق واتحاد ہوتا بھی ہے تو وہاں ایک طبقہ اس کو دیکھنا برداشت کرنا گوارا نہیں کرتا، ان کو سکون وقرار تبھی ملتا ہے جب کچھ ہل چل اور کچھ گرما گرمی کچھ اخبارات میں ملت کا قیمتی سرمایہ خرچ ہو جائے اور ایک دوسرے کے عمامے اچھل جائیں اور کچھ کی عزتیں گھٹ جائیں اور کچھ کی بڑھ جائیں، اتفاق واتحاد اب اس چڑیا کا نام رہ گیا ہے جو کافی دن پہلے اڑ چکی ہے اور فضاؤں میں گم ہو چکی ہے۔

تذکرہ حضرت امامِ ربانی عالمِ حقانی مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ

کتاب وسنت، شریعت وطریقت کی بے مثال خدمت اور برکت کی وجہ سے سرزمین گنگوہ کی عظمت وشہرت کو بام عروج ونقطۂ ارتقاء تک پہنچانے والی بزرگ ہستیوں میں ایک سراج منیر آفتاب عالم تاب حضرت مولانا رشید احمد صاحبؒ کی شخصیت عبقریت بھی ہے اگر حجۃ الاسلام امام غزالیؒ کے بارے میں کہا گیا ہے۔

لایعرف قدر الغزالی   من جاء بعد الغزالی

الا ان یکون مثل الغزالی   او فوق الغزالی

کہ بعد میں آنے والا غزالی کی قدر ومنزلت کونہیں پہچان سکتا ہے مگر یہ کہ وہ خود غزالی جیسا ہو یا ان سے بھی بڑھ کر ہو، اسی طرح بلا مبالغہ علامہ، فہامہ، امامِ ربانی، عالم حقانی، رأس الفقہاء، سرتاج المحدثین، قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحبؒ کے بارے میں بھی کہا جاسکتا ہے۔

لا یعرف قدر الرشید   من جاء بعد الرشید

الا ان یکون مثل الرشید   او فوق الرشید

آپ کی بلند قامت شخصیت کو صاحب نزہۃ الخواطرؒ نے ان الفاظ سے یاد فرمایا ہے:الشیخ الامام العلامہ المحدث رشید احمد الانصاری الحنفی الگنگوھی احد العلماء المحققین و الفضلاء المد ققین لم یکن مثلہ

فی زمانه فی الصدق و العفاف و التوکل و التعفف و الشهامة، و الاقدام فی المخاطر، و الصلابةفی الدین و الشدة فی المذهب، ہمارے حضرت مولانا گنگوہیؒ اپنے دور کے فقیہ النفس محدث بلکہ بخاریٔ وقت، جامع علوم ظاہریہ و باطنیہ، محقق و مدقق، اصول وفروع میں کامل، عارف باللہ، جامع شریعت وطریقت، ماہر اسرارِ حقیقت، مرجع مشائخ و اساطین علم ومعرفت تھے، جن کے فیضان سے سارا عالم سیراب ہوا اور ہورہا ہے۔

چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستاں میری

آپ کی حیات طیبہ پر تفصیلی روشنی ڈالنے سے قبل یہ بندہ راقم السطور سراپا قصور اپنے شیخ ومرشد عارف باللہ امام العاشقین حضرت مولانا محمد احمد صاحبؒ کے وہ الہامی اشعار پیش کرتا ہے جن میں شیخ ومرشد محبوب سبحانی نے امامین، ہمامین، ثقتین، جلیلین، حضرت مولانا قاسم صاحبؒ اور امام ربانی مولانا رشید احمد صاحبؒ کو معجزۂ سرور عالم، آیتان من آیات اللہ، رازی وغزالی، ابوذر وسلمان، فرمایا ہے۔

یہ ان بزرگوں کی ایسی منقبت ہے جس کے وہ بجا طور پر مستحق تھے اور ان کی سیرت وکردار ان اوصاف کا آئینہ جمیلہ ہے، فرماتے ہیں۔

معجزہ سرور عالم کا نہ کیوں اسکو کہوں
اللہ اللہ یہ ہیں آیۂ رحمٰن دونوں

علم وعرفان کی دولت سے کیا مالا مال
میں تو کہتا ہوں کہ ہیں حاتم دوراں دونوں

جان و دل ان پر نہ قربان کروں میں کیوں کر
میرا ایماں ہے کہ ہیں حاصل ایماں دونوں

کس میں یہ دم ہے کہ جوان کے مقابل آئے
ان کی تائید میں ہیں سنت وقرآن دونوں

میں نے تو ان کو صحابہ کا نمونہ پایا
کفر واسلام کے حق میں ہیں یہ فرقاں دونوں

غم سے مطلب ہی نہیں رہتے ہیں اللہ اللہ
عشق کے فیض سے ہر حال میں شاداں دونوں

غیر پر ان کی نظر ہی نہیں پڑتی ہے کبھی
اپنے اللہ کے ہیں تابع فرماں دونوں

رحمت حق سے انہیں قرب خدا ہے حاصل
رہتے ہیں خوف سے اللہ کے لرزاں دونوں

بغض فی اللہ میں ان کا نہیں ثانی کوئی
حب فی اللہ میں ہیں سب سے نمایاں دونوں

عشق مولیٰ میں رہا کرتے ہیں ہر دم سرشار
اس زمانہ کے ہیں بوذر وسلمان دونوں

مئے توحید سے رہتے ہیں ہمیشہ مخمور
آخری دور کے ہیں یہ شہ جیلان دونوں

جانشین فخر رسل کا انہیں میں کیوں نہ کہوں
جب کہ ہیں گلشن ایمان کے نگہبان دونوں

ادخلوہا بسلام کی لگاتے ہیں صدا
ان پہ قربان یہ ہیں خلد بداماں دونوں

نورتقوی سے ہوئی ظلمت عصیاں کافور
نفس وشیطاں ہیں اب سخت پریشاں دونوں

فیض سے ان کے وہ خوشبوئے محبت پھیلی
جس سے معمور ہیں صحراء وگلستاں دونوں

ہر گھڑی رہتا ہے دریائے کرم ہی جاری
روز وشب بانٹتے ہیں نسبت واحسان دونوں

یہ محبت یہ مروت یہ سخاوت یہ کرم
کہتے ہیں انسان ہیں جیسے یہ وہ انسان دونوں

آتی ہر آن ہی ہے قلب مبارک میں بہار
فیض امدادؒ سے ہیں رشک گلستاں دونوں

مرتبہ ان کا کوئی اہل نظر سے پوچھے
فقر کے پردے میں واللہ ہیں سلطان دونوں

اللہ اللہ یہ رتبہ یہ فضیلت ان کی
حق کی نظروں میں یہ ہیں مرد مسلمان دونوں

تذ کر ہ چھیڑ د یا کس کا تو نے ہمدم
دل پہ اک چوٹ لگی آنکھیں ہیں گریاں دونوں
زندگی ان کی بدولت ہوئی مجھ کو حاصل
شکر اللہ کا یہ ہیں میری رگ و جان دونوں
ان کی تعلیم پہ قربان میری جان احمد
للہ الحمد میرے دل میں ہیں پنہاں دونوں
(از عرفان محبت رص ۱۵۲ر)

ولادتِ مبارکہ

بقول صاحب تذکرۃ الرشید، حضرت امام ربانی قدس سرہ نے ۶ رذیقعدہ ۱۲۴۴ھ نبوی مطابق ۱۲ر دسمبر ۱۸۲۹ء کو بیوم دوشنبہ چاشت کے وقت اس گہوارۂ عالم فانی میں قدم رکھا یعنی قصبہ گنگوہ ضلع سہارنپور محلّہ سرائے میں خانقاہ شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کے متصل اس جدّی مکان میں، باَوان مسعود وزمان محمود آپ کی ولادتِ شریفہ ہوئی، جو درگاہ حضرت شیخ کے شرقی سمت میں تخمیناً پچیس تیس قدم کے فاصلہ پر واقع اور ابتک قائم ہے، گویا دوشنبہ کی ولادت میں غیر اختیاری سنت نبویہ ﷺ کا شرف حاصل فرما کر کانوں میں یہ مژدہ پہونچایا کہ اے بطحائی پیغمبر کی طرز معاشرت وتحصیل معاد سے غافل ہو جانے والو! ہوشیار ہو جاؤ! خواب غفلت سے جا گو! اب تم کو اس تعلیم صادق سے آگاہ ومطلع کرنے والا محی السنۃ آ گیا ہے۔

اور حضرت شیخ زکریاؒ اس طرح لکھتے ہیں: سہارنپور سے جانب مغرب جنوب ایک قصبہ ہے جو گنگوہ کے نام سے مشہور ہے اس قصبہ کی سرزمین کو حق تعالیٰ شانہ نے سلسلہ کے تین اکابر کے نور سے منور فرمایا، جن میں سے دو حضرات شاہ عبدالقدوس

وحضرت شاہ ابوسعید کا تذکرہ اپنی جگہ پر آچکا اور تیسری ہستی حضرت امام ربانی کی تھی جو بیک وقت عالم دین بھی تھے، جامع شریعت وطریقت بھی تھے، عاشق نبی بھی تھے اور متبع سنت رسول ﷺ بھی، جامِ شریعت اور سندانِ عشق دونوں کو حق تعالیٰ نے مرحمت فرمائے تھے، یہ وہ ہستی ہے جس کو ایک عالم فرط عقیدت ومحبت سے امام ربانی کہتا ہے لیکن ان کے والدین نے ان کا نام صرف رشید احمد رکھا تھا اب ان چند صفحات میں انہیں کا ذکر مبارک کیا جارہا ہے (تاریخ مشائخ چشت رص ۲۶۴)۔

سلسلۂ نسب

حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلۂ نسب مشہور صحابیِ رسول حضرت ابوایوب انصاریؓ تک پہنچتا ہے اور جدہ کی طرف سے حضرت قطب العالمؒ سے بھی ملتا ہے، اس کی تفصیل تذکرۃ الرشید میں دیکھی جاسکتی ہے۔

حضرت مولانا ہدایت احمد صاحب والد ماجد حضرت گنگوہیؒ

حضرت گنگوہیؒ کے والد بزرگوار حضرت مولانا ہدایت احمد صاحبؒ بھی اپنے دور کے اچھے عالمِ دین اور بزرگ تھے، ریاضت کش اور صاحبِ دل شیخ تھے، علم ظاہری اور باطنی میں اس دور کے علماء ومشائخ کاملین سے فیضیاب تھے، حضرت مولانا شاہ غلام علی مجددی نقشبندی دہلویؒ کے مجازِ صحبت تھے، چنانچہ حضرت گنگوہیؒ نے خود ایک موقع پر ارشاد فرمایا کہ میرے والد مولوی ہدایت احمد صاحبؒ شاہ غلام علی صاحبؒ کی خدمت میں رہتے تھے، شاہ صاحب میرے والد کے حال پر نہایت شفقت فرمانے لگے، حضرت کے ولایتی خدام کو حسد ہوا اور انہوں نے میرے والد کو سنکھیا دینے کی تجویز کی والد صاحبؒ کو

اطلاع ہوگئی، والد صاحب حضرت سے رخصت ہوکر گنگوہ تشریف لے آئے۔

نیز ایک جگہ فرمایا کہ شاہ غلام علی صاحب میں عجز وانکسار اتنا بڑھ گیا تھا کہ ایک سید نے شاہ صاحب کی خدمت میں آکر عرض کیا کہ حضرت آپ مجھے اپنا خادم بنالیں؟ شاہ صاحب گھبرا اٹھے اور فرمایا ''ہاہا یہ لفظ ہرگز زبان سے نہ نکالنا تم فرزند علی ہو اور میں غلام علی ہوں (تذکرۃ الرشید رص ۲۶۲ رج ۲)۔

مولانا ہدایت احمدؒ کا ساڑھے پینتیس سال کی عمر قلیل میں بماہ جمادی الاولیٰ ۱۲۵۲ھ شہر گورکھپور میں انتقال ہوا اور وہیں مدفون ہوئے، جس وقت والد بزرگوار کا سایۂ عاطفت حضرت امام ربانی کے سر سے اٹھا اس وقت حضرت کی عمر صرف سات برس کی تھی اور آپ کے دادا صاحب نے آپ کو اپنی تربیت میں لے لیا اس طرح سے یتیمی اور یتیمی میں دادا کی پرورش میں آنے سے دو سنتیں اضطراری طور پر پوری ہوئیں۔

---

۱ حضرت مولانا شیخ غلام علی دہلوی نقشبندی قدس سرہ بٹالہ ضلع گرداس پور پنجاب میں ۱۱۵۸ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۸ ربرس کی عمر میں دہلی آگئے، حضرت مرزا مظہر جان جاناں قدس سرہ العزیز کے خلیفۂ اکبر تھے اپنے زمانہ کے متفق علیہ ولی وبزرگ، عالم، عارف باللہ، زاہد ومتقی، اکمل الکاملین تھے، عرب وعجم عوام وخواص کے دلوں پر آپ کی حکومت تھی سب کے یہاں مقبول تھے، دس ہزار مرتبہ نفی واثبات کا ہر دن معمول تھا اور اسم ذات کی تو کوئی تعداد وحساب ہی نہ تھا، دس پارے ہر دن تلاوت کرنے کا معمول تھا، ان کے علاوہ استغفار اور درود شریف کا تو کوئی شمار ہی نہیں تھا کہ کتنا پڑھتے تھے، پانی سے روزہ افطار کرلیتے اور زمین پر آرام کرتے، پندرہ سال تک یہی معمول رہا، زہد وقناعت، تسلیم ورضا بالقدر، توکل وایثار، ترک وتجرید میں بے مثال تھے، شادی بھی نہ کی تھی اور نہ مکان بنایا، تمام فتوحات اور ہدایا غربا فقراء پر تقسیم کردیا کرتے تھے، نہ عمدہ لباس پہنا اور نہ عمدہ کھانے تناول فرمائے، تمام اوقات درس وتدریس، مراقبہ وذکر الٰہی، نماز، عبادت، تلاوت، مخلوق کو علمی، روحانی، مالی نفع پہنچانے میں سب سے آگے تھے، آپ کی خانقاہ میں پانچسو افراد آپ کے مطبخ سے ہر دن کھانا کھاتے تھے، اور آپ سے استفادہ کرنے کیلئے موجود رہتے، الغرض آپ نمونۂ صحابہ تھے، آپ کی نظر میں شاہ وگدا یکساں تھے امر بالمعروف ونہی عن المنکر میں امام زمانہ تھے آپ ۲۲ رصفر ۱۲۴۰ھ مطابق ۱۸۲۴ء میں دنیا سے رحلت فرماگئے اور خانقاہ مظہریہ میں اپنے مرشد حضرت شہیدؒ کے پہلو میں دفن ہوئے (نزہۃ الخواطر رص ۳۹۲ رج ۷)۔

عہدِ طفولیت

عہدِ طفلی ہی سے آپ کے مزاج میں سلامتی و وقار، حلم واخلاق کے جواہر نمایاں ہوتے تھے اور عام بچوں کی طرح کھیل وکود اور بے ہودہ لایعنی امور سے سخت نفرت واجتناب فرماتے تھے، خدا ترسی، رحم دلی، عبادت، بردباری، تہذیب، سلیقہ مندی، دانشمندی آپ کی ہر ہر اداء سے نظر آتی تھی۔

آغازِ تعلیم

آپ نے سب سے پہلے استاذ میاں جی قطب بخش صاحب مرحوم گنگوہی سے اپنی تعلیم کا آغاز فرمایا، ابھی چند دن ہی گذرے تھے کہ استاذ محترم نے اپنی زبان سے آپ کی ذہانت، ذکاوت، متانت، حافظہ، اور یادداشت کی تعریف وتحسین فرمائی۔

بچپن میں شوقِ نماز

حضرت امام ربانیؒ کی عمر مبارک ابھی صرف چھ سال کی تھی عصر کے بعد تفریح کے لئے چلتے چلتے کافی آگے نکل گئے، مغرب کی نماز کا وقت آگیا، گھر پہنچے اذان مغرب ہوچکی تھی جلدی سے مسجد گئے جماعت قائم ہوچکی، وضو کے لئے کنویں سے خود پانی نکالنا شروع کیا چھوٹے بچے تھے سنبھل نہ سکے اور دھم سے کنویں میں گر گئے، مگر اللہ پاک نے آپ کی حفاظت فرمائی اور خیر وعافیت سے آپ کو باہر نکالا گیا۔

والدہ ماجدہ

تذکرۃ الرشید میں ہے: حضرت مولانا قدس سرہ کی والدہ ماجدہ بھی نہایت پارسا اور عابدہ، زاہدہ، ولیۂ خدا تھیں، باوجود عورت ذات ہونے کے عورتوں جیسی ضعیف الاعتقادی بال بچوں پر دین وایمان کی بربادی کو پاس بھی نہیں آنے دیا، عقائد اسلام میں

مضبوط تھیں، تعویذ گنڈوں سے طبعاً نفرت تھی اور کیوں نہ ہوتی! آخر ایسے قطب وقت کی حاملہ و مرضعہ بننے والی تھیں جس سے ایک خلق عظیم کو فیضیاب ہونا منظورِ حق ہو چکا تھا۔

حضرت نے فرمایا کہ ایک مرتبہ میری والدہ نے بیان کیا کہ رشید احمد! جب تو بچہ تھا مجھ کو اللہ بخش جن نظر آیا میں نے دیکھا کہ وہ تیری چارپائی کے پاس کھڑا ہو گیا اور مجھے کہا کہ تو فلاں مزار پر عطر کے پھوئے چڑھا ورنہ میں تیرے بچے کو مار ڈالوں گا والدہ کہتی تھیں کہ میں نے کہا کہ اچھا مار ڈال یہ تیرے سامنے لیٹا تو ہے۔۔۔ اللہ کے فضل سے وہ کچھ نہ بگاڑ سکا اور میں نے ہرگز اس کا کہا نہیں مانا۔

ابتدائی فارسی وعربی

تاریخ دارالعلوم میں ہے کہ: حضرت گنگوہیؒ قرآن شریف وطن میں پڑھ کر اپنے ماموں کے پاس کرنال چلے گئے اور ان سے فارسی کی کتابیں پڑھیں، یہ آپ کے ماموں جناب مولانا تقی صاحب ہیں جو فارسی میں مسلم الثبوت استاذ تھے، استاذ ہونے کے ساتھ چونکہ آپ کے ماموں بھی تھے اس وجہ سے اس درِ یتیم کا بہت ہی لحاظ و ادب ملحوظ رکھتے تھے اور ذکاوت و ذہانت کی تعریف بھی کرتے تھے فارسی کا کچھ حصہ آپ نے مولانا محمد غوث صاحب سے بھی پڑھا، فارسی سے فارغ ہو کر آپ کو عربی کا شوق ہوا اس لئے آپ نے عربی ابتدائی صرف و نحو کی کتب بقول صاحب نزہۃ الخواطر ص ۱۶۳ ر ج ۸ مولانا محمد بخش رامپوریؒ سے پڑھیں، مولانا محمد بخش رامپوری حضرت کے نہایت مشفق استاذ تھے ابتدائی کتب پڑھا کر حضرت کو ترغیب دی کہ علم عربی کا تکملہ اور دینیات کی تکمیل کے لئے چونکہ یہاں انتظام نہیں ہے اور اس وقت دہلی مرکز علم و فن بنا ہوا تھا کبار اہل علم و فن وہاں موجود تھے اس لئے آپ باقی تحصیل علم کے لئے بسم اللہ پڑھ کر دہلی جائیے اور درسیات مکمل کر لیجئے۔

سفرِ دہلی

اس وقت حضرت (گنگوہیؒ) کی عمر ۱۷ر سال کی تھی دہلی کا سفر فرمایا اور یہاں آکر بعض عربی کتب قاضی احمد الدین پنجابی جہلمیؒ سے پڑھیں۔

آپ نے مختلف اساتذہ کے درس میں شرکت کی اور ہر درس کا رنگ دیکھا، لیکن آپ کی طبیعت کو کسی جگہ قرار نہ ہوتا تھا یہاں تک حضرت مولانا مملوک علی صاحبؒ[۱] کے درس میں شرکت کی سعادت میسر آئی جو حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتویؒ (صدر مدرس دار العلوم دیوبند) کے والد بزرگوار تھے وہاں مدرس تھے، ادھر حسن اتفاق سے مولانا مملوک علیؒ نانوتہ سے اپنے ساتھ مولانا قاسم صاحبؒ کو پڑھانے کی غرض سے دہلی لاچکے تھے یہ ۱۲۶۱ھ کا قصہ ہے، اس طرح سے علم وتقویٰ خلوص وللّٰہیت کے یہ پیکر شمس وقمر ایک ہی استاذ کی زیر تربیت ہوکر تعلیم میں مشغول ہوگئے اور خوب دلجمعی ودلچسپی سے حصول علم دین میں منہمک ہوگئے یہاں سے رشید وقاسم کی رفاقت کا آغاز ہوا جو تا آخر حیات قائم رہا، استاذ حاذق وکامل نے ایسی زبردست تعلیم دی کہ پورا برصغیران دونوں قمروں کی ضیاء پاشی سے منور ہوگیا۔

---

[۱] حضرت مولانا مملوک علی صاحب نانوتویؒ اپنے دور کے عالم فاضل، علوم عقلیہ نقلیہ کے ماہر کامل، بزرگ تھے، نانوتہ ضلع سہارنپور میں ۱۲۰۴ھ مطابق ۱۷۸۹ء میں پیدا ہوئے، بچپن میں اولاً اپنے دیار کے علماء سے علم حاصل کیا پھر دہلی گئے اور وہاں جاکر حضرت علامہ رشید الدین دہلویؒ اور دیگر علماء سے علوم کا استفادہ کیا، یہاں تک کہ تمام علوم عقلیہ نقلیہ کے ماہر کامل بن گئے پھر مدرسہ دار البقاء میں مدرس ہوئے اور زندگی بھر درس وتدریس میں مشغول رہے، آپ سے خلق کثیر نے فیض اٹھایا جن کی تعداد کا کوئی شمار نہیں ہوسکتا پھر حجاز گئے حج وزیارت سے مشرف ہوئے اور ٹھیک ایک سال کے بعد لوٹے اور انتقال سے پہلے مرض یرقان میں مبتلاء ہوئے ۱۱رذی الحجہ ۱۲۶۷ھ مطابق ۷راکتوبر ۱۸۵۱ء میں اللہ کو پیارے ہوگئے اخیر عمر میں آپ پر خشیت الٰہی کا بہت غلبہ ہوگیا تھا جس کی وجہ سے آپ اللہ کے سامنے بہت روتے تھے اور آخرت کی تیاری میں رہتے تھے، آپ کے تفصیلی حالات پر مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں (نزہۃ الخواطر ص۵۳۴ر ج۷)۔

اس زمانہ کے دیکھنے والے حضرات متفق اللسان اس بات کے قائل تھے کہ امام ربانی مولانا گنگوہیؒ صدرا، شمس بازغہ، میرزاہد قاضی وغیرہ سخت کتابیں ایسے پڑھتے تھے جیسے حافظ قرآن کریم کی تلاوت کرتا ہے، کہیں کوئی لفظ دریافت کرنا ہوتو دریافت کرلیتے باقی ترجمہ تک بھی نہیں کرتے تھے، اس سے ان حضرات کی قوت استعداد اور قوت فہم کا اندازہ کیا جاسکتا ہے، جب کہ آج کل معمولی سی معمولی عبارت کا ترجمہ وتشریح کئے بغیر طلباء نہیں سمجھتے، تذکرۃ الرشید ص ۲۸ میں ہے کہ حضرت قدس سرہ اپنے معاصرین رفقاء درس سے ہمیشہ ممتاز رہے خداداد ذکاوت وسلامتی طبع کی وجہ سے ہر استاذ کی نظر میں مقبول اور ان کی شفقتوں کا مرکز بنے رہے، اگر بیماری وغیرہ عذر کی وجہ سے آپ درس میں حاضر نہ ہو پاتے تو استاذ محترم آپ کی عیادت فرمایا کرتے، الغرض چند سال دہلی میں رہ کر سب علوم درسیہ کی تکمیل کی علوم عقلیہ میں آپ کے دوسرے استاذ جناب مفتی صدرالدین صاحبؒ تھے[1]۔

---

[1] آپ اپنے دور کے بڑے علامہ فہامہ علوم عقلیہ نقلیہ کے ماہر کامل بزرگ تھے آپ کے آباء واجداد اصلاً کشمیری تھے پھر دہلی میں مقیم ہوگئے تھے ۱۲۰۴ھ مطابق ۱۷۸۰ء دہلی میں آپ کی ولادت ہوئی وہیں نشو نما ہوا اور آپ نے عقلی علوم فنون مولانا فضل امام خیرآبادیؒ اور فقہ اصول وغیرہ حضرت شاہ رفیع الدین بن شاہ ولی اللہ دہلویؒ سے حاصل کی، اثناءِ تعلیم حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کی خدمت میں بہت آمد ورفت کرتے تھے اور ان سے علم حدیث وغیرہ میں استفادہ کرتے تھے، حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے انتقال کے بعد حضرت مولانا شاہ اسحاق بن افضل العمری سے علم حدیث میں استفادہ کیا آپ تمام علوم وفنون میں یکتائے روزگار تھے، اور اس زمانہ میں طالبین علوم کا ایک بہت بڑا مرجع تھا ۱۲۷۳ھ تک آپ کی زندگی بہت خوش عیشی اور عمدگی کے ساتھ گزری، جب انگریزوں کا غلبہ ہوگیا اور مجاہدین آزادی پر بغاوت کا الزام لگا کر پکڑ دھکڑ شروع ہوگئی تو آپ کو بھی پکڑ لیا گیا اور آپ کے تمام اموال وغیرہ چھین لئے گئے پھر آپ کو چھوڑ دیا گیا تب سے آپ نے اپنے گھر کو ہی لازم پکڑ لیا تھا اور طلباء کو پڑھانے میں مشغول ہوگئے تھے، ۲۴ ربیع الاول ۱۲۸۵ھ مطابق ۱۶ جولائی ۱۸۶۸ء بعمر ۸۱ سال انتقال ہوا اور دہلی میں ہی مدفون ہوئے (نزہۃ الخواطر ص ۲۴۶ ج ۷)۔

شاہ عبدالغنی صاحب مجددی نقشبندیؒ

البتہ علم حدیث میں آپ نے حضرت مولانا شاہ عبدالغنی مجددیؒ [1] سے فیضیاب ہوکر کمال حاصل کیا تمام صحاح ستہ حرفاً حرفاً آپ کے سامنے پڑھیں اور بعض کتب حضرت شاہ احمد سعیدؒ [2] سے

---

[1] حضرت شاہ عبدالغنی ابن شاہ ابوسعید الدہلوی مہاجر مدنی اپنے دور میں علمائے ربانیین کے امام جامع علوم وفنون کامل اسرار وحکم امام شریعت وطریقت حضرت مجدد الف ثانیؒ کے خاندان کے درفرید امام طریق مجددیہ بزرگ تھے، ۲۵ رشعبان ۱۲۳۴ھ مطابق ۹ رجون ۱۸۱۹ء محلہ مغلپورہ دہلی میں پیدا ہوئے، تاریخی نام مظاہر حلیم ہے قرآن کریم، نحو، صرف، حدیث، فقہ، تفسیر تمام کے تمام علوم وفنون مشائخ دہلی سے حاصل کیے، جن میں شاہ محمد اسحاقؒ اور خود ان کے والد ماجد سر فہرست ہیں طریقت میں اپنے والد بزرگوار کے ہاتھ پر بیعت ہوئے اور ان کے ساتھ حرمین شریفین کا سفر کیا اور وہاں کے مشائخ سے استفادہ کیا اور ہندوستان واپس آکر خلق کثیر کو فیض پہونچایا، جن میں سرفہرست ہمارے دونوں بزرگ حضرت مولانا رشید احمد صاحب اور حضرت مولانا قاسم صاحب ہیں، پھر جب انگریزوں کا فتنہ اٹھا اور ہندوستان پر ان کا تسلط ہوگیا تو آپ حجاز مقدس رحلت کر گئے، پہلے مکہ پہونچے پھر مدینہ پاک کا رخ کیا اور پھر وہیں عمر تمام کردی، وہاں آپ سے کثیر علماء اور مشائخ نے شریعت وطریقت میں استفادہ کیا اور علم وعمل، زہد وتقویٰ، صدق وامانت، عفت وصیانت، تبتل وتضرع، خوف خدا، تمسک بالکتاب والسنہ، حسن اخلاق، مخلوق کو فائدہ پہونچانے، دنیا سے اعراض، آخرت کی طرف توجہ، ذکر وفکر مراقبہ، تلاوت وغیرہ میں آپ کو مرجع تسلیم کیا گیا، الغرض عرب اور عجم آپ سے مستفید ہوئے اور ۷ رمحرم ۱۲۹۶ھ مطابق ۳۱ ردسمبر ۱۸۷۸ء مدینہ میں واصل بحق ہوئے (نزہۃ الخواطر ص ۳۲۰ رج ۷)۔

[2] حضرت مولانا شاہ احمد سعید دہلویؒ ہندوستان کے مشہور علماء فضلاء میں سے ہیں مولانا فضل امام خیرآبادی اور علامہ رشید الدین خاںؒ کے شاگرد ہیں اور حضرت شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالعزیزؒ سے بھی مستفید ہوئے اور حدیث، صحاح ستہ اور بہت سی کتابوں کی اجازت حاصل کی، حضرت شاہ عبدالعزیزؒ سے خصوصی استفادہ کیا اور اپنے والد بزرگوار حضرت مولانا شاہ ابوسعید دہلوی سے بھی خوب استفادہ کیا ان کے انتقال کے بعد مسند درس وارشاد پر متمکن ہوئے اور خلق کثیر کو فیض پہونچایا یہاں تک کہ جب ہندوستان میں انگریزوں کے تسلط کا خبیث فتنہ رونما ہوا اور علماء کی گرفت اور تشدد کا دور شروع ہوا اور لوٹ مار اور خونریزی اور تباہی وبربادی کا دور دورا ہوا اور تمام مسلمانوں پر اور بالخصوص علماء اعلام اور مجاہدین پر مصائب اور آلام کے پہاڑ توڑے جارہے تھے جب آپ کا نمبر آیا تو کسی رئیس نے سفارش کی جس کی وجہ سے آپ بچ گئے اور اپنے اہل وعیال کے ساتھ موقع پاکر حرمین شریفین کی جانب سفر اختیار کیا اور پھر اخیر عمر تک وہیں مقیم رہے ۱۲۷۷ھ میں انتقال فرمایا اور مدینہ پاک میں حضرت عثمان غنیؓ کے پاس مدفون ہوئے (نزہۃ الخواطر ص ۴۹ ر ۷)۔

بھی پڑھی ہیں، حضرت شاہ عبدالغنی مجددیؒ اپنے دور کے زبردست حدیث کے عالم سمجھے جاتے تھے حدیث کی مشہور کتاب ابن ماجہ شریف پر آپ کا حاشیہ ''انجاح الحاجہ'' کے نام سے معروف ہے۔

حضرت شاہ عبدالغنیؒ سلسلۂ طریقت میں اپنے والد بزرگوار حضرت شیخ ابوسعید قدس سرہ کے خلیفہ ومجاز تھے اور سلسلۂ نسب آٹھویں پشت پر حضرت مجدد الف ثانیؒ سے ملتا ہے۔

حضرت شاہ صاحب نے وصال سے چند سال قبل ہندوستان سے ہجرت فرمائی اور مدینہ طیبہ قیام فرمایا اکثر اوقات حرم مدینہ میں مراقب رہتے تھے اور تأدباً خائف وترساں اور سرورِ عالم ﷺ کے روضۂ اقدس سے قدرے فاصلہ پر بیٹھتے اور زائرین کے شور وشغب مچانے پر کانپ اٹھتے اور نہایت آہستہ سے یوں فرماتے کہ صاحبو! شور نہ کرو دیکھو رسول اللہ ﷺ تشریف رکھتے ہیں۔

علمی انہماک اور اساتذہ کی عنایات

حضرت قدس سرہ طلب علم وفقہ وتفسیر میں اس قدر مستغرق تھے کہ متعلقات علم کے علاوہ کسی اور طرف بالکل التفات وتوجہ نہ فرماتے، کتب کا مطالعہ ہی آپ کی روحانی غذاء قلبی سکون کا ذریعہ تھا، اس میں آپ کو اس قدر محویت واستغراق ہوجاتے کہ برابر میں رکھا ہوا کھانا بھی اگر کوئی اٹھا کر لے جاتا تو اس کی بھی آپ کو خبر نہ ہوتی تھی، بارہا ایسا اتفاق ہوتا کہ کتاب دیکھتے دیکھتے نیند آجاتی اور صبح کو جاگتے معلوم ہوتا کہ رات کھانا نہیں کھایا، مدرسہ کو آتے جاتے ادھر ادھر بالکل نہ دیکھتے، لپکے ہوئے جاتے اور جھپٹے ہوئے آتے، ایام طالب علمی میں آپ نے کھانے کا بار کسی پر نہ ڈالا تین روپے ماہوار آپ کے ماموں بھیجا کرتے اسی میں روکھی سوکھی روٹی دال ترکاری جو وقت پر آسانی سے مل جاتا کھالیتے

اسی میں دوسرے مصارف چلاتے، کبھی تنگی و پریشانی زیادہ بڑھتی مگر سوال نہ کرتے اور نہ آج کے طلبہ کی طرح مدرسہ سے دو وقت کا کھانا ہونے کے باوجود تیسرے وقت کا محلوں سے قیمتی وقت ضائع کر کے لاتے ہیں، وقت کی انتہائی قدر فرماتے، ایک مجذوب شخص نے آپ کو علم کیمیا سکھانا چاہا اور سونا بنانے کا طریقہ ونسخہ بتلایا مگر آپ کی طبیعت جو علوم وحقائق معارف الٰہیہ کی طالب صادق تھی اس طرف بالکل متوجہ نہ ہوتی تھی اور آپ تمام تمام شب وروز طلب علم میں منہمک رہتے تھے، یہی وجہ تھی کہ آپ جملہ رفقاء پر فائق تھے اور مدرسہ کے طلباء نے ''ھل من مبارز'' آپ کا لقب رکھدیا تھا، چونکہ گنگوہی اور نانوتوی آفتاب وماہتاب خاص تھے اور بے تکلف کبھی کبھی ان کے درمیان کسی مسئلہ میں مباحثہ ومناظرہ ہوجاتا تو گھنٹوں تک بحث جاری رہتی حتیٰ کہ کبار اساتذہ بھی بڑی دلچسپی سے سنتے اور کافی مجمع جمع ہوجاتا، ایک مرتبہ ایک استاذ نے دونوں کی تقریر سن کر کہا کہ قاسم ذہین آدمی ہے اپنی ذہانت سے قابو میں نہیں آتا ورنہ تو اس مسئلہ میں رشید احمد حق پر ہے۔

اسی انہماک ومحنت وشوق کی برکت تھی کہ آپ اپنے مخلص اساتذہ کے منظورنظر تھے اور تمام طلبہ میں سب سے زائد موردعنایات تھے، اس علمی استعداد کے ساتھ ساتھ تواضع اور ادب میں بھی کامل تھے اپنے جملہ اساتذہ کے ساتھ ایک خاص انس ومحبت ادب واحترام کا تعلق رکھتے تھے دوسری طرف اساتذۂ کرام بھی انتہائی قدرداں شفیق تھے، دل سے چاہتے تھے، دونوں ہی طرف سے انس ومحبت شفقت وقدردانی کا معاملہ تھا جو تقریباً اس دور میں معدوم تو نہیں البتہ مفقود ہوتا جارہا ہے، اساتذۂ کرام میں حضرت شاہ عبدالغنیؒ سے حضرت کو بہت زیادہ قلبی تعلق تھا اوران کی حرکات وسکنات کو زیادہ پسند فرماتے، آپ کو اپنے اساتذہ سے یہ قلبی لگاؤ اخیر تک رہا اکثر ان عظیم محسنوں کا تذکرہ

جمیلہ فرماتے اور رونے لگتے اور ان کے واقعات وقصص سنایا کرتے تھے، دہلی میں طلب علم کی کل مدت بمشکل چار سال ہوئی ہے اس قلیل مدت میں کمال بلکہ کمالات کی معراج تک پہنچے جہاں اس کے عشر عشیر تک مدتہائے دراز میں بھی نہیں پہنچا جاتا ہے۔

تاریخ مشائخ چشت ص ۲۶۸ میں ہے کہ جملہ علوم وفنون سے فراغت کے بعد ۱۲۶۵ھ میں حضرت قدس سرہ کی عمر شریف ۲۱ سال تھی، اپنے وطن مالوف گنگوہ آئے اور یہاں آکر درس وتدریس میں مشغول ہوگئے اور مختلف علوم نحو، معانی، فقہ، تفسیر، حدیث کی تدریس میں ہمہ تن اشتغال رہتا تھا ۱۳۰۰ھ تک یہ سلسلہ چلتا رہا اور ۱۳۰۱ھ سے صرف حدیث پاک کی تدریس کا مشغلہ رہ گیا اور بہ نفس نفیس تنہا صحاح ستہ کی جملہ کتب خود پڑھاتے، شوال میں دورۂ حدیث کا سبق شروع ہوتا اور شعبان میں جملہ کتب حدیث کی تعلیم پوری فرمادیتے۔ موقع کی مناسبت سے حضرت گنگوہیؒ کے رفیق خاص کا کچھ ذکر خیر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہ

امام ہمام، قدوۃ الانام، برکۃ الزمان، جامع العلوم الالٰہیہ والمعارف النبویہ، منبع الفیوض والبرکات، حجۃ الاسلام، الشیخ الکبیر حضرت اقدس مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہ جن سے آپ کی رفاقت کا آغاز طلب علمی کے زمانہ میں ہوچکا تھا اخیر تک قائم رہا، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں پر برکۃً مختصر ساذکر خیر کیا جائے۔

آپ عالم اسلام کے علماء ربانیین کے امام اور مقتدا اور سرخیل تھے، در سرزمین نانوتہ ۱۲۴۸ھ میں جلوہ افروز ہوئے، پھر بچپن میں اپنے دیار کے علماء سے علمی فیض

حاصل کیا، پھر دہلی کا رخ فرمایا جو اس زمانہ میں علم وعرفاں کا مرکز تھا اور علماء اور مشائخ کی ایک بہت بڑی جماعت وہاں اللہ کے بندوں کو علمی روحانی فیوض وبرکات سے سیراب کرنے میں ہمہ تن مصروف کار تھی، آپ وہاں پہنچ کر اس دور کے ایک بہت بڑے عالم جو آپ کے ہم وطن بھی ہوتے تھے یعنی حضرت مولانا مملوک علی صاحب نانوتویؒ کی خدمت میں کتب درسیہ پڑھنے میں لگ گئے اور جب حدیث پاک کا نمبر آیا تو استاذ العلماء الکبار امام المحدثین فی عصرہ شاہ عبدالغنی ابن سعید الدہلوی المجددیؒ سے وابستہ ہوگئے اور ایک اچھا خاصہ وقت آپ نے علم حدیث حاصل کرنے میں ان کے ساتھ گذارا، مگر یہ سب عرصہ چار پانچ سال کے درمیان بنتا ہوگا، اتنی قلیل مدت میں آپ نے اور آپ کے رفیق درس مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ نے اتنا کچھ حاصل کیا کہ آج سالہا سال لگا کر بھی طلبہ، علماء، مدرسین، مصنفین ومحققین وہاں تک نہیں پہنچ رہے ہیں، کیونکہ یہ حضرات علمی کاموں میں بہت زیادہ انہماک اور اشتغال رکھتے تھے، دوسری طرف توجہ کرنے کا ان حضرات کو نہ موقع تھا، نہ فرصت تھی، یہی وجہ ہے کہ یہ حضرات اس درجہ باکمال ثابت ہوئے کہ بعد کے لوگوں نے علم وفضل میں ان حضرات کو اپنا استاذ اور اپنا امام اور اپنا شیخ اور اپنا مرشد تسلیم کیا، پھر طریقت میں حضرت اقدس حاجی امداد اللہ صاحبؒ سے وابستہ ہوگئے اور ان کی خدمت وصحبت میں رہکر فیوضاتِ روحانیہ کی سیرابی میں ہمہ تن، ہمہ وقت اور ہمہ جہت مشغول ہوگئے اور آپ کے بتائے ہوئے اوراد ووظائف کی اس قدر پابندی اختیار کی کہ ایک زمانہ خلوت میں ذکر اللہ اور مراقبہ میں اس انداز سے گذارا کہ کسی اور چیز کی طرف قطعاً التفات نہ کرتے تھے، یہاں تک کہ اس زمانہ میں نہ علمی گفتگو کرتے، نہ مجلس کرتے نہ وعظ ونصیحت کرتے بلکہ اپنی تمام تر توجہ

ذکر اللہ اور مراقبہ کی لذتوں میں گذارتے، اس فنائیت اور محویت اور استغراق تام کا نتیجہ یہ نکلا کہ حق تعالیٰ شانہ نے آپ پر حقائق روحانیہ، معارف صمدیہ کے ابواب مفتوح فرمادیئے اور حضرت اقدس مرشد الزماں حضرت حاجی صاحبؒ کی طرف سے بشارت پائی کہ مولوی قاسم جیسے لوگ پہلے زمانہ میں ہوتے تھے۔

پھر شیخ اور دیگر علماء کے حکم سے آپ خلوت سے جلوت میں آئے اور وعظ و بیان، مباحثہ ومناظرہ اور علمی وروحانی خدمات میں مشغول ہو گئے اور ایسے کارنامے آپ سے وجود میں آئے جو قیامت تک آنے والی نسلوں کے لئے بہترین ہدایت اور ایک عمدہ طریقۂ علم وعمل کی راہیں ہموار کرتے ہیں، ایک طرف آپ نے شاملی کے میدان میں انگریزوں کے خلاف جہاد میں حصہ لیا اور بہت زبردست بہادری وہمت کا مظاہرہ فرمایا اور دوسری طرف آپ نے بمشورۂ احباب علماء، صلحاء علمی روحانی مرکز کی بنیاد رکھی اور ایسا درخت لگایا کہ صدیوں گذرنے کے بعد بھی اس کا فیضان بحمد اللہ روز بروز بڑھتا ہی جارہا ہے اور وہاں کے علماء فضلاء دنیا بھر میں اپنی دینی خدمات میں مصروف ہیں جو ہندوستان کا سب سے بڑا مرکز علم وعرفاں مانا جاتا ہے یعنی (ازہر الہند دارالعلوم دیوبند) اللہ پاک ہمیشہ اس ادارہ کی اور جملہ مخلص اداروں کی حفاظت فرمائے آمین، دوسری طرف احقاق حق اور ابطال باطل کے لئے قلم ہاتھ میں لیا تو بہت سی ایسی کتابیں تصنیف فرمائیں جن کو پڑھنے اور سمجھنے کیلئے ایک عمدہ استعداد وصلاحیت کی ضرورت پڑتی ہے جیسے (آب حیات، حجۃ الاسلام، الدلیل المحکم، تحذیر الناس، تصفیۃ العقائد) وغیرہ وغیرہ، اگر یہ کہا جائے کہ آپ اپنے زمانہ کے ایک بہت بڑے عابد وزاہد، عالم وعارف، جرنیل ومجاہد، ذاکر ومراقب اور مجدد طرق ہدیٰ اور مجدد اسلام تھے تو بے جا نہ ہوگا، یقیناً آپ سے تجدیدی کارنامہ وجود پذیر ہوا جس کا

فیض ان شاء اللہ قیامت تک جاری وساری رہے گا۔

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ لکھتے ہیں: حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہ نے ایام طفلی میں یہ خواب دیکھا تھا کہ گویا میں اللہ جل شانہ کی گود میں بیٹھا ہوا ہوں، تو ان کے دادا نے یہ تعبیر فرمائی کہ تم کو اللہ تعالیٰ علم عطا فرمائے گا اور بہت بڑے عالم بنو گے اور نہایت شہرت ہو گی، یہ تعبیر ان کی نہایت درست ہوئی چنانچہ دنیا نے دیکھ لیا، کہ آپ کے علم وفضل نے دنیا کو بھر دیا، جب آپ کسی مناظرہ میں تشریف لے جاتے، مناظر دیکھ کر گھبرا جاتے اور جہاں آپ کی تقریر ہوتی دشمن بھی یہ کہنے پر مجبور ہو جاتے کہ اگر کسی کی تقریر سن کر ایمان لایا جا سکتا ہے تو مولانا محمد قاسم ہیں، کیا آپ کی بات ہے، نہایت مؤثر نہایت دلپذیر شکوک وشبہات کی قاطع اور حقائق کو دل میں راسخ کر دیا کرتی تھی اور ہر شخص دل سے تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتا تھا، جو ظاہر میں عناد کرتا اور انکار سے کام لیتا تھا، کبھی کبھی فرماتے کہ تمہارے اس اشکال کے دس جواب ہیں، پندرہ جواب ہیں اور پھر جب بیان کرنا شروع فرماتے تو عقلیں حیران ہو جاتیں کہ ایسے علوم نہ لوگوں نے کبھی پڑھے تھے، نہ سنے تھے منجانب اللہ تعالیٰ آپ پر ایک عظیم علم کا باب فتح ہوتا جس کے کنارے کا اندازہ نہیں ہو سکتا تھا کہ کہاں ہے؟۔

بحر یست بحر عشق کہ ہیچش کنارہ نیست

دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں: مجھے یاد ہے کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب قدس سرہ نے لڑکپن میں ایک خواب دیکھا تھا اس کی تعبیر یہی تھی، یوں دیکھا تھا کہ میں مر گیا ہوں اور لوگ مجھے دفن کر آئے، تب قبر میں حضرت جبرئیل تشریف لائے اور کچھ نگینے سامنے رکھے اور کہا یہ اعمال تمہارے ہیں، ان میں ایک نگینہ بہت خوشنما اور کلاں ہے،

اس کو فرمایا کہ یہ عمل حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ کا ہے، حضرت قدس سرہ کے مزاج میں جو بے انتہا سخاوت تھی اور ضیافت اور خدمت خلق یہ اس کی طرف اشارہ تھا جس کا آپ سے ہر وقت ظہور ہوتا رہتا تھا۔

نیز تحریر فرماتے ہیں: ایام طالب علمی میں حضرت مولانا نانوتوی قدس سرہ نے ایک اور خواب دیکھا تھا کہ میں خانۂ کعبہ کی چھت پر کھڑا ہوں اور مجھ میں سے نکل کر ہزاروں نہریں جاری ہو رہی ہیں، جناب والد مرحوم سے ذکر کیا انہوں نے فرمایا کہ تم سے علم دین کا فیض بکثرت جاری ہوگا۔ (سوانح عمری رص ۱۲/۳)

چنانچہ ساری دنیا نے اس کا مشاہدہ کرلیا کہ آپ سے ام المدارس دارالعلوم دیوبند کے ذریعہ سے جو خدمت ہوئی اور پھر اس کے ذریعہ سے جہان بھر میں علمی فیضان دریاؤں کی شکل میں رواں دواں ہوگیا اور فضاؤں میں پھیل گیا، یہ اس خواب کی کھلی تعبیر ہے جو سب کو نظر آرہی ہے۔

الغرض حضرت کی ذات میں ایک جہان کے کمالات جمع تھے، بقول حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ بچپن ہی سے نہایت صاحب اخلاق صاحب سادگی، تواضع، للّٰہیت، خلوص، فنائیت، شہرت سے نفرت، خدمت خلق، مجاہدہ وریاضت، ذکر وفکر، علم وعمل، صبر وتوکل ورضاء، زہد وقناعت اعلیٰ درجہ کا تقوی وپرہیزگاری، دنیا سے بے رغبتی دین الٰہی کی سرفرازی کیلئے ہر وقت تیاری اس کیلئے جان مال، ہر وقت ہر چیز قربان کرنے کو اپنی سعادت سمجھنا، علمی میدان ہو یا روحانی میدان ہو، تصنیف وتالیف ہو یا وعظ وخطابت، مجادلہ ومباحثہ ہو یا باطل طاقتوں کے ساتھ میدان میں جہاد میں اتر کر پنجہ آزمائی اور شریعت وسنت پر عمل کا ہر دم خیال، جہاں جان جانے کا خطرہ وہاں بھی سنت پر عمل کہ تین

دن روپوش ہونے کے بعد باہر تشریف لے آئے اور کسی کے پوچھنے پر فرمایا کہ بس اتنا ہی سنت ہے کہ رسول پاک ﷺ غار ثور میں تین دن ہی روپوش رہے تھے۔

بحمد اللہ تعالیٰ، بفضلہٖ وکرمہ اس ناکارہ طالب علم کو خواب میں حضرت کی زیارت کا شرف حاصل ہوا، اس طرح سے کہ گویا کہ نانوتہ میں جامع مسجد کے سامنے بَڑ کے درخت کے نیچے حضرت اقدس قدس سرہ کے مکان کے سامنے میدان میں ایک جم غفیر حضرت کی انتظار میں موجود ہے اور شور ہو رہا ہے کہ حضرت اقدسؒ تشریف لانے والے ہیں، اور لوگ بڑی بیتابی سے انتظار کر رہے ہیں، میں یہ سوچ رہا ہوں کہ اس جم غفیر میں ان لوگوں کے درمیان حضرت سے کیسے ملاقات کر پاؤنگا! یہ لوگ سب طاقت ور ہیں، ان کے بیچ میں گھسنا بندہ کیلئے ایک مشکل کام ہے، یہ سوچ کر ان سے علیحدہ ایک جگہ پر کھڑا ہوگیا اور سراپا اشتیاق بنا رہا کہ حضرت قدس سرہ تشریف لائے، بہت ہی شکیل و وجیہ اور خوبصورت نظر آرہے تھے، ہاتھ میں ایک بڑا طباق تھا، اس طباق میں بہت سارے لڈو تھے جو آپ تقسیم کرنے والے تھے، آپ نے اس ناکارہ طالب علم کو اشارہ فرمایا اور اس مجمع میں سب سے پہلے اپنے دستِ اقدس سے مجھ کو عنایت فرمایا جس سے میں بہت خوش ہو رہا ہوں، یہ خواب اس زمانہ کا ہے جب راقم اپنی مادر علمی جامعہ اشرف العلوم گنگوہ میں زیر تعلیم تھا اور دارالعلوم دیوبند میں پڑھنے کی دل میں ایک تمنا اور جذبہ تھا، بعد میں حق تعالیٰ شانہ نے اس کا بھی موقع عنایت فرمایا اور وہاں دو سال علمی وروحانی فضاؤں میں کبار علماء صلحاء کی زیارتوں، ملاقاتوں اور مجلسوں اور اسباق سے فائدہ اٹھانے کا کچھ موقع ہاتھ آیا مگر افسوس جیسا پہلے تھا اس سے بھی زیادہ جہالت اور غفلت میں اضافہ ہوگیا، اللہ پاک ان چیزوں کی صحیح تعبیر ظاہر فرمائے، ان بشارتوں سے ان اکابر علماء صلحاء کی محبت اور

عقیدت سے ضرور مانوس ہوا اور اسی کو ذریعۂ نجات سمجھتا ہوں اور یہی وہ چیزیں ہیں جو بذریعۂ قرطاس وقلم ان حضرات کو یاد کرنے پر رہ رہ کر مجبور کرتی ہیں۔

آپ کے حالات پر چونکہ بہت مفصل اور مطول کتابیں لکھی جا چکی ہیں جن میں آپ کے مکمل حالات وواقعات، کرامات اور فیوضات کا تفصیلی ذکر ہے اس لئے یہاں پر صرف اشارات سے کام لیا گیا ہے، حضرت قدس سرہ نے ۱۲۹۷ھ میں سرزمین دیوبند میں انتقال فرمایا اور ''مقبرۂ قاسمی'' میں آپ آرام فرما ہیں، حق تعالیٰ شانہ آپ کے درجات بلند فرمائے اور اعلیٰ علیین میں مقام رفیع نصیب فرمائے آمین۔

کسی بزرگ سے کسی نے پوچھا کہ حضرت گنگوہیؒ اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ میں کیا فرق ہے؟ فرمایا بھائی اس کو کون سمجھا سکتا ہے؟ اور کون ایک کو دوسرے پر ترجیح دے سکتا ہے؟ ہاں لیکن اگر تمہیں زیادہ ہی شوق ہو تو اس طرح سمجھو کہ حضرت گنگوہیؒ غالب الاخلاق تھے اور غالب الاحوال تھے اور حضرت اقدس نانوتوی قدس سرہ مغلوب الاخلاق تھے اور مغلوب الاحوال تھے۔ اسی طرح ایک بزرگ سے کسی نے پوچھا کہ حضرت ان دونوں میں کیا فرق تھا؟ تو فرمایا کہ ایک کا حال یہ تھا کہ گویا دریا کو کوزہ میں بند کر دیا گیا تھا، اشارہ تھا حضرت گنگوہیؒ کی طرف۔ اور دوسرے کا یہ حال تھا کہ کوزے سے دریا بہا دیا کرتا تھا، اشارہ تھا حضرت نانوتویؒ کی طرف اور باقی بہت سی چیزوں کی طرف اشارہ ان اشعار میں ہے جو شروع میں ذکر کئے گئے ہیں کہ یہ دونوں حضرات اپنے وقت کے رازی وغزالی تھے اور دونوں مجدد زماں تھے، یہی وجہ ہے کہ حضرت اقدس حاجی صاحبؒ نے یہ محسوس کیا کہ یہ دور کسی مجدد کا تقاضہ کر رہا ہے، اگر یہ صلاحیت کسی میں ہوسکتی ہے تو میرے ان متعلقین میں ہے اس لئے حضرت اقدس حاجی صاحبؒ نے اپنی پوری

روحانی توجہ ان حضرات کی روحانی تربیت میں اور ان کو ذکر وفکر کے انوار سے منور کرنے میں اور باطنی کمالات کی تکمیل میں محو کر دیا، اور خود اپنی تائید تصدیق دعاؤں و بشارتوں سے ان حضرات کو مضبوط کیا اور آپ کی دلی تمنائیں حق تعالیٰ شانہ نے ان بزرگوں سے بطریقۂ اتم پوری کرائی، کہ ان حضرات نے عیسائیت کی تردید جو اس دور میں ایک طوفان عظیم اور فتنۂ کبریٰ کی شکل میں تھی، جس کی پشت پر انگریزی حکومت موجود تھی، مقابلہ کیا دوسری طرف بدعات وخرافات کے سیلابوں کے سامنے دیوار قائم کی اور کہیں رفض وشیعیت کا مقابلہ کیا اور ہر طرح سے شریعت وسنت کو منقح کر کے اور اس کے ساتھ طریقت وحقیقت کو صاف ستھرا کر کے پیش کیا، جس سے یہ معلوم ہو کہ وہی اصل ہیں اور باقی چیزیں اس کی خادم ہیں اور پھر اس کے لئے ایک مخلص جماعت اس انداز سے تیار کی کہ صدیوں تک کے لئے ان کا فیض کافی ہو گیا اور ہوتا رہے گا، ان شاء اللہ۔

اب ہم پھر حضرت گنگوہیؒ کے حالات کی طرف لوٹتے ہیں:

نکاح

تذکرۃ الرشید رص ۳۷ رمیں ہے کہ دہلی سے فراغت کے بعد آپ کے نکاح کی تاریخ مقرر کی گئی، آپ کے دادا جو والد مرحوم کی جگہ آپ کی تربیت وسرپرستی فرمارہے تھے اور ادھر والدہ ماجدہ کا سایۂ عاطفت بھی قائم تھا، اور ماموں کا تقاضا ہوا کہ نکاح ہو جائے چنانچہ آپ کے ماموں مولانا محمد تقی صاحبؒ کی صاحبزادی خدیجہ سے نکاح ہو گیا جن کی عمر اس وقت صرف ۱۵ رسال کی تھی۔

حفظ قرآن کریم

نکاح کے بعد حضرت قدس سرہ کو قرآن کریم حفظ کرنے کا شوق ابھرا اور اس

درجہ بڑھا کہ آپ نے بلا استاذ بنائے خود ہی شروع فرمادیا اور شب وروز کی مسلسل لگن ومحنت کی برکت سے صرف ایک سال میں اس نعمت لازوال سے مسعود ومشرف ہوئے، **ذالک فضل الله یؤتیه من یشاء۔**

تزکیۂ واحسان، تصفیۂ وعرفان

چونکہ علم ظاہری کے ساتھ ساتھ عشق ومعرفت، ربط باللہ، تعلق مع اللہ نہایت ضروری ہے اس کے بدون علم ظاہری بسا اوقات حجاب ثابت ہوجاتا ہے اور بعض کے حق میں غرور وپندار کا ذریعہ بن جاتا ہے اور چند الفاظ پڑھنے سے وہ اپنے آپ کو بہت کچھ سمجھنے لگتا ہے۔ بقول شخصے ؎

خواجہ پندارد کہ دارد حاصل وحاصل خواجہ بجز پندار نیست

اس لئے ضروری ہے کہ علم کے ساتھ عشق الٰہی کی آگ حاصل ہوجائے تاکہ انسان کا رخ درست ہوجائے اور آداب زندگانی سے معمور ہوجائے، اس کے لئے جیسا کہ طریقہ ہے کہ صالحین واہل اللہ واطباء روحانی سے معالجۂ نفس وشہوات کرایا جائے تاکہ ان حضرات کی برکت سے رذائل سے تخلیہ ہوکر فضائل سے تحلیہ ہوجائے، کیونکہ محض قانونِ شریعت جاننا کافی نہیں ہے جب تک کہ اس پر عمل کرنے کا ذوق ومزاج نہ ہوجائے، اور اس کے لئے کسی مربی مشفق یعنی رفیقِ طریق (پیر ومرشد) کی ضرورت ہے چنانچہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جو اس بلند مرتبہ پر فائز ہوئے اس میں حضرت نبی کریم ﷺ کی صحبت وتربیت کو بڑا زبردست دخل ہے، اور جن بلند مقاصد کے لئے رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہوئی ہے ان میں تزکیۂ باطن بھی ایک اعلیٰ مقصد ہے، اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں: **هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولاً مِنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ**

آیَاتِهٖ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِيْنٍ (سورہ جمعہ پ ۲۸) وہی ہے جس نے اٹھایا ان پڑھوں میں ایک رسول انہیں میں کا، پڑھ کر سناتا ہے ان کو اس کی آیتیں اور ان کو سنوارتا ہے اور سکھلاتا ہے ان کو کتاب اور عقلمندی اور اس سے پہلے پڑے ہوئے تھے کھلی گمراہی میں۔

چنانچہ آیت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے صحابۂ کرام کا تزکیہ فرمایا اور تو ان کے قلوب نہایت مجلیٰ ومزکیٰ ہو گئے اور ہر ہر موقع پر نبی کریم ﷺ ان کو ہدایات دیتے رہے اس طرح سے حضرات صحابہ کرامؓ کو آیات ربانیہ، قرآنیہ کے علوم ومعارف کے ساتھ حکمت وسنت اور تزکیۂ باطن کی دولت عظمیٰ کا شرف بھی حاصل ہوا، بعد کے ادوار میں تابعین نے علم واخلاق کے ساتھ تزکیۂ وعرفان کی دولت بھی صحابۂ کرام سے حاصل کی اور وہ جامع اوصاف بنے اور کامل وارث ثابت ہوئے۔

اسی طرح یہ سلسلہ صحابہ وتابعین سے چل کر ہر زمانہ کے اسلاف اولیاء اللہ تک پہنچا اور انہوں نے اپنے اپنے دور میں امت کو علم شریعت، علم اخلاق، تزکیۂ باطن کی راہ پر لگایا اور کیوں نہ لگاتے جبکہ تزکیہ وتصفیہ دراصل اخلاق حمیدہ کے دل میں رسوخ کا ایک مؤثر وقوی ترین ذریعہ ہے، اذکار واشغال ومراقبات سے مقصود بھی یہی ہے کہ ہر وقت اللہ پاک کی حضوری ودھیان میسر ہو جائے اور اسی کا نام کیفیتِ احسان ہے، اور شریعت کے تمام اعمال ظاہریہ وباطنیہ پر استقامت حاصل ہو جائے، اسی کا نام ولایت ہے، اور بعض اکابر اسی کو تصوف سے تعبیر کر دیتے ہیں جو نام ہے تعمیر الظاہر والباطن کا، جیسا کہ حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا، جب بات تصوف کی آ ہی گئی تو اس سلسلہ میں کچھ گذارشات پیشِ خدمت ہیں۔

تصوف کی تعریفات

(۱)امام ابونعیمؒ مصنف ''حلیۃ الاولیاء'' فرماتے ہیں **التصوف احوال قاهرة واخلاق طاهرة** یعنی اخلاق رذیلہ کو کنٹرول میں رکھنا، ان سے بچنا، ان کو دبانا، ختم کرنے کی کوشش کرنا اور اخلاق حمیدہ طاہرہ کو پیدا کرنا، ان کو ظاہر کرنا، ان کو استعمال کرنا ان کو پسند کرنا تصوف ہے۔

حضرت ملا علی قاریؒ مرقات شرح مشکوۃ رص ۱۱۹ ر پر فرماتے ہیں کہ رذائل تو کثیر ہیں مگر اصول دس ہیں: کثرت طعام، کثرت کلام، غضب کی کثرت، حسد، بخل، حب مال، حب جاہ، کبر، خود پسندی جس کو عجب و اعجاب کہتے ہیں، ریاء کاری، ان سب سے اجتناب کی کوشش و فکر کرنا تصوف ہے اور فضائل بھی کثیر ہیں مگر اصول دس ہیں، توبہ، خوف، زہد، صبر، شکر، اخلاص، توکل، محبت، رضاء الٰہی کا حصول، رضاء بالقضاء اور فکر آخرت کو حاصل کرنا۔

حضرت امام ابونعیمؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ ارباب قلب اخلاص اور ریاء کاری میں بہت جلد فرق کر لیتے ہیں، خطرات نفسانیہ سے گہری واقفیت رکھتے ہیں، ہمت و عزیمت اور نیت صالحہ، صادقہ کے ساتھ موصوف ہوتے ہیں، ضمائر و قلوب کا محاسبہ کرنے والے ہوتے ہیں، نفس کی مخالفت کرتے ہیں، شیطان، وسواس، خناس سے بچنے کی فکر کرتے ہیں۔ دائم التفکر ہوتے ہیں، تذکر آخرت پر قائم ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا قرب و وصال تلاش کرتے ہیں اور قرب وصال سے دور کرنے والے جملہ احوال سے دور بھاگتے ہیں (حلیۃ الاولیاء رص ۲۷ رج ۱)۔

(۲) روحانیت و تصوف کے امام حضرت جنید بغدادیؒ نے فرمایا ہے کہ تصوف نام ہے **الخروج عن كل خلق دنی والدخول فی كل خلق سنی**، کا یعنی بری عادات واخلاق سے نکلنے اور اچھے پاکیزہ اخلاق میں داخل ہونے کا، نیز حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ

تصوف نام ہے دس معانی کا۔

(۱) دنیوی ہر شئی میں تقلیل کرنا امور آخرت میں تکثیر کے ساتھ۔

(۲) اللہ پاک پر دل سے اعتماد کرنا تا کہ سکون قلبی حاصل ہو۔

(۳) طاعات، فرائض ونوافل میں رغبت کرنا اور شوق کے ساتھ اشتغال رکھنا۔

(۴) حلال وحرام کی تمیز کے ساتھ زندگی بسر کرنا۔

(۵) دنیا کی کمی پر صبر کرنا، نہ سوال کرنا اور نہ شکوہ وشکایت کرنا۔

(۶) اللہ پاک کے ساتھ ایسا مشغول ہونا کہ دوسرے اشتغال ترک ہو جائیں۔

(۷) ذکر خفی پر مداومت کرنا (الحمدللہ سلسلۂ نقشبندیہ میں اس پر بہت زور دیا جاتا ہے)۔

(۸) اعمال میں اخلاص پیدا کرنے کی سعی اور کوشش کرنا۔

(۹) ایمان ویقین کو مستحکم ومضبوط کرنے کی تدابیر کرنا۔

(۱۰) اضطراب ووحشت میں اللہ پاک سے سکون واطمینان حاصل کرنا، جب یہ سب خصلتیں متحقق ہو جائیں تب تصوف صادق ہوگا ورنہ کاذب رہے گا (حلیۃ الاولیاء رص ۲۲ ر ج ۱)۔

سبحان اللہ! حضرت جنید بغدادی قدس سرہ نے تو اس قدر حقائق اور معارف بیان فرمائے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک پر بے شمار آیات وروایات دلالت کرتی ہیں، مثلاً ایک موقع پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ پاک کے یہاں دنیوی مال ودولت کی کوئی قدر نہیں ہے، نہ اس کا دیا جانا اللہ پاک کے یہاں کسی شرافت اور قرب کی دلیل ہے، بلکہ یہ چیزیں اللہ پاک کے یہاں بالکل بے قدر اور حقیر ہیں، اگر ایک خاص مصلحت مانع نہ ہوتی تو اللہ پاک کافروں کے مکان کی چھتیں، زینے اور دروازے، تخت اور چوکیاں سب سونے اور چاندی کی بنا دیتے، مگر اس صورت میں انسانوں کا ایک

ناسمجھ طبقہ یہ دیکھ کر گمراہ ہو جاتا اور یہ سمجھ بیٹھتا کہ یہ لوگ حق پر ہیں، جبھی تو ان کو یہ سب کچھ ملا ہوا ہے، اس لئے اللہ پاک نے ایسا نہیں ہونے دیا اور ان چیزوں کی حقارت اور ذلت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

وَاِنْ كُلُّ ذٰلِكَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ لِلْمُتَّقِيْنَ ط وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ ط وَاِنَّهُمْ لَيَصُدُّوْنَهُمْ عَنِ السَّبِيْلِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ط (الزخرف ۲۵/۹)۔

ترجمہ: اور نہیں ہے یہ سب کچھ مگر دنیا کی زندگی کا متاع یعنی حقیر سامان اور آخرت بہتر ہے تیرے رب کے یہاں متقیوں کے لئے اور جو اللہ کی یاد سے آنکھیں چرائے گا (اور دل ہٹائے گا) ہم اس پر مقرر و مسلط کر دیتے ہیں ایک شیطان جو اس کا خاص دوست بن جاتا ہے اور ایسے لوگ روکتے ہیں دوسروں کو بھی راہ حق سے اور سمجھتے ہیں کہ وہ خود بہت ہدایت یافتہ ہیں۔

اس آیت پاک میں ایک بات تو یہ سمجھائی گئی ہے کہ دنیا کے مال و متاع، ثروت و دولت، عزت و شہرت کو بڑی چیز نہ سمجھو بلکہ آخرت میں یقین رکھو کہ وہ اصل ہے اور وہاں کی نعمتیں اصل ہیں، وہی باقی رہنے والی ہیں اور دنیا اور دنیا کی ساری چیزیں ختم ہونے والی ہیں لہذا عقل مند وہ ہے جو اصل اور باقی کو عارضی اور فانی پر ترجیح دے اور دنیا سے اعراض کرے اور آخرت کو مقصود بنائے یہی زہد فی الدنیا کی حقیقت ہے۔

اور دوسری بات یہ بتائی گئی ہے کہ جو شخص اللہ پاک کے ذکر سے اعراض کریگا اس پر شیطان مسلط ہو جائے گا اور اس کا دوست بن جائے گا۔

نیز یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ جو لوگ ذکر رحمٰن سے روک کر اپنے آپ کو ہدایت

یافتہ سمجھیں وہ سخت مغالطہ میں مبتلا ہیں۔

ذکر گوذکر تاترا جان است　　　　پاکیٔ دل زذکرِ رحمٰن است

دوسری چیز: جوحضرت جنیدؒ نے ذکر فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ پاک پر دل سے اعتماد وبھروسہ کرے، اللہ پاک پر اعتماد وبھروسہ ہی ایمان کی اصل واساس ہے، جتنا حق تعالیٰ کی ذات پاک پر توکل واعتماد زیادہ ہوگا اتنا ہی حق تعالیٰ کا قرب اور معیت حاصل ہوگی اور شیطان کے تسلط سے حفاظت ہوگی۔

چنانچہ ایک موقعہ پر اللہ پاک نے ارشاد فرمایا:

اِنَّهٗ لَیْسَ لَهٗ سُلْطَانٌ عَلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْ وَعَلٰى رَبِّهِمْ یَتَوَکَّلُوْن (سورۂ نحل)۔

ترجمہ بیشک شیطان کا زور نہیں چل سکتا ان لوگوں پر جو ایمان رکھتے ہیں اور اللہ پاک پر بھروسہ رکھتے ہیں۔

یہ توکل واعتماد کی کیفیت ہی راہ سلوک کی بنیاد ہے۔

تیسری چیز: جوحضرت جنیدؒ نے ارشاد فرمائی وہ طاعات وفرائض ونوافل میں رغبت کرنا، شوق کے ساتھ اشتغال رکھنا اور جملہ معاملات میں اللہ پاک کی اطاعت ہے، یہی تصوف کا مقصود اصلی ہے، یعنی اللہ پاک کی اطاعت میں رغبت وشوق کی کیفیت حاصل ہو، جس سے شریعت مقدسہ کے امور کی انجام دہی طبیعت پر گراں نہ ہو بلکہ ایک قسم کی حلاوت ولذت محسوس کرے، اور یہ کیفیت جب ہی ہوگی جب ذات باری تعالیٰ کے ساتھ محبت کا تعلق ہوگا کہ محبوب کے ہر حکم کی تعمیل میں محبّ کو لذت محسوس ہوتی ہے، حاصل یہ ہے کہ تصوف کی محنت اس لئے ہے کہ اللہ پاک کی اطاعت، شوق وذوق اور محبت کے ساتھ کرنا آجائے۔

چوتھی چیز: جو حضرت جنیدؒ نے بیان فرمائی ہے وہ یہ کہ حلال وحرام کی تمیز کرے، اس کا حاصل یہ ہے کہ تقویٰ و پرہیز گاری کے ساتھ زندگی گذارے، یہی راہ سلوک میں سکھایا اور بتایا جاتا ہے اور اسپر بہت سی آیات دلالت کرتی ہیں ایک موقع پر حق تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَ الـلّٰهَ مَعَ الّذِیْنَ اتّقَوْا وَالّذِیْنَ هُمْ مُحْسِنُوْنَ کہ بیشک اللہ پاک ان کے ساتھ ہوتے ہیں جو پرہیز گار ہیں اور نیکی کرتے ہیں، اور ایک دوسرے مقام پر حق تعالیٰ نے فرمایا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتّقِیْن ط کہ بیشک اچھا انجام متقیوں ہی کا ہوتا ہے، ان آیات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اللہ پاک کی خصوصی عنایت اور معیت دنیا میں متقیوں کو حاصل ہوتی ہے اور آخرت میں ہر قسم کا بہترین انجام جنت اور وہاں کی نعمتیں انہی کو حاصل ہوں گی۔

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: اِنّ لِلْـمُتّقِیْنَ مَفَازاً حَدَائِقَ وَاَعْنَاباًوّ کَوَاعِبَ اَتْـرَاباً وّ کَـاْسـاً دِهَـاقـاً لَایَسْـمَـعُوْنَ فِیْهَا لَغْواًوّلَا کِذّٰباً جَزَآءً مِنْ رّبِکَ عَطَاءً حِسَاباً (النبا ۷۸/۳۰) بیشک متقیوں کے لئے ہی کامیابی ہوگی، باغات ہوں گے اور انگور اور نوجوان عورتیں (یعنی حوریں) جو سب ایک عمر کی ہوں گی اور چھلکتے ہوئے جام اور پیالے ہونگے جن میں ہر قسم کی مشروبات ہونگی، وہاں نہ کوئی لغو بات سنیں گے جس سے تکلیف ہو اور نہ جھوٹ، فریب کی نوبت آئے گی یعنی کسی سے نہ جھگڑا ہوگا نہ تکرار، نہ بحث ہوگی نہ حجت۔

جنت آں باشد کہ آزارے نہ باشد کسے را با کسے کارے نہ باشد

پانچویں چیز: جو حضرت جنیدؒ نے بیان کی ہے وہ یہ کہ دنیا کی کمی پر صبر کرنا، نہ سوال کرنا اور نہ شکوہ شکایت کرنا، یہ چیز بھی راہ سلوک کی جان اور بنیاد ہے، اولیاء اللہ کی یہ ایک خاص صفت ہے کہ وہ دنیا کی کمی پر صابر ہوتے ہیں اور جو ملجائے اس پر شاکر ہوتے ہیں۔

رسول پاک علیہ السلام نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا: جو دنیا سے محبت رکھتا ہے اپنی

آخرت کو نقصان پہنچا تا ہے اور جو آخرت سے محبت رکھتا ہے اس کی دنیا کو نقصان پہنچتا ہے لہذا اسکو ترجیح دو جو باقی رہنے والی چیز ہے اس چیز پر جو ختم وفنا ہونے والی ہے۔

نیز ارشاد باری تعالی ہے: وَلَلْآخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْأُولَىٰ (الضحیٰ ۳۰/۹۳) اور آخرت آپ کے لئے دنیا سے بہت بہتر ہے، اس ارشاد میں اگر چہ خاص مخاطب رسول پاک ﷺ ہیں مگر تمام مؤمنین کا یہی حال ہے کہ آخرت ان کے لئے دنیا سے بہتر ہے اور آخرت کی نعمتیں ہی ان کے پیش نظر ہوتی ہیں، نیز ایک موقع پر حق تعالی نے فرمایا بَلْ تُؤْثِرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ (الاعلیٰ ۳۰/۸۷) کہ تم لوگ دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو اس کے بڑھانے کی فکر میں رہتے ہو جب کہ آخرت بہتر ہے اور باقی رہنے والی ہے۔

چھٹی چیز: جو حضرت جنیدؒ نے بیان کی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ پاک کے ساتھ ایسا مشغول ہو کہ دوسرے اشغال ترک ہو جائیں، اس سے مقصود یہ ہے کہ ہر چیز کی محبت قلب کی گہرائی سے نکل جائے اور صرف حق تعالی ہی کی محبت اور عشق کا غلبہ ہو، اور اگر کسی سے محبت بھی کرے تو وہ بھی صرف اللہ کے لئے، یا اس لئے کہ اللہ پاک نے انکے حقوق رکھے ہیں اور محبت کا حکم دیا ہے، بار بار اپنے دل کو دیکھے کہ یہ کیفیت حاصل ہوئی کہ نہیں، اللہ کی محبت کا غلبہ ہے یا مال ومتاع کی محبت کا، اولاد، اہل وعیال اور باغات، کاروبار اور دنیا کی ہر چیز جن سے لوگ محبت کرتے ہیں اور جن کی خاطر لڑتے مرتے ہیں، ہر وقت لگے رہتے ہیں یہ بھی انہیں میں لگا ہوا ہے، یا اللہ کی یاد میں لگ کر سب کو بھولا ہوا ہے، اگر یہ کیفیت حاصل ہے تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا قرب حاصل ہونے کی علامت ہے اور یہی اس راستہ کا مقصد ہے۔

حضرت جنیدؒ کے اس فرمان کا مقصد یہ نہیں ہے کہ آدمی اس میں لگ کر بالکل معطل ہو جائے، کمانا اور اہل وعیال کے حقوق کا ادا کرنا اور ایسے ہی دیگر رشتہ دار اور احباب و متعلقین

کو چھوڑ دینا اور ان کے حقوق سے دست بردار ہو جانا، یہ ہرگز ہرگز صوفیاء کا طریقہ نہیں ہے، بلکہ حضرات صوفیاء کرام مخلوق کے سب سے بڑے خادم ہوتے ہیں اور ہر ایک کے حقوق کو پہچانتے ہیں اور سب کی خدمت کو اپنا فریضہ سمجھتے ہیں۔

چنانچہ تاریخ اس بات پر گواہ ہے کہ حضرات صوفیاء نے جس فیاضی اور کریمانہ اخلاق کے ساتھ انسانوں کی خدمت کی ہے وہ انسانوں کے دیگر اور طبقات نہ کر سکے، چونکہ ان میں کسی نہ کسی تعصب کا عنصر موجود رہا، اور یہ گروہ تمام مخلوق کو اللہ کا کنبہ سمجھتا رہا اور اللہ کا کنبہ سمجھ کر بلا کسی امتیاز اور تعصب کے خدمت کرتا رہا، اور دوسری طرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے حقوق کی ادائیگی میں لگا رہا، یعنی ادھر خالق تعالیٰ کے حقوق کو بھی خوب نبھایا، اور اُدھر بندوں کے حقوق بھی فراموش نہ کیے، حقیقت یہ ہے کہ یہی طبقہ دنیا میں اللہ کا خلیفہ کہلانے کا مستحق ہے۔

ساتویں چیز: جو فرمائی وہ یہ ہے کہ ذکر خفی پر مداومت کی جائے، یہ اس راستہ کی روح ہے، ویسے بھی ذکر باری تعالیٰ کائنات کی روح ہے اگر یہ نہ ہوگا تو قیامت قائم ہو جائے گی، جیسا کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک کہ لوگ زمین میں اللہ اللہ کرتے ہوں گے (ترمذی ۲/۴۴، ابواب الفتن) یعنی ثابت یہ ہوا کہ روحِ کائنات اللہ کا ذکر ہے اور اس سارے نظام کا ٹھہراؤ اللہ کے ذکر پر ہے۔

نیز معلوم ہوا کہ اللہ پاک کا مقصود بھی اس کائنات کے وجود سے اپنا ذکر ہے، جب لوگ حق تعالیٰ کی یاد کو چھوڑ کر، ان سے غافل ہو کر دنیا میں مگن ہو جائیں گے اور خرافات میں لگ جائیں گے تو اس کائنات کے بنانے کا مقصد ختم ہو جائے گا اور اس وقت حق تعالیٰ جل شانہ اس نظام کو تباہ کر دیں گے۔

جیسا کہ یہ بات عقل میں بھی آتی ہے کہ جب کسی چیز سے اس کا مقصد حاصل ہونا ختم ہو جائے تو پھر اس کے وجود اور بقاء کی طرف دھیان بھی نہیں دیا جاتا بلکہ اس کو ختم کرنے کی فکر کی جاتی ہے، اس لئے ذکر اللہ بہت ضروری ہے چاہے وہ جہری ہو یا سری، مگر چونکہ ہر وقت ہر جگہ ذکر جہری کرنا مشکل بھی ہے اسلئے ذکر خفی جو دل سے ہوتا ہے وہ آسان بھی ہے اور ہر وقت اور ہر جگہ کیا بھی جا سکتا ہے، زیادہ اہم بھی ہے اور فضیلت کی چیز بھی ہے۔

چنانچہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ذکر قلبی کو ذکر جہری پر ستر گنا زیادہ فضیلت حاصل ہے، اور اس میں سکون و راحت بھی زیادہ ہے اور توجہ الی اللہ بھی زیادہ ہے ہمارے جتنے اکابر گزرے ہیں ان سب کا معمول ذکر خفی پر مداومت رہا ہے، بطور خاص سلسلۂ نقشبندیہ میں سالک کو شروع ہی سے ذکر قلبی کی تلقین کی جاتی ہے جب کہ اور سلسلوں میں یہ چیز اخیر میں بتائی جاتی ہے، اسی وجہ سے امام المجدد دین شیخ احمد سرہندی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں: دوسروں کی انتہا ہماری ابتدا میں مدغم ہے، یعنی جہاں دوسروں کی انتہا ہوتی ہے وہاں سے ہماری شروعات ہوتی ہے، قرآن پاک کے اشارات وتصریحات بھی اسی کو بتاتے ہیں کہ اصل ذکر قلبی ہے:

چنانچہ ارشاد باری تعالی ہے: الا بذکر اللہ تطمئن القلوب (الرعد ۱۳/۹)

خبردار! اللہ کے ذکر ہی سے قلوب کو اطمینان ہوتا ہے، اس میں اس بات کا اشارہ ہے کہ قلب کے اطمینان کے لئے قلب ہی سے ذکر اللہ کرتا رہے اگر چہ مطلق ذکر سے بھی اطمینان حاصل ہوتا ہے لیکن جب تک کہ قلب کی محویت ذکر اللہ کے ساتھ نہ ہوگی اس وقت تک قلب کو پورا اطمینان حاصل نہ ہوگا۔

نیز حق تعالی نے فرمایا ہے وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَه عَنْ ذِکْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاه

وَكَانَ اَمْرُه فُرُطاً۔

اور آپ اس شخص کی اتباع نہ کیجئے جس کے دل کو ہم نے ذکر اللہ سے غافل کردیا اور وہ اپنی خواہشات کا پیروکار ہوا اور اس کا معاملہ افراط وتفریط میں ہوا۔ اس آیت سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ جو شخص دل سے اللہ کی یاد میں لگا ہوا ہو وہ تو اس قابل ہے کہ اس کی بات مانی جائے اور جس کا دل اللہ کی یاد سے غافل ہو وہ اس قابل نہیں ہے۔

اس آیت سے بھی دل سے ذکر اللہ کرنے کی ترغیب معلوم ہوتی ہے، نیز اللہ پاک کا ارشاد ہے اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعاًوَّ خُفْيَه، اللہ پاک کو تضرع یعنی گڑگڑا کر یاد کرو اور آہستہ چپکے چپکے یاد کرو۔ اس آیت سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ دل کی کیفیت کے ساتھ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو کثرت کے ساتھ یاد کیا جانا مطلوب ہے۔

اللہ پاک کا ارشاد ہے: يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اُذْكُرُو اللّٰه ذِكْراً كَثِيْراً وَّسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلا۔

اے ایمان والو! اللہ پاک کو خوب یاد کرو اور صبح وشام ان کی تسبیح اور بزرگی بیان کرو۔

آٹھویں چیز: جو حضرت جنیدؒ نے بیان کی ہے وہ یہ ہے کہ اعمال میں اخلاص پیدا کرنے کی سعی اور کوشش کرو، یہ بات بھی بہت قیمتی ہے اور قرآن وحدیث کی تعلیمات کا خلاصہ ہے، ظاہر ہے کہ کوئی بھی عمل اللہ پاک کے یہاں بغیر اخلاص کے قبول نہیں ہوسکتا ہر عمل کی قبولیت کا مدار اسی بات پر ہے کہ وہ عمل اللہ کے لئے ہو تبھی اللہ جل شانہ اس عمل کو قبول کریں گے ورنہ اللہ پاک اس عمل کو قبول کرنے سے برأت کا اعلان کردیں گے اور فرمادیں گے جس کے لئے کیا ہے اسی کے پاس جاکر اس کا اجروثواب تلاش کرلو میرے پاس اس کا کچھ عوض نہیں ہے۔

ریاکاری اور شہرت کے ارادہ سے کسی نیک کام کو کرنا اللہ پاک کو سخت ناپسندیدہ ہے جس کی احادیث میں سخت مذمت آئی ہے، انہی جذبات کو ختم کر کے اخلاص پیدا کرنے کی محنت کا نام ہی تصوف ہے، اکابر اولیاء اللہ کے پاس اخلاص کے حصول کے نسخے ہوتے ہیں نیز ان کی صحبت اس باب میں اکسیر اعظم ہوتی ہے۔ ریاکاری کی مذمت بیان کرتے ہوئے رسول پاک ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اپنے عمل کو لوگوں کو سنانے کے لئے کرتا ہے اللہ پاک مخلوق کے کانوں میں اس بات کو پہنچا دیتے ہیں کہ وہ ریاکار ہے اور لوگوں کی نظروں میں اس کو حقیر و ذلیل کر دیتے ہیں (مشکوٰۃ شریف رص ۴۵۴)۔

نیز رسول پاک ﷺ نے فرمایا: کہ تھوڑا سا ریا بھی شرک ہے، نیز رسول پاک علیہ السلام نے فرمایا: جو شخص دکھانے کے لئے نماز پڑھتا ہے اس نے شرک کیا اور جس نے دکھانے کے لئے روزہ رکھا اس نے شرک کیا اور جس نے دکھانے کے لئے صدقہ اور خیرات کیا اس نے شرک کیا (مشکوٰۃ شریف رص ۴۵۴)۔

نویں چیز: جو حضرت جنیدؒ نے فرمائی وہ یہ ہے کہ ایمان و یقین کو مستحکم و مضبوط کرنے کی تدبیر اختیار کی جائے، یہ بات بھی تصوف کی بلکہ ایمان و اسلام کی بنیاد ہے اگر یہی چیز نہیں ہوگی تو نام کا مسلمان ہوگا، آج خرافات کے اس دور میں ایمان کو خراب کرنے اور کمزور کرنے کی بے حساب سازشیں ہو رہی ہیں، اس لئے تمام مؤمنین کو اپنے اور اپنے متعلقین، اولاد و محبین کے ایمان کی حفاظت کے لئے بہت زیادہ سوچنے اور فکر کرنے اور اسباب اختیار کرنے کی اشد ضرورت ہے، اگر اس سے ذرا بھی غفلت برتی گئی تو بہت بڑا نقصان ہو جائیگا اللہ پاک حفاظت فرمائے اور ایمان و یقین کو مضبوط سے مضبوط بنائے آمین!۔

دسویں چیز: جو حضرت جنیدؒ نے بیان فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ اضطراب و وحشت میں

اللہ پاک سے سکون واطمینان حاصل کرے، یہ بھی اولیاء اللہ کی ایک مخصوص صفت ہے، جب دنیا میں حوادثات، آلام، مصائب، زلزلے، طوفان، ہنگامے اور فسادات ہوتے ہیں اور لوگ بیچین ہوجاتے ہیں اس وقت بھی اولیاء اللہ کے اوپر سکون اور اطمینان کی کیفیت طاری رہتی ہے اور وہ مطمئن نظر آتے ہیں، جس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اللہ پاک سے اتنے قریب ہوچکے ہوتے ہیں کہ ان کو اللہ پاک سے سکون کی کیفیت حاصل ہوتی رہتی ہے اور ان کو اطمینان ببرکت توکل علی اللہ کے اور اعتماد باللہ کے اور ذکر کے ملتا رہتا ہے، اللہ پاک یہ سب کمالات اور خوبیاں ہمیں بھی نصیب فرمائے! آمین یارب العالمین۔

(۳) تصوف کہتے ہیں تفرد العبد بالصمد الفرد کو یعنی بندہ اپنے مولی کے ساتھ خاص تعلق اختیار کرلے۔

تشریح :۔ یعنی بندہ صرف **اللہ الصمد وحدہ لاشریک لہ** پر ہی اعتماد وتوکل کرے، اور جملہ اسباب سے قطع نظر کرلے جیسا کہ حضرت صدیق اکبرؓ پہلے پہلے ابن الدغنہ کی حمایت وجوار میں رہ کر اندرون خانہ اپنے مولی تعالیٰ کی عبادت کرتے تھے اور نماز کے اندر تلاوت میں انتہائی لذت وحلاوت پاتے تھے اور دل سے روتے، آنکھیں اشکبار ہوجاتی تھیں، آپ کی تلاوت کی کشش ایسی تھی کہ بہت سے مرد عورتیں جمع ہوجاتے تھے، اس کو دیکھ کر رؤسائے قریش پریشان ہوئے اور ابن الدّغِنہ کے پاس شکایت کی، حضرت صدیق اکبرؓ نے اس کی حمایت واپس کردی اور اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی جوار وحمایت میں آگئے اور نبی کریم ﷺ بھی ان دنوں مکہ ہی میں تھے، اس طرح سے صدیق اکبرؓ نے اللہ الصمد الفرد کے ساتھ تفرد اختیار فرمایا (حلیۃ الاولیاء رص ۲۹ رج ۱)۔

ہر تمنّا دل سے رخصت ہوگئی اب تو آجا اب تو خلوت ہوگئی

والا حال حاصل ہو جائے بندہ بظاہر دنیاء میں ہو مگر باطن سے رب العزت والجلال کے قرب ووصال سے سرشار ہو۔

(۴) کہا جاتا ہے کہ تصوف نام ہے: **تطلیق الد نیاء و الاعراض عن منالها کا** یعنی دنیا اور اسکے حاصل کرنے سے اعراض کرنا، دنیوی لذائذ ونعم کو رضاء الٰہی کے لئے ترک کرنا اگر چہ شریعت نے ان کو حلال فرمایا ہو۔

چنانچہ مروی ہے کہ ایک بار حضرت صدیق اکبرؓ نے پانی طلب فرمایا، آپ کو شہد ملا ہوا پانی پیش کیا گیا جب آپ نے منہ سے قریب فرمایا تو رونے لگے، پاس بیٹھنے والے بھی رونے لگے، جب آپ خاموش ہو گئے اور قریب والے بھی خاموش ہو گئے تو لوگوں نے رونے کی وجہ معلوم کی، فرمایا کہ ایک دفعہ میں حضرت رسول کریم ﷺ کے ساتھ تھا آپ ﷺ اِلَیْکَ عَنِّی اِلَیْکَ عَنِّی فرمارہے تھے، مجھ سے دور ہو، مجھ سے دور ہو حالانکہ میں وہاں کسی کو نہیں دیکھتا تھا، بندہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کس چیز کو فرمارہے ہیں؟ فرمایا کہ جب دنیا اپنی زیب وزینت کے ساتھ میرے سامنے آنا چاہتی ہے اس پر میں کہتا ہوں الیک عَنِّی الیک عَنِّی، فرمایا: دنیا کہتی ہے ٹھیک ہے گر چہ آپ مجھ سے بچ گئے مگر آپ کے بعد والے مجھ سے نہ بچ سکیں گے، اس لئے مجھے خوف طاری ہوا کہ کہیں دنیا مجھ کو تو نہیں لپٹ گئی، اس لئے رونے لگا۔

(۵) کہا جاتا ہے تصوف نام ہے اَلْجِدُّ فی السُّلُوک الٰی مَلِکِ المُلُوک، کا یعنی بادشاہوں کے بادشاہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف طاعات وخیرات سے چلنے کی پوری کوشش کرنے کا، ان کی مرضی کو تلاش کرے اور نامرضیات، مشتبہات اور مشکوک چیزوں سے بھی بچے، جیسا کہ ایک دفعہ صدیق اکبرؓ نے جب معلوم نہ ہونے

کی حالت میں ایک مشتبہ لقمہ کھالیا تھا، آپ اس وقت شدید بھوک کی حالت میں مبتلا تھے، آپ کے غلام نے آپکواس بات کی اطلاع دی تو آپ نے فوراً قے کی، جب قے کرنے کے باوجود اس کے نکلنے میں دشواری ہوئی، آپ کو بتایا گیا کہ یہ پانی کے بغیر نہیں نکلے گا، آپ نے پانی منگایا اور پانی پی کر قے کی تو وہ نکل گیا، اور پھر یہ روایت سنائی کہ رسول پاک علیہ السلام نے فرمایا وہ بدن جو مال حرام سے تیار ہوا ہو، نشو ونما پایا ہو، جہنم کی آگ اس کے زیادہ لائق ہے، اور فرمایا میں ڈرا اس بات سے کہ اس لقمہ سے میرے بدن کا کوئی حصہ تیار ہو اور اس کو جہنم کی آگ لگے، اس واقعہ میں کتنی بڑی عبرت ہے کہ یہ حضرات کھانے کے سلسلہ میں کس قدر محتاط تھے، مشتبہ اور مشکوک اشیاء سے کس قدر بچا کرتے تھے، یہی اصل چیز ہے جو اس زمانہ میں کم ہوتی جارہی ہے۔

(۶) کہا جاتا ہے کہ تصوف نام ہے **السکون الی اللھیب فی الحنین الی الحبیب** کا، یعنی دوست پر شفقت وخیر خواہی کے جذبہ میں اپنے آپ کو پریشانیوں سے گذارنا اور اسی کو اپنا سکون بنانا، ایک بار حضرت صدیق اکبرؓ کے پاس ایک شخص آیا اور کہا کہ اپنے دوست (محمدؐ) کی خبر لو، باہر نکلے تو معلوم ہوا کہ مسجد حرام میں حضور علیہ السلام کو کفار مار پیٹ رہے تھے، ابو بکر صدیقؓ یہ کہتے ہوئے کہ تمہارا ناس ہو اس شخص کو محض اس وجہ سے مارتے ہو کہ وہ فرماتے ہیں کہ میرا رب اللہ ہے حالانکہ وہ تمہارے پاس وحدانیت، رسالت، بعث بعد الموت کے واضح دلائل لاچکے ہیں، یہ کہتے ہوئے درمیان میں گھس گئے اور حضور ﷺ کو کفار سے بچایا، کفار حضور ﷺ کو چھوڑ کر ابو بکرؓ کو مار پیٹ کرنے لگے مگر آپ **تَبَارَکْتَ یَا ذَالْجَلَالِ وَالْاِکْرَام** کہتے ہوئے نکل آئے (حلیۃ الاولیاء ص ۳۲ ج ۱)۔

(۷) تصوف کہا جاتا ہے **وَقْفُ الْھِمَمْ عَلٰی مَوْلَی النِّعَمْ** کو، یعنی مولیٰ تعالیٰ کی

نعم اُخرویہ حاصل کرنے کے لئے کوشش وہمت کرنا، ایک بار حضرت نبی کریم ﷺ نے صدقہ وخیرات کا حکم فرمایا، حضرت ابو بکرؓ صدقہ لائے اور عرض کیا، یہ صدقہ اللہ کے لئے ہے اور اللہ تعالیٰ کے یہاں ثواب کا وعدہ ہے، ان کے بعد حضرت عمرؓ صدقہ لائے اور جیسا کہ ابو بکرؓ نے عرض کیا تھا ایسا ہی انہوں نے بھی حضرت سے عرض کیا، حضرت ﷺ نے فرمایا کہ تمہارے صدقوں میں ایسا ہی فرق ہے جیسا کہ تمہارے درمیان فرق ہے۔ ایک دوسرے موقعہ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال خرچ کرنے کا حکم فرمایا، حضرت ابو بکرؓ سارا مال لیکر حاضر خدمت ہوئے اور جب حضرت ﷺ نے معلوم کیا تو عرض کیا کہ سب کچھ لیکر حاضر ہو گیا ہوں، اللہ اور ان کے رسول کی رضامندی کو گھر چھوڑ کر آیا ہوں، اتنے میں حضرت عمرؓ اپنا آدھا مال لیکر حاضر خدمت ہوئے اور یہ سوچ رہے تھے کہ آج تو میں ابو بکرؓ سے بڑھ جاؤں گا، ان سے سبقت لے جاؤں گا جب حضرت نے معلوم فرمایا، تو عرض کیا کہ نصف مال گھر کا لیکر حاضر ہوا ہوں، پھر ابو بکرؓ کے بارے میں ان کو معلوم ہوا کہ وہ سارے مال کے ساتھ حاضر ہوئے ہیں، کہا کہ ان سے سبقت کرنا ممکن نہیں ہے۔

(۸) کہا گیا ہے کہ تصوف نام ہے شوق میں آکر اپنے گلے میں طوق ڈالنے کا، یعنی مرضی رب حاصل کرنے میں تکلیف برداشت کرنے کا، حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ غار کی رات (یعنی جب کہ حبیب ومحبوب ابو بکرؓ ورسول اکرم ﷺ غار میں تھے) ابو بکرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ سے قبل بندہ داخل ہوگا، خدانخواستہ اگر وہاں کوئی سانپ بچھو ہو تو مجھے نقصان پہنچ جائے، آپ تو بچ جائیں گے، چنانچہ وہ حضرت ﷺ سے قبل داخل ہوئے اور جہاں کوئی سوراخ ملا کپڑا اپھاڑ کر اس کو بند کیا حتی کہ سارا کپڑا لگا دیا صرف ضروری استعمال کا کپڑا بچ رہ گیا، ایک سوراخ اور باقی تھا اس پر اپنی ایڑی رکھ کر عرض کیا اب آپ

تشریف لا سکتے ہیں، جب صبح ہوئی تو آپ ﷺ نے معلوم فرمایا کہ اے ابوبکرؓ! تمہارا کپڑا کہاں ہے؟ تب پوری بات بتائی، یہ سنکر رسول کریم ﷺ نے ہاتھ اٹھائے اور دعاء فرمائی کہ اے اللہ! ابوبکر جنت میں میرے ساتھ میرے درجہ میں ہوں، وحی آئی کہ آپ کی دعاء قبول ہوگئی ہے (حلیۃ الاولیاء رص ۳۳ رج ۱)۔

(۹) یہاں حضرت صدیق اکبرؓ کا یہ قول نقل کرنا بھی عظیم فائدہ سے خالی نہیں ہے جو تصوف کی جان ہے فرمایا: **لا خیر فی قول لایراد به وجه الله تعالیٰ ولا خیر فی مال لاینفق فی سبیل الله ولا خیر فیمن یغلب جهلُه حِلْمَه ولا خیر فیمن یخاف فی الله لومَة لائم:** یعنی اس قول میں کوئی خیر و بھلائی نہیں ہے جس کا مقصود رضائے باری تعالیٰ نہ ہو اور اس مال میں کوئی خیر نہیں ہے جو اللہ کے راستہ میں خرچ نہ ہوا ہو، اور اس شخص میں بھی کوئی خیر نہیں جس کی جہالت اس کے حلم و بردباری پر غالب ہو، اور اس شخص میں بھی کوئی خیر نہیں ہے جو اللہ پاک کی محبت و معاملہ میں ملامت کرنے والے کی ملامت کا خیال وخوف کرے اور حق وصداقت کو چھوڑ دے (حلیۃ الاولیاء رص ۳۶ رج ۱)۔

عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن سابط کہتے ہیں کہ جب حضرت ابوبکرؓ کی وفات کا وقت قریب آیا حضرت عمرؓ حاضر ہوئے، بلکہ ان کو بلوایا گیا تھا حضرت ابوبکرؓ نے ان کو نصیحت فرمائی کہ اے عمر! اللہ پاک سے ڈرتے رہنا اور جان لو کہ اللہ پاک کو خوش کرنے کے لئے کچھ اعمال دن میں ہیں وہ رات میں کرنے سے قبول نہیں ہوتے، یعنی وہ عبادات جو دن والی ہیں، اور کچھ اعمال خصوصاً نوافل تہجد وغیرہ رات میں ہیں وہ دن میں قبول نہیں ہوتے، کہ رات میں جو خلوت مع اللہ میں لطف اور اخلاص ہوتا ہے وہ دن میں میسر نہیں ہوتا، اور یاد رکھو! کہ نوافل فرائض کی ادائیگی کے بغیر قابل قبول نہیں ہیں، اور جس کا وزنِ اعمال میں ترازو بھاری ہوگیا

وہ کامیاب رہے گا اور جس کا اعمال صالحہ والا حصہ کم رہ گیا وہ نا کام رہے گا، اللہ پاک نے اہل جنت کا اور ان کے اچھے اعمال کا تذکرہ فرمایا ہے، لہذا ان کی حرص کرو اور اللہ پاک نے اہل نار کا تذکرہ فرمایا ہے اور ان کے برے اعمال کا لہذا ان سے اجتناب کرو۔

ان سب کو پڑھ کر قاری کو بخوبی اندازہ بلکہ یقین ہو جائے گا کہ خلفاء راشدین کو سلوک وتصوف کا کس درجہ ذوق تھا، وہ حضرات شریعت کے نفاذ، اقامت حکومت الٰہیہ اور خلافت ظاہری کے ساتھ ساتھ خلافت باطنی (طریقت) کے بھی امام تھے حضرت شاہ ولی اللہؒ ازالۃ الخفاء ص ۹۷ ج ۳ میں فرماتے ہیں اصل عبارت حضرتؒ کی فارسی میں ہے یہاں اس کا ترجمہ درج کیا جاتا ہے۔

''رہا حضرت صدیق اکبرؓ کا متصف ہونا صفائی قلب کی صفت کے ساتھ جس کو ہمارے زمانہ میں طریقت کہا جاتا ہے تو ''کشف المحجوب'' میں مذکور ہے کہ حضرت شیخ جنید بغدادیؒ نے فرمایا ہے کہ توحید میں سب سے زیادہ بلند کلام ابوبکرؓ کا یہ قول ہے **سبحٰن من لم یجعل لخلقه سبیلاً الا بالعجز عن معرفته** یعنی پاک ہے وہ ذات جس نے اپنی مخلوق کے لئے کوئی راہ اپنی معرفت کی نہیں بنائی مگر اپنی معرفت سے عاجز ہونے کی، یعنی اس کی معرفت سے عجز ہی عین معرفت ہے، یہاں ان لوگوں کا عاجز ہونا مراد ہے جو اس ذات کو صفات وافعال کے واسطے سے پہچان چکے ہوں اور آگے بڑھ کر ذات باری کی طلب میں سرگرداں ہوں، ان کا منتہائے معرفت یہی تو ہوگا، مطلقاً عجز مراد نہیں ہے، ورنہ منکرین خدا دہریئے اور کمیونسٹ سب سے بڑے عارف قرار پائیں گے اور یہ غلط ہے اس کا غلط ہونا بالبداہۃ واضح ہے۔

صاحب ''کشف المحجوب'' نے حضرت صدیق اکبرؓ کی مدح میں بہت اونچی

بات لکھی ہے، کہ اگر تیرا ارادہ ایسی صوفیت کا ہے جو علی الحقیقت ہو یعنی حقیقی صوفی بننا چاہتا ہے تو صدیق اکبر کے نقش قدم پر چل، کہ صفاء صدیق کی صفت ہے، کیونکہ صفاء کی ایک اصل ہے اور ایک فرع ہے، اسکی اصل یہ ہے کہ دل اغیار سے منقطع ہو جائے، دنیائے غدار سے دوری ہو جائے، اس کی فرع یہ ہے کہ عبادات میں محویت ہو جائے اور راہ خدا میں مال خرچ کر دینا اور صرف خدا اور ان کے رسول ﷺ کی مرضی کو چھوڑ آنا ہے جیسا کہ ابوبکرؓ نے کیا تھا۔

نیز امام غزالیؒ نے ''احیاء علوم الدین'' میں حضرت صدیق اکبرؓ کا یہ قول نقل کیا ہے **من ذاق خالص محبة الله شغله ذلک من طلب الد نیا و اوحشه من جمیع البشر** ۔ یعنی جس نے خالص محبت باری کا مزہ چکھ لیا وہ اس کو دنیا کی طلب سے متنفر کر دے گا اور تمام انسانوں سے متوحش کر دے گا، یہ لوازم محبت کی انتہائی تحقیق ہے''۔

(ترجمہ ازالۃ الخفاء رص ۸۰ رج ۳)

حضرتؒ کی بیعت وسلوک، اجازت وخلافت

ہمارے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ لکھتے ہیں کہ: سلوک وتحصیل طریقت کا ابتدائی واقعہ جو خود امام ربانیؒ نے بارہا بیان فرمایا کہ جب میں اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ دہلی میں زیر تعلیم تھے تو ہمارا ارادہ ''سلم'' (منطق کی ایک کتاب) پڑھنے کا ہوا لیکن حضرت الاستاذ مولانا مملوک علی صاحبؒ کی مشغولیت کی وجہ سے فرصت نہ تھی اس لئے انکار فرماتے تھے، بالآخر یہ طے ہوا کہ ہفتے میں صرف دو بار اس کا سبق ہوگا حسب معمول ''سلم'' کا سبق ہو رہا تھا کہ ایک شخص نیلی لنگی کندھے پر ڈالے ہوئے آگئے، ان کے آتے ہی تمام لوگ کھڑے ہو گئے اور شور مچ گیا کہ حاجی صاحب آگئے، حاجی صاحب آگئے، حضرت الاستاذ نے فرمایا کہ لو میاں رشید احمد سبق

بعد میں ہوگا، مجھے سبق کا بڑا دکھ ہوا اور میں نے مولانا قاسم صاحب سے کہا کہ یہ اچھا حاجی آیا کہ ہمارا سبق بھی گیا مولانا قاسم صاحبؒ نے کہا ایسا مت کہو یہ بڑے بزرگ آدمی ہیں ایسے ویسے ہیں حضرت مولانا گنگوہیؒ نے اس قصہ کو بیان کرنے کے بعد کہا ہمیں کیا خبر تھی کہ یہی حاجی ہمیں مونڈیں گے یہ حضرت حاجی امداداللہ صاحبؒ کی پہلی زیارت وملاقات تھی، حاجی صاحبؒ نے ہمارا حال معلوم کیا اور فرمایا کہ طلبہ میں بس یہ دو طالب علم ہی اچھے سمجھدار لگتے ہیں اور بس (تذکرۃ الرشید رص ۱۴ رمیں بھی تقریباً اسی طرح ہے)۔

خود حضرتؒ فرماتے تھے کہ بوجہ حدیث شریف حضرت شاہ عبدالغنی صاحب مجددی نقشندیؒ سے پڑھنے کے دل میں بار بار خیال حضرت شاہ صاحبؒ سے بیعت کا آتا رہتا تھا، اور مولانا قاسمؒ سے تذکرہ ہوتا مگر مولانا نانوتویؒ ہر مرتبہ کہہ دیتے کہ نہیں بیعت تو حضرت حاجی امداداللہؒ ہی سے کریں گے اور مولانا قاسم صاحب حضرت حاجی صاحب سے پہلے سے بھی تعلق رکھتے تھے، ایک تو رشتہ داری کا بھی تعلق تھا اور دوسرے وطن کا بھی رشتہ تھا کہ حاجی صاحبؒ کی نانہال قصبہ نانوتہ ہی کی تھی اور حاجی صاحب کی بہن بھی نانوتہ میں ہی کسی کے نکاح میں تھیں اس لئے اکثر وبیشتر حضرت حاجی صاحبؒ جب نانوتہ تشریف لایا کرتے تھے تو مولانا محمد قاسم صاحب اور مولانا یعقوب صاحبؒ دونوں حضرت حاجی صاحب کے پاس بکثرت حاضر ہوتے رہتے تھے اور حضرت حاجی صاحب بہت ہی شفقت ومحبت کا معاملہ فرمایا کرتے تھے، اسلئے حضرت مولانا قاسم صاحب نے ہر دفعہ تذکرہ پر یہی کہا کہ بیعت تو حضرت حاجی امداداللہ ہی سے کریں گے۔

اس ملاقات کے بعد اور بھی متعدد بار ملاقات ہوئی، کشش بڑھتی رہی محبت

وتعلق میں اضافہ ہوتا چلا گیا یہاں تک کہ پھر اپنا سب کچھ حضرت حاجی صاحبؒ پر قربان کردیا جس کی ابتداء اس طرح سے ہوئی کہ تھانہ بھون کے ایک علامۂ وقت حدیث کے زبردست عالم شیخ محمد محدثؒ کی ایک تحریر کسی ایک شخص نے حضرتؒ کے پاس بھیجی جس میں شیخ محمدؒ نے لکھا کہ روضۂ اقدس ﷺ میں جو ایک قبر کی جگہ خالی ہے وہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام مدفون ہوں گے اور اس کا منکر ایسا ہے ایسا ہے (یعنی کافر ہے) حضرت گنگوہیؒ نے تصدیق وتصویب کے بجائے اس پر لکھا کہ سارا ثبوت اخبارِ آحاد سے ہے یعنی ایسی احادیث سے ہے جو اصول حدیث کے اعتبار سے خبر واحد کہلاتی ہے، جس سے قطعیت کا ثبوت نہیں ہوتا ہے بلکہ علم ظنی حاصل ہوگا لہذا منکر کو ایسا نہیں کہا جاسکتا ہے۔

اس پر شیخ محمدؒ کو غصہ آیا کہ طفل مکتب میرا رد کرتا ہے اور انہوں نے ایک رسالہ لکھا اور حضرت مولانا کی خدمت میں بھیجا، حضرت نے خوب غور سے دیکھا اور اس رسالہ کی پشت پر تحریر فرمایا کہ میں نے نہ احادیث کا انکار کیا ہے اور نہ اصل مضمون کا انکار کرتا ہوں میں نے تو یہ لکھا ہے اور اب بھی لکھتا ہوں کہ اس بحث کی جملہ احادیث اخبار آحاد ہیں جن سے قطعیت کا ثبوت کیسے ہوسکتا ہے؟ جو میرا شبہ ہے اس کا رسالہ میں جواب نہیں ہے، اس کے بعد یہ شعر بھی لکھا

گرتے ہیں شہ سوار ہی میدان جنگ میں وہ طفل کیا گرے جو گھٹنوں کے بل چلے

اس پر شیخ محمدؒ کو اور بھی غصہ آیا اور چند جگہ شکایت کی کہ میرے سامنے کا بچہ مجھے طفل لکھتا ہے، حضرت امام ربانی کو معلوم ہوا فرمایا کہ میں نے آپ کو طفل نہیں لکھا بلکہ اپنے آپ کو لکھا ہے اور آپ کو تو شہ سوار لکھا ہے جن سے لغزش ہوگئی اس کے بعد دل میں یہ خیال وارادہ آیا کہ تھانہ بھون جا کر مناظرہ کرلیا جائے اور وہاں فیصلہ ہوجائے، نوجوانی

کا دور تھا، ذکی عالم ہونے کے ساتھ نڈر تھے اتفاق سے کسی کام سے رامپور بھی جانا تھا جو آپ کا آبائی وطن تھا اسی سفر میں آپ نے مناظرہ اور مباحثہ کے لئے تھانہ بھون کا بھی قصد فرمایا اور رسالہ اپنے ساتھ لے لیا، رامپور سے فارغ ہوکر تھانہ بھون کے لئے روانہ ہو گئے، چند گھنٹوں کا کام تصور کئے ہوئے اس لئے جو کپڑے پہنے ہوئے تھے بس ساتھ تھے، ظہر کی نماز کے بعد تھانہ بھون پہنچے حضرت حاجی صاحبؒ اپنی سہ دری میں مشغول تلاوت تھے، بعد فراغت حضرت سے ملاقات ہوئی بقول حضرت شیخ یہ پانچویں ملاقات تھی حضرت نے معلوم کیا کہ کیسے آنا ہوا ہے؟ فرمایا کہ شیخ محمد سے مناظرہ کے ارادہ سے آیا ہوں حضرت حاجی صاحب نے فرمایا ہاہا ایسا ارادہ مت کرنا میاں! وہ تو ہمارے بزرگ ہیں بس مباحثہ کا تو یہیں فیصلہ ہوگیا اور حضرت یہ کہہ کر خاموش ہو گئے کہ آپ کے بڑے ہیں تو میرے بھی بڑے ہیں (تذکرۃ الرشید/ص ۷۴/ تاریخ مشائخ چشت/ ۲۶۹)۔

پھر تو مر مٹا

اس کے بعد دوسری باتیں ہوتی رہیں، دل میں جو خیال تھا وہ نکلا اور بیعت ہونے کا خیال پیدا ہوگیا، چنانچہ آپ نے موقع پا کر بالفاظ مناسب یہ درخواست پیش کی مگر حاجی صاحب نے امتحاناً اور اعتقاد و شوق بڑھانے کیلئے بظاہر انکار فرمایا اب ادھر سے اصرار اور ادھر سے انکار کا معاملہ چلتا رہا، جب حضرت حاجی صاحبؒ نے استقلال واخلاص کا پورا مظاہرہ کرلیا تو حضرت نے قبول فرمالیا اب جب بیعت کا موقع آیا تو عرض کیا کہ حضرت مجھ سے ذکر و شغل محنت و مجاہدہ کچھ نہیں ہوسکتا ہے اور نہ رات کو اٹھا جا سکتا ہے، حضرت حاجی صاحب نے تبسم فرماتے ہوئے فرمایا اچھا کیا مضائقہ ہے، اس تذکرہ پر حضرت مولانا گنگوہی سے کسی خادم نے دریافت کیا کہ حضرت پھر کیا ہوا؟ تو

آپ نے جواب دیا اور عجیب ہی جواب دیا کہ پھر تو ''مرمٹا''۔

اس مرمٹنے کے جملہ پر مجھے اپنے شیخ ومرشد فانی فی اللہ، عاشق رسول اللہ، ولی مرتاض، امداد اللہِ زمانہ حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحبؒ کے اشعار یاد آگئے جو پیش خدمت ہیں:

زندگی کی بہار ہے مرنا — اپنی مرضی کو ہے فنا کرنا

اتباع ہوا سے دور رہیں — اتباع رسولؐ پر مرنا

یہی ایمان ہے یہی عرفاں — جان ودل ان پہ سب فدا کرنا

زندگی کی کیا ہے خبر ہم کو — ہم نے سیکھا نہیں مگر مرنا

جو بھی پیش آئے انکی جانب سے — شکر بندے کو چاہئے کرنا

ان کی مرضی پہ بس رہو راضی — نہ کبھی بھول کر گلا کرنا

یوں تو مرتے ہیں مرہی جائیں گے — یہ بھی مرنے میں ہے کوئی مرنا

اصل مرنا ہے راہ میں ان کی — اس کو کہتے ہیں دوستو! مرنا

ایسے مرنے پہ زندگی قرباں — یہ تو جینا ہے یہ نہیں مرنا

اس سے بڑھ کر نہیں کوئی دولت — اللہ اللہ ہر گھڑی کرنا

زندگی نام ہے اطاعت کا — اور غفلت کا نام ہے مرنا

لطف جینے کا ہے محبت میں — اور مرنا بھی لطف کا مرنا

زندگی ہم جسے سمجھتے ہیں — زندگی یہ نہیں ہے ہے مرنا

مر کے ہوتی ہے زندگی حاصل — ایسے مرنے کی تم دعا کرنا

(عرفان محبت/ص ۱۲۵)

بارہ تسبیح کی تلقین

الغرض بیعت ہونے کے بعد حضرت حاجی صاحبؒ نے ۱۲/ تسبیح جسکا مشائخ چشتیہ کے یہاں معمول ہے[1] تلقین فرمادیں، شب کے وقت حضرت حاجی صاحبؒ نے اپنی چار پائی کے قریب مولانا کی چار پائی کرادی تا کہ اس پر آرام فرمائیں، حضرت حسب معمول اٹھے تو مولانا کی بھی آنکھ کھل گئی چونکہ بیعت کے وقت شرط تھی اس لئے کچھ نہ فرمایا مگر آخر کار ذکر شروع کیا، گلا اچھا تھا، بدن میں قوت تھی بڑا لطف آیا، صبح حاضر خدمت ہوئے تو حضرت نے فرمایا کہ تم نے تو ایسا ذکر کیا جیسے کوئی بڑا مشاق و ماہر ذاکر ذکر کرتا ہے، اس دن سے ذکر سے محبت ہوگئی پھر کبھی چھوڑنے کو جی نہیں چاہا اور نہ کوئی وجہ شرعی اس کی ممانعت کی معلوم ہوئی، یہ پہلا انعام تھا جو شیخ کامل کی زبان سے حاصل ہوا یہاں تک کہ آپ بیعت ہوئے اور ذکر بالجہر کرتے ہوئے ایک ہفتہ گزرا، آٹھویں دن حضرت نے فرمایا کہ میاں مولوی رشید احمد! جونعمت حق تعالیٰ نے مجھکو دی تھی وہ آپ کو دیدی، آئندہ اس کو بڑھانا آپ کا کام ہے، حضرت مولانا گنگوہیؒ فرماتے تھے کہ مجھے تعجب ہوا وہ کون سی چیز ہے جو حضرت نے مجھے عنایت فرمائی، پندرہ برس کے بعد معلوم ہوا وہ کیا تھا یہ دوسرا انعام تھا، اس طرح ۴۲/ روز گذر گئے حضرت تھانہ بھون سے روانہ ہوئے اور حضرتؒ بہ نفس نفیس مع دیگر متعلقین کے ایک جم غفیر کے ساتھ بغرض مشایعت مسنونہ ہمراہ ہوئے۔

---

[1] جس کا طریقہ یہ ہے کہ اولاً درود شریف ۱۱/ بار، اس کے بعد یہ دعاء تین بار پڑھے **اللھم طھر قلبی عن غیرک ونور قلبی بنور معرفتک**، بعدہ لا الہ الا اللہ دوسو بار، الا اللہ ۴۰۰/ بار، اللہُ اللہُ ۶۰۰/ بار، اللہُ ۱۰۰/ بار، اخیر میں گیارہ مرتبہ درود شریف پڑھ کر دعا کرے۔

اجازت وبیعت

مجمع سے الگ حضرت مولانا کا ہاتھ پکڑ کر ایک جانب علیحدہ لے گئے اور یہ الفاظ فرمائے ''اگر تم سے کوئی بیعت کی درخواست کرے تو اس کو بیعت کر لینا'' حضرت فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا مجھ سے کون درخواست کریگا ؟ فرمایا تمہیں کیا ، میں جو کہتا ہوں وہ کرنا ، یہ تیسرا انعام تھا جو اس پہلے سفر کی آخری ملاقات کے وقت عطا فرمایا گیا ، اس طرح سے ۴۲ / دن میں فائز المرام ہوکر واپس تشریف لائے ، مناظرہ کرنے آئے تھے مگر شیخ کامل اور امام طریقت بن کر لوٹے۔

خدا کی دَین کا موسیٰ سے پوچھئے احوال کہ آگ لینے کو جائیں پیمبری مل جائے

(تذکرۃ الرشید / ص ۵۱)

ہمارے پیرو مرشد صاحب ''اقوال سلف'' حضرت اقدس مولانا شاہ محمد قمر الزماں صاحب دامت برکاتہم العالیہ تحریر فرماتے ہیں ، اس طرح حضرت گنگوہیؒ ایک صاف شفاف آئینہ تھے جو آفتاب کے مقابل رکھ دیا گیا تھا ، جس کی شعاؤں سے آپ منور ہو گئے اور دنیا کو اپنے علم وحکمت کے نور سے روشن فرما دیا۔

وطن واپسی

حضرت جب گنگوہ واپس تشریف لائے تو حالت ہی بدل چکی تھی ، نہ کھانے کا ہوش تھا اور نہ پینے کا ہر وقت استغراق ومحویت اور ذکر وفکر کے عالم میں رہتے ، اکثر رات روتے گذر جاتی ، اور جب ذکر اللہ فرماتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ ساری مسجد کانپ رہی ہے اور خود پر جو حالت گزرتی ہوگی اس کی تو کسی کو کیا خبر ، اکثر اوقات گریہ وزاری ، نماز ،

تلاوت، اور ذکر اللہ میں گزارا کرتے تھے، حضرت شیخ قطب العالمؒ کا حجرہ جو صدیوں سے غیر آباد پڑا ہوا تھا، جہاں جانور باندھے جاتے تھے، جس کی تذکرۃ الرشید ص ۶۱ ر میں اس طرح منظر کشی کی گئی ہے:

خانقاہِ قدوسیہ

قطب العالم کی پاک عبادت گاہ ''خانقاہِ قدوسیہ'' جس میں رحمت خداوندی ابر نیسان کی طرح رات دن برسا کرتی تھی، جہاں شیخ الشیوخ کی اپنے جل وعلیٰ شانہ کے سامنے ناک اور پیشانی رگڑی جاتی تھی، آج کس درجہ کس مپرسی کی حالت میں پڑی ہے، یہاں کسی زمانہ میں ''ھو حق '' کے نعرے اور ذکر کی دل آویز آوازوں سے دیواریں اور چھتیں گونجا کرتی تھیں اور آج سوائے مچھر اور پسّو یا مکڑ اور مکھیوں کی بھنبھناہٹ کے کچھ بھی سنائی نہیں دیتا اور گرد کے حجرے جہاں شیخ کے متوسل اور سچے طالب اپنے بوریئے بچھا کر اللہ کا نام سیکھنے کو راتوں ذکر وشغل میں مشغول رہتے تھے ان میں اس وقت سوائے سانپ بچھو یا کیڑے مکوڑوں کے کوئی رہنے والا نہیں ہے، جس جگہ واصل باللہ سید المشائخ کا وہ نورانی مصلےٰ بچھا کرتا تھا جس کو ہاتھ لگ جانا بھی دنیا اپنے لئے نجات کا سبب سمجھتی تھی، آج وہاں گدھا بندھا ہوا رینگ رہا اور اپنے بَول وبَراز سے اس پاک زمین کو نجس بنا رہا ہے، جس لطیف الطبع غوث وقت کی نظافت کا یہ اقتضا تھا کہ مسواک کئے بغیر نماز نہ پڑھی جاتی تھی اس قدسی نفس کے مسکن میں جگہ جگہ لید اور گوبر کے ڈھیر اور تودے نظر آتے تھے۔

اس عجیب حیرتناک منظر پر آپ کبھی روتے اور کبھی افسوس کرتے، کبھی انقلاب

دہر و فنائیت عالم کا اذعان حاصل فرماتے، اور کبھی اپنے قادر مطلق پروردگار کی قدرت جلیلہ کے علم سے قلب کو اطمینان دلاتے، غرض یہ نظارہ عبرت گاہ آپ کے لئے ازدیاد ایمان و اذعان اور عروج و ترقی روحانیت ہی کا سبب بنا، اور یہی وہ جدّی میراث تھی جو تین سو برس کے بعد خلف الصدق کو حاصل ہونے والی تھی، اور اس کے ساتھ ہی وہ کوٹھریاں اور حجرے جو شیخ کا دنیاوی ترکہ تھا وہ بھی قدرت نے آپ ہی تک پہنچانے کے لئے ودیعت رکھا، اور بایں ویرانی و بربادی تین صدی تک اس کی محافظت فرمائی تھی کہ اچھی جگہ ہونے کے باعث نااہل دنیاداروں کی رال نہ ٹپکی اور حصہ بخرہ ہو کر کسی کی بیٹھک یا مسکونہ مکان قرار نہ پا جائے، آخر گودڑ میں چھپے ہوئے اس بے بہا لعل کا قدردان جوہری سن بلوغ اور حالت رشد کو پہنچ گیا، اور نجاست آلود نافہ میں ڈھانپے ہوئے مشک کا مرتبہ پہچاننے والا طبیب اس خوشبو سے عالم کا دماغ معطر کردینے کے لائق بن گیا، اس لئے ملکوتی صفات شیخ کی یہ میراث بھی اس کے خلف الرشید سرتاپا نور نواسے یعنی مولانا رشید احمد صاحبؒ کے قبضہ و تصرف میں دی گئی۔

امام ربانی اٹھے اور گدھے گھوڑوں کی لید بہ نفس نفیس ٹوکرہ میں بھر بھر کر باہر پھینکی، کوڑا کرکٹ جو جمع ہو کر کوڑی اور کھات کا انبار بن گیا تھا پھاوڑے سے صاف کیا اور کھرپے سے کھود کر زمین کو ہموار بنایا، ستھری مٹی پانی میں بھگوئی اور کہگل سے نیچے اوپر زمین اور دیواروں کو لیپا، چھت پر برسات کی گھاس اکٹھی ہو کر ایک ایک ہاتھ اونچا کوڑا ہو گیا تھا اس کو درانتی سے کاٹا، اور کھرپے سے صاف کر کے مثل قلوب صافیہ آئینہ بنایا، نئی مٹی ڈلوائی، سوراخ بند کئے اور شکست و ریخت کی اپنے ہی ہاتھوں اچھی خاصی مرمت کرلی، زمین میں بوریہ کا فرش کیا، گوشوں میں لوبان کی دھونی دی، عطر بکھیرا، خوشبو

چھڑکی اور اس مقدس حجرہ کو از سر نو آباد فرما کر اپنا خلوت خانہ قرار دیا، جس کے سوا تین سو برس بعد آج دن پھرے، مشہور مثل تو یہ ہے کہ بارہ برس میں کوڑی کے دن پھرتے ہیں مگر جس کا نام دن پھرنا یعنی پہلے ہی سماں کا نظر آجانا ہے اس کے لئے تو تین سو برس بھی جلدی ہی میں داخل ہیں (تذکرۃ الرشید ج ا رص ۶۱ تا ۶۲)۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس طرح گنگوہ کی قدیم ''خانقاہِ قدوسیہ سعیدیہ'' جہاں سے ایک زمانہ میں کبار اولیاء اللہ نے فیض حاصل کیا تھا اور ہزاروں انسان وہاں آکر روحانی تسکین حاصل کرتے تھے، جو مقام ذکر اللہ و مراقبہ سے منور تھا اور انسانوں کو دین کا عادی بنانے کیلئے زبردست مجاہدات کرائے جاتے تھے، جس کے بعد وہ دین کے داعی، سپاہی اور مبلغ بن کر نکلتے تھے، حضرت اقدس گنگوہیؒ کے ذریعہ سے دوبارہ اس کی نشأۃ ثانیہ ہوئی اور پھر ذکر وفکر، مراقبہ ومجاہدہ، تعلیم وتعلم، تزکیۂ نفس اور اسی کے ساتھ ساتھ ہندوستان کی آزادی کیلئے جہاد کا مرکز ثابت ہوا، اور اس علاقہ میں دیوبند، سہارنپور، رائے پور، تھانہ بھون کے مشاہیر علماء صلحاء کی آمد ورفت، پھر اطراف واکناف سے عوام الناس کا اس قدر رجوع ہوا کہ پورا خطہ بقعۂ نور بن گیا، ہر طرف دین کی فضائیں چھا گئیں، ذکر اللہ کی صداؤں سے یہ علاقہ اس قدر گونجنے لگا کہ اس پورے خطہ میں ذکر اللہ کی آوازیں ہی سنائی دی جاتی تھیں، یہاں تک کہ اس کے قریب تالاب پر دھوبی کپڑا دھونے کے ساتھ ساتھ دلوں کو بھی دھونے کا کام کرنے لگے۔

گنگوہ کے تالاب پر الا اللہ کی ضربیں

چنانچہ حضرت اقدس مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ کے ملفوظات میں ہے:

حضرت قطب عالم مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی خانقاہ کے بازو کا جو تالاب ہے وہ اس زمانہ میں آج سے دوگنا تھا اس میں صبح ہی صبح تہجد کے وقت دھوبی کپڑے دھویا کرتے تھے اور کپڑوں کو چھانٹتے ہوئے کپڑا اٹھا کر کہتے تھے لا الٰہ اور کپڑے کو زور سے نیچے مار کر کہتے تھے الا اللہ، اس طرح تمام دھوبی لا الٰہ الا اللہ، لا الٰہ الا اللہ، لا الٰہ الا اللہ کی زور سے ضربیں ایسی لگاتے تھے کہ رات کے اندھیرے میں دو میل دور تک یہ آواز جاتی تھی اور سہارنپور سے آنے والے بیل گاڑیوں اور بہلیوں میں اس کو سنا کرتے تھے (ملفوظات فقیہ الامت ج ۱ ص ۱۴۱)۔

حضرت امام ربانیؒ خلیفہ ہونے کے بعد جب گنگوہ واپس آ گئے اور یہاں قیام فرمالیا تو دربار امدادیہ تھانہ بھون میں حاضری کا سلسلہ برابر قائم رہا، اور کبھی حضرت حاجی صاحبؒ بھی گنگوہ تشریف لاتے اور توجہات سے مستفیض فرماتے اور ارشاد و تلقین کے طریقے تعلیم فرماتے اور کسی طرح سے کوشش یہ رہتی کہ میرا رشید زمانہ کا امام بن جائے۔ موقع کی مناسبت سے حضرت حاجی صاحبؒ کا ذکر خیر کیا جانا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

تذکرہ سید الطائفۃ

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ

شیخ و مرشد حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ ۲۲ر صفر ۱۲۳۳ھ مطابق یکم جنوری ۱۸۱۸ء پنجشنبہ کو اپنی نانیہال نانوتہ ضلع سہارنپور میں پیدا ہوئے، آپ کی دادھیال تھانہ بھون ضلع مظفر نگر میں تھی، آپ کے والد ماجد کا اسم مبارک حافظ محمد امین تھا، آپ کا تاریخی نام ظفر احمد ہے جس سے تاریخِ ولادت ۱۲۳۳ھ برآمد ہوتی ہے، والد ماجد نے آپ کا نام امداد حسین رکھا تھا، لیکن حضرت شاہ محمد اسحاق محدث دہلویؒ (نواسہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ) کے ایماء پر آپ نے امداد اللہ نام اختیار کیا، کیونکہ امداد حسین میں بوئے شرک آتی تھی۔

بیعت

حضرت حاجی صاحبؒ نے ابتداء میں حضرت شاہ نصیر الدین دہلویؒ سے سلسلۂ نقشبندیہ میں بیعت کی تھی، شیخ نصیر الدین دہلویؒ حضرت شاہ محمد آفاق مجددیؒ کے خلیفہ و مرید اور مولانا شاہ محمد اسحاق مہاجر دہلویؒ کے شاگرد و داماد تھے، ان سے کچھ اذکار طریقۂ نقشبندیہ مجددیہ کے اخذ کئے، ''امداد المشتاق'' مصنفہ حضرت تھانویؒ کی روایت ہے کہ ''خرقہ و اجازت سے مشرف بھی ہوئے'' لیکن استفادہ زیادہ مدت تک نہیں رہا، اسی زمانہ میں حضور ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ آپ کا ہاتھ میاں جی نور محمد جھنجھانویؒ کے ہاتھ سے ملا دیا، آپ نے اس خواب سے پہلے کبھی میانجی کو دیکھا نہیں تھا، بیدار ہو کر بہت سرگرداں رہے کہ یہ کون بزرگ تھے جن سے بیعت کرنے کی ہدایت رسالت مآب ﷺ

(روحی فداہ) نے فرمائی ہے، یہ عالم کئی سال تک رہا (اقوال سلف رص ٦٦ر٦٧ر حصہ چہارم)۔

حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کی بیعت کا واقعہ

حضرت حاجی صاحبؒ کی بیعت کا واقعہ اس طرح ہے:

حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ فرماتے ہیں: کہ سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی نور اللہ مرقدہ نے میانجی نور محمد صاحب جھنجھانویؒ سے بیعت ہونے سے قبل خواب دیکھا کہ سرکار دوعالم ﷺ کا دربار عالی لگا ہوا ہے مگر میری جانے کی ہمت نہیں ہو رہی ہے، میرے ماموں بھی وہاں موجود تھے انہوں نے میرا ہاتھ پکڑ کر آنحضرت ﷺ کے دست مبارک میں دیدیا اور آپ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑ کر ایک بوڑھے نحیف وکمزور شخص کے ہاتھ میں دیدیا پھر آنکھ کھل گئی، ان بزرگ کی تلاش میں متعدد مقامات کے سفر کئے مگر کامیابی نہ ہوئی سخت حیرانی ہوئی، کچھ روز بعد انہوں نے اپنے استاذ مولانا قلندر علی صاحب جلال آبادیؒ سے یہ خواب بیان کیا، انہوں نے ارشاد فرمایا کہ ذرا لوہاری تو جاؤ! (یہاں میانجی نور محمد صاحب جھنجھانویؒ موجود تھے) دیکھا تو وہی بوڑھے نحیف شخص ہیں جو خواب میں دیکھے تھے فوراً قدموں پر گر پڑے، میانجی صاحب نے سینہ سے چمٹا لیا اور ارشاد فرمایا کہ تمہیں اپنے خواب پر بہت اعتماد ہے، حضرت حاجی صاحبؒ اسی کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ یہ میرے شیخ کی سب سے پہلی کرامت تھی جو میرے دیکھنے میں آئی کہ بغیر ذکر کئے خواب کا علم ہو گیا۔

(ملفوظات فقیہ الامت رص ٩٠ر١)

الغرض ان کی خدمت میں پہونچے اور بیعت ہوئے اور آپ سے ایک عالم فیضیاب ہوا، جن میں کبار اولیاء اللہ علماء، صلحاء اور عوام وخواص کی ایک بہت بڑی تعداد

شامل ہے ،صرف علماء تقریباً ہزاروں ہیں جن میں سرفہرست حضرت مولانا گنگوہیؒ ، حضرت مولانا نانوتویؒ ،حضرت مولانا تھانویؒ ،حضرت مولانا مدنیؒ ،حضرت سہارنپوریؒ ، حضرت مولانا یعقوب نانوتویؒ وغیرہم ہیں جن کا فیض پورے عالم میں جاری وساری ہے، آپ کی شان اقدس کوکن کلمات سے تعبیر کیا جائے ! آپ اللہ کے عشق ومحبت کا خزانۂ عامرہ تھے ،ذکروفکر کے سلطان اعظم تھے ، ریاضات ومجاہدات کے امام تھے ،علم وعرفاں کے منبع اور سرچشمہ تھے ،توکل ورضاء ،صبروشکر ،خلوص وللّٰہیت کے مجسمہ تھے ، تواضع وعبدیت آپ کی شان تھی ،عبادت کے انوار وبرکات آپ کی پیشانی سے اس طرح ظاہر ہوتے تھے کہ جوبھی آپ کے پاس آتا آپ کی عقیدت میں گرفتار ہوجاتا اور آپ کے انوار وبرکات سے فیضیاب ہوتا تھا۔

الغرض آپ علمائے ربانیین کے سرتاج ، عارفینِ کاملین کے سرمایۂ فخر وامتیاز ، مجاہدین کے امیر وسرپرست ، طائفۂ اتقیاء اور اولیاء کے سید وبزرگ ، ابتہال وتضرع ، خشیت وبکاء کے ساتھ متصف ، عالم ربانی ،غوثِ صمدانی ، عارفِ لاثانی بزرگ تھے ،آپ کی کشف وکرامات کثیر ہیں ،آپ کی تصنیفاتِ جلیلہ تصوف وروحانیت ،عشق ومعرفت سے بھرا ہوا نیز چھلکتا ہوا ایک جام ہے ،آپ نے علم ومعرفت کی اشاعت کے ساتھ جہاد ہجرت کو بھی جمع کیا اور ہندوستان کو انگریز سے آزاد کرانے میں مجاہدین کی سرپرستی بھی کی ،آپ ہی کے ایماء واشارہ پر دارالعلوم (دیوبند) جیسے ادارے وجود پذیر ہوئے ،الغرض آپ کا وجود باجود اللہ کی نشانیوں میں سے ایک عظیم نشانی تھا اور آپ کی ذات منبع الکمالات الظاہرۃ والباطنہ تھی ،آپ نے ''طریقۂ چشتیہ صابریہ'' کی تجدید کی اور اسی میں لوگوں کو

زیادہ فیض پہونچایا اور اس سلسلہ کے انوار وبرکات آپ ہی کے ذریعہ سے آفاق میں پھیلے، تمام عمر دین کی اشاعت میں گزار کر عشق ومعرفت کی وادیوں میں رہ کر دنیا کی سب سے مقدس اور محترم سرزمین مکہ معظّمہ پر ۱۲؍جمادی الآخر شب چہار شنبہ ۱۳۱۷ھ مطابق ۱۸؍اکتوبر ۱۸۹۹ء میں وفات پائی اور جنت المعلیٰ میں مدفون ہوئے، ۸۴؍سال ۳؍ماہ آپ کی عمر شریف ہوئی۔

حضرت تھانویؒ نے آپ کو ان الفاظ سے یاد کیا ہے: اعلیٰ حضرت، فاروقی نسب، حنفی المذہب، حقیقت آگاہ معرفت، دستگاہ، حافظ سید السادات العظام، افتخار المشائخ الاعلام، مرکز الخواص والعوام، منبع البرکات القدسیہ، مظہر الفیوضات المرضیہ، معدن المعارف الالٰہیہ، مخزن الحقائق، مجمع الدقائق، سراج اقرانہ، قدوۃ اہل زمانہ، سلطان العارفین، ملک التارکین، غوث الکاملین، غیاث الطالبین (امداد المشتاق؍ص ۱۵)۔

ارشادِ مرشد

موقع کی مناسبت سے حضرت اقدس حاجی امداد اللہ صاحبؒ کے سلسلہ کے کچھ اوراد ووظائف اور معمولات جو حضرت اپنے متعلقین کو تلقین فرمایا کرتے تھے بیان کرنا بھی مناسب ہے، تاکہ عمل کرنے والوں کو ایک راستہ مل جائے، اس کیلئے خود حضرت کی ایک تحریر پیش خدمت ہے، چنانچہ حضرت فرماتے ہیں:!

برادرانِ طریقت اور طالبانِ معرفت کی خدمت میں، خصوصاً جو اس فقیر سے رابطۂ محبت اور ارادت رکھتے ہیں عرض کرتا ہے کہ شاغلِ اشغال قلبیہ کو یہ ضروری ہے کہ سوائے فرائض اور واجبات اور سنن کے بعضے عبادات اور طاعات اور اوراد وظائف جو مددگار اور

قوت بخشنے والے، صفائے دل اور جلا دینے والے روح کو ہوں عمل میں لاوے، جیسا کہ نماز تہجد کی بارہ یا آٹھ رکعتیں ہیں اور نماز اشراق کی چھ رکعتیں ہیں اور نماز چاشت کی چار رکعتیں ہیں اور صلوٰۃ الاوابین کی چھ رکعتیں ہیں بیس تک، اور چار سنتیں قبل ظہر اور چار سنتیں قبل عصر اور چار سنتیں قبل عشا اور بروز جمعہ صلوٰۃ التسبیح اگر فراغ ہو پڑھے، اور تین روزے ایام بیض کے اور ایک ایک روزہ پنجشنبہ اور دوشنبہ کا، اور چھ روزے ماہ شوال کے، اور نو روزے اول ماہ ذی الحج کے، اور روزہ عاشورۂ محرم کا، اور آٹھ روزے اول ماہ رجب اور شعبان کے رکھے، اور قرآن کی تلاوت جس قدر ہو سکے کرتا رہے، ادنیٰ یہ ہے کہ چالیس روز میں ختم کرے، اور درمیان سنت اور فرض صبح کے اکتالیس بار سورۂ فاتحہ حضور دل سے معنوں پر خیال کر کے پڑھے، اور بعد نماز صبح کے کلمۂ چہارم دس بار اور سورۂ یٰس ایک بار اور استغفار سو بار اور سبحان الله وبحمده سبحان الله العلی العظیم ، استغفر اللہ سو بار اور ایک سو ایک بار لاحول ولا قوة الا بالله العلی العظیم مع بسم اللہ کے، اور سو بار کلمۂ طیبہ اور اکتالیس بار یاحی یا قیوم لا اله الا انت اسئلک ان تحیی قلبی بنور معرفتک ابدا یا الله بحضور قلب پڑھے اور درود شریف سو بار، اور بعد نماز ظہر کے سو بار کلمۂ طیبہ، اور سو بار درود شریف، اور سو بار انا فتحنا اور منزل دلائل الخیرات اور پانچسو بار الله الصمد، اور اکیس بار سورۂ اذا جاء پڑھے، اور بعد عصر سورۂ عم یتساء لون اور سو بار آیۃ کریمہ لااله الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین اور بعد نماز مغرب سورۂ واقعہ، اور سو بار کلمۂ طیبہ، اور درود شریف سو بار اور اللهم طهر قلبی عن غیرک ونور قلبی بنور معرفتک ابدایا الله یا الله یا الله اکتالیس بار بحضور

دل پڑھے، اور بعد نماز عشا کے سورۂ سجدہ یا سورۂ ملک اور سو بار کلمہ طیب، اور سو بار درود شریف اور ایک سو ایک بار یا حیی یا قیوم برحمتک استغیث بحضور قلب پڑھے اور صبح وشام کو سید الاستغفار ایک ایک بار اور پانچوں کلمے اور دونوں آمنتُ باللہ (ایمان مجمل ومفصل) اور ننانوے نام اللہ جل شانہ کے اور آیۃ الکرسی اور آیات آمن الرسول سے تا آخر سورہ اور اعوذ بکلمات اللہ التامات من شر ما خلق تین بار، اور آیات سورۂ حشر ایک بار اور بسم اللہ لا یضر مع اسمہ شئی فی الارض ولا فی السمآء وھو السمیع العلیم تین بار اور رضیت باللہ ربا وبالاسلام دینا وبمحمد نبیا تین بار اور لا الہ الا اللہ واللہ اکبر لا الہ الا اللہ وحدہ لا الہ لا شریک لہ لا الہ الا اللہ لہ الملک ولہ الحمد لا الہ الا اللہ لا حول ولا قوۃ الا بااللہ العلی العظیم اور اللھم اجرنی من النار سات بار اور اللھم انی اسئلک الجنۃ سات بار اور دعائے حزب البحر کو اگر ہو سکے تو ایک ایک بار، اور بعد نماز صبح قبل طلوع آفتاب اور بعد نماز عصر قبل غروب عشر مسبعات کو پڑھے، اور بعد ہر نماز کے پانچوں وقت آیۃ الکرسی ایک بار اور سبحان اللہ تینتیس بار، اور الحمدللہ تینتیس بار، اور اللہ اکبر تینتیس بار، اور کلمۂ چہارم ایک بار لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ لہ الملک ولہ الحمد یحیی ویمیت وھو علیٰ کل شئی قدیر اور اللھم انت السلام ومنک السلام والیک یرجع السلام حینا ربنا بالسلام وادخلنا دار السلام تبارکت ربنا وتعالیت یاذالجلال والاکرام ایک بار، اور اللھم انی اسئلک رضاک والجنۃ واعوذبک من غضبک ومن النار ایک بار پڑھے، اور وقت

شروع کھانے کے اللھم بارک لنا فیه و اطعمنا خیر امنه، اور بعد فراغ طعام کے الحمدلله الذی اطعمنا و سقانا و جعلنا من المسلمین پڑھے اور سوتے وقت سورۂ فاتحہ، آیۃ الکرسی اور تینوں قل تین تین بار اور اللھم قنی عذابک یوم تبعث عبادک اور وقت جاگنے کے الحمدلله الذی احیانا بعدما اماتنا و الیه النشور و لا اله الا الله وحده لاشریک له له الملک وله الحمد وھو علیٰ کل شئی قدیر اور اگر ممکن ہو تو معشرات السبع بھی پڑھے، اور پائخانے میں جاتے وقت اللھم انی اعوذبک من الخبث و الخبآئث اور نکلتے وقت غفرانک الحمدلله الذی اذھب عنی الاذی و عافانی اور ہر وقت اٹھتے بیٹھتے بسم الله الله اکبر اور اللھم انی اسئلک رضاک معمول رکھے اور اگر اور زیادہ اوراد مطلوب ہوں تو کتب حدیث مثل ''حصن حصین'' وغیرہ سے لیکے عمل میں لاویں، باقی بہر حال اذکار اور اشغال قلبیہ میں مشغول رہیں جس سے تصفیہ باطن کا ہو کر محبت اور معرفت حق کی حاصل ہو۔

حضرت کے تلقین کردہ اذکار و اشغال اور مراقبات

جو بزرگان طریقت نے تصفیۂ قلب اور تجلیۂ روح کے واسطے تجویز کئے ہیں ان میں سے بارہ تسبیح ہیں جو حضرات چشتیہ کرتے ہیں، طریقہ ان کا یہ ہے کہ بعد نماز تہجد کے توبہ اور استغفار عجز و انکسار سے کر کے اور ہاتھ اٹھا کے یہ دعا بحضور قلب اللھم طھر قلبی عن غیرک و نور قلبی بنور معرفتک ابدا یا الله یا الله یاالله تین بار یا سات بار تکرار کرے، اور گیارہ بار استغفار اور گیارہ مرتبہ درود شریف پڑھ کر چار زانو بیٹھے اور داہنے پاؤں کے انگوٹھے سے اور جو انگلی اس کے پاس ہے اس سے رگ کیماس کو کہ

بائیں زانو کے اندر ہے محکم پکڑے اور کمر کو سیدھی رکھے، پھر دلجمعی سے ہیبت اور حرمت اور تعظیم تمام کے ساتھ خوش الحانی سے ذکر شروع کرے، بعد اعوذ اور بسم اللہ کے باخلاص تمام تین بار کلمۂ طیب اور ایک بار کلمۂ شہادت پڑھ کے سر کو قلب کی طرف کہ زیر پستان چپ بفاصلۂ دو انگشت کے واقع ہے جھکا کے کلمۂ ''لا'' کو قوت اور سختی سے دل کے اندر سے کھینچ کے اور الہ کو داہنے مونڈھے پر لیجا کے سر کو پشت کی طرف مائل کر کے تصور کرے کہ غیر اللہ کو دل میں سے نکال کر پس پشت ڈال دیا اور دم (سانس) کو چھوڑ کر لفظ الا الله کی زور اور سختی سے دل پر ضرب مارے اور تصور کرے کہ عشق اور نور الٰہی کو دل میں داخل کیا، اسی طرح اس نفی و اثبات کو فکر اور حظ اور واسطے کے ساتھ دوسو بار کہے، اور اس ذکر میں نو بار لا الہ الا الله دسویں مرتبہ محمد رسول الله کہے بعد اس کے بطور سابق تین بار کلمۂ طیب اور ایک بار کلمۂ شہادت کہے لیکن مبتدی کلمۂ لا الـــــہ میں لا معبود اور متوسط لا مقصود اور منتہی لا موجود ملاحظہ کرے اور اس کے بعد لمحہ دو لمحہ مراقب ہو کے تصور کرے کہ فیضان الٰہی عرش سے میرے سینے میں آتا ہے۔

طریق ذکر اثبات مجرد

پھر دو زانو بیٹھے اور کمر کو سیدھی کرے اور سر کو داہنے مونڈھے پر لیجا کے لفظ الا اللہ کو زور اور سختی سے دل پر ضرب کرے اس کو چار سو بار دمادم کرے پھر بطور سابق تین بار کلمۂ طیب اور ایک بار کلمۂ شہادت کہے اور لمحہ دو لمحہ مراقب رہے۔

طریق ذکر اسم ذات

پھر ذکر اسم ذات اللہ اللہ کا کرے، اس طرح سے کہ اول حرف ہاء لفظ اللہ کو پیش

اور دوسری ہاء لفظ اللہ کو ساکن کرے یعنی جزم دے، اور آنکھیں بند کر کے اور سر کو داہنے مونڈھے پر لا کے لفظ مبارک اللہ اللہ کی دونوں ضرب جہر اور قوت سے دل پر مارے، اس ذکر اسم ذات دوضربی کو چھ سو بار دمادم کرے لیکن دسویں گیارہویں بار اللہ حاضری اللہ ناظری، اللہ معی مع ملاحظہ معنوں کے کہتا رہے تاکہ کیفیت اور لذت ذکر کی اور دفع غفلت اور خواب حاصل ہو، بعد اس کے بطور سابق تین بار کلمۂ طیب اور ایک بار کلمۂ شہادت کہے، پھر ایک مرتبہ اسی طرح سر کو جانب داہنے موںڈھے کے کج کر کے لفظ مبارک اللہ کو دل پر سو بار دمادم ضرب کرے، بعدہ تین بار کلمۂ طیب اور ایک بار کلمۂ شہادت کہہ کر درود شریف اور استغفار گیارہ گیارہ بار پڑھ کر دعا مانگے اور مناجات کرے کہ الٰہی تو ہی مقصود ہے اور رضا تیری ہی مطلوب ہے، ترک کیا میں نے دنیا اور آخرت کو واسطے تیرے عطا کر مجھکو نعمتیں اپنی اور وصول تام اپنی درگاہ مقدس میں، آمین۔

طریق ذکر پاس انفاس کا

یعنی اپنے انفاس پر آگاہ اور ہوشیار رہے کہ بے ذکر اللہ کے کوئی دم نہ گذرے خواہ ذکر جلی ہو خواہ ذکر خفی، بس سانس نکلنے کے وقت دم کے ساتھ لا الٰہ اور سانس کے داخل ہونے کے وقت دم کے ساتھ الا اللہ کہے، دہن بستہ بحرکت زبان (منھ بند کئے زبان کی حرکت سے) خیال سے دم کو ذاکر کرے اور نظر ناف پر رکھے وہاں سے ذکر جاری کرے۔

دوسرا طریق: یہ ہے کہ لفظ اللہ کو سانس کے ساتھ اوپر کھینچے اور لفظ ''ھو'' کے ساتھ سانس کو چھوڑ دے اس ذکر کے خیال اور دھیان سے ایسی کثرت اور مشق کرے کہ دم ذاکر مستغرق بذکر ہو جاوے۔

بیان ذکر اسم ذات زبانی

طالب کو چاہئے کہ باوجود ذکر پاس انفاس کے اسم ذات کو زبانی ہر روز چوبیس ہزار بار کہ اوسط مرتبہ ہے کہے، اور اگر اس قدر نہ ہو سکے تو چھ ہزار سے کم کہ ادنیٰ مرتبہ ہے نہ کرے۔

طریق ذکر نفی و اثبات

جیسا کہ حضرات قادر یہ کرتے ہیں یہ ہے کہ خلوت میں روبقبلہ باادب تمام بیٹھے اور آنکھیں بند کر کے لائے نفی کو زیر ناف سے زور اور سختی کے ساتھ نکال کے اور دراز کر کے داہنے مونڈھے تک لیجا کے دماغ سے نکال دے، اور الا اللہ کو قوت سے دل پر ضرب کرے اور لا الہ سے نفی معبودیت اور مقصودیت اور موجودیت غیر اللہ کی ملاحظہ کرے حتیٰ کہ وجود غیر کا نظر سے اٹھ جائے اور الا اللہ سے اثبات وجود مطلق حق سبحانہ تعالیٰ کا کرے، اسی طرح گیارسو ایک جلسے میں ہر روز کیا کرے حتیٰ کہ اثر اس کا ظاہر ہو اور اس ذکر کو اسی طرح حبسِ دم میں بھی کرتے ہیں۔

طریق شغل اسم ذات

اس طریقے کا یہ ہے کہ زبان کو تالو سے لگا کے دل سے جس قدر ہو سکے رات دن تصور کیا کرے حتیٰ کہ پختہ ہو کر بے تکلف جاری ہو جائے ، باقی اذکار اور اشغال اس طریقے کے ''ضیاء القلوب'' میں موجود ہیں۔

طریق شغل نفی و اثبات

کہ جس دم میں کرتے ہیں یہ ہے کہ آنکھیں بند کر کے زبان کو تالو سے لگا لے

اول دم کو ناف سے کھینچ کر دل میں قرار دے پھر اسی طرح کلمۂ لا الہ کو دل سے نکال کے اور داہنے مونڈھے پر لیجا کے الا اللہ کی ضرب دل پر مارے، اسی طرح اول روز دس دم ہر دم میں تین تین بار مشغول ہو، پھر ہر روز درجہ بدرجہ ایک ایک بار زیادہ کرتا رہے حتیٰ کہ حرارتِ باطن پیدا ہوکر تمام بدن میں سرایت کرے اور خطرہ دفع ہوکر ذکر تمام اعضا میں جاری ہو اور محبت اور عشق الٰہی ظہور کرے۔

طریقہ مراقبہ کا یہ ہے کہ دوزانو نماز کی طرح سر جھکا کے بیٹھے اور دل کو غیر اللہ سے خالی کر کے حق سبحانہ تعالیٰ کی حضور میں حاضر رکھے، اول اعوذ باللہ و بسم اللہ پڑھ کے تین بار **الله حاضری الله ناظری الله معی** زبان سے تکرار کر کے پھر مراقب ہو کے ان کے معنوں کا دل میں ملاحظہ کرے اور تصور کرے یعنی جانے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ حاضر ناظر میرے پاس ہے، اس جاننے میں اس قدر خوض کرے اور مستغرق ہو کہ شعور غیر حق کا نہ رہے یہاں تک کہ اپنی بھی خبر نہ رہے، اگر ایک آن بھی اس سے غافل ہو تو مراقبہ نہ ہوگا۔

دوسرا مراقبہ: **الله نور السموات و الارض** اور انوار الٰہی کو کہ ہر زمان و مکان میں موجود ہے جیسا کہ وجود ہستی اسکا ہر جگہ ثابت ہے ملاحظہ کرے اور مستغرق ہو جائے۔

طریقۂ ذکر اسم ذات جو لطائف ستہ سے متعلق ہے وہ یہ ہے کہ زبان کو تالو سے لگا کے اور آنکھیں بند کر کے بزبان خیال دلِ صنوبری سے اللہ اللہ کہے، اس طرح سے کہ اس اسم کو غیر ذات نہ جانے اس حیثیت کو بمقدور اپنے اٹھتے بیٹھتے ترک نہ کرے، اسی طرح چھ لطیفوں کو ترتیب مذکور کے ساتھ جاری کرے یہاں تک کہ خود ان کے ذکر سے واقف ہو، اے عزیز! جان تو کہ جسم انسان میں چھ لطیفے ہیں یعنی چھ مقام ہیں جو کہ فیضان و برکات اور انوار الٰہی سے لبریز ہیں۔

(۱) اول لطیفۂ قلبی ہے کہ مقام اسکا دوانگشت نیچے پستانِ چپ کے واقع ہے اور نور اس کا سرخ ہے (۲) دوسرا لطیفہ روحی ہے، جگہ اس کی دوانگشت نیچے پستانِ راست کے ہے اور نور اس کا سفید ہے (۳) تیسرا لطیفہ نفسی ہے کہ مقام اس کا زیر ناف ہے اور نور اسکا زرد ہے (۴) چوتھا لطیفہ سری ہے کہ جگہ اس کی مابین سینے کے ہے اور نور اس کا سبز ہے (۵) پانچواں لطیفہ خفی ہے ٹھکانا اس کا پیشانی ہے نور اس کا نیلگوں ہے (۶) چھٹا لطیفہ اخفیٰ ہے موضع اس کا ام الدماغ ہے، نور اس کا سیاہ ہے مثل سیاہی چشم کے۔ پس طالب کو چاہئے کہ ان چھ لطیفوں کے ذکر اور شغل میں اس قدر مشغول ہو اور مشق کرے کہ اثر ذکر کا ظاہر ہو باقی اذکار اور اشغال اور مراقبات بہ تفصیل تمام مع سلوک ”کامل ضیاء القلوب“ میں ملاحظہ ہوں۔

شجرۂ چشتیہ

بدانکہ فقیر امداد اللہ عفی اللہ عنہ را نسبت بیعت و اجازت از مولانا و مرشد نا حضرت میانجی نور محمد جھنجھانوی است و ایشاں را از حضرت حاجی عبدالرحیم از شاہ عبدالباری از شاہ عبدالہادی از شاہ عضدالدین از شاہ محمد مکی از شاہ محمدی از شیخ محبّ اللہ الہ آبادی از شیخ ابوسعید از شیخ نظام الدین از شیخ جلال الدین از شیخ عبدالقدوس گنگوہی از شیخ محمد عارف از شیخ احمد عارف از شیخ عبدالحق رُدولوی از شیخ جلال الدین پانی پتی از شیخ شمس الدین از شیخ علاؤالدین صابر از شیخ فریدالدین از شیخ قطب الدین از خواجہ معین الدین از خواجہ عثمان از خواجہ حاجی شریف زندنی از خواجہ مودود از خواجہ یوسف از خواجہ ابو محمد محترم از خواجہ ابی احمد ابدال چشتی از خواجہ ابی اسحاق شامی از خواجہ ممشاد از خواجہ ابوہبیرہ

بصری از خواجہ حذیفہ مرعشی از خواجہ سلطان ابراہیم از خواجہ فضل از خواجہ عبدالواحد از خواجہ امام حسن بصری از امیر المؤمنین علی رضوان اللہ علیہم اجمعین از حضرت خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ۔

فائدہ: اس شجرۂ طریقت کو حضرت شیخ الہندؒ کے والد ماجد مولانا ذوالفقار علیؒ نے عربی میں منظوم فرمایا ہے، اور اسی شجرۂ مبارکہ کو بانی دار العلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے فارسی زبان میں منظوم فرمایا ہے جس کی افادیت کے بارے میں حضرتِ مدنی نور اللہ مرقدہٗ نے ارشاد فرمایا: ''اگر ممکن ہو تو روزانہ شجرۂ منظومہ حضرت نانوتویؒ ایک مرتبہ پڑھ لیا کیجئے اور مشائخِ طریقت کے لئے ذکر شروع کرنے سے پہلے ایصالِ ثواب کیا کیجئے، درود شریف تین مرتبہ، سورۂ فاتحہ تین مرتبہ، سورۂ اخلاص بارہ مرتبہ، درود شریف تین مرتبہ پڑھ کر دُعا کیجئے کہ پروردگار اس کا ثواب میرے مشائخ طریقت کو پہنچا دے اور ان کی برکت سے ان کے طفیل میں میرے دل کو اغیار سے پاک اور اپنی معرفت کے انوار سے منور کر دے''۔

حضرت مدنی نور اللہ مرقدہ کے زمانۂ اقدس میں اس شجرۂ مبارکہ کو دلکش اردو نظم میں مرتب کیا گیا تھا اور حضرت گنگوہیؒ نے اس شجرہ کو فارسی زبان کی مختصر نظم میں منظوم فرمایا ہے جو تبرکاً درج کیا جاتا ہے:

یاالٰہی کن مناجاتم بفضلِ خود قبول — از طفیلِ اولیائے صابری
بہر امدادو بنور وحضرتِ عبدالرحیم — عبدباری عبدہادی عضد دین مکّی ولی
ہم محمدی ومحبّ اللہ وشاہِ بوسعید — ہم نظام الدین جلال وعبدقدوس احمدی

ہم محمد و عارف ہم عبد حق شیخ جلال
شمس دین ترک وعلاؤالدین فرید جودھنی

قطب دین وہم معین الدین وعثمان وشریف
ہم مودود وابو یوسف ہم محمد واحمدی

بو اسحاق وہم بہ ممشاد وہم ہبیرہ نامور
ہم حذیفہ وابنِ ادہم ہم فضیل مُرشدی

عبدواحد ہم حسن بصری علی فخرِ دین
سید الکونین فخرالعالمین بشری نبی

پاک کُن قلب مراتُو از خیال غیر خویش
بہر ذات خود شفایم دِہ ز امراضِ دلی

(ماخوذ از چراغ محمدؐ ص ۲۴۸)

حضرت حاجی صاحبؒ کے سلسلے کی برکت

حضرت مفتی محمود حسن صاحبؒ نے ارشاد فرمایا کہ: حق تعالیٰ شانہ نے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ کے سلسلے میں بھی کتنی برکت رکھی ہے، اوران سے عوام وخواص کو کتنا فیض پہونچا اللہ اکبر! کہ حضرت حاجی صاحبؒ کے خلیفہ ہوئے حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ، حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ، حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ ان میں سے ہرایک نے دین کی بڑی بڑی خدمات انجام دیں، جہاد کے اندر بھی خوب بہادری سے کام کیا، تصنیف وتالیف کے ذریعہ سے بھی دین کی اشاعت کی، حضرت مولانا اشرف علی صاحبؒ نے قرآن پاک کی تفسیر ''بیان القرآن'' لکھی، علم حدیث میں اعلاء السنن لکھوائی، فقہ حنفی کوفروغ دینے کیلئے مختلف کتابیں لکھیں، علم تصوف کا بھی خوب کام کیا اور اس کے اندر کتابیں تصنیف کیں، التکشّف عن مہمّات التصوّف، بوادرالنوادر، اوراس کے علاوہ اسی طرح حضرت اقدس گنگوہیؒ سے بھی حق تعالیٰ شانہ نے خوب فیض پہنچایا خودانہوں نے علم دین کی کتنی خدمات کیں اللہ اکبر! پھران کے خلیفہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب انبہٹویؒ نے اسی طرح دینی خدمات انجام دیں ''بذل المجہود'' لکھی اور جگہ جگہ پر مناظرہ کیلئے تشریف لے

گئے، ہر وقت شمشیر برہنہ کی طرح تیار رہتے تھے اور ''مطرقۃ الکرامۃ'' ردشیعہ میں اور ''براہین قاطعہ'' جیسی کتابیں لکھیں اور ایک زمانہ تک دورۂ حدیث شریف تک کی پوری کتابیں حضرت علیہ الرحمہ نے خود پڑھائی اور ان کے خلیفہ حضرت مولانا الیاس صاحبؒ کو دیکھو! کہ کتنا بڑا کارنامہ دین کا انجام دیا یعنی تبلیغی جماعت کی چلت پھرت جو ہو رہی ہے یہ حضرت مولانا الیاس صاحبؒ کا ہی فیض ہے، عرب وعجم میں لوگ کس طرح پھر رہے ہیں، نیز حضرت اقدس سہارنپوریؒ کے خلیفہ حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ مہاجر مدنی سابق شیخ الحدیث مظاہر علوم سہارنپور کو دیکھ لو! دین کی کتنی خدمات انجام دیں، مؤطا امام مالک کی شرح لکھی جس کا نام اوجز المسالک ہے اسی طرح الکوکب الدری، لامع الدراری تصنیف فرمائیں، تبلیغی نصاب اور فضائل کی کتابیں تصنیف فرمائیں جو سب جگہ پڑھی اور سنائی جارہی ہیں، مختلف زبانوں میں ان کے ترجمے ہوئے۔ (ملفوظات فقیہ الامت رص ۱۹۱ر۱)۔

حضرت حاجی صاحبؒ کے حکم سے بیعت کی شروعات

بات یہ چل رہی تھی کہ حضرت گنگوہیؒ حضرت حاجی صاحبؒ سے بیعت ہوئے اور وطن آکر تعلیم وتربیت میں اور تزکیہ واحسان کی محنت میں مصروف ہوگئے، چنانچہ مولانا کو وطن واپس ہوئے چند ہی روز گزرے تھے کہ ایک عفت مآب نیک دل عورت نے آپ سے بیعت کی درخواست کی، امام ربانی نے طبعی تواضع کے سبب درخواست نامنظور فرمادی اور ٹالدیا، خدا کی شان کہ حضرت نانوتہ تشریف لیجانے کی نیت سے روانہ ہوئے اور اسی سفر میں گنگوہ حضرت مولانا قدس سرہ کے پاس قیام فرمایا، صاحب نصیب عورت کو اپنے درد کا درماں حاصل کرنے کیلئے اس سے بہتر موقع کہاں مل سکتا تھا کہ پیر کی بے اعتنائی کا گلہ وشکوہ دادا پیر سے کیا جائے، اور باپ کی شکایت ہو تو جد بزرگوار سے ہو، پس

حضرت کی خدمت میں کہلا بھیجا کہ دیکھئے حضرت میں مرید ہونا چاہتی ہوں اور مولانا بیعت قبول نہیں فرماتے ، اب کیا تھا حضرت کے لطف ولطافت آمیز سوال تھے کہ کیوں صاحب سائل کی درخواست کیوں منظور نہیں ہوتی ؟ اور حضرت مولانا شرم سے پسینہ پسینہ ہوئے جاتے تھے، اگر جواب تھا تو کبھی یہ کہ حضرت میں اس قابل نہیں، یا اس طرح کہ آقائے زمانہ کے تشریف فرما ہوتے ہوئے غلام کی کیا طاقت کہ کسی کا آقا بنے ،مگر حضرت بار بار یہی فرماتے تھے کہ جب کسی کو تم ہی سے عقیدت ہو تو وہ میرا مرید ہوکر کیا نفع اٹھائے گا، خلاصہ یہ کہ حضرت اٹھے اور امام ربانی کو اپنے ہمراہ درخواست کنندہ عورت کے مکان پر لائے اور فرمایا لو میرے سامنے بیعت کرو (امداد المشتاق رص ۲۳)۔

اس پوری داستان میں سالکین راہِ طریقت کیلئے بہت کچھ سامان عبرت ونصیحت کا موجود ہے، اور ان حضرات کیلئے بھی بہت بڑی بصیرت کا سامان ہے جو اس دور میں بیعت وسلوک کا انکار کررہے ہیں، کوئی تو بالکل ہی انکار کررہا ہے اور کوئی اس کو انفرادی عمل بتا کر لوگوں کے قلوب سے اس کی عظمت کو نکالنے کے درپے ہے، اور اس سے بھی زیادہ افسوس ان لوگوں پر ہے جن کے آباء واجداد خود راہِ سلوک ومعرفت سے گذرے، بیعت ہوئے اور دوسروں کو بھی اپنے ہاتھ پر بیعت کیا، لیکن پھر بھی ان کے بعض متعلقین یہ کہہ رہے ہیں کہ یہ اپنی طرف دعوت ہے، استغفر اللہ العظیم! یہ ان بزرگوں پر کتنا بڑا اتہام ہے اور ان کی مخلصانہ ومؤمنانہ، داعیانہ اور مبلغانہ کاوشوں کو ختم کرنے کی کتنی بڑی سازش ہے، یہ وہ عظیم فتنہ ہے جس کی خبر بعض اکابر نے قبل از وقت ہی دیدی تھی ، کیا جس وقت حضراتِ صحابہ کرامؓ رسول پاک ﷺ کے دستِ حق پرست پر درخت کے نیچے بیعت کررہے تھے وہ انفرادی عمل کررہے تھے؟ اور وہ اپنی طرف دعوت دی جارہی تھی ؟ قرآن

پاک کہتا ہے: لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ فَعَلِمَ مَالَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِکَ فَتْحاً قَرِیْبًا الآیہ (الفتح ۳۶) پھر یہی عمل عہد نبوی شریف سے مسلسل چلتا رہا اور ہزاروں لاکھوں اولیاء اللہ کا یہ طریقۂ کار رہا اور پوری دینا اس سے فیضیاب ہوئی۔

مرشد کی جانب سے ایک امتحان اور اس میں کامیاب ہونا

تھانہ بھون کے دوران قیام حضرت حاجی صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے آپ کے صبر وتحمل اور ضبط کا امتحان لیا جس کے متعلق حضرت امام ربانی خود ہی فرماتے ہیں کہ تھانہ بھون میں مجھ کو رہتے ہوئے چند روز گزرے تو میری غیرت نے حضرت پر کھانے کا بار ڈالنا گوارا نہیں کیا[1]، آخر میں نے یہ سوچ کر کہ دوسری جگہ انتظام کرنا دشوار بھی اور ناگوار بھی ہوگا، رخصت چاہی، حضرت نے اجازت نہ دی اور فرمایا کہ ابھی چند روز ٹھہرو، میں خاموش ہوگیا قیام کا قصد تو کرلیا مگر اس کے ساتھ یہ فکر بھی ہوا کہ کھانے کا انتظام کسی دوسری جگہ کرنا چاہئے، تھوڑی دیر کے بعد جب حضرت مکان پر تشریف لے جانے لگے تو میرے وسوسہ پر مطلع ہوکر فرمایا میاں رشید احمد کھانے کی فکر مت کرنا ہمارے ساتھ کھانا، دوپہر کو کھانا مکان سے آیا تو ایک پیالہ میں کوفتے تھے نہایت لذیذ، اور دوسرے پیالہ میں معمولی سالن تھا، حضرت نے مجھے دستر خوان پر بٹھایا مگر کوفتوں کا پیالہ مجھ سے دور رکھا ہوا

---

[1] آج بھی جو غیرت منداور مخلص مریدین ہیں ان کی دلی تمنا اور جذبہ یہی ہوتا ہے کہ اپنے مشائخ کی خدمت کریں ان پر طعام وغیرہ کا بوجھ نہ ڈالیں یہ ایک سمجھ داری اور عقلمندی کی بات ہے اور بعض ایسے ہیں جو خانقاہوں میں اسی جذبہ کے ساتھ جاتے ہیں کہ وہاں اچھا کھانے کو ملے گا اور آرام کریں گے اور جب اس میں کچھ کمی آجاتی ہے تو پھر وہ بھاگ جاتے ہیں اور نام نکالتے ہیں گویا کہ وہ اسی لئے آئے تھے اپنی تربیت کیلئے نہیں آئے تھے حالانکہ تربیت کیلئے آنا چاہئے اور تربیت نام ہی ہے مجاہدہ کا جس میں سب سے بڑی چیز صبر وقناعت ہے۔

دیکھ کر حضرتؒ سے فرمایا بھائی صاحب! رشید احمد کو اتنی دور ہاتھ بڑھانے میں تکلیف ہوتی ہے اس پیالہ کو ادھر کیوں نہیں رکھ لیتے، حضرت نے بیساختہ جواب دیا اتنا بھی غنیمت ہے کہ اپنے ساتھ کھلا رہا ہوں، جی تو یوں چاہتا تھا کہ چوڑھوں چماروں کی طرح الگ ہاتھ پر روٹی رکھدیتا، اس فقرہ پر حضرتؒ نے میرے چہرہ پر نظر ڈالی کہ کچھ تغیر تو نہیں آیا مگر الحمد للہ! میرے قلب پر بھی اس کا کچھ اثر نہ تھا، میں سمجھتا تھا کہ حقیقت میں جو کچھ حضرت فرمارہے ہیں بالکل سچ ہے، اس دربار سے روٹی ہی کا ملنا کیا تھوڑی نعمت ہے! جس طرح بھی ملے بندہ نوازی ہے، اسکے بعد حضرت نے پھر کبھی میرا امتحان نہیں لیا، اس کے بعد فرمایا، اسی لئے مجھے کچھ نہیں آیا۔

حضرت اقدس گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ نے اپنے حالات وواردات پر مشتمل ایک عریضہ اپنے شیخ ومرشد حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ کو (اس والا نامہ کے جواب میں جس میں حضرت نے حضرت امام ربانی کے حالات دریافت کئے تھے) لکھا ہے اور ''مکاتیب رشیدیہ'' میں طبع بھی ہوگیا ہے وہ یہاں نقل کیا جاتا ہے، حضرت امام ربانیؒ تحریر فرماتے ہیں:

شیخ ومرشد کی خدمت میں مکتوب

حضور نے جو بندۂ نالائق کے حالات سے استفسار فرمایا ہے میرے ماویٰ دارین اس ناکس کے کیا حالات اور کس درجہ کی کوئی خوبی ہے، جو آفتاب کمالات کے روبروعرض کروں، بخدا سخت شرمندہ ہوں، کچھ نہیں مگر جو ارشاد حضرت ہے تو کیا کروں، مجبوراً کچھ لکھنا

پڑتا ہے، حضرت مرشد من! علم ظاہری کا تو یہ حال ہے کہ آپ کی خدمت سے دور ہوئے غالبًا عرصۂ سات سال سے کچھ زیادہ ہوا ہے، اس سال تک دوسو سے چند عدد زیادہ آدمی سند حدیث حاصل کر کے گئے ہیں، اور اکثر ان میں وہ ہیں کہ انہوں نے درس جاری کیا اور سنت کے احیاء میں سرگرم ہوئے، اور اشاعت دین ان سے ہوئی اور اس شرف سے زیادہ کوئی شرف نہیں اگر قبول ہو جائے، اور حضرت کے اقدام نعلین کی حاضری کا یہ خلاصہ ہے کہ جذر قلب میں غیر حق سے نفع وضرر کا التفات نہیں، نیز کسی کے مدح وذم کی پرواہ نہیں رہی اور ذام ومادح کو دور جانتا ہوں اور معصیت کی طبعًا نفرت اور اطاعت کی طبعًا رغبت پیدا ہوگئی ہے اور یہ اثر اسی نسبت یادداشت بے رنگ کا ہے جو مشکوٰۃ انوار حضرت سے پہنچا ہے، بس زیادہ عرض کرنا گستاخی اور شوخ چشمی ہے، یا اللہ معاف فرمانا کہ حضرت کے ارشاد سے تحریر ہوا ہے، والسلام ۱۳۰۶ھ (تاریخ مشائخ چشت رص ۲۷۲)۔

اور بعض حضرات اس کا خلاصہ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ نصوص میں تعارض ختم ہو گیا، مادح وذام برابر ہو گئے ہیں اور شریعت پر عمل طبیعت ثانیہ بن گئی ہے، حضرت نے فرمایا الحمدللہ اول صفت کمال علم کی دلیل ہے اور دوسری کمال اخلاق کی اور تیسری صفت کمال عمل کی، اس طرح کمال علمی، عملی اور اخلاقی حاصل ہو گئے۔

مولانا گنگوہیؒ اپنے پیر ومرشد کی نظر میں

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی شخصیت اپنے پیر ومرشد حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ کی نظر میں:

حضرت حاجی صاحبؒ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کو مکہ مکرمہ سے خطوط تحریر فرماتے ہیں جن میں سے بعض کے مضامین اور القاب مندرجہ ذیل ہیں۔

از فقیر امداد اللہ عفی عنہ۔

بخدمت فیض درجت، منبع علومِ شریعت وطریقت عزیزم مولانا رشید احمد صاحب محدث گنگوہی سلمہ اللہ تعالیٰ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ اللہ تعالیٰ آپ کو مکروہات دارین سے محفوظ رکھ کر قرب مراتب ودرجات عالیات عطاء فرماوے، اور آپ کی ذات بابرکات کو ذریعہ ہدایت خلق فرماوے آمین۔

الحمد للہ آپ کی کیفیات باطنی وحالات مقدسہ سن کر کروڑ کروڑ شکر اللہ کا بجالایا، اللہ تعالیٰ آپ کے درجات اور قرب کو ترقی بالائے ترقی بخشے اور ہم بے بہروں کی نجات کا وسیلہ بنائے۔

ایک اور خط میں تحریر فرمایا: از مکہ معظّمہ حارۃ الباب ۳۰؍رجب ۱۳۰۷ھ ایک ضروری اطلاع یہ ہے کہ فقیر آپ کی محبت کو اپنی نجات کا ذریعہ سمجھتا ہے اور الحمد للہ، اللہ تعالیٰ نے آپ کی محبت کو میرے دل میں ایسا مستحکم کر دیا ہے کہ کوئی شئی اس کو بھلا نہیں سکتی اور جو کوئی فقیر کو دوست رکھتا ہے وہ ضرور آپ سے محبت رکھتا ہے۔

از مکہ مکرمہ ۲۳؍رمضان شریف ۱۳۱۰ھ از فقیر امداد اللہ عفا اللہ عنہ بخدمت فیض درجت سراپا خیر وبرکت سراسر خلوص ومحبت عزیزم مولانا مولوی رشید احمد صاحب زید عرفانہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، الحمد للہ فقیر خیریت سے ہے آپ کے واسطے دعائے خیر کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے عشق ومحبت رضاء وتسلیم میں رکھ کر آپ کا فیض جاری کر کے حسن خاتمہ نصیب فرمائے۔

ایک دوسرے خط میں عارف باللہ کے مبارک لقب سے یاد فرمارہے ہیں: از فقیر امداد اللہ عفا اللہ عنہ بخدمت فیض درجت، سراپا خیر وبرکت، عارف باللہ عزیزم جناب مولانا مولوی رشید احمد صاحب زید عرفانہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

الحمد للہ فقیر خیریت سے ہے اور آپ کی صحت وسلامتی خدا تعالیٰ کی جناب سے مطلوب، از مکہ مکرمہ ۱۲ر جمادی الاول ۱۳۱۱ھ۔

خط نمبر ۸ر ملاحظہ ہو، از فقیر امداد اللہ عفا اللہ عنہ بخدمت فیض درجت جامع شریعت وطریقت عزیزم مولانا مولوی رشید احمد صاحب محدث گنگوہی ادام اللہ فیوضہم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، اللہ تعالیٰ آپ کی ذات بابرکت کو باعث استقامت خلق و وسیلۂ ہدایت کرے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی مرضیات پر چلاوے اور مارے، اور فقیر کا بھی وقت قریب ہے دعائے حسن خاتمہ سے مدد فرماویں۔

از فقیر امداد اللہ عفا اللہ عنہ بخدمت بابرکت وفیض درجت عزیزم مولوی رشید احمد صاحب زید عرفانہ۔

حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی اپنی کتاب ''الشہاب الثاقب'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت مولانا گنگوہی قدس اللہ سرہ العزیز کے حالات جس نے مشاہدہ کئے ہیں وہ بیشک آپ کی محبت از سنتِ مصطفویہؐ اور تعظیم احمدی کا اندازہ کرسکتا ہے ہم چند باتیں چشم دید کی جن سے اکثر حضرات واقف ہوں گے بیان کرتے ہیں۔

(۱) حضرت مولانا گنگوہیؒ کے یہاں تبرکات میں حجرۂ مطہرہ نبویہؐ کے غلاف کا ایک سبز ٹکڑا بھی تھا، بروز جمعہ کبھی کبھی حاضرین وخدام کو جب ان تبرکات کی زیارت خود کرایا کرتے تھے تو صندوقچہ خود اپنے دست مبارک سے کھولتے اور غلاف کو نکال کر

اول اپنی آنکھوں سے لگاتے اور منہ سے چومتے تھے پھر اوروں کی آنکھوں سے لگاتے اوران کے سروں پر رکھتے۔

(۲) مدینہ منورہ کی کھجوریں آتیں تو نہایت عظمت وحفاظت سے رکھی جاتیں اوراوقات مبارکہ متعددہ میں خودبھی استعمال فرماتے اور حضارِ بارگاہِ مخلصین کوبھی نہایت تعظیم وادب سے اسی طرح تقسیم فرماتے کہ گویا نعمت غیرمترقبہ اوراثمار جنت ہاتھ آگئے ہیں، حالانکہ بصرہ،سندھ وغیرہ کی کھجوریں ہمیشہ آتی رہتی تھیں مگران کی وقعت اس سے زیادہ ہرگز نہ تھی کہ جملہ میووں میں سے یہ بھی ایک میوہ ہے۔

(۳) مدینہ منورہ کی کھجوروں کی گٹھلیاں نہایت حفاظت سے رکھتے لوگوں کو پھینکنے نہ دیتے اور نہ خود پھینکتے تھے،ان کو ہاون دستہ میں کٹوا کرنوش فرماتے مثل چھالیوں کے کترواکرلوگوں کواستعمال کرنے کی ہدایت فرماتے۔

(۴)احقر ماہ ربیع الاول ۱۳۱۹ھ میں بہ ہمراہی بھائی محمد صدیق صاحب جب حاضر خدمت ہوئے تھےتو بھائی صاحب سے پہلی ہی حاضری میں حضرت قدس اللہ سرہ العزیز نے دریافت فرمایا کہ حجرہ شریفہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کی خاک بھی لائے ہو یانہیں؟ چونکہ وہ احقر کے پاس موجودتھی اس لئے بادب ایستادہ پیش خدمتِ اقدس کیا تو نہایت وقعت وعظمت سے قبول فرماکر سرمہ میں ڈلوایا اور روزانہ بعدنماز عشاء خواب استراحت فرماتے وقت اتباعاًللسنہ اس سرمہ کوآخر وقت تک استعمال کرتے رہے،اس قصہ سے عام خدام واقف ہیں۔

(۵) بعض مخلصین نے کچھ کپڑے مدینہ منورہ سے خدمت اقدس میں تبرکاً ارسال کئے،حضرت نے نہایت تعظیم اور وقعت کی نظر سے ان کودیکھا،بعض طلباءاور حضار

مجلس نے عرض کیا کہ حضرت! اس کپڑے میں کیا برکت حاصل ہوئی، یورپ کا بنا ہوا ہے تاجر مدینہ میں لائے، وہاں سے دوسرے لوگ خرید لائے، اس میں تو کوئی وجہ تبرک ہونے کی معلوم نہیں ہوتی، حضرت نے شبہ کو رد فرمایا اور یوں ارشاد فرمایا کہ مدینہ منورہ کی اسکو ہوا تو لگی ہے، اس وجہ سے اس کو ایک اعزاز اور برکت حاصل ہوئی، پس خیال کرنے کی بات ہے کہ جس شخص کا محبت نبویؐ میں یہ حال ہو کہ دیار محبوب کی گٹھلیاں اور وہ گرد جو کہ محبوب کے روضہ کے ارد گرد اڑ کر جمع ہو گیا ہو (کیونکہ قبر مبارک تک بوجہ دیواروں کے جملہ اشیاء کا پہنچنا محال ہے) اس عظمت سے رکھا جاوے، اور وہ چیزیں جن کو کفار نے دار الکفر میں اپنے ہاتھ سے بنایا ہو دیارِ محبوب کی چند روز ہوا کھانے کی وجہ سے تبرک عظیم بن جاویں خود احقر (حضرت مدنیؒ) کا مشاہدہ ہے کہ تین دانے ان کھجوروں کے جو صحن خاص مسجد نبوی میں نصب ہے اسی سال لا کر حضرت کی خدمت میں پیش کیے تھے، ان کی حضرت نے اس قدر وقعت فرمائی کہ نہایت اہتمام سے ان کے ستّر ۷۰ سے کچھ زائد حصے فرما کر اپنے اقرباء ومخلصین ومحبین میں تقسیم فرمائے اور اپنا بھی ان میں ایک حصہ قرار دیا، صاحبو! ہزاروں مدعین محبت سے احقر کو ملاقات کی نوبت آئی اور وہ خاص کھجوریں ان کو دی گئیں لیکن کسی کو اس اخلاص وعظمت کے ساتھ لیتے ہوئے نہیں دیکھا۔

(۶) حجرہ مطہرہ نبویہؐ کا جلا ہوا زیتون کا تیل وہاں سے حضرتؒ کے بعض مخلصین نے ارسال کیا تھا، حضرت نے (باوجود نزاکت طبعی کہ جس کی حالت عام لوگوں میں ظاہر ہے) اس کو پی لیا حالانکہ اولاً زیتون کا تیل خود بے مزہ ہوتا ہے ثانیاً بعد جلنے کے اس میں اور بھی تغیر ہو جاتا ہے، مگر واہ رے عاشق سید رسل وشیدائے خاتم الانبیاءؐ باوجود اس نزاکت ونظافت کے اسے بلا تامل خوشگوار لذیذ چیز کی طرح نوش فرمایا اور اسے بجائے

اس کے کہ مَل کر جزو بدن بناتے پی کر جزو بدن بنالیا۔

(۷) حضرت گنگوہیؒ کا سنت مصطفویہ ؐ کے ساتھ عشق اس درجہ بڑھا ہوا تھا کہ آپ کو عربی مہینے چھوڑ کر بلاضرورت انگریزی مہینوں کا استعمال بھی گراں گزرتا تھا، مولوی اسمٰعیل صاحب حضرت کی خدمت میں حاضر تھے کہ کسی شخص نے پوچھا کہ گوالیار کب جاؤ گے؟ انہوں نے جواب دیا کہ جولائی کی فلاں تاریخ کو، حضرت مولانا نے تأسف کے ساتھ ارشاد فرمایا کہ اور ماہ وتاریخ نہیں ہیں جو انگریزی مہینوں کا استعمال کیا جاوے، یہی وجہ ہے کہ حضرت کی تحریرات میں کہیں انگریزی یا ہندی مہینوں کا نام نہیں۔

(۸) حضرت مولانا گنگوہی قدس اللہ سرہ العزیز ''زبدۃ المناسک'' میں فرماتے ہیں اور جب مدینہ منورہ کو چلے تو کثرت درود شریف کی راہ میں بہت کرتا رہے، پھر جب درخت وہاں کے نظر پڑیں تو اور زیادہ کثرت کرے، اور جب عمارت وہاں کی نظر آوے تو درود پڑھ کر کہے **اللھم ھذا حَرَمُ نَبِیّکَ فجعله وقایةً لی من النار اماناً من العذاب وسواء الحساب** اور مستحب ہے کہ غسل کرے یا وضو اور کپڑا پاک صاف اچھا لباس پہنے اور نئے کپڑے ہوں تو بہتر ہے، خوشبو لگائے اور پہلے سے تیار ہولے اور خشوع خضوع جس قدر ہو سکے فروگزاشت نہ کرے، اور مکان کی عظمت خیال کئے ہوئے درود شریف پڑھتا ہوا چلے، جب مدینہ منورہ میں داخل ہو کہے **رب ادخلنی مدخلاً کریما** اور ادب اور حضور قلبی کے ساتھ دعا کرتا رہے اور درود شریف بہت پڑھے، وہاں جا بجا مواقع قدم رسول اللہ ﷺ ہیں (امام مالکؒ مدینہ منورہ میں سوار نہیں ہوتے تھے فرماتے تھے کہ مجھ کو حیاء آتی ہے کہ سواری کے کھروں سے اس سرزمین کو پامال کروں کہ جس میں حبیب اللہ ﷺ چلے پھرے ہوں) اور بعد تحیت المسجد کے سجدہ کرے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ

نعمت اس کو نصیب کی ہے، پھر روزۂ اقدس ﷺ کے پاس حاضر ہو اور باادبِ تمام خشوع کھڑا ہو اور زیادہ قریب نہ ہو اور دیوار کو ہاتھ نہ لگاوے کہ محل ادب اور ہیبت ہے اور حضرت ﷺ کی لحد شریف میں آنجناب کو قبلہ کی طرف چہرہ مبارک کئے ہوئے تصور کرے اور کہے ''السلام علیک یارسول اللہ الخ'' اور بہت پکار کر نہ بولے آہستہ خشوع اور ادب سے بہ نرمی عرض کرے، اور پھر حضرت ﷺ کے وسیلہ سے دعا کرے یا شفاعت چاہے کہے یارسول اللہ ﷺ اسئلک الشفاعةَ و اتو سّلُ به الی اللّٰهِ فی اَنْ اَمُو تَ مسلماً علی ملّتک و سُنَّتِک اوران الفاظ میں جس قدر چاہے زیادہ کرے مگر ادب اور عجز کے کلمات ہوں اور درود شریف اور دعاء سے غافل نہ ہو جس قدر کثرت ہو بہتر ہے اور جب تک مدینہ منورہ میں رہے تلاوت اور ذکر کرتا رہے، اور صلوۃ وسلام خوب پڑھتا رہے اور راتوں میں بہت جاگے اور وقت ضائع نہ کرے۔

(۹) حضرت مولانا گنگوہیؒ چونکہ بہت متبع سنت تھے (اتباع سنت دراصل ثمرۂ محبت رسول اللہ ﷺ ہے) ایک مرتبہ لوگوں نے کہا کہ مسجد سے بایاں پاؤں نکالنا اور جوتا سیدھے پاؤں میں پہننا سنت ہے، دیکھیں حضرت ان دونوں سنتوں کو کیسے جمع فرماتے ہیں، لوگوں نے اس کا اندازہ کیا، جب حضرت مولانا مسجد سے نکلنے لگے تو آپ نے پہلے بایاں پاؤں نکال کر چپلوں پر رکھا پھر سیدھا پاؤں نکالا اس کو داہنی چپل میں ڈالا، اس کے بعد بایاں چپل پہنا، سبحان اللہ کیسے دونوں سنتوں کو یکجا جمع فرمایا ہے (از ارواح ثلاثہ)۔

حضرت گنگوہیؒ سے کسی نے سوال کیا کہ ''بر تصویر روضہ منورہ حضرت سرور عالم ﷺ ونقشہ مدینہ منورہ زادھا اللہ شرفاً ونقشہ مکہ مکرمہ کہ در دلائل الخیرات واقع است بوسہ دادن وچشم مالیدن از روئے شرع جائز است یانہ''؟۔

الجواب: بوسہ دادن وچشم مالیدن بریں نقشہا ثابت نیست واگر از غایت شوق سرزد، ملامت وعتاب ہم برجانباشد، کتبہ الاحقر رشید احمد گنگوہی عفی عنہ۔

الجواب: صحیح اشرف علی عفی عنہ ۲؍محرم ۱۳۲۲ھ (امداد الفتاوی جلد ۴؍ص ۲۸۰)۔

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کو دیکھا ہے کہ ہر وقت درود شریف کا ورد رہتا تھا اور بات چیت بہت کم کرتے تھے، مگر افسوس ہے کہ جو لوگ سال بھر میں صرف ربیع الاول میں ایک مرتبہ آئیں وہ تو محبّ اور عاشق ہوں اور جو ہر وقت سرشار رہے اس کو منکر سمجھا جائے کیسا غضب ہے صاحبو! کہاں گیا انصاف اور تدیّن یعنی دینداری (ماخوذ از وعظ النور؍ص ۲۰۶)۔

حضرت حکیم الامتؒ نے ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ کتنے غضب اور ظلم کی بات ہے کہ ہمارے بزرگوں کو بدنام کرتے ہیں اور وہابی کے لقب سے یاد کرتے ہیں، ہمارے قریب میں ایک قصبہ ہے ''جلال آباد'' وہاں پر ایک جبہ شریف ہے جو کسی بڑے اللہ والے کی طرف منسوب ہے، اس کی زیارت حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا شیخ محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کیا کرتے تھے، اور حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ نے اس کے متعلق میرے خط کے جواب میں تحریر فرمایا تھا کہ اگر منکرات سے خالی وقت میں زیارت میسر آنا ممکن ہو تو ہرگز دریغ نہ کریں، بتلایئے یہ باتیں وہابیت کی ہیں۔

(ملفوظ؍ص ۱۸۴؍حصہ چہارم الافاضات الیومیہ؍جامعہ ساہیوال کا دارالعلوم نمبر؍ص ۵۲۵ ج ۲)

جہادِ آزادی کا آغاز

انگریزوں کے ہندوستان میں قدم رکھنے کے بعد طبقۂ علماء کے رئیس وسرخیل یعنی حضرت اقدس شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ نے یہ دیکھ کر کہ یہ دوسروں کے مذہبوں کو پامال کرنے اور عیسائی مذہب کو پھیلانے کے لئے شرمناک ہتھکنڈے استعمال کررہے

ہیں ان کے انسداد کی تدبیریں اختیار کرنی شروع کردی تھیں اور ایک انقلابی جماعت کی داغ بیل ڈال دی تھی، چنانچہ اس جماعت کے تیسرے امام حضرت شاہ عبدالغنیؒ کے ۱۸۴۶ء میں انتقال کے بعد حضرت حاجی امداد اللہؒ چوتھے امام مقرر ہوئے، جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کی ابتدا ہوئی، یہ حضرات بھی تیار تھے، حضرت حاجی صاحب کے شریک کار حضرات علماء کرام مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا قاسم نانوتویؒ، مولانا عبدالغنیؒ، اور مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ، مولانا شیخ محمد تھانویؒ کے درمیان جہادِ حریت کے سلسلہ میں تبادلۂ خیال ہوا، مولانا شیخ محمد نے بے سروسامانی کا ذکر فرما کر جہاد حریت کی مخالفت کی، مولانا محمد قاسم نے فرمایا کہ کیا ہم اصحاب بدر سے بھی زیادہ بے سروسامان ہیں؟ حضرت امیر امداد اللہ نے طرفین کی گفتگو سننے کے بعد فرمایا کہ الحمدللہ انشراح ہوگیا اور جہاد کی تیاری شروع کردی، امیر امداد اللہؒ نے امامت قبول کی اور مولانا نانوتویؒ سپہ سالار مقرر ہوئے اور مولانا رشید احمد گنگوہیؒ قاضی مقرر ہوئے، اس طرح قصبہ تھانہ بھون دارالاسلام قرار پایا [1]۔

---

[1] اس کے اسباب پر روشنی ڈالتے ہوئے تذکرۃ الرشید میں اس طرح لکھا ہے: کہ جب قصبہ تھانہ بھون اور اس کے پورے اطراف میں بدامنی پھیل گئی اور فتنہ وطوفان عام ہوگیا اور سرکار نے یہ اعلان کردیا کہ اب ہر شخص اپنی خود حفاظت کرے ہم اپنی طرف سے امن وامان قائم نہیں کرسکتے تو قصبہ کے لوگ حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ بلا کسی حاکم کی سرپرستی کے گزران دشوار ہے گورنمنٹ نے باغیوں کی بغاوت کے باعث اپنا امن اٹھالیا اور بذریعہ اشتہار عام اطلاع دیدی ہے کہ اپنی اپنی حفاظت ہر شخص کو خود کرنی چاہئے، آپ چونکہ ہمارے دینی سردار ہیں اس لئے دنیوی نظمِ حکومت کا بھی بار اپنے سر رکھیں اور امیر المؤمنین بنکر ہمارے باہمی قضیے چکادیا کریں، اسمیں شک نہیں کہ حضرت کو ان کی درخواست کے موافق ان کے سروں پر ہاتھ رکھنا پڑا اور آپ نے دیوانی وفوجداری کے جملہ مقدمات شرعی فیصلہ کے موافق چند روز تک قاضی شرع بن کر فیصل بھی فرمائے، اسی قصہ نے مفسدوں میں شریک ہونے کی راہ چلائی اور مخبروں کو جھوٹی سچی مخبری کا موقع دیا، حضرت امام ربانی قدس سرہ دس برس ہوئے حضرت کو اپنے دین ودنیا کا سردار بنا ہی چکے تھے ہمیشہ آمد ورفت رہتی ہی تھی اب جبکہ حکومت کے فیصلے اور شرعی قضا میں مولوی کی ضرورت تھی کہ حق بات میں اعانت کرتا رہے اس لئے آپ اور مولانا محمد قاسم صاحبؒ مع دیگر خدام کے یہیں رہ پڑے (تذکرۃ الرشید ص ۷۴)۔

تذکرۃ الرشید میں رص ۷۳ر پر لکھتے ہیں :جسکی ابتداء یہ تھی کہ تھانہ بھون کے رئیس قاضی عنایت علی خان کے چھوٹے بھائی عبدالرحیم خان چند ہاتھی خرید نے سہارنپور گئے وہاں اس آفت رسیدہ کا کوئی بنیا قدیمی دشمن کئی دن سے ٹھہرا ہوا تھا جس کو زمیندارانہ مخاصمات میں عبدالرحیم کے ساتھ خاص عداوت تھی دشمن نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور فوراً حاکم ضلع سے جا رپورٹ کی کہ فلاں رئیس بھی باغی ومفسد ہے، چنانچہ دہلی میں کمک بھیجنے کے لئے ہاتھی خرید نے سہارنپور آیا ہوا ہے، زمانہ تھا اندیشہ ناک اور احتیاط کا اسی وقت فوج دوڑ گئی اور رئیس گرفتار ہوگیا، نتیجہ یہ ہوا کہ پھانسی ہوئی اور تھانہ بھون کے نیک دل سرکاری خیر خواہ زمیندار کو مظلوم بھائی سے دنیا میں ہمیشہ کے لئے جدا ہو جانے کی خبر ملی، اس صدمہ سے عنایت علی خان پر رنج وغم کے پل ٹوٹ پڑے اور جوش حزن میں بھائی کے انتقام کا خیال پختہ ہوگیا، اتفاق سے چند فوجی سوار کہاروں کے کندھوں پر کارتوسوں کی کئی بہنگیاں سہارنپور سے کیرانہ کی طرف لے جارہے تھے کہ قاضی صاحب کو اس کی اطلاع ہوئی، وہ اپنے رفقاء اور رعایا کو ساتھ لے کر شیر علی کے باغ کی سمت سڑک پر جا پڑے اور جس وقت سوار سامنے سے گزرے ان پر حملہ کر کے میگزین (یعنی کارتوسوں کی بیلٹ) چھین لی، ایک سوار اسی جنگ میں زخمی ہو کر سمت مشرق جنگل کو بھاگا مگر تھوڑے ہی فاصلہ پر گھوڑے سے گر کر مر گیا، اس واقعہ کی خبر مظفر نگر پہنچی تو حاکم ضلع کی طرف سے تھانہ بھون پر فوج کشی کا حکم ہوگیا جس پر عنایت علی خان اور ان کے ساتھیوں نے انگریزی فوج کا مقابلہ کیا اس معرکہ میں حضرت حاجی امداد اللہؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا قاسمؒ، اور حافظ ضامنؒ ہمراہ تھے، بندوقچیوں سے مقابلہ ہوا یہ نبرد آزما جتھا بھاگنے یا ہٹ جانے والا نہیں تھا اس لئے پہاڑ کی طرح جم کر ڈٹ گئے اور دوسرا گروہ

ہاتھوں میں تلواریں لئے بندوقچیوں کے سامنے ایسے جما رہا گویا زمین نے پاؤں پکڑ لئے، چنانچہ ان حضرات پر فائرنگ ہوئی اور حضرت ضامنؒ زیر ناف گولی کھا کر شہید ہوئے، حضرت مولانا قاسم صاحبؒ ایک مرتبہ یکا یک سر پکڑ کر بیٹھ گئے جس نے دیکھا اس نے یہ سمجھا کہ کنپٹی میں گولی لگی ہے اور دماغ پار کر کے نکل گئی، حضرت حاجی امداد اللہؒ نے لپک کر زخم پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کیا ہوا؟ میاں! عمامہ اتار کر سر کو جو دیکھا کہیں گولی کا نشان تک نہ ملا اور تعجب یہ تھا کہ خون سے تمام کپڑے تر تھے۔

حضرت حافظ ضامنؒ کی شہادت[۱]

معرکۂ جنگ جاری ہے اسی گھمسان میدان میں حضرت حافظ ضامن شہیدؒ نے مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کو پاس بلایا اور فرمایا ''میاں رشید احمد میرا دم نکلے تو میرے پاس ضرور ہونا'' تھوڑی دیر گزری تھی کہ حافظ صاحب دھم سے زمین پر گرے معلوم ہوا کہ گولی کاری لگی اور خون کا فوارہ بہنا شروع ہوا، حافظ صاحب زخمی ہو کر گرے کہ حضرت

---

[۱] آپ ہندوستان کے کبار اولیاء اللہ میں تھے، صاحبِ فضل وکمال اللہ کے عشق ومحبت سے سرشار رہا کرتے تھے، حضرت گنگوہیؒ ایک موقع پر فرماتے ہیں حضرت حافظ ضامن صاحب شہیدؒ سپاہی منش اور نہایت خوش مزاج آدمی تھے مجھ سے کمال الفت کرتے تھے (تذکرۃ الرشید ص ۲۶۹ ج ۲) ہمارے شیخ ومرشد حضرت مولانا قمر الزماں صاحب دامت برکاتہم العالیہ اقوال سلف میں ص ۱۰۶ حصہ چہارم میں لکھتے ہیں: آپ حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کے ہم زمانہ اور رفیقوں میں سے تھے، عام طور پر تینوں حضرات جن میں تیسرے حضرت مولانا شیخ محمد محدث تھانویؒ تھے، تھانہ بھون کی خانقاہ ''جو مسجد پیر محمد'' میں واقع ہے اس میں جمع رہتے، جن کو اقطاب ثلثہ بھی کہا جاتا تھا۔ آپ بھی حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کی طرح حضرت میانجی نور محمد صاحبؒ کے خلیفہ تھے، مگر عموماً مرید نہ کرتے تھے، اگر کوئی بیعت ہونے کے لئے آتا تو فرماتے: ''بھائی بیعت ہونا ہے تو حاجی صاحب کے پاس جاؤ وہ خانقاہ میں اندر بیٹھے ہیں اور اگر کوئی مسئلہ دریافت کرنا ہے تو مولانا محمد محدث صاحب کے پاس جا کر پوچھو، اور اگر حقہ پینا ہے تو میرے پاس بیٹھ جاؤ'' آپ نے ۲۴ محرم الحرام ۱۲۷۴ھ پیر کے دن ظہر کے وقت شربت شہادت نوش فرمایا، اور قصبہ تھانہ بھون میں مدفون ہوئے رحمۃ اللہ علیہ (اقوال سلف ص ۱۰۸ حصہ چہارم)۔

مولانا گنگوہیؒ نے لپک کر نعش کو کندھے پر اٹھالیا، قریب کی مسجد میں لائے اور حضرت کا سر اپنے زانو پر رکھ تلاوت قرآن مجید میں مشغول ہوگئے، آنکھوں میں آنسوں تھے، یہاں تک کہ حافظ ضامن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا آپ کے زانو پر سر رکھے وصال ہوگیا، اہلکاران تحصیل انگریزی اس جنگ میں کام آئے اور خزانہ پر مجاہدین نے قبضہ کرلیا، جب کچھ سکون ہوا تو تھانہ بھون کو انگریزی فوج نے گھیرلیا اور مشرقی جانب سے گولہ باری شروع کی، دن نکلنے پر فوج قصبہ میں داخل ہوگئی اور قتل وغارت گری کا بازار گرم کیا، رات کی تاریکی چھانے سے پہلے شہر پناہ کے چاروں دروازے کھول دئے گئے اور مکانات پر مٹی کا تیل ڈال کر آگ لگادی گئی، اس کس مپرسی کے عالم میں لوٹ مار خوب ہوئی غرض یہ کہ رات کی تاریکی ختم ہونے سے پہلے پہلے تھانہ بھون مٹی کا ڈھیر بن گیا تھا، انا للہ و انا الیہ راجعون۔

گرفتاری کے وارنٹ

ان تینوں حضرات حضرت حاجی امداد اللہؒ مولانا قاسمؒ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے گرفتاری کے وارنٹ جاری ہوگئے تھے ان پر یہ الزامات تھے کہ تھانہ بھون کے فساد میں شاملی کی تحصیل پر حملہ کرنے والے یہی لوگ تھے، تھانہ بھون کی بستی کی دکانوں کے چھپر انہوں نے تحصیل کے دروازے پر جمع کئے اور اس میں آگ لگائی، یہاں تک کہ جس وقت آدھے کواڑ جل گئے ابھی آگ بجھنے بھی نہ پائی تھی ان نڈر مولویوں نے جلتی آگ میں گھس کر خزانہ لوٹ لیا حالانکہ یہ باتیں بالکل لغو اور غلط تھیں یہ قدسی صفات اور پاک نفوس ان خرافات سے پاک تھے، مخلص اہل اللہ حضرات کی اللہ پاک نے اپنے فضل وکرم سے حفاظت فرمائی اور ان اثرات کا کچھ ثمرہ مرتب نہ ہوا۔

حضرت حاجی امداد اللہؒ نے اسی قصبہ میں مولانا قاسمؒ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کو الوداع کہا اور حجاز جانے کیلئے روانہ ہوگئے، ان ایام میں مولانا قاسمؒ بھی روپوش رہے، حضرت حاجی امداد اللہؒ کے روانہ ہونے کے بعد حضرت گنگوہیؒ کو ان کی مفارقت کا بے پناہ صدمہ تھا آپ کو اس صدمہ میں نیند نہیں آتی تھی، یہی خواہش تھی کہ کسی طرح ایک مرتبہ اور زیارت کرلوں، حضرت حاجی امداد اللہؒ کی جائے قیام کا علم نہ تھا بصد دِقّت پتہ چلا یا کہ آپ ''پنجلاسہ'' پنجاب میں ہیں، چنانچہ وہاں پہنچے ملاقات ہوئی زیارت سے مشرف ہوئے، حضرت گنگوہیؒ نے بے حد اصرار کیا کہ مجھ کو بھی اپنے ہمراہ لے لیجئے مگر حضرت حاجی صاحب راضی نہ ہوئے اور فرمایا میاں رشید احمد تم سے تو حق تعالیٰ کو ابھی بہت کام لینے ہیں، گھبراؤ مت، ہندوستان سے نکلتے وقت تم سے ضرور ملوں گا۔

ظہورِ کرامت

اسی اثناء میں یہ واقعہ پیش آیا کہ حضرت حاجی امداد اللہؒ راؤ عبداللہ خاں رئیس کے گھوڑوں کے اصطبل کی ویران و تاریک کوٹھری میں مقیم تھے، ایک روز اسی کوٹھری میں وضو فرما کر چاشت کی نماز کے ارادہ سے مصلیٰ بچھایا اور جاں نثار حاضرین جلسہ سے فرمایا کہ آپ لوگ جائیں، میں نفلیں پڑھ لوں، راؤ عبداللہ خاں حضرت حاجی صاحبؒ کے جاں نثار مرید تھے اور غلبۂ حب دیں اور فرط عشق میں اس درجہ مغلوب تھے کہ ان کو نہ جان کی پرواہ تھی نہ مال کی، خدا کی شان جس وقت راؤ عبداللہ خاں حضرت حاجی امداد اللہؒ کو تحریمہ باندھے نوافل میں مشغول چھوڑ کر کوٹھری سے باہر آئے اور دروازہ بند کر کے اصطبل کے دروازے کے قریب پہنچے تو سامنے پولیس کو آتے دیکھا تو ششدر و حیران

کھڑے کے کھڑے رہ گئے، پولس اصطبل کے پاس پہنچی اور افسر نے مسکرا کر راؤ صاحب سے ادھر ادھر کی باتیں شروع کیں، راؤ صاحب تاڑ گئے بے بس تھے اپنی جان یا عزت جانے ریاست کے ملیا میٹ ہونے اور جیل خانہ بھیجنے یا پھانسی پر چڑھنے کی ان کو مطلق پرواہ نہ تھی، اگر فکر تھا تو یہ کہ میری نظروں کے سامنے حضرت کو پابہ زنجیر کیا جائیگا تو کیا ہوگا، اسی غور وفکر میں مستقل مزاجی کے ساتھ راؤ صاحب افسر سے گفتگو کرتے رہے افسر نے کہا میں نے آپ کے گھوڑوں کی تعریف سنی ہے اس لئے بلا اطلاع یکا یک آنے کا اتفاق ہوا، اصطبل کی جانب قدم اٹھائے، راؤ صاحب بہت اچھا کہہ کر ساتھ ہو گئے اور نہایت اطمینان کے ساتھ گھوڑوں کی سیر کرانی شروع کر دی، افسر بار بار راؤ صاحب کے چہرہ پر نگاہ جماتا تھا یہاں تک کہ گھوڑوں کو دیکھتا ہوا اس حجرہ کی طرف بڑھا جس میں حضرت حاجی امداد اللہؒ کی سکونت کا مخبر نے پورا پتہ دیا تھا اور یہ کہہ کر ''اس کوٹھری میں کیا گھانس بھری جاتی ہے'' اس کے دروازے کھول دیئے جس وقت کوٹھری کا دروازہ کھلا تخت پر مصلیٰ ضرور بچھا ہوا تھا، لوٹا رکھا ہوا اور نیچے وضو کا پانی بکھرا ہوا تھا مگر حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کا پتہ نہ تھا، افسر متحیر وحیران اور راؤ عبد اللہ خاں دل ہی دل میں شیخ کی کرامت پر شاداں، کچھ عجب سماں تھا کہ افسر نہ کچھ دریافت کرتا ہے نہ استفسار، کبھی ادھر دیکھتا ہے کبھی ادھر دیکھتا ہے آخر بول اٹھا یہ لوٹا کیسا اور پانی کیوں پڑا ہے؟ راؤ صاحب بولے جناب اس جگہ ہم مسلمان نماز پڑھتے ہیں اور وضو کرتے ہیں، افسر نے ہنس کر کہا کہ آپ لوگوں کی نماز کے لئے مسجد ہے یا اصطبل کی کوٹھری؟ راؤ صاحب نے فوراً جواب دیا جناب مسجد فرض نماز کیلئے ہے اور نفل نماز ایسی ہی جگہ پڑھی جاتی ہے، جب پولیس چلی

گئی تو راؤ عبداللہ واپس ہوئے، کوٹھری کھولی دیکھا تو حضرت حاجی امداداللہ رحمۃ اللہ علیہ سلام پھیر چکے ہیں اور مصلیٰ پر بیٹھے ہیں، سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم، اللہ پاک اپنے خاص بندوں کی کیسے حفاظت کرتے ہیں۔

گرفتاری اور زنداں

حضرت گنگوہیؒ پنجلاسہ پنجاب سے گنگوہ تشریف لائے ہی تھے کہ یہاں کے احباب نے اصرار کیا کہ آپ یہاں سے چلے جائیں، آپ کی گرفتاری کا وارنٹ جاری ہو چکا ہے، چنانچہ اپنی دادھیال قصبہ رام پور چلے گئے اور حکیم ضیاء الدین صاحب کے مکان میں مقیم ہوئے۔

کچھ دنوں کے بعد گارڈن کرنیل فرانسیسی غلام علی ساکن قصبہ ملی پور ضلع سہارنپور مخبر کے ہمراہ ستر سواروں کے ساتھ گنگوہ پہنچا اور آتے ہی مولانا کی تلاش کیلئے سوار ادھر اُدھر پھیل گئے، مسجد اور خانقاہ کے حجروں کو دیکھا، ان کے ملنے والوں کے مکان کی تلاشی بھی لی، حضرت مولانا گنگوہیؒ کے ماموں زاد بھائی مولوی ابوالنصر صاحب جو صورت وضع میں حضرت سے بہت مشابہت رکھتے تھے مسجد کے گوشہ میں گردن جھکائے مراقبہ میں بیٹھے تھے کہ دوڑ کر سپاہی نے گردن پر زور کا ہاتھ مارا اور قبضہ میں لے کر پکارا ''چل کھڑا ہو کیا گردن جھکائے بیٹھا ہے'' مولوی ابوالنصر نے گردن اٹھائی اور جدھر اس نے کہا، چل کھڑے ہوئے، حضرت مولانا کے دروازے پر ان کو لا کھڑا کیا اور کہا کہ گھر کی تلاشی دلوا اور دکھا کیا کیا ہتھیار ہیں؟ عرصہ تک مولوی ابوالنصر مار کھاتے اور ذلت سہتے رہے مگر یہ نہیں بتایا کہ میں ''مولوی رشید احمد نہیں ہوں'' جب فوجیوں کو معلوم ہوا کہ یہ مولانا رشید احمد نہیں ہیں اور ان کو حکیم امیر بخش نے بتلایا کہ مولانا رام پور میں ہیں اس

وقت مولوی ابوالنصر کی رہائی ہوئی انہی کی مخبری پر گرفتاری ہوئی۔

فوجی رام پور میں پہنچے اور مولانا گنگوہیؒ کو حکیم ضیاء الدین صاحب کے مکان سے گرفتار کیا آپ کے چاروں طرف محافظ پہرہ دار تعینات کر دئے گئے اور بند بہلی (اس زمانہ کی ایک سواری ہوتی تھی) میں آپ کو سوار کر کے سہارنپور روانہ کیا، بیل تیز رفتار تھے اور حکم یہی تھا کہ جلد سے جلد لے جاؤ، اس لئے کچی سڑک پر وہ خاک اڑتی تھی کہ راہ گیروں کی آنکھیں اندھی ہو جاتی تھیں، مولوی ابوالنصر پریشان اور ان کے بوڑھے باپ مولوی عبدالغنی جنہوں نے مولانا کو پرورش کیا تھا ننگے پاؤں پا پیادہ سواروں کی تیز رفتاری کا مقابلہ کرتے، بہلی کے پیچھے پیچھے آرہے تھے، صبح سے کچھ کھایا پیا نہیں تھا عالم پریشانی میں ڈوبے ہوئے غبار سے آنکھیں بند ببول کے کانٹوں سے پاؤں زخمی خدا جانے کہاں جا رہے تھے اور کس طرف قدم اٹھ رہا تھا، آخر ایک جگہ بے ہوش ہو کر گر پڑے، حضرت مولانا سہارنپور پہنچتے ہی جیل خانے بھیج دیئے گئے اور جنگی پہرہ کی نگرانی لگا دی گئی، مولانا ابوالنصر کو جس وقت ہوش آیا وہ پھر دوڑے راستہ میں سہارنپور کے ایک صاحب نے بتایا کہ مولانا سہارنپور کے جیل خانہ میں ہیں، مولانا ابوالنصر خود بھوکے پیاسے تھے مگر ان کو حضرت کی بھوک کا زیادہ فکر تھا، چنانچہ انہوں نے نانوتہ کے کسی شخص کی معرفت حضرت کو کھانا پہنچایا وہاں سے کنکریوں پر کوئلہ سے لکھا ہوا یہ فقرہ ان کے پاس پہنچا ''کچھ مت گھبراؤ بحمد اللہ آرام میں ہوں'' حضرت مولانا گنگوہیؒ کی اہلیہ محترمہ جن کے والد ماجد مولوی محمد تقی صاحب ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں شہید ہو چکے تھے، انہوں نے جب حضرت کی گرفتاری کی خبر سنی تو خدا کا شکر ادا کیا کہ حق کی راہ میں باپ شہید ہوا اور خاوند جیل میں ہے۔ سبحان اللہ! یہ تھا اس زمانہ کی نیک عورتوں کا جذبہ اور خدا پر یقین

کا عالم اور آج جو کچھ ہے وہ ہم سب کے سامنے ہے۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ تین چار یوم اندھیری کوٹھری میں بند رہے اور پندرہ روز جیل خانہ میں رہے، تحقیقات اور پیشی پر پیشی ہوتی رہی، آخر عدالت سے حکم ہوا کہ واقعہ تھانہ بھون کا ہے اس لئے مقدمہ مظفرنگر منتقل کیا جائے، چنانچہ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ جنگی حراست اور ننگی تلواروں کے پہرہ میں دیوبند کے راستہ سے دو پڑاؤ کر کے پاپیادہ مظفرنگر لائے گئے اور مظفرنگر کے جیل خانہ کی حوالات میں بند کر دئے گئے، دیوبند کے قریب سے جب جناب مولانا گنگوہیؒ گزرے تو مولانا قاسم صاحبؒ مقررہ راستہ سے کچھ ہٹ کر بغرض ملاقات پہلے سے آ کھڑے ہوئے تھے، گو خود بھی ان کا وارنٹ تھا اور روپوش زندگی گزار رہے تھے، بیتابی شوق نے اس وقت انہیں چھپنے نہیں دیا، دور سے سلام ہوئے ایک نے دوسرے کو دیکھا اور مسکرائے۔

ثابت قدمی اور رہائی

مظفرنگر کے جیل خانہ میں آپ کو تقریباً چھ ماہ رہنے کا اتفاق ہوا اس زمانہ میں آپ کے استقلال، عزم، ہمت اور ارادوں میں کسی قسم کی کمی نہیں آئی، ابتدا سے لے کر انتہا تک آپ کی نماز ایک وقت بھی قضا نہیں ہوئی، حوالات کے دوسرے قیدی آپ کے معتقد ہو گئے تھے ان میں بہت سے آپ کے مرید ہوئے، باجماعت جیل خانہ کی کوٹھری میں نماز ادا کرتے تھے ارشاد ظاہری و باطنی سے آپ کسی دن غافل نہیں ہوئے، وعظ و پند و نصیحت کے ساتھ قرآن مجید کا ترجمہ لوگوں کو سناتے اور وحدانیت کا سبق دیا کرتے تھے، جب عدالت میں جاتے جو دریافت کیا جاتا بے تکلف اس کا جواب دیتے، آپ

نے کبھی کوئی کلمہ دبا کر یا زبان موڑ کر نہیں کہا کسی وقت جان بچانے کی کوشش نہیں کی جو بات کہی سچ کہی اور جس بات کا جواب دیا خدا کو حاضر ناظر جان کر واقعات اور حقیقتِ حال کے مطابق دیا، پوچھا گیا کہ تم نے سرکار کے مقابلہ میں ہتھیار اٹھائے تم نے مفسدوں کا ساتھ دیا؟ کبھی حاکم دھمکاتا کہ ہم تمکو پوری سزادیں گے، آپ فرماتے کہ کیا مضائقہ ہے؟ بالآخر چھ مہینے جیل میں رہنے کے بعد آپ کی رہائی ہوئی۔

حضرت گنگوہیؒ سے ایک مرتبہ کسی شخص نے معلوم کیا کہ حضرت حاجی امداد اللہؒ نے تو آپ سے وعدہ فرمایا تھا کہ اطمینان رکھو حجاز روانہ ہوتے وقت تم سے مل جاؤں گا مگر آپ جیل میں رہے، آپ کی رہائی سے قبل حضرت نے بیت اللہ کو ہجرت فرمائی پھر یہ وعدہ کب پورا ہوا؟ حضرت نے بہت ہی ہلکی آواز سے فرمایا ''حضرت وعدہ خلاف نہ تھے'' چنانچہ دوسرے ذریعہ سے معلوم ہوا کہ باوجود سنگین پہرہ کے حضرت حاجی صاحب نے جیل خانہ میں جا کر کئی گھنٹہ حضرت گنگوہیؒ سے باتیں کیں اور عرب روانہ ہوئے۔

رہائی کے بعد خفیہ نگرانی

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ رہا تو ہو گئے تھے لیکن ان پر، سی آئی ڈی کا پہرہ مرتے دم تک تھا، مریدوں کے روپ میں مہمان کی شکل میں مرید بننے کے بہانے سے آتے اور اپنا کام کر کے چلے جاتے تھے۔

حضرت مولانا ابوالنصر صاحب گنگوہیؒ

یہ حضرت مولانا ابوالنصر صاحب جن کا تذکرہ درمیان میں آیا ہے ان کے تعلق سے حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ نے فرمایا: کہ گنگوہ میں ہندو چھڑی نکالا کرتے

تھے، جامع مسجد بن گئی تو انہوں نے سوچا کہ جامع مسجد کے سامنے سے نکال کر لے جائیں، بڑے بوڑھوں نے منع کیا کہ ایسا مت کرو، مولوی ابوالنصر صاحب کو خبر ہوگئی تھی، وہ آ کر کے جامع مسجد کے سامنے کھڑے ہو گئے تھے، انہوں نے مولوی ابوالنصر کو دیکھ کر کہا کہ ارے اکیلا ہے اس کو تو ماریں گے، بوڑھوں نے کہا ارے اس کو اکیلا مت سمجھو، اول تو وہ اکیلا تم سب سے مار نہیں کھائے گا اور اگر تم نے کوشش کر کے اس کو گرا بھی دیا تو ابوالنصر ایسا شخص نہیں کہ اس کے گرنے اور پٹنے پر مسلمان خاموش بیٹھ جائیں بلکہ شام سے پہلے پہلے تمہاری عورتوں کے لہنگے بازار میں پڑے ہوئے پاویں گے، بس عافیت اسی میں ہے کہ اس راستے سے مت جاؤ، اس کے بعد فرمایا حضرت دام مجدہ نے کہ اب وہ وقت تو ہے نہیں۔ (ملفوظات فقیہ الامت ص ۷۴ /قسط ۲)۔

فراستِ ایمانی بصیرتِ روحانی

ایک مرتبہ ایک شخص آیا اور اس درجہ عقیدت کا اظہار کیا کہ کوئی ان پر شک نہیں کرسکتا تھا کہ یہ حضرت کے معتقد نہیں ہیں، جس وقت حضرت کے سامنے آئے اور درخواست بیعت کی تو حضرت نے جھڑک دیا اور فرمایا جاؤ میرے یہاں تمہارا کام نہیں، میں ہرگز مرید نہیں کروں گا یہ شخص رویا اور حضرت کے متعلقین سے سفارش کرائی مگر جس نے بھی سفارش کی اس کو بھی یہی جواب ملا میں کہہ چکا ہوں کہ میں اس کو مرید نہیں کروں گا، اس سے کہہ دو یہاں نہ ٹھہرے اگر نہ جائے تو نکالدو اور اس کا اسباب وسامان باہر پھینک دو، حضرت کی اس بے رخی پر لوگوں کو بھی افسوس ہوا مگر سوائے تعمیل حکم کے کوئی چارہ نہ تھا، اس کا اسباب وسامان خانقاہ سے باہر کر دیا، اس برتاؤ پر بھی وہ حسن

عقیدت کا اظہار نہ چھوڑتا تھا اور رورو کر کہتا کچھ بھی ہو میں تو ضرور بیعت ہوں گا، حکیم محمد یوسف صاحب کو اس کی یہ حالت دیکھ کر ترس آیا اس کو اپنی بیٹھک میں ٹھہرا کر وعدہ کیا کہ میں حضرت سے سفارش کروں گا کہ تمہیں مرید فرمالیں، دوسرے دن حکیم صاحب حضرت کی خدمت میں گئے، کہنے کا ارادہ کرہی رہے تھے کہ حضرت نے خود ہی فرمایا آنے والا کہاں ہے؟ تم نے اسے کیوں ٹھہرا رکھا ہے، کرایہ کا انتظام کردو اور کہہ دو چلتا بن، اب ان الفاظ کے بعد حکیم صاحب خاموش ہو کر چلے آئے۔

بیٹھک میں قدم رکھا تو دیکھا کہ مسافر کتاب کھولے کچھ لکھ رہا ہے حکیم صاحب کے آتے ہی جلدی سے کتاب بند کر کے جزدان میں لپیٹ حمائل بنا کر گلے میں ڈال لی اب حکیم صاحب شبہ میں پڑ گئے شبہ پیدا ہوا کہ حمائل کو دیکھا جائے اس میں کیا ہے؟ حکیم صاحب نے ایک رات مسافر کو باتوں میں لگائے رکھا، کافی رات تک باتیں کرتے رہے یہاں تک کہ نیند کے غلبہ سے وہ عاجز آ گیا جب انہوں نے دیکھا کہ یہ سونا چاہتا ہے تو یہ کہہ کر چلے آئے ''اچھا اب سو جایئے'' مسافر لیٹا اور لیٹتے ہی گہری غفلت کی نیند میں سو گیا اس وقت انہوں نے اس کی گردن میں سے حمائل نکالی، لیمپ کے سامنے لا کر کھولی دیکھا تو کہیں انگریزی کہیں فارسی کہیں اردو اور کہیں عربی لکھی ہوئی ہے، عجلت کے ساتھ ورق گردانی کی تو ایک صفحہ پر کسی انگریز حاکم کے نام خط کی نقل پر نظر پڑی جس میں یہ بھی لکھا تھا کہ میں نے گورنمنٹ کی خیر خواہی میں جان تو جان اپنے ایمان کی بھی پرواہ نہیں کی مگر افسوس میری قدر جیسی ہونی چاہئے تھی وہ نہ ہوئی۔

اس عبارت کو دیکھ کر حکیم صاحب کانپ اٹھے اور کتاب بند کر کے اسی طرح

مسافر کے گلے میں ڈال کر چلے گئے، علی الصباح کرایہ کا جانور لیا اور اس کو رخصت کر دیا، حکیم صاحب حضرت کی خدمت میں آئے تو حضرت مسکرائے اور آہستہ سے فرمایا ہم نے تو پہلے ہی کہا تھا اس کو روانہ کر دو، تم ہی نہیں مانے۔

سچ کہا کسی نے:

قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید

درسِ حدیث

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ نے رہائی کے بعد دوبارہ درس وتدریس کا سلسلہ شروع کر دیا تھا، صبح سے بارہ بجے تک طلباء کو پڑھانے میں مصروف رہتے تھے ہندوستان کے علاوہ بیرون ہند کے طلبا گنگوہ میں آنے لگے تھے پندرہ بیس سے لے کر ستر اسی طلباء ہر سال سند لے کر جاتے تھے، آپ کی تدریس میں ایسی محویت اور لذت کا عالم ہوتا تھا کہ بے اختیار دل خواہش کرتا تھا کہ تقریر کا سلسلہ دیر تک جاری رہے، حضرت کی تقریر ایسی عام فہم ہوتی تھی کہ پاس بیٹھے ہوئے عامی لوگوں کو بھی حرفاً حرفاً سمجھ میں آ جاتی تھی، طلباء سے آپ کو خاص لگاؤ تھا۔

نیز ''اقوال سلف'' میں طریقۂ تدریس کے تعلق سے اس طرح لکھا ہے:

حضرت مولانا گنگوہیؒ ایک ایسے محدث تھے کہ ان میں اجتہاد واستنباط کی تمام صلاحیتیں بدرجۂ اتم موجود تھیں اور وہ تمام صفات وخوبیاں جو ایک محدث، استاذ میں پائی جانی ضروری ہیں وہ سب آپ میں پائی جاتی تھیں۔

صحاح میں سب سے پہلے عموماً جامع ترمذی شروع کراتے، ہر حدیث کا ترجمہ

اور معنی سلیس اور عام فہم الفاظ میں بیان فرماتے اور مطلب کو اس طرح کھول کر بیان کرتے کہ کوئی الجھن باقی نہ رہتی، کسی حدیث کا بظاہر کسی دوسری حدیث سے یا کسی آیت سے تعارض نظر آتا تو اس کو دفع فرماتے، بقدر ضرورت اسماء الرجال پر کلام فرماتے، اگر سیاق وسباق میں کوئی مخفی ارتباط ہوتا تو اس کو کھولتے، ترمذی شریف کے ختم ہونے پر صحاح کی دوسری کتابیں ہوتیں تو اس کا معنی ومطلب مثل سابق بیان فرماتے۔

حدیث شریف کے درس میں تمام طلبہ کو باوضو رہنے کی ہدایت فرماتے، پڑھاتے وقت خوش رو رہتے تاکہ سائل کو سوال کرنے میں جھجک نہ ہو، اگر کبھی طلبہ پڑھتے پڑھتے تھک جاتے تو کوئی ایسی لطیف حکایت یا واقعہ بیان فرماتے کہ طلبہ کی تکان دور ہو جاتی۔

حضرت مولانا مذہب حنفیہ کی اگر چہ مدلل مکمل ترجیح کرتے جاتے مگر کیا مجال کہ کسی جگہ کسی دوسرے فقیہ یا امام کی ذرا سی تنقیص ہو جائے، فرمایا کرتے کہ مجھے حنفی مسلک سے خاص محبت ہے اور اسکی حقانیت پر کلی اطمینان ہے (اقوال سلف رص ۲۳۸)۔

طالب علم جو بھی حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتا اس کو تین روز تک حضرت اپنا مہمان سمجھتے اور دستر خوان پر پاس بٹھا کر یا مکان سے کھانا منگا کر اپنے روبرو کھلایا کرتے تھے، جب طلبا کی آمد زیادہ ہوئی اور حضرت کے مشاغل بہت بڑھ گئے تو طلباء کو کھانا کھلانے کا وہ اہتمام آپ سے نہ ہو سکا جو کبھی کبھی آنے والے مسافر کا ہوتا تھا، مگر تین دن کی مہمانی ضرور قائم تھی، اتفاق سے ایک پنجابی طالب علم آئے، خدا جانے کیا وجہ پیش آئی کہ مکان سے ان کے لئے کھانا نہیں آیا، چونکہ یہ طالب علم مولوی نور محمد کا ملاقاتی تھا اس لئے ان کو یہ بات سنکر رنج ہوا اور انہوں نے حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر بے باکانہ

طور پر عرض کیا کہ طلبا کیا مہمان نہیں ہیں دوسرے لوگ ہی مہمان ہیں، آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ جو بھی مہمان آتا ہے آپ اس کو خود کھانا کھلاتے ہیں اور ان بیچاروں کو دوسروں پر چھوڑ کر اتنی خبر نہیں لیتے کہ مکان سے کھانا آیا یا نہیں؟ مولوی نور محمد صاحب لکھتے ہیں کہ مجھے اپنی حرکت اور گستاخی وجرات پر بہت ندامت ہوئی مگر اس وقت جو کہنا زیبا نہ تھا وہ بھی کہہ گیا، میری اس عرض پر حضرت نے ندامت کے ساتھ گردن جھکا لی اور مجھ ناکارہ سے جو ادنیٰ شاگرد تھا معذرت کی اور فرمایا کہ بیشک میری غلطی ہے انشاء اللہ آئندہ نہ دیکھو گے، اس تاریخ سے حضرت نے طلباء کی مہمانی کسی معتمد شخص کے حوالے نہیں کی بلکہ جو کوئی آتا اس کو خود کھلاتے۔

تواضع وفروتنی

باوجود اس فضل وکمال کے آپ نہایت متواضع اور منکسر المزاج تھے، چنانچہ ایک واقعہ ہے کہ ایک دفعہ درس حدیث میں بارش شروع ہوگئی، طلبہ نے جلدی جلدی کتابیں تپائیاں اٹھائیں اور چل دیئے، اس کے بعد طلبہ نے دیکھا کہ حضرت مولاناؒ اپنے کندھے کی چادر میں طلبہ کی جوتیاں اٹھائے چلے آرہے ہیں، طلبہ بہت نادم وشرمندہ ہوئے، فرمایا کہ: ''اس میں کون سی بری بات ہے تمہاری خدمت کرنا تو میری نجات کا باعث ہے، طلبائے دین کے لئے تو حدیث شریف کے الفاظ میں، مچھلیاں سمندر میں، چیونٹیاں بلوں میں دعا کرتی ہیں، اور فرشتے تمہارے قدموں کے نیچے اپنے پر بچھاتے ہیں اور تم تو مہمانانِ رسول ﷺ ہو کہ حدیث شریف پڑھنے آئے ہو''، طلبۂ دین کی آپ کے دل میں بڑی عزت تھی اس لئے چاہتے تھے کہ دوسرے بھی ان کی اسی طرح عزت

کریں، آپ کو ہرگز گوارا نہ تھا کہ کوئی ان کو بنظر حقارت دیکھے۔

طلبہ کی اصلاح پر خاص توجہ

ہاں مگر اصلاح کے معاملہ میں طلبہ پر کڑی نگاہ رکھتے تھے، اگر کوئی طالب علم ایسا نظر آتا کہ اس کے متعلق محسوس کرتے کہ اس میں کچھ کجی ہے جو درست نہیں ہوسکتی تو اس کو سبق شروع نہ کراتے یا کسی حیلے سے اس کو رخصت فرمادیتے، اور جب طالب علم کو سعید پاتے تو اس کی دلداری فرماتے، بیٹوں کی طرح عزیز رکھتے۔

فائدہ: آج بھی یہ تمیز ہونی چاہئے، ورنہ نااہل طلبہ ہی مدارس میں بھر جائیں گے اور کام خراب کردیں گے، جیسا کہ عموماً ہورہا ہے۔

آپ بیتی میں حضرت شیخ قدس سرہ اپنے والد ماجدؒ کے دورۂ حدیث پڑھنے کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے اس طرح لکھتے ہیں:

حضرت گنگوہی قدس سرہ کی تدریس کتب کا یہی معمول تھا جو اوپر لکھا گیا، ان میں ترمذی شریف پر محدثانہ، فقیہانہ کلام زیادہ ہوتا تھا اور بخاری شریف کے درس میں تراجم پر کلام ان کے علاوہ بقیہ کتب میں کوئی حدیث غیر مکرر یا کوئی نئی بات ہوتی تو اس پر کلام ہوتا، آج کل ماشاء اللہ پانچ چھ مدرس مل کر ۱۱/۱۲ گھنٹے پڑھا کر دورہ ختم کراتے ہیں اور اخیر میں اس سے بھی زیادہ عجلت ہوتی ہے جو حضرت قطب عالم کو نزول آب کی وجہ سے کرنی پڑی تھی، اس کے ساتھ ہی حضرت قطب عالم کی نظر طلبہ کی اصلاحات پر بھی رہتی، تذکرۃ الرشید ص ۹۵ میں لکھا ہے کہ اس کے ساتھ ہی آپ کی نظر طلبہ کی نشست وبرخاست، حرکات وسکنات، رفتار وگفتار، چال ڈھال، وضع قطع غرض ہر ظاہری حال پر

برابر قائم رہتی تھی کہ کوئی طرز خلاف شرع تو نہیں ہے، اگر کسی کو اپنے پڑھے ہوئے علم پر عمل کا شائق نہ دیکھتے تو اس کی اصلاح کا زبان اور دل سے خیال رکھتے تھے، اشارہ سے، تصریح سے، ترغیب سے، ترہیب سے، نرمی سے، سختی سے، جب تک متبع شرع نہ ہو جاتا، اس وقت تک آپ کو بے چینی رہتی تھی، یہ تھا حضرت قدس سرہ کا مدرسہ، آج کل ان کے نام پر مدارس کھولے جارہے ہیں جو سراسر فتنہ وفساد، شر وبغاوت، کذب وافتراء اور حسد بلکہ خالص دنیاداری کیلئے بن رہے ہیں نہ وہاں رشید کا ذوق ہے نہ جذبہ وطرز ہے، یہ اکابر کو بدنام کرنا ہے اور اپنا بطن بھرنا ہے۔

حضرت امام ربانیؒ آنے والے طلبہ میں اہلیت اور صلاحیت کا بھی بہت زیادہ خیال رکھتے تھے، جس طالب علم میں کجی پاتے یا یہ سمجھ جاتے کہ پڑھنے کے بعد اس سے ضلال یا اضلال کا اندیشہ غالب ہے، اس کو کبھی سبق شروع نہ کراتے بلکہ لطائف الحیل سے ٹال دیتے یا وہ روکھا برتاؤ فرماتے جس سے وہ خود بددل ہو کر چلا جائے، دوسری جگہ تذکرۃ الرشید رص ۱۹۹ ارمیں لکھا ہے: صاحبزادی صاحبہ نے قرآن پاک ختم کرنے کے بعد باپ سے قرآن پاک کے ترجمہ پڑھنے کا اشتیاق ظاہر کیا، تو حضرت امام ربانی طلبہ کے درس کے بعد جب کھانے کے لئے مکان تشریف لے جاتے تو اول اہلیہ محترمہ قرآن مجید سنا کر صحیح کیا کرتیں اور پاؤ پارہ سنایا کرتیں، اس کے بعد صاحبزادی صاحبہ کو ترجمہ قرآن مجید پڑھایا کرتے اور جب صاحبزادی صاحبہ نے ترجمہ شروع کیا تو رشتہ داروں کی چند لڑکیاں بھی اس لذیذ نعمت میں شرکت کے لئے شامل ہو جاتیں، چنانچہ آپ عام فہم اردو زبان میں آیات کا ترجمہ پڑھاتے، اسی ضمن میں ضروریات دین کی تعلیم فرماتے، اور تہذیب اخلاق کی تاکید فرماتے جاتے، یہ نسوانی درس حضرت امام ربانی کی طرف

سے تقریباً آدھ گھنٹہ کا وعظ ہوتا تھا جس میں مستورات کی اصلاح نفس کا حق ادا کیا جاتا تھا (آپ بیتی جلد دوم / حصہ ۶ / ص ۲۸۷)۔

دارالعلوم دیوبند کا جلسۂ دستار بندی

چونکہ حضرت گنگوہیؒ اپنے دور میں دارالعلوم دیوبند اور مظاہر علوم سہارنپور دونوں بڑے اداروں کے سرپرست تھے اور وہاں کے معاملات کی پوری نگرانی فرمایا کرتے تھے، اور دونوں اداروں کے ارباب انتظام وارباب تدریس آپ کے ارشاد اور مشورہ کو بہت زیادہ اہمیت دیتے تھے، اور پھر کوئی اس کے خلاف نہ کرتا تھا، آپ دارالعلوم دیوبند کے ابتدائی قیام ہی سے حضرت مولانا قاسم صاحبؒ بانیِ دارالعلوم دیوبند کے ساتھ رفاقت کی وجہ سے بے حد ہمدردی رکھتے تھے، اور وقتاً فوقتاً تشریف لاتے تھے، چنانچہ ''تاریخ دارالعلوم'' میں متعدد موقعوں پر آپ کی تشریف آوری، معائنہ لکھنا اور آپ کا سرپرستی کرنا مذکور ہے، چنانچہ ص ۱۹۱ / پر اس طرح لکھتے ہیں۔

بائیس برس کے بعد تکبیر اولیٰ فوت

دیوبند کا جلسۂ دستار بندی جس کا اوپر ذکر ہوا، اس میں ایک دن غالباً عصر کی نماز میں ایسا اتفاق پیش آیا کہ مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ نماز پڑھانے کو مصلے پر کھڑے ہوئے تو تکبیر اولیٰ کہی جا چکی اور امام نماز شروع کرا چکا تھا، سلام پھیرنے کے بعد دیکھا گیا کہ جو بزرگ اللہ والا انسان بڑے بڑے حوادث اور اعزاء کی اموات، تنگ دستی وغربت میں کبھی پریشان نہیں ہوا تھا اس کا چہرہ اداس اور پریشانی کا مظہر تھا اور آپ رنج کے ساتھ یہ الفاظ فرمارہے تھے ''افسوس بائیس برس کے بعد آج تکبیر اولیٰ فوت ہوگئی''۔

ہوا میں اڑنا، سمندر میں اپنے پاؤں پر چلنا یا اسی طرح کی دوسری خرقِ عادت

باتیں کم درجہ کی کرامات ہیں، اصل کرامت یہ استقامت ودوام ہے جو شاید کروڑوں میں سے ایک کو حاصل ہوتا ہے (سوانح علمائے دیوبند ص۶۱۹ رج۱)۔

حضرت گنگوہیؒ کی سرپرستی

حضرت نانوتوی قدس سرہ کی وفات کے بعد مجلسِ شوریٰ کے اراکین نے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کو ۱۲۹۷ھ سے دارالعلوم کا سرپرست تجویز کیا، یہ بتلانے کی ضرورت نہیں ہے کہ حضرت گنگوہیؒ حضرت نانوتویؒ کے ہم درس اور خواجہ تاش تھے، دونوں حضرات نے ایک ہی جگہ تعلیمی مراحل طے کئے تھے، دونوں کو حضرت شاہ عبدالغنی مجددی دہلویؒ سے حدیث میں شرفِ تلمذ حاصل تھا، اور دونوں کو شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی قدس سرہ سے خلافت حاصل کرنے والے حضرات میں ممتاز ترین مقام حاصل تھا، خود حضرت شیخ المشائخؒ کو اپنے ان مریدین پر فخر تھا، روداد میں لکھا ہے کہ حضرت مولانا گنگوہیؒ مثل حضرت نانوتویؒ کے ہیں، اور ہمیشہ دارالعلوم دیوبند کی ظاہری وباطنی امداد فرماتے رہے ہیں، اللہ تعالیٰ نے دارالعلوم کو نعم البدل عطا فرمادیا ہے، اس بات سے بڑی امید ہے کہ دارالعلوم کے کاموں میں انشاء اللہ اختلال نہیں آئے گا، چنانچہ حضرت گنگوہیؒ سے جو امید باندھی گئی تھی، دارالعلوم کی تاریخ شاہد ہے کہ وہ بدرجۂ اتم پوری ہوئی (تاریخ دارالعلوم دیوبند ص۱۹۱ رج۱)۔

۱۳۰۱ھ میں دارالعلوم دیوبند میں چوتھا جلسۂ دستار بندی ہوا جو اس کی تاریخ میں نمایاں حیثیت کا حامل ہے، حضرت مولانا گنگوہیؒ اس میں تشریف لائے اور حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، حضرت مولانا محمد یحییٰ کاندھلویؒ سمیت گیارہ حضرات کی

دستار بندی ہوئی۔

فائدہ: سبحان اللہ کیا ہی مبارک جلسہ تھا جس کے تصور سے دل سرشار ہو جاتا ہے۔

حضرت گنگوہیؒ کی توجۂ روحانی کا اثر

جلسہ کے اگلے دن جمعہ تھا، مولانا رفیع الدین صاحب و مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ نے عرض کیا حضرت! آپ کا وعظ سننے کو بہت دل چاہتا ہے، تو آپ نے فرمایا کہ آپ کا جی چاہتا ہے تو جو کچھ مجھے آتا ہے کہہ دوں گا، اگلے دن جامع مسجد میں وعظ فرمایا، اس وعظ کی کیفیت مہتمم دار العلوم دیوبند کے الفاظ میں پڑھئے کہ جو روایتی قسم کے مہتمم نہ تھے، تکلف و تصنع سے بے نیاز، سادگی و خلوص کے پیکر اور حضرت شاہ عبدالغنی صاحب مجددیؒ کے جانشین، یقین نہیں آتا کہ انہوں نے روئیدادِ تقریر میں ذرا بھی مبالغہ کیا ہوگا، سالانہ روئیدادِ مدرسہ میں تحریر فرماتے ہیں: وعظ کیا گویا سامعین کو مئے محبت الٰہی کے خم کے خم پلا دیئے، در و دیوار تک مست تھے اور عجیب کیفیت ظاہر تھی کہ کہیں دیکھی نہ سنی، اللہ اللہ اس کے خاص بندوں کے سیدھے سیدھے الفاظ اور سادہ بیان اور ڈھیلی ڈھیلی زبان میں کیا کیا تاثیرات ہیں، کہ بشر کیا حجر بھی مان جاتے ہیں۔

مولانا نے کوئی دقیق مضامین علمیہ بیان نہیں فرمائے یہی وضو اور نماز کے مسائل بیان کئے اور اخلاص کے ساتھ بیان کئے، بیان کے دوران ایک دفعہ بآواز بلند ''اللہ'' کہا، معلوم نہیں کس دل اور کس سوز و گداز سے اللہ کا نام لیا کہ تمام مجلسِ وعظ لوٹ گئی اور آہ و زاری کی آواز سے مسجد گونج اٹھی، ہر شخص اپنے حال میں مبتلا تھا، اس وقت بعض اشخاص نے مولوی صاحب کو دیکھا کہ کمال وقار سے منبر پر خاموش بیٹھے ہیں اور اہل مجلس کی طرف متوجہ ہیں، یقین ہوتا ہے کہ اگر مولوی صاحب ایسے متوجہ نہ ہوتے تو

اہل جلسہ کو دیر تک افاقہ نہ ہوتا، مگر اللہ رے حوصلہ! کہ خود ویسے ہی مشتغل رہے، سبحان اللہ العظیم! سمندر کے سمندر معرفت وعشق کے پی کر یہ تحمل و برداشت کمال کی بات ہے۔

مظاہر علوم کی سرپرستی

چنانچہ ''تاریخ علمائے مظاہر علوم سہارنپور'' نامی کتاب میں خود حضرت گنگوہیؒ کے قلم سے اس طرح نقل کیا گیا ہے۔

مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور اپنا ہی مدرسہ ہے اور اس عاجز کی سرپرستی میں ہے اسلئے سب مسلمانوں سے عموماً اور اپنے متعلقین ومخلصین سے خصوصاً التماس ہے کہ اس مدرسہ کی اعانت سے دریغ نہ کریں اور جہاں تک ہوسکے اس کی آبادی وازدیاد چندہ میں سعی فرماویں (بندہ رشید احمد عفی عنہ گنگوہی)۔

نیز مظاہر علوم کے درس وتدریس اور دیگر انتظامی معاملات میں حضرت قدس سرہ کو کتنا دخل تھا اور حضرت کی رائے کو کتنا وقیع سمجھا جاتا تھا اس کا اندازہ مندرجہ ذیل تحریر سے لگایا جاسکتا ہے۔

مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور نے ابتداء سے ہی قرآن وحدیث کی اشاعت اور منقولات کی تعلیم کو اپنا مطمحِ نظر اور مقصود اعلیٰ قرار دیا ہے، اور اس میں کبھی تخلف نہیں ہونے دیا، کیونکہ مظاہر علوم کے لئے اس کے اولیں سرپرست اور مربی روحانی حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی نور اللہ مرقدہ کی وصیت یہ ہے کہ: حدیث شریف وفقہ کے پڑھانے پر خصوصی توجہ دی جائے، اس سلسلہ میں حضرت نور اللہ مرقدہ نے اپنی جو تحریری وصیت چھوڑی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں:

مہتمم صاحب کو ضروری ہے کہ اس امر میں سعی فرمائیں کہ طلبہ حدیث وفقہ کو بغور وتدبر پڑھیں کہ اصل مقصد بناء مدارس سے یہ ہے اور بس، اور دیگر فنون یا خادم و مبادی اس کے ہیں جیسے فنون عربیہ وادبیہ واصول، یا مخل ومضر اسکے جیسے فلسفۂ جہل مرکب، مدرسین (مظاہر علوم) کی خدمت میں بھی یہی عرض ہے کہ درباب درس دینیات طلبہ پر تنبیہ رکھیں کہ خوب تدبر کے ساتھ مطالعہ کر کے سمجھیں اور فنون دینیہ خصوصاً حدیث شریف کا بہت اہتمام کریں، فقط (علمائے مظاہر علوم سہارنپور رص ۱۴۰)۔

نیز حضرتؒ کو مظاہر علوم سے کتنا تعلق تھا اس کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ آپ کے وصال کے بعد آپ کا کتب خانہ مظاہر علوم میں منتقل ہوا، چنانچہ مؤلف علمائے مظاہر علوم سہارنپور اوران کی علمی و تصنیفی خدمات رص ۳۴۷ رمیں اس طرح لکھاہے: اسی سال ۱۳۲۶ھ میں حضرت امام ربانی محدث گنگوہیؒ کے ذاتی کتب خانہ کا ایک بڑا حصہ صاحبزادہ مولانا حکیم مسعود احمد صاحبؒ نے مظاہر علوم میں وقف کیا، ان میں اکثر کتابیں وہ تھیں جو خواص اہل علم نے محدث گنگوہیؒ کی خدمت میں اس غرض سے پیش کی تھیں کہ حضرت ان میں درس دیا کریں، ان وقف کردہ کتابوں میں بخاری شریف مطبوعہ احمدی اور مطبوعہ مصر مسلم شریف ابوداؤد، ترمذی، فتح الباری، مظاہر حق وغیرہ شامل ہیں۔

حضرت مولانا مظہر صاحب نانوتویؒ کا حضرت گنگوہیؒ سے بیعت ہونا

حضرت مولانا مظہر صاحب نانوتوی قدس سرہ جو مظاہر علوم کے بانیین میں سے ہیں اور اکابر اعلام میں شمار ہوتے ہیں، آپ ۱۲۳۷ھ مطابق ۱۸۲۱ء کو نانوتہ ضلع سہارنپور میں پیدا ہوئے، تاریخی نام ''محمد مظہر'' ہے مشہور عالم دین حضرت مولانا احسن

نانوتویؒ (جو بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں) کے چھوٹے بھائی تھے، اور حضرت مولانا مملوک علی صاحبؒ اور حضرت مولانا مفتی صدر الدین صاحبؒ اور حضرت شاہ عبدالغنی صاحبؒ وغیرہ کبار علماء، صلحاء کے تلمیذ رشید تھے ۱۸۵۷ء میں شاملی کے میدان میں اکابر کے ساتھ مل کر جہاد کرنے والوں میں شامل تھے، بہت بڑے عالم فاضل علوم عقلیہ، نقلیہ کے جامع بزرگ تھے، بیعت وارشاد کے سلسلہ میں حضرت گنگوہیؒ سے منسلک ہوئے، جس کو حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی ''تذکرۃ الرشید'' میں اس طرح لکھتے ہیں:

مولانا محمد مظہر صاحب نانوتویؒ عمر میں حضرت امام ربانی سے بڑے تھے مگر عقیدت کے اعتبار سے گویا حضرت کے جاں نثار خادم اور عاشقِ جانباز تھے، جب تشریف لاتے بے اختیار حضرت کو بوسہ دیتے اور آنکھوں میں آنسو بھرلایا کرتے۔

حضرت امام ربانیؒ شرماتے اور یوں فرمایا کرتے کہ مولانا آپ مجھے کیوں نادم فرمایا کرتے ہیں، آپ میرے بڑے ہیں مجھ پر آپ کا ادب ضروری ہے، آپ ایسا کام کرتے ہیں تو مجھ کو بڑی شرم آتی ہے۔

مولوی محمد مظہر صاحب بصیرت تھے، حضرت کے علو شان ومرتبہ اور اپنی فرطِ محبت کے سبب جو کچھ کرتے تھے وہ ان کا طبعی تقاضا تھا، مگر حضرت امام ربانی کبرسن کے پاس ولحاظ اور جناب رسول اللہ ﷺ کے ارشاد **"من لم یرحم صغیرنا ولم یؤقر کبیرنا فلیس منا"** کے امتثال کو بھول نہیں سکتے تھے (تذکرۃ الرشید ص ۱۸۱)۔

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کے قلب مبارک میں آپ کا ایک خاص مرتبہ ومقام تھا جس کا اندازہ ''مرقوماتِ امدادیہ'' کی ان سطور سے ہوسکتا ہے کہ!

اگر مولوی محمد مظہر نانوتہ میں تشریف رکھتے ہوں تو بعد سلام شوق ملاقات فرما کر یہ پیام دیں کہ یکتائے زمانہ کو اپنی جماعت میں اپنے دوستوں سے شمار کرتا ہوں اور دعائے خیر سے غافل نہیں ہوں، خاطر جمع فرمادیں۔

اور جو کچھ ذکر و شغل کے متعلق دریافت کرنا منظور ہو تو بذریعہ احقر یا مولوی رشید احمد صاحب کہ ان کو بجائے احقر جانیں اور معلوم کریں۔

(علمائے مظاہر علوم سہارنپور اور ان کی علمی و تصنیفی خدمات رص ۵۰)

حضرت اقدس گنگوہی نور اللہ مرقدہ کو آپ سے جو تعلق تھا اس کا اندازہ مکاتیب رشیدیہ کی ان سطور سے ہوسکتا ہے، جو محدث گنگوہیؒ نے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب مہاجر مدنی کو تحریر فرمائی تھیں کہ! اب حادثۂ جدیدہ یہ ہوا کہ مولوی محمد مظہر صاحب مرحوم ۲۴ رشب ذی الحجہ یک شنبہ ۱۳۰۲ھ مطابق ۳ر اکتوبر ۱۸۸۵ء کو فوت ہوئے، عالم اندھیر ہوا، اب سب رفیق رخصت ہوئے، دیکھئے کب تک میری قسمت میں اس دنیا کے دھکّے لکھے ہیں، انا للہ و انا الیہ راجعون (مکاتیب رشیدیہ) (علمائے مظاہر علوم سہارنپور اور ان کی علمی و تصنیفی خدمات رص ۵۳)۔

آپ کے اسفارِ حج

آپ کے اسفار حج کے سلسلہ میں حضرت مولانا حبیب الرحمٰن محدث اعظمیؒ اس طرح لکھتے ہیں، جس کو اقوال سلف میں ہمارے شیخ حضرت مولانا قمر الزماں صاحب دامت برکاتہم نے اس طرح نقل کیا ہے:

حضرت محدث کبیر مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمیؒ متوفی رمضان ۱۴۱۲ھ اعیان الحجاج رج ۲ر میں نہایت مختصر مگر جامع کلمات میں آپ کا وصف یوں ارقام

فرمارہے ہیں : آپ کی ولادت باسعادت ۱۲۳۷ھ مطابق ۱۸۲۱ء میں ہوئی مولانا مملوک علیؒ کے پاس درسیات کا اکثر حصہ پڑھا، مفتی صدرالدین صاحبؒ سے بھی علوم عقلیہ کا درس لیا اور صحاح ستہ قریب قریب کل حرفاً حرفاً حضرت شاہ عبدالغنی مجددیؒ کے پاس پڑھا، شاہ احمد سعید صاحب بھی آپ کے اساتذہ میں تھے، حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے اجل خلفاء میں تھے، علومِ حدیث وفقہ میں کمال مہارت کے ساتھ ساتھ ذکر وعبادت، تقویٰ وطہارت اور اصلاح وتربیت میں ان کا کوئی ہم سران کے زمانہ میں نہ تھا، ان کے تلامذہ ومریدین اور دیگر حالات وواقعات کی تفصیل ''تذکرۃ الرشید'' میں پڑھئے، مجھے اس جگہ صرف آپ کے حج اور سفر حج کا تذکرہ کرنا مقصود ہے۔

حضرت نے تین حج کیئے، حج فرض کے علاوہ آپ نے دو حج بدل (ایک اپنے والد بزرگوار کی طرف سے اور ایک مادر محترمہ کی جانب سے) کیئے ہیں جس کا مختصر تذکرہ یہ ہے۔

آپ نے پہلا حج ۱۲۸۰ھ میں کیا ہے، اس سن کے اوائل میں آپ رامپوری قافلہ کے ساتھ بمعیت حکیم ضیاء الدین رامپوری کراچی کی طرف روانہ ہوئے، آپ کے ماموں زاد بھائی مولوی ابوالنصر صاحب بھی ساتھ تھے۔

دوسرا حج ۱۲۹۴ھ میں کیا اور یہ وہ سال تھا جس میں ترکی وروس میں جنگ چھڑی ہوئی تھی اور طبعاً ہر مسلمان ترکی کی فتحیابی کا متمنی تھا، اسی سال حضرت نے حج کا قصد فرمایا، جس وقت دیگر حضرات کو خبر ہوئی تو سرزمینِ ہند کے چیدہ علماء سب ہی معیت کے لئے تیار ہو گئے۔

تیسرا حج آپ نے ۱۲۹۹ھ میں فرمایا، جو آپ کا آخری حج تھا۔

حضرت گنگوہیؒ کے متفرق واقعات

قاضی اسمٰعیل صاحب منگلوریؒ نے ایک مرتبہ حضرت اقدس گنگوہیؒ سے عرض کیا کہ حضرت کبھی کبھی طالبین کو توجہ بھی دیدیا کیجئے، فرمایا میں جوگیوں کا سا عمل کیوں کروں؟ اس پر انہیں تعجب ہوا کہ مشائخ کے معمول کو جوگیوں کا عمل فرمادیا، پھر دیوبند میں جب بڑا جلسہ ہوا اس میں حضرت کا وعظ ہوا یہ قاضی صاحب بھی اس میں شریک تھے، وہاں حضرت کے وعظ کے مضمون پر ایسا اثر ہوا کہ لوگوں پر گریہ وبکا کی حالت طاری تھی اور بے اختیار تڑپ رہے تھے اور لوٹ رہے تھے، اس وقت بعض اہل باطن کو جو اس وعظ میں شریک تھے یہ محسوس ہوا کہ قاضی اسمٰعیل صاحب حضرت کے پاس پہنچے اور کہا کہ ہاں مولوی صاحب! بس کبھی کبھی یوں کردیا کرو، حضرت نے اس کے جواب میں فرمایا کہ میں نے کیا کیا؟ میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا۔

صالحین کالباس پہنا کیجئے

سفر حج میں ایک مرتبہ امام ربانی ململ کا باریک کرتہ پہنے ہوئے طواف میں مشغول تھے، مطاف میں ایک نابینا بزرگ بیٹھے ہوئے تھے، جس وقت شوط میں آپ کا گذران بزرگ پر ہوا تو انہوں نے ایک کلمہ (خشن خشن) کہا جس کی طرف حضرت امام ربانی کو محویت واستغراق کی وجہ سے خیال بھی نہ ہوا، دوسرے شوط میں جب دوبارہ انہوں نے وہی کلمہ کہا تو آپ نے غور سے سنا اور سمجھا کہ مخاطب میں ہی ہوں، جب آپ نے ان کی طرف دیکھا تو وہ بزرگ فرمانے لگے کہ صالحین کا لباس پہنا کیجئے، آپ نے اپنے ململ کے کرتہ کی جانب اشارہ کرکے فرمایا کہ یہ بھی صالحین ہی کا لباس ہے، ان بزرگ نے فرمایا نہیں نہیں موٹا دبیز، امام ربانی یہ فرما کر کہ بہت اچھا خدا آپ کو برکت

دے اپنے طواف میں مشغول ہو گئے، اور شوط پورا فرمایا۔

مجھے لوگوں کے مصافحہ کی تمنا نہیں

ایک مرتبہ آپ کو نانوتہ یا رامپور تشریف لے جانے کا اتفاق ہوا، سردی کا موسم تھا صبح کے وقت گاڑھے کی میلی دوہر اوڑھے ہوئے بیٹھے تھے، آپ کے دائیں اور بائیں جانب حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ اور جناب حکیم ضیاء الدین صاحبؒ بیٹھے ہوئے تھے، ایک صاحب آئے اور دائیں بائیں دونوں حضرات سے مصافحہ کیا مگر حضرت امام ربانی کو عامی آدمی سمجھ کر باوجود بیچ میں بیٹھے ہوئے ہونے کے چھوڑ دیا، آپ کے استاذ زادے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب چونکہ آپ سے بہت بے تکلف تھے اس لئے مسکرائے، حضرت امام ربانی نے مطلب سمجھ لیا اور ارشاد فرمایا الحمد للہ! مجھے اس کی تمنا نہیں ہے کہ لوگ مصافحہ کیا کریں۔

حضرت گنگوہیؒ کا طرزِ اصلاح اور منکر پر غصہ کا اظہار

ایک مرتبہ اشراق کی نماز سے فارغ ہو کر آپ باہر تشریف لائے اور معمول کے خلاف چادر سے منہ ڈھانپ کر لیٹ رہے، ایک دن پہلے کرنال سے ایک بارات گنگوہ میں آئی تھی جس میں رقاصہ بھی ساتھ تھی، اس بارات میں آنے والے چند آدمی حضرت امام ربانی کے واقف کار بھی تھے جو صبح کو سلام کے لئے حاضر آستانہ ہوئے، دیکھا تو حضرت چادر سے منہ ڈھانپے ہوئے لیٹے ہوئے ہیں، دیر تک یہ لوگ بیٹھے رہے مگر آپ نے منہ نہ کھولا، آخر ایک صاحب بولے کہ حضرت ہم تو زیارت کے لئے حاضر ہوئے تھے، آپ نے منہ ڈھانپے ہوئے رنج اور غصہ کے ساتھ جواب دیا کہ میری زیارت میں کیا دھرا ہے؟ آخر اس مجمع کے ایک سفید ریش شخص نے سمجھا کہ رقاصہ کا ساتھ لانا اس محرومیت

کا سبب ہے پس معذرت کے طور پر عرض کیا کہ حضرت ہم تو رنڈی کو ساتھ لائے نہیں، بیٹی والوں کی حرکت ہے، آپ نے بیساختہ ارشاد فرمایا کہ میاں بیٹی والے کسی کے خدا تو ہیں نہیں کہ ان کا کہنا مانا ہی جاوے، اس جواب کا حاضرین پر اس درجہ اثر ہوا کہ بہت سے دل بھر آئے، آخر جب لوگ چلے گئے تو آپ نے چادر منہ سے ہٹائی اور اٹھ بیٹھے۔

عُرس میں آنے والوں پر سخت ناراضگی کا اظہار

آپ کے جد امجد حضرت شاہ عبدالقدوسؒ کا عرس جس کے بند کرنے پر آپ قادر نہ تھے اس درجہ آپ کو اذیت پہنچاتا تھا کہ آپ کو صبر کرنا دشوار تھا، اور آپ کے لئے زبردست مجاہدہ تھا، اول اول آپ ان دنوں میں گنگوہ چھوڑ دیتے اور رامپور تشریف لے جاتے، مگر آخر میں اس ایذاء قلبی کو برداشت کیا، آپ کو تکلیف دی گئی تو یہ زمانہ بھی آپ کو اپنی خانقاہ میں رہ کر گزارنا پڑا، اس موسم میں آپ کو اپنے منتسبین کا آنا بھی اس درجہ ناگوار ہوتا تھا کہ آپ اکثر ناراض ہو جاتے اور ترکِ تکلم فرمادیتے تھے، ایک بار جناب مولانا مولوی محمد صالح صاحب جالندھری (جو حضرت امام ربانی کے خلفاء ومجازین میں سے ہیں) آپ کی زیارت کے شوق میں بیتاب ہوکر گھر سے نکل کھڑے ہوئے، اتفاق سے عرس کا زمانہ تھا، اگرچہ آنے والے خادم کو اس کا وہم بھی نہ گزرا، مگر حضرت امام ربانی قدس سرہ اپنے شیدائے سنت دل کے ہاتھوں مجبور تھے، آپ سے یہ نہ ہوسکا کہ ان کی مزاج پرسی کریں یا محبت ومدارات سے پیش آئیں، آپ نے بجز سلام کا جواب دینے کے ان سے یہ بھی نہ پوچھا کہ روٹی کھائی یا نہیں؟ اور کب آئے یا کیوں آئے؟۔

مولوی محمد صالح کو دو دن اسی طرح گزر گئے، حضرت کا رخ پھرا ہوا دیکھا،

جس درجہ ان کو شاق گزر رہا تھا اس کو انہیں کے دل سے پوچھنا چاہئے، ہر چند اس کی وجہ سوچتے مگر کچھ سمجھ میں نہیں آتی تھی، حاضر خدمت ہوتے اور خاموش بیٹھ کر رنجیدہ اور محزون واپس آجاتے، آخر اس حالت کی تاب نہ لاکر حاضر خدمت ہوئے اور رو رو کر عرض کیا کہ حضرت مجھ سے کیا قصور ہوا جس کی یہ سزا مل رہی ہے؟ میں تو اس کا متحمل نہیں ہوسکتا، اللہ واسطے معاف فرمائیں، اس وقت حضرت نے ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں دیا اور فرمایا کہ میرا قصور نہیں جس کو میں معاف کردوں، خدا کی خطا ہے اس سے معافی چاہو، اس وقت میں سمجھا کہ عرس کے ایام میں میرا گنگوہ آنا آپ کو ناگوار گزرا، چنانچہ معذرت کے طور پر عرض کیا کہ حضرت خدا شاہد ہے مجھے تو عرس وغیرہ کے ساتھ ابتدا ہی سے شوق نہیں، واللہ! نہ میں اس وقت اس خیال سے گنگوہ آیا اور نہ آج کل یہاں عرس ہونے کا مجھے علم تھا۔

حضرت امام ربانی نے فرمایا اگرچہ تمہاری نیت عرس میں شرکت کی نہیں تھی مگر جس راستے میں دو آدمی عرس کے آنے والے آرہے تھے اسی میں تیسرے تم تھے، جناب رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں **من کثر سواد قوم فهو منهم** (تاریخ مشائخ چشت رص ۲۸۶)۔

عُرس کی حقیقت اور قباحت

سوال:۔ کئی جگہ پر کچھ بزرگوں کے مزار بنائے جاتے ہیں (آج کل تو بعض نقلی بھی بن رہے ہیں) اور ان پر ہر سال عرس ہوتے ہیں، چادریں چڑھائی جاتی ہیں، ان سے منتیں مانگی جاتی ہیں، یہ کہاں تک صحیح ہے؟۔

جواب:۔ یہ بالکل ناجائز اور حرام ہے، بزرگوں کے عرسوں کے رواج کی بنیاد

غالبًا یہ ہوگی کہ کسی شیخ کی وفات کے بعد ان کے مریدین ایک جگہ جمع ہوجایا کریں اور کچھ وعظ ونصیحت ہوجایا کرے، اور صاحبِ قبر کی روح کو قراءت قرآن اور اطعام طعام سے ثواب بھی پہنچایا جائے، اور کچھ اہل محبت وعشق جمع ہوکر آپس میں ذکر وفکر اور اپنی اصلاح اور مریدین کی تربیت کے کچھ پروگرام بنائے، جس سے کتاب وسنت پر عمل کا جذبہ پیدا ہو اور اپنے اسلاف کے طریقہ پر چلنے کی توفیق ملے۔ لیکن رفتہ رفتہ یہ مقصد تو غائب ہوگیا اور بزرگوں کے جانشین باقاعدہ استخوان فروشی کا کاروبار کرنے لگے اور ''عرس شریف'' کے نام سے بزرگوں کی قبروں پر سینکڑوں بدعات ومحرمات اور خرافات کا ایک سیلاب امڈ آیا، اور اس میں عورتوں مردوں کے اختلاط نے اور بھی کتنی ہی خرابیاں پیدا کردی ہیں جو ذرا سی بصیرت رکھنے والے کے سامنے واضح ہے، اور جب قبر فروشی کا کاروبار چمکتا دیکھا تو لوگوں نے ''جعلی قبریں'' بنانا شروع کردیں، انا للہ وانا الیہ راجعون (آپ کے مسائل اور ان کا حل ۱/۳۱۶)۔

نتیجہ یہ نکلا کہ جو اکابر اولیاء اللہ زندگی بھر کفر وشرک، بدعات وخرافات کے ازالہ کیلئے کوشش کرتے رہے بیعت وارشاد کے ذریعہ سے، اور خانقاہوں میں مریدین کو اسی لئے ریاضت ومجاہدہ کراتے اور برے اخلاق ومعاملات سے باز رکھنے اور شہوات ومزخرفات سے بچا کر اتباع سنت وشریعت کی طرف لگانے کی سعیِ پیہم کی، ساری محنتیں ان خرافات کے ذریعہ ختم ہوگئیں اور ان بزرگوں کی خانقاہیں انہی رسوم وبدعات کا مرکز بن کر رہ گئیں اور لوگوں نے انہیں شیطانی اعمال کو روحانیت کا نام دیدیا، استغفر اللہ! ثم استغفر اللہ!۔

موجودہ مروجہ عرسوں میں شریک ہونا کیسا ہے؟

سوال:۔ جس مجمع میں طوائف، اور مزامیر اور فساق وفجار ہوتے ہیں اور قبروں پر

چراغ جلاتے ہیں اور طواف قبور اولیاء اللہ اور قبروں کو سجدہ کرتے ہیں ایسے مجمع اور عرس میں جانا کیسا ہے؟۔

جواب:۔ یہ تو خود ظاہر ہے کہ ناچ کرنا اور دیکھنا حرام ہے اور مزامیر بھی، احادیث صحاح سے اس کی حرمت ثابت ہے اور قبر پر چراغ جلانے میں، احادیث صحیحہ میں لعنت ثابت ہے، اور طواف قبر اور سجدہ قبر کو شرک ہے، ایسے افعال کرنے والے فاسق اور کافر ہیں اور یہ مجمع فساق وفجار کا ہے، جو شخص اس مجمع میں شریک ہوگا وہ بھی کافر و فاسق ہوگا، اگر چہ وہ افعال مذکورہ کو نہ کرے، لقولہ علیہ السلام ''من کثر سواد قوم فھو منھم'' رواہ ابو یعلیٰ فی مسندہٖ والدیلمی فی الفردوس، وعبداللہ بن المبارک فی کتاب الزھد والرقائق، کذا فی امداد الاحتساب فقط۔ (باقیات فتاویٰ رشیدیہ ص ۸۹)۔

حضرت گنگوہیؒ کی ایک شخص پر روحانی شفقت

ایک مرتبہ آپ درس حدیث میں مشغول تھے، ایک شخص نہایت پریشان حال حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضرت للہ میری طرف توجہ فرمائیے! آپ نے جواب دیا بھائی میں تو ملا ہوں کوئی مسئلہ پوچھنا ہے تو مجھ سے پوچھو درویشوں کی باتیں درویش جانیں۔'' اس شخص نے کہا حضرت میں زندگی سے تنگ آ گیا کیا آپ کو گوارا ہے کہ میں خودکشی کرلوں اور مر رہوں، آپ مسکرائے اور فرمایا اچھا مجھے پڑھانے دو، سامنے دیوار سے لگ کر جا بیٹھو، اتنا فرما کر آپ نے درس شروع کرا دیا اور وہ شخص مواجہہ شریفہ میں دیوار سے کمر لگا کر بیٹھ گیا، پڑھاتے پڑھاتے دو تین مرتبہ آپ نے اس مبتلا کی جانب نظر فرمائی اور پھر تقریر میں طلبہ کی طرف مخاطب ہو گئے، سبق ختم نہ ہونے پایا تھا کہ وہ

شخص ہنستا ہوا اٹھا اور اس درجہ مسرور ہوکر چلا کہ سلام کرنا بھی بھول گیا، جب وہ چلا گیا تو بعض طلبہ نے حضرت سے دریافت کیا کہ حضرت یہ کون تھا اور کس مرض میں مبتلا تھا؟ آپ نے فرمایا درویش ہے، قبض طاری تھا، الحمد للہ رفع ہوگیا، وہ اتنے مسرور ہوئے کہ چلتے وقت سلام بھی نہ کیا (تذکرۃ الرشید ص ۱۴۸)۔

حضرت گنگوہیؒ کے معمولات

حضرت امام ربانی قدس سرہ کی عادت جاریہ اور معمول دائمی کے اظہار میں ایک اور تحریر ہدیۂ ناظرین کرتا ہوں، جو حضرت کے شاگرد رشید اور مجاز طریقت، عالم باعمل، صاحب دل شیخ مولانا الحاج المولوی محمد اسحاق صاحب نہٹوریؒ کے قلم کی لکھی ہوئی ہے وھو ھذا۔

عادتِ شریف یومؒ بلیلہ اس طرح تھی: ابتداء سے بعد نماز صبح خلوت خانہ میں مشغول بذکر وفکر ومراقبہ، جاڑوں میں نو بجے تک اور گرمیوں میں آٹھ ساڑھے آٹھ بجے تک رہتے، پھر حاجتِ ضروریہ سے فارغ ہوکر آبشارِ توفیق سے وضو فرما کر اشراق و چاشت کی نوافل ادا کرتے، کبھی چار رکعات اور کبھی آٹھ رکعات، کبھی اشراق خلوت خانہ میں پڑھ کر باہر تشریف لاتے اور چاشت گیارہ بجے کے قریب ادا کرتے، پس بعد ادائے صلوٰۃِ ضحیٰ جو چاشت واشراق دونوں کو شامل ہے مشغول بتدریس ہوتے، دو گھنٹے یا کچھ کم یہ شغلِ حدیث رہتا، پھر کھانا تناول فرما کر بارہ بجے استواء کے وقت دُھوپ گھڑی اور دائرہ ہندیہ سے گھڑی کو مطابق ودرست کراتے، پھر قیلولہ فرماتے جاڑوں میں ایک بجے اور گرمیوں میں ڈیڑھ بجے سے پہلے بیدار ہوجاتے، نمازِ ظہر سے

سردی میں ڈیڑھ بجے تک فارغ ہوتے اور گرمی میں دو بجے تک فارغ ہوتے، بعد نماز ظہر تلاوتِ قرآن شریف کا معمول تھا اور خطوط کا ملاحظہ اور انکا جواب مع فتویٰ نویسی صبح کو بعد صلوٰۃِ ضحیٰ قبل تدریس معمول تھا، اگر جوابی خطوط باقی رہتے تو بعد تلاوت یا بعد نماز عصر پورا فرماتے اور موسم گرما میں قبل نماز ظہر غسل فرمانے کا معمول تھا اور کبھی دوسری بار قریب عصر کے بھی غسل فرماتے، پھر بعد تلاوت تدریس طلبہ میں عصر تک مشغول رہتے، بعد عصر تسبیح لیکر طالبین کی طرف متوجہ ہوکر بیٹھ جاتے اس میں کوئی مسئلہ پوچھتا کوئی کچھ حال عرض کرتا کوئی مراقبہ میں مشغول ہوکر مستفید ہوتا، بعد نماز مغرب صلوۃ اوّابین چھ رکعات ادا فرماتے، ان میں کسی قدر قرآن شریف آدھے پارہ سے لیکر ایک پارہ تک تخمیناً پڑھتے، بعد فراغ نوافل صحن حجرہ میں ذرا دیر مہمانوں سے بات چیت کر کے گھر میں تشریف لے جاتے، وہاں سے کھانا تناول فرما کر قریب اذانِ عشا تشریف لا کر زائرین وحاضرین سے مخاطب ہوتے کبھی لیٹ جاتے اور کبھی بیٹھے رہتے، نماز عشا جاڑوں میں نو بجے، گرمیوں میں دس بجے شروع کرتے اگر نمازی جلدی جمع ہوتے تو دیر نہ فرماتے، خصوصاً اس نماز میں تحدید مخصوص نہ تھی، بعد فراغ نماز عشا ذرا بیٹھ کر لیٹ جاتے اور گیارہ بجے کے قریب تک خدام خاص پاؤں دباتے اس میں بعض خواص کو عجیب وغریب کیفیات وانوار مشاہد ہوتے، بعد گیارہ یا ساڑھے گیارہ بجے سب کو رخصت کردیتے پھر قدرے استراحت فرما کر بیدار ہوتے، اس وقت بنفس نفیس سب کام خود کرتے اس وقت استعانت وخدمتِ غیر کو پسند نہ فرماتے، تہجد کو بقراءۃِ طویلہ بجہر غیر مفرط بلحنِ داؤدی ادا فرماتے اس وقت اٹھنے میں عادت شریف مختلف تھی، کبھی بالکل

نہ سوتے جب خدام کو رخصت کیا اور جانا کہ سب لوگ لیٹ گئے ہونگے اٹھ بیٹھتے اورعشاء کے وضو سے نفلیں ادا فرماتے، جب تھک جاتے قدرے استراحت فرماتے، بعد استراحت پھر نفلیں شروع کرتے، صبح تک یہی طور رہتا، باوجود ضبطِ کامل کبھی گریہ اس قدر مستولی ہوتا کہ تمام شب گریہ میں گزر جاتی، عدد رکعات اور مقدار قراءۃ کا حال معلوم نہیں، الغرض پچھلی رات نوافل مسنونہ اور ذکر وفکر و مشغولی میں گزرتی تھی، پھر نمازِ صبح بوقتِ ابتداء یا توسط اسفار ادا فرماتے، فرض نماز آنحضرتؒ بہت مختصر اور کامل پڑھاتے تھے، پارۂ عم کی سورتوں کے سوا دوسری سورتیں شاذ ونادر پڑھتے، صبح کی نماز میں سورۂ عم سے لےکر لا اقسم تک کوئی سی دو سورتیں پڑھتے اور عشاء میں اکثر والضحیٰ سے لیکر والعادیات تک پڑھتے، مغرب میں القارعۃ سے آخر تک اکثر چھوٹی سورتیں پڑھتے تھے، تسبیح رکوع وسجود کی فرائض میں پانچ بار کہتے اور قومہ وجلسہ فرائض میں ادعیۂ ماثورہ نہ پڑھتے تھے، لیکن نوافل میں اکثر پڑھتے، اس رات دن کے عمل میں مریضوں کی دوا اس طرح ہوتی تھی کہ اس کے واسطے وقت ممتاز نہ تھا، معمولی مشغولی میں جب کوئی مریض آتا آپ اسی وقت اکثر دواء مفرد بتلا کر رخصت کر دیتے تھے، نسخہ لکھنے اور مرکب دوا بتلانے کا اتفاق بہت کم ہوتا تھا، آپ کی برکت سے مریضوں کو بکثرت شفا ہوتی اور امراض عسیرہ وممتدہ کا علاج بھی بطور مختصر فرماتے اور ہر قسم کے مریضوں کو شفاء ہوتی، یہ معمول دوازدہ ماہ کا تھا لیکن رمضان شریف میں صبح کو دیر میں خلوت خانہ سے برآمد ہوتے، موسم سرما میں اکثر دس بجے تشریف لاتے، نوافل وقراءۃِ قرآن وسکوت ومراقبہ میں بہ نسبت دیگر ایام بہت زیادتی ہوتی، سونا اور استراحت نہایت قلیل، کلام بہت

کم کرتے، بعد نماز مغرب ذرا دیر خلوت نشینی کا ذائقہ لیکر کھانا تناول فرماتے، تراویح کی بیس رکعات اوائل میں خود پڑھاتے تھے اور آخر میں صاحبزادہ مولوی حافظ حکیم محمد مسعود احمد صاحبؒ کے پیچھے پڑھتے، بعد وتر دو رکعات طویل کبھی کھڑے ہوکر کبھی بیٹھ کر پڑھتے، پھر دیر تک متوجہ بقبلہ بیٹھ کر کچھ پڑھتے رہتے، پھر ایک سجدۂ تلاوت کرکے کھڑے ہوجاتے، بندہ نے بعض الفاظ سنکر اندازکیا ہے کہ اس درمیان میں **سورۂ تبارک الذی** اور **سورۂ سجدہ** اور **سورۂ دخان** پڑھتے تھے اکثر تمام عشرۂ ذی الحجہ اور عاشوراء اور نصف شعبان کا روزہ رکھتے تھے۔

آپ اپنے نفس کی وجہ سے کبھی غصہ نہ ہوتے، البتہ خلافِ شرع بات پر آپ کو سخت غضب آتا، اگر کوئی آپ کو اپنی شقاوت کی وجہ سے برا کہتا آپ کو ہرگز پرواہ نہ ہوتی اور اصلاً تغیر نہ آتا اور اگر کوئی آپ کی مدح کرتا تو کچھ خوشی نہ ہوتی اور اصلاً تغیر نہ ہوتا، قسم کھانے کی ہرگز عادت نہ تھی، اگر بنظرِ کشف و فراست حضرت کو معلوم ہوجاتا کہ نذر دینے والا خود حاجت مند ہے تو اس کا نذرانہ اس طرح رد فرمادیتے کہ نذر دینے والوں کو گراں نہ گزرے، ایسا امر کاتب الحروف کے ساتھ بھی کبھی پیش آیا ہے، اسی طرح مرائی اور غیر معتقد کا نذرانہ بھی قبول نہ فرماتے، البتہ مخلصین کا ہدیہ بطِیب خاطر منظور فرماتے، بعد ذہاب بصر ظاہری جو وقت تدریس کا تھا وہ بھی ملاحظہ اور مراقبہ میں گزرنے لگا، اور اس قسم کی مشغولی بہت زیادہ بڑھ گئی آپ کے حالات سے کبھی یہ معلوم ہوتا کہ آپ کو اس وقت کسی کا بولنا یا کچھ پوچھنا مکروہ معلوم ہوتا ہے اور کبھی معلوم ہوتا کہ اس وقت آپ کو باتوں کی طرف رغبت ہے۔

حضرت گنگوہیؒ کی مجلس کا انداز

آپ کی مجلس مبارک کو غور کر کے دیکھا ہے تو نمونۂ محفل سرور عالم ﷺ پایا آپ کی مجلس مبارک میں بے ضرورت کوئی کلام نہ کرتا، جس وقت آپ کوئی بات فرماتے سب خاموش متوجہ ہوکر سنتے اور جب کوئی کچھ سوال کرتا تب بھی سب خاموش رہتے، آپ جواب دیتے، مجلس مبارک میں شور وشغب لغو باتیں ہرگز نہ ہوتی، اکثر مسائل کا تذکرہ یا آیت وحدیث کی تحقیق یا توضیح کسی مسئلۂ تصوف کی ہوتی یا تذکرہ اولیاء اللہ وعلماء کرام کا ہوتا کسی کی ہجو یا غیبت اس مجلس شریف میں ہرگز نہ ہوتی، بعض جہال جو اپنے شومی سے اس ذات بابرکات سے عداوت کھلم کھلا رکھتے ان کا تذکرہ بھی حضرتؒ اپنی مجلس میں نہ ہونے دیتے، اگر احیاناً کسی نے اس بے ادب کا ذکر کیا تو آپ نے جھٹ روک کر دوسری طرف متوجہ کر دیا، چونکہ اس مجلس شریف میں حسب ضرورت تکلم ہوتا تو اکثر اوقات حاضرین ساکن وساکت "**کان علی روسھم الطیر**" رہتے (گویا کہ ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوئے ہیں) برکات وانوار وخیرات سے مجلس شریف معمور اورشرور وفساد سے بمراحل دور تھی، چونکہ آنحضرت خود ہر وقت باوضو رہتے تھے تو حاضرین مجلس بھی چارونا چار باوضو اور بخوف وتوجہ حاضر دل سے رجوع الی اللہ رہتے، بعض حاضرین ذکر خفی لسانی اور بعض ذکر قلبی میں مشغول رہتے، اور بعض فکر ومراقبہ میں غریق رہتے، اور بعض بندے جیسے صرف منتظر رہتے کہ حضرت خود کوئی کلام فرماویں یا کسی سائل کا جواب ارشاد فرماویں، مجلس کا لطف نا اہل وفارغ القلب کو بھی معلوم ومحسوس ہوتا تھا **رحمة الله علیه وعلی احزابه وجعلنا فی زمرته** ۔

حضرت امام ربانی قدس سرہ کی عادت شریفہ زیادہ بولنے اور باتیں کرنے کی نہ تھی، آپ کم گو تھے، قلت کلام اور کثرت ذکر کا مصداق اتباع سنت کی حدود کے ساتھ آپ کی برابر کسی دوسرے میں شاید کسی نے کم دیکھا ہوگا، ذکر کا یہ عالم تھا کہ مسجد تک تشریف لانے اور واپسی میں حجرہ تک تشریف لانے میں بھی ذکر ہی کے اندر مشغول پائے جاتے تھے، یوں تو ہر وقت ہی ذکر میں مستغرق اور محو رہتے تھے، سوتے سوتے آنکھ کھلتی تو بے اختیار کلمۂ توحید یا استغفار زبان سے نکلتا تھا، جس گفتگو سے کوئی دینی نفع حاصل نہ ہو اس کا سننا بھی آپ کو گوارا نہ تھا، جب کوئی شخص آپ سے کوئی سوال دریافت کرتا یا بات کہتا اور اس میں ضرورت سے زیادہ تقریر ہوتی تو آپ اس کو روک دیتے اور یوں فرماتے کہ اچھا اچھا اس قصہ سے کیا فائدہ بات کہو ''لغو فضول گوئی سے آپ کو کمال درجہ نفرت تھی'' ذکر اللہ اور دین میں کام آنے والے مشغلہ کے علاوہ دوسرے جھگڑے میں مصروف ہونا اپنے خدام کا بھی آپ کو پسند نہ تھا، مولانا مولوی سراج احمد صاحب نے ایک مرتبہ چاہا کہ مولوی احمد رضاء صاحب کی فحش گوئی کا ترکی بترکی جواب دیں، ہر چند حسن تقریر سے انہوں نے کوشش کی کہ حضرت صراحۃً حکم نہ دیں تو ایما ہی فرمادیں، مگر حضرت نے فرمایا تو یہ فرمایا! میاں کیا دھرا ہے ان قصوں میں ان کی تحریر کا جواب لکھنے سے کوئی نفع نہیں تضیع اوقات ہے، امید نہیں کہ وہ مانیں، ایسی صورتوں میں جب آپ کے خدام کی خواہش جواب لکھنے کی ظاہر ہوئی تو آپ نے ان کو روک دیا بلکہ یوں ارشاد فرمایا! آدمی جس قدر وقت کسی کی برائی میں صرف کرے اتنے وقت اگر اللہ اللہ کرے تو کتنا نفع ہو۔

خدام کی تربیت واصلاح اس درجہ آپ کو محبوب تھی کہ کسی وقت ہمت وتوجہ سے غفلت نہ فرماتے تھے، برتاؤ اس درجہ سادگی کا تھا کہ کوئی پاؤں دبانے کھڑا ہوگیا تو منع نہیں فرمایا اور نہ کھڑا ہوا تو فرمائش نہیں کی، آخر شب میں حالانکہ آپ استعانت غیر کو پسند نہ فرماتے تھے لیکن اگر کوئی مخلص خادم اس کا متکفل ہوگیا کہ وقت پر پانی کا بھرا لوٹا مسواک وغیرہ چوکی پر لا رکھے تو آپ نے انکار بھی نہیں فرمایا، اور اگر کسی روز خادم کی آنکھ نہ کھلی تو ان کی اس خدمت کا انتظار بھی نہیں فرمایا۔

سید صوفی کرم حسین صاحب فرماتے ہیں: کہ کسی زمانہ میں یہ خدمت میں نے اپنے ذمہ لے رکھی تھی، اتفاق ایسا ہوا کہ ایک شب میری آنکھ دیر میں کھلی گھبرا کر حاضر خانقاہ ہوا تو دیکھا کہ حضرت بیٹھے وضو فرما رہے ہیں، مجھے اپنی غفلت پر ندامت تھی کہ باوجود تکفل نباہ نہ ہوسکا اور آج حضرت کو خود پانی بھرنا پڑا میں خاموش پاس کھڑا تھا کہ حضرت نے خاص شفقت کے ساتھ فرمایا میاں! بات ہی کیا ہے؟ بندہ بشر ہے آنکھ لگ ہی جاتی ہے۔

عبادات میں جملہ مستحبات وآداب کا لحاظ رکھنا آپ کی خاص عادت تھی، نماز آپ خود پڑھاتے اور آنے والے مہمانوں کی اس امر میں عام ائمہ کی طرح خاطر ومدارات نہیں فرماتے تھے، ہاں آپ کے استاذ زادے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ تشریف لاتے تو عموماً ان کو مصلے پر کھڑا کرتے اور اقتداء فرمایا کرتے تھے، طبع میں چونکہ نفاست زیادہ تھی اس لئے عموماً روزانہ قبل ظہر غسل فرماتے اور گرمی میں بعد عشاء بھی اکثر نہایا کرتے تھے جمعہ کے دن غسل ہی کے وضو سے نماز پڑھنے کی عادت

مستمرہ تھی، نماز آپ کو تمام مرغوبات سے زیادہ مرغوب اور محبوب تھی اس کا اہتمام جس درجہ آپ کے یہاں دیکھنے میں آیا شاید دوسری جگہ کسی نے کم بلکہ نہ دیکھا ہوگا، طلوع وغروب کا دوازدہ ماہی نقشہ لکڑی کے چوکھٹہ میں لگا ہوا چارپائی کے قریب ہمیشہ لٹکا رہتا اور ہر شمسی مہینہ کی پہلی تاریخ کو بدلدیا جاتا تھا بجز اس نقشہ کے انگریزی مہینوں اور تاریخوں کا آپ کے یہاں کہیں پتہ نہ تھا، حجرہ شریفہ میں کئی کئی گھڑیاں اور گھنٹے رہتے تھے جن کو روزانہ دھوپ گھڑی سے ملایا جاتا تھا اگر ایک بگڑ جاتا تو دوسرا کام دیتا اور دوسر اخراب ہوجاتا تو تیسرا وقت بتلایا کرتا تھا، خانقاہ میں سہ دری کے سامنے والے حجرہ کی دیوار پر دھوپ گھڑی لگی ہوئی تھی جب تک آپ کی بینائی قائم رہی اس کا اہتمام خود فرماتے تھے، کہ پورے بارہ بجے گھڑیاں ملائی جائیں، بعد میں یہ خدمت حضرت مولانا محمد یحیٰی صاحبؒ کے سپرد ہوئی، اکثر دیکھا گیا کہ جب تک دھوپ گھڑی سے گھنٹے ملانہیں لئے گئے اس وقت تک حضرت کو نیند نہیں آئی یا تو بیٹھے رہتے تھے اور اگر لیٹ بھی گئے تو کروٹیں بدل بدل کر بارہا دریافت فرمایا کرتے تھے کہ کیا بجا ہے بارہ بجے یا نہیں؟ لٹکے ہوئے نقشہ میں مِثلَین اور شفق کی غیبوبت کا حساب بھی مسطور تھا، اس کے مطابق پورے حنفی وقت پر نماز پڑھی جاتی اور دن کی روزانہ ایک منٹ یا کچھ کم وبیش زیادتی وکمی کے باعث گویا روزانہ ہر نماز کا وقت آپ کے یہاں نیا ہوتا تھا۔

لباس اگرچہ کم قیمت ہو مگر صاف ستھرا آپ کو پسند تھا، خصوصاً نماز کو کھڑے ہوتے وقت عمدہ سے عمدہ لباس جو آپ کے پاس موجود ہوتا اس کو زیب تن فرماتے اور یوں ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ خدا کی دی ہوئی نعمتیں اس کے دربار میں حاضر ہوتے

وقت بدن پر ہونی چاہئیں، یہ تعمیل تھی جناب رسول اللہ ﷺ کے ارشاد "فَلْيُرَ اَثَرُ نِعْمَتِهٖ عَلَيْكَ" کی، حق تعالیٰ کی حلال ولذیذ نعمتوں سے آپ کو نفرت نہ تھی، آپ نے معمولی کھانا بھی کھایا اور عمدہ سے عمدہ غذائیں بھی استعمال فرمائیں، کبھی کسی خاص غذا کے پابند نہ ہوئے نہ کسی شئی کا بذات خود کوئی اہتمام فرمایا، ہاں البتہ ٹھنڈا پانی آپ کو نہایت مرغوب تھا، اور اس کا آپ کی خانقاہ میں اہتمام بھی خاص کیا جاتا تھا گرمی کے موسم میں مشکیزہ گولر کے درخت میں لٹکایا جاتا اور جو تدبیر بسہولت ہوسکتی پانی ٹھنڈا کرنے کے لئے اس کو عمل میں لایا جاتا تھا، ٹھنڈا پانی پی کر آپ بہت خوش ہوتے اور یوں فرمایا کرتے تھے کہ یہ بڑی نعمت ہے جناب رسول اللہ ﷺ کو ٹھنڈا پانی بہت مرغوب تھا اسی لئے آپ نے دعاء فرمائی ہے "اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ يُّحِبُّكَ اَحَبَّ اِلَیَّ مِنْ مَّالِیْ وَاَهْلِیْ وَمِنَ الْمَاءِ الْبَارِدِ او كما قالؐ" خمیری روٹی اور شوربہ سے بھی آپ کو خاص رغبت تھی کیونکہ ملائم اور سریع الہضم ہونے کی وجہ سے معدہ میں گرانی اور عبادت میں کسل نہیں ہونے پاتا تھا۔

خوشبو کے ساتھ آپ کو بہت محبت تھی، ہر قسم کے عطر کا برغبت استعمال فرماتے خصوصاً گلاب سے، ایک مرتبہ حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب گنگوہیؒ سے خطاب فرمایا کہ مولانا محمد قاسم صاحبؒ کو گلاب سے بہت محبت تھی، سمجھتے بھی ہو کہ اس کا سبب کیا تھا؟ انہوں نے عرض کیا کہ حضرت شاید یہ وجہ ہو کہ ایک حدیث ضعیف میں آیا ہے کہ گلاب جناب رسول اللہ ﷺ کے عرق مبارک سے بنا ہوا ہے، آپ نے فرمایا ہاں! اگرچہ حدیث ضعیف ہے مگر ہے تو حدیث۔

ابتداء میں اگر کوئی اصرار کرتا تو پان آپ کھا لیتے جب دانت نہ رہے تو پھر پان آپ کو کبھی کھاتے نہیں دیکھا، چونہ کو پان میں جائز فرماتے تھے، مگر ممکن ہے کہ خود احتیاط فرماتے ہوں، چائے آپ پیتے تھے مگر عادی نہ تھے کسی نے پلادی تو انکار نہیں فرمایا اور نہیں پلائی تو کبھی مانگی یا پکوائی نہیں، اکثر ایسا اتفاق ہوا ہے کہ ہفتوں متواتر آپ نے چائے پی اور دفعۃً چھوڑ دی پھر کبھی پینے کے وقت پر اس کی جانب خیال بھی نہیں کیا، ایک شخص نے آپ سے عرض کیا کہ حضرت کیا پینے کی چیز میں پھونک مار کر پینا منع ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں مگر چائے کہ اس کا نفع ہی گرم پینے میں ہے۔

حلاوت ایمان کا ایک ثمرہ یہ بھی تھا کہ آپ کو میٹھے سے زیادہ رغبت تھی، عام آدمی دودھ یا چائے میں جتنا میٹھا کافی سمجھتے ہیں آپ اس کو پھیکا فرماتے یا کم میٹھا ظاہر کیا کرتے، پھلوں میں قلمی آم اور الہ آبادی امرود بھی آپ کو مرغوب تھے مگر ایک دو قاش سے زیادہ نہیں کھاتے تھے، شیریں لوکاٹ اور ملائم آڑو بھی آپ رغبت سے کھاتے تھے اور یوں تو کسی فصلی پھل سے آپ کو نفرت نہ تھی، سامنے آگیا اور خواہش ہوئی تو کھالیا ورنہ جس شغل میں آپ مشغول رہتے تھے وہ کسی شئی کا خیال بھی نہیں آنے دیتا تھا۔

بینائی جانے پر بھی حضرت کی یہ عادت نہ تھی کہ لاٹھی کوئی تھامے یا راستہ بتاتا ساتھ ساتھ چلے، آپ کو اول تو اٹکل تھی دوسرے لاٹھی ہاتھ میں رہتی تھی کہ دیوار تھام کر اور ٹوہ کر چلتے تھے (تذکرۃ الرشید رص ۶۴ رج ۲)۔

وفات حسرت آیات

بارہویں یا تیرہویں شب جمادی الاولیٰ ۱۳۲۳ھ کو ایک گونہ خنکی کی وجہ سے

حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ نوافل ادا فرمانے حجرہ میں تشریف لے گئے اور حق تعالیٰ کی مناجات میں مشغول ہوگئے، اسی رات آپ کے پاؤں کی دو انگلیوں میں ناخن سے کچھ نیچے کسی زہریلے جانور نے کاٹا مگر نماز میں محویت کے سبب احساس بھی نہ ہوا، صبح کے وقت جب معمول کے مطابق آپ مسجد میں جانے لگے تو کپڑوں کی سرخی کسی خادم نے دیکھی آپ سے عرض کیا کہ کرتہ خون آلود ہے چونکہ طلوع قریب تھا اس لئے آپ نے جلدی سے کپڑے بدلے اور نماز پڑھائی، چونکہ پاؤں سے چھٹانک بھر کے قریب خون نکل آیا تھا اسلئے اگلے دن ضعف وکمزوری ہونی شروع ہوگئی، اس کا علاج ہوا کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوئی پاؤں پر دن بدن ورم بڑھتا رہا، یہاں تک باختلاف آپ کی عمر اٹھتر سال سات ماہ تین یوم کی تھی ۹/۸ رجمادی الثانی ۱۳۲۲ھ مطابق ۱۲ راگست ۱۹۰۵ء کو بعد اذان جمعہ یعنی ساڑھے بارہ بجے انتقال ہوا، اور قبرستان ''محلّہ الٰہی بخش گنگوہ'' میں ہمیشہ کیلئے آسودۂ خواب ہوگئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت گنگوہیؒ کے باقیات صالحات

اس عنوان پر جب لکھنے کا ارادہ کیا تو ''تذکرۃ الرشید'' کو دیکھا گیا وہاں مذکورہ کلام بہت عمدہ لگا، دل نے چاہا کہ کچھ اقتباسات وہیں سے نقل کردئے جائیں اس لئے تذکرۃ الرشید سے کچھ باتیں پیش کی جارہی ہیں، حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ جنھوں نے اپنے شیخ ومرشد کا تذکرہ بڑی ہی محبت وعشق کے ساتھ کیا ہے اور کمال کردیا ہے، بعد میں حضرت گنگوہیؒ کے حالات پر لکھنے والا کوئی بھی شخص اس سے مستغنی نہیں ہوسکتا، اللہ پاک حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحبؒ کے درجات بلند سے بلند فرمائے

اعلیٰ علیین میں مقام رفیع نصیب فرمائے، اس عنوان کے ذیل میں اس طرح لکھتے ہیں:

امام ربانی قدس سرہ دنیا سے تشریف لے گئے مگر باقیات صالحات کا وہ دریا مخلوق کے لئے بہتا ہوا چھوڑ گئے ہیں جو تشنگان رشد وہدایت کے سیراب کرنے کو کافی ہے، جس مقدس مشغلہ میں آپ نے پچاس سال گزارے اس کے فیضان کو ختم ہونے کے لئے زمانہ چاہیئے، آپ کے لگائے ہوئے درخت بحمد اللہ ایسے بارآور اور مثمر ہیں جنکے فیوضات وعطایا سے عرصۂ دراز تک عالم متمتع اور مستفید ہوتا رہے گا، کوئی شخص اپنے بعد ایک ولد صالح چھوڑ جائے تو اپنی مغفرت کا وسیلہ سمجھ کر فخر کیا کرتا ہے اور حضرت امام ربانی قدس سرہ نے تو کئی ہزار نیکوکار بچے دنیا میں ایسے چھوڑے ہیں جو خود ہی آپ کو دعا نہیں دیتے بلکہ نسلاً بعد نسل آپ کے ترقی مراتب کی دعائیں کرنے والے افراد تیار کرتے رہتے ہیں، آپ کی نسبت عبدیت کے فیضان اور استقامت علی الشریعہ کے ثمرات سے جو نفع دنیا کو پہنچا ہے، چونکہ افادہ بنی آدم ہی تک محدود نہیں بلکہ نباتات وجمادات بھی اپنی بقا کا اس سے فائدہ اٹھا چکے ہیں، اس لئے عالم کا ذرہ ذرہ امام ربانی کے لئے ثواب آخرت کا سبب بنا ہوا ہے اور جب تک آپ کے لگائے ہوئے اشجار طیبہ کا افادہ واستفادہ قائم رہے گا بلا قصد وارادہ آفاق ارض سے آپ کی روح کو تحائف پہونچتے رہیں گے۔

آپ کی باقیات صالحات میں ایک قسم تو ان حضرات کی ہے جو آپ کی اپنی صلبی اولاد ہے اور ایک قسم وہ ہے جو آپ کے تلامذہ اور مریدین کی شکل میں ہے اور ایک قسم آپ کی تصنیفات وتالیفات ہے، ہم پہلے آپ کی اولاد پھر تالیفات پھر آپ کے متعلقین اور مستفیدین کا تذکرہ کریں گے۔

(صاحبزادگان وغیرہ)

تذکرہ حضرت مولانا حکیم مسعود صاحب گنگوہیؒ

آپ کی صلبی اولاد میں دو صاحبزادے حضرت مولانا حکیم مسعود صاحب اور دوسرے حضرت مولانا محمود صاحب اور ایک صاحبزادی صفیہ خاتونؒ کا تذکرہ ملتا ہے، یہ سب ہی بہت نیک صالح، متقی و پرہیزگار، عابدوزاہد حضرات تھے، حضرت مولانا حکیم مسعود صاحب بہترین حافظ، قاری، عالم، حکیم شخص تھے، اور اکثر و بیشتر تراویح میں امامت آپ ہی کیا کرتے تھے، حکمت اور طبابت میں ماہر کامل بہت اعلیٰ درجہ کی حذاقت پر فائز تھے، حضرت حکیم صاحب اپنے علم وعمل، تقویٰ وطہارت کے ساتھ ساتھ ایک بہت ہی بارعب اور ذی وجاہت شخص تھے، حضرت گنگوہیؒ کے منسلکین حضرت شیخ الہند، حضرت مدنی جیسے حضرات آپ کا بہت ہی زیادہ احترام کرتے تھے اور حضرت گنگوہیؒ کے وصال کے بعد آپ دارالعلوم دیوبند کی شوریٰ کے رکن بھی رہے اور جب دارالعلوم میں کوئی قضیہ واقع ہوتا تو آپ کو بلایا جاتا، آپ تشریف لے جاتے اور اس قضیہ میں دخل دیتے اور آپ کی بات بالکل فیصلہ کن سمجھی جاتی تھی، حضرت گنگوہیؒ کی نسبت سے تمام متوسلین حد درجہ آپ کا احترام کرتے تھے۔

اور بقول حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحبؒ آپ اپنے والد امام ربانی قدس سرہ کے ساتھ صورت اور شباہت میں بہت مناسبت رکھتے تھے اور آواز اور لہجہ میں بھی بہت مناسبت تھی ۱۳۵۰ھ مطابق ۱۹۳۲ء میں اللہ کو پیارے ہوگئے، اور اپنے والد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے پہلو میں

مدفون ہیں، آپ کے دوسرے صاحبزادہ مولانا محمود صاحبؒ جوانی میں ہی انتقال کر گئے تھے، ان کے انتقال کے بعد حضرت حکیم صاحب سے حضرتؒ کو اور بھی زیادہ محبت بڑھ گئی تھی، پھر حکیم مسعود صاحبؒ کی اولاد میں حضرت مولانا حکیم عبدالرشید محمودؒ اور حاجی مصطفٰی کامل رشیدیؒ ہوئے، ان حضرات کا تذکرہ آئندہ اپنے مقام پر آئے گا ان شاء اللہ۔

تذکرہ حضرت مولانا محمود احمد صاحب گنگوہیؒ

آپ کے دوسرے صاحبزادہ حضرت مولانا محمود احمد صاحبؒ تھے جن کا انتقال ۶/صفر المظفر ۱۲/جمادی الاولیٰ ۱۳۱۰ھ جوانی میں ہی ہوگیا تھا (اور گور غریباں متصل عیدگاہ گنگوہ میں مدفون ہیں) اس وقت ان کی عمر صرف ۲۳/سال کی تھی جس کی وجہ سے حضرتؒ کو بہت زیادہ صدمہ اور غم رہتا تھا، ان کے صاحبزادے حضرت مولانا سعید احمد صاحبؒ ہیں جن کی ولادت گنگوہ میں ۲۶/ربیع الاول ۱۳۱۰ھ کو ہوئی، آپ مدرس دارالعلوم دیوبند تھے اور دارالعلوم دیوبند میں بھائی جی سعید کے نام سے مشہور و معروف تھے، حضرت مولانا محمود صاحب کے انتقال کے وقت ان کی عمر ایک ماہ بیس یوم تھی، اور جب ان کی عمر دو سال کے قریب ہونے کو آئی تو والدہ بھی رحلت فرما چکی تھیں (تذکرۃ الرشید/ص ۳۴۸/ج ۲) کیونکہ مولانا سعید احمد صاحب کی پیدائش حضرت گنگوہیؒ کے سامنے ہی ہو چکی تھی اور ان کے باپ کا سایہ سر سے اٹھ چکا تھا تو حضرت امام ربانی کو ان کے ساتھ ایک خاص درجہ کی الفت تھی، حضرت مولانا سعید احمد صاحب کو اللہ نے طویل عمر عطا فرمائی اور انہوں نے دارالعلوم دیوبند میں تدریسی خدمت انجام دی، آپ اپنے مزاج اور طبیعت کے بہت زیادہ سادہ تھے، ایک زمانہ میں شکار کے شوقین بھی تھے، حضرت مولانا ارشد صاحب مدنی دامت برکاتہم اور بھائی جی سعید دونوں شکار میں

جایا کرتے تھے، جس وقت راقم الحروف دارالعلوم دیوبند میں طالب علم تھا یہ ۱۴۰۶ھ کی بات ہے، یہ میرا افتاء سیکھنے کا سال تھا کہ آپ کا انتقال ہوگیا، اور حضرت مولانا ارشد صاحب مدنی دامت برکاتہم نے گنگوہ کے طالب علم ہونے کی وجہ سے مجھے ان کی اطلاع کرنے کیلئے حضرت حکیم نھو میاں صاحب کی خدمت میں بھیجا جو اس وقت حیات تھے، اور یہ فرمایا کہ میں ان سے عرض کروں کہ آپ تشریف لے چلیں، چنانچہ بندہ نے حضرت حکیم صاحب کو اطلاع کی لیکن آپ نے جانے سے معذرت کی، بندہ جس وقت لوٹ کر دارالعلوم پہنچا اس وقت آپ کی نماز جنازہ ہوچکی تھی، اللہ پاک حضرت مرحوم کے درجات بلند فرمائے، آمین۔

اپنے قصبہ کے ایک بزرگ اور استاذ دارالعلوم ہونے کی وجہ سے نیز حضرت گنگوہیؒ کے ساتھ خاندانی نسبت ہونے کی وجہ سے بارہا آپ کی خدمت میں جانا رہتا تھا ایک دن میں نے ان سے عرض کیا کہ حضرت مجھے تبرکاً کچھ پڑھادو؟ تو حضرت نے نہایت سادگی سے فرمایا کہ تو ہی مجھے پڑھا دیا کر، اس بات پر ہنسی بھی آتی ہے اور انکی تواضع کا اندازہ بھی ہوتا ہے، اسی طرح میں نے ایک دن ان سے عرض کیا کہ حضرت آپ نے کون کونسی کتابیں پڑھائیں، تو فرمایا کہ بھائی میری ترقی تو اس طرح ہوئی کہ پہلے قدوری پڑھایا کرتا تھا پھر نورالایضاح ملی اور اب فارسی اردو پڑھاتا ہوں، یہ میری ترقی ہوئی، کیا عجیب طبیعت میں سادگی تھی ۲۸/ ربیع الاول ۱۴۰۶ھ مطابق ۱۹۸۵ء میں اللہ کو پیارے ہوگئے، اللہ پاک حضرت مرحوم کے درجات بلند فرمائے، آپ دیوبند کے مشہور قبرستان ''مزار قاسمی'' میں جہاں دارالعلوم کے بہت سے اکابر مدفون ہیں دفن کئے گئے، اللہ پاک آپ کے درجات کو بلند فرمائے، حضرت شیخ زکریا قدس سرہ نے ''

آپ بیتی'' میں متعدد جگہ آپ کا تذکرہ کیا ہے۔

حضرت صفیہ مرحومہ

اوپر جیسا کہ تذکرہ آیا کہ آپ کی صاحبزادی صفیہ خاتون بہت زیادہ نیک، عابدہ، زاہدہ، ذکر وشغل کرنے والی پابند صوم وصلوٰۃ، اوراد ووظائف خاتون تھیں، آپ کی دینی حالت کو سمجھنے کیلئے حضرت گنگوہیؒ کا ارشاد کافی ہے، آپ نے ایک بار بڑی مسرت سے فرمایا الحمدللہ میری بیٹی کو دنیا کی بالکل محبت نہیں، نیز ایک بار فرمایا کہ اگر عورتوں کو بیعت کی اجازت ہوتی تو میری صفیہ مرید کیا کرتی، اس مضمون سے آپ کی قوت روحانیہ اور نیکی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے، آپ کو اپنے والد کے ساتھ بے حساب محبت تھی، مگر اس کے باوجود صبر واستقلال کا یہ عالم تھا کہ اپنے والد کے وصال کے دن جب کہ موجودہ تمام لوگ نماز جمعہ کی تیاری میں مشغول تھے اور صاحبزادی پردہ کے پیچھے اپنے والد کے جنازہ کے ساتھ لگی ہوئی قرآن پاک کی تلاوت میں مشغول تھی اور حضرتؒ کا کفن بھی خود ہی سیا تھا لیکن چیخ وپکار کی آواز کسی نے بھی نہیں سنی، آپ اپنے بھائی مولانا حکیم مسعود صاحب سے چار سال عمر میں بڑی تھیں اور اپنے والد حضرت گنگوہیؒ کے پہلو میں مدفون ہیں۔

تذکرہ حضرت حافظ محمد یعقوب صاحب گنگوہیؒ

صاحبزادی (جو کہ ڈپٹی حضرت ابراہیم صاحب سے منسوب تھیں) کے پھر تین بیٹے ہوئے، جن میں بڑے حضرت حافظ محمد یعقوب صاحب اور دوسرے حافظ محمد یوسف صاحب اور تیسرے محمد زکریا صاحبؒ تھے، حضرت گنگوہیؒ کے تینوں نواسے نیک صالح، متقی و پرہیزگار حضرات تھے، خاندان کی دینداری کا اثر تھا بالخصوص حضرت حافظ

محمد یعقوب صاحب اخلاص وللّٰہیت ،تعبد ،خشیت ، رفق ،نرمی ، استقامت ،فہم وفراست ، اور تحفظ مراتب ، کظم غیض کی صفات سے آراستہ تھے، حضرت شیخ الحدیث صاحبؒ نے آپ بیتی میں مرحوم کا بہت جگہ تذکرہ کیا ہے ، راقم الحروف کے والد بزرگوار حضرت مولانا قاری شریف احمد صاحبؒ (بانی ومبانی جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ) بھی آپ کا ذکر خیر کیا کرتے تھے اور آپ کی باتوں کو یاد کیا کرتے تھے ، اپنے آبائی قبرستان ''محلّہ محمد غوری'' میں مدفون ہیں ، اللہ پاک حضرت مرحوم کو غریق رحمت فرمائے ، بلند درجات نصیب فرمائے آمین ۔

تصنیفات

حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحبؒ اس طرح لکھتے ہیں:

امام ربانی قدس سرہ کی باقیات صالحات میں آپ کی وہ تصانیف ہیں جو تحقیق مسائل شرعیہ اور احقاق مضامین اختلافیہ میں آپ کے قلم سے نکلیں اور مطبوع ہوکر عالم میں شائع ہوئیں ، خیال ہے کہ جملہ تصانیف بصورت کلیات یکجا طبع کردیجائیں اگر حق تعالیٰ کو منظور ہوا تو انشاء اللہ یہ بھی ہو جائیگا ، باقی اسوقت آپ کی تصنیفات جدا جدا رسائل کی صورت میں طبع شدہ ہیں اور مولوی محمد یحییٰ صاحبؒ (کاندھلوی) سے مل سکتی ہیں احقر کے پاس بھی موجود ہیں ، جہاں سے چاہیں طلب فرمائیں ۔

بندہ مؤلف عرض رسا ہے کہ حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحبؒ کی تمنا کافی عرصہ کے بعد پوری ہوگئی اور اس وقت '' تالیفات رشید'' یہ کی صورت میں یہ تمام تالیفات یکجا دستیاب ہیں ، اور حضرت مولانا یحییٰ صاحب کا تذکرہ اس لئے کیا کہ وہ حضرت گنگوہیؒ کے خادم خاص تھے اور ان کی کتابوں کے طابع اور ناشر تھے ، حضرت

گنگوہیؒ کے وصال کے بعد بھی کچھ عرصہ تک ان کا کتب خانہ یہاں چلتا رہا، بعد میں سہارنپور ان کے ساتھ ساتھ منتقل ہو گیا تھا، مولانا یحییٰ صاحبؒ کی وفات کے بعد بھی یہ کتب خانہ ان کے ذی شان صاحبزادے حضرت شیخ الحدیثؒ کے زیر سایہ سرگرم عمل تھا، حضرت امام ربانیؒ، حضرت تھانویؒ اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوریؒ جیسے اکابر علماء کی وقیع تصنیفات نیز متعدد دینی کتب اس کے تحت اشاعت پذیر ہوئیں، اور فی الوقت یہ کتب خانہ جگر گوشہ و شیخ الحدیثؒ حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب دامت برکاتہم کی زیرِ نگرانی ''کتب خانہ یحیوی'' کے نام سے جاری وساری ہے اور راہِ سلوک وتصوف پر کتب کی اشاعت اس کا خاص مطمحِ نظر ہے۔ ان تصانیف کے اسماء یہ ہیں:

(۱) تصفیۃ القلوب: حضرت حاجی صاحبؒ کی کتاب ضیاء القلوب کا اردو ترجمہ۔

(۲) امداد السلوک: تصوف کے رسالہ مکیہ کا ترجمہ جو اوائل شباب میں بارشاد حضرت حافظ ضامن صاحب شہیدؒ لکھا گیا تھا۔

(۳) ہدایۃ الشیعہ: ہادی علی شیعی لکھنوی کے اعتراضات کے جوابات پر مشتمل ایک رسالہ ہے۔

(۴) زبدۃ المناسک: حج کے متعلق تمام مسائل ضروریہ پر مشتمل ایک جامع رسالہ ہے۔

(۵) لطائف رشیدیہ: چند آیات قرآنی کے نکات اور پردہ مروجہ شرفاء ہند کا حدیث سے ثبوت وغیرہ پر مشتمل ہے۔

(۶) فتاویٰ میلاد وعرس وغیرہ: جس میں مروجہ بدعات وخرافات پر کلام کیا گیا ہے۔

(۷) رسالہ تراویح: بیس رکعت تراویح کا احادیث سے ثبوت اور مکمل بحث کی گئی ہے۔

(۸) قطوف دانیہ: محلّہ کی مسجد میں جماعت ثانیہ کی کراہت کا فقہ سے ثبوت پر مفصل کلام کیا گیا ہے۔

(۹) جمعہ فی القریٰ: اہل حدیث کے اس فتویٰ کا جواب ہے جس میں انہوں نے گاؤں میں جمعہ جائز ہونے کا ثبوت دیا ہے، اس مسئلہ پر مفصل بحث کی گئی ہے۔

(۱۰) ردالطغیان: کلام مجید کے اوقاف کو اہل حدیث نے بدعت ثابت کیا تھا اس کا مفصل جواب دیا گیا ہے۔

(۱۱) احتیاط الظہر: اس بات کے ثبوت میں ہے کہ جہاں جمعہ ہوجاتا ہے وہاں احتیاط ظہر کی حاجت نہیں بعض لوگ ایسی جگہوں پر جمعہ کے ساتھ ساتھ ظہر کے بھی قائل تھے، ان کا تفصیلی رد کیا گیا ہے۔

(۱۲) ہدایۃ المعتدی: قرأۃ فاتحہ خلف الامام کے جوابات مفصل طور پر دئے گئے ہیں۔

(۱۳) سبیل الرشاد: ردعدم تقلید یعنی غیر مقلدوں کا علاج اور ان کے شکوک وشبہات کا بہترین رد کیا گیا ہے۔

(۱۴) براہین قاطعہ: اس حیثیت سے کہ براہین قاطعہ حضرت امام ربانی کے حکم سے لکھی گئی اور آپ نے اس کو من اولہ الی آخرہ بغور ملاحظہ فرما کر تقریظ تحریر فرمائی اس کو بھی من وجہٍ حضرت کی تصنیف میں شمار کرسکتے ہیں، یہ انوار ساطعہ کا جواب اور رد بدعات وتحقیق سنت میں وہ لاثانی کتاب ہے جس کو حضرت کے رنگ نسبت اور کمالات علمیہ وعملیہ کا مظہر کہیں تو بجا ہے، سنت کے عشق میں جو غصیارہ انداز اور شان جلالی کا اظہار اس میں نظر آتا ہے وہ دیگر تصانیف میں کم ہے۔

یہ تمام مضمون ''تذکرۃ الرشید'' سے قدرے حذف وتغیر کے ساتھ ماخوذ ہے،

علاوہ ازیں آپ کے وہ بیش قیمت خطوط ہیں جو محبین و متعلقین اور علماء وصلحاء کے نام جواباً نوشتۂ تحریر میں آئے ، اور مستقل کتابی شکل میں ''مکاتیب رشیدیہ'' کے نام سے شائع ہو چکے ہیں جن میں تصوف وسلوک کی قیمتی باتیں ملتی ہیں، اوعر علم و تحقیق کے جواہر پارے ہاتھ آتے ہیں۔

آپکے درسی امالی

آپ نے زندگی بھر کتب حدیث کا درس دیا اور آپ کے قدردان شاگردوں نے اپنے اپنے طور پر ان کو لکھا وہ ان کے پاس اور ان کے متعلقین کے پاس محفوظ رہا اور وہ اس سے استفادہ کرتے رہے، سب سے آخری دورۂ حدیث پاک آپ سے حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ حضرت شیخ زکریا رحمہ اللہ کے والد بزرگوار نے پڑھا اور آپ کے درس کو عربی میں تحریر کیا اور پھر انہوں نے اور وقت کے اکابر نے اس کی نقلیں کرائیں اور خوب استفادہ کیا، کیونکہ آپ کا درس حدیث وفقہ کا بہترین سنگم اور علوم ومعارف کا بحر بیکراں اور تحقیقات عمیقہ کا خلاصہ ہوتا تھا اور اس میں وہ نکات ہوتے تھے جو دوسروں کے یہاں نہیں پائے جاتے تھے، ان درسی امالی اور تقاریر کو جن کو حضرت مولانا یحییٰ صاحب نے دورانِ درس ضبط کیا تھا حضرت شیخ زکریا قدس سرہ نے ان پر مزید حواشی اور تحقیقات کا اضافہ کیا اور حضرت شیخ زکریا قدس سرہ کی تحقیقات لطیفہ کے بعد وہ امالی کتب حدیث کی بہترین شروحات کی شکل میں امت کے سامنے آئی اور محدثین کا ایک بڑا طبقہ ان سے فائدہ اٹھا رہا ہے، جن میں لامع الدراری شرح بخاری، الکوکب الدری شرح جامع الترمذی، الفیض السمائی شرح نسائی، الحل المفہم شرح مسلم، وغیرہ وغیرہ مشہور معروف ہیں۔

حضرت گنگوہیؒ کے تلامذہ وخلفاء

آپ کے تلامذہ، متعلقین، مریدین، متوسلین، محبین کی تعداد دنیا بھر میں بے حساب ہے، یہاں آپ کے چند مشہور ومعروف متعلقین کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

حضرت گنگوہیؒ کے چند مشاہیر تلامذہ کے نام درجِ ذیل ہیں

(۱) مولانا ابوالانوار عبدالغفار صاحبؒ مئو ناتھ بھنجن کے باشندے حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی محدث کبیر کے استاذ (۲) حکیم مولانا جمیل الدین صاحب نگینویؒ (۳) مولانا امان اللہ صاحب کشمیریؒ (۴) حکیم عبدالوہاب صاحب نابیناؒ (۵) مولانا حامد حسن صاحب دیوبندیؒ (۶) مولانا محمد صفات صاحب غازی پوریؒ (۷) مولانا حسن محمد صاحب مرادآبادیؒ (۸) مولانا روشن خاں صاحب مرادآبادیؒ (۹) مولانا فخر الحسن صاحب گنگوہیؒ (۱۰) مولانا عبدالرحمٰن صاحب کرنالویؒ (۱۱) مولانا فتح محمد صاحب تھانویؒ (۱۲) صاحبزادۂ محترم مولانا حکیم مسعود احمد صاحبؒ (۱۳) آپ کے داماد مولانا حافظ محمد ابراہیم صاحبؒ (۱۴) مولانا حکیم محمد اسماعیل صاحب گنگوہیؒ (۱۵) مولانا عبدالرزاق صاحب قاضی شہر کابل افغانستان (۱۶) مولانا حافظ محمد احمد صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند والد بزرگوار حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ (۱۷) حضرت مولانا رضاء الحسن صاحب کاندھلویؒ (۱۸) حضرت مولانا یحییٰ صاحب کاندھلویؒ والد بزرگوار حضرت شیخ الحدیث محمد زکریا صاحبؒ (۱۹) حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب دیوبندیؒ وغیرہ وغیرہ۔

خلفاءِ عظام

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے خلفاء ہندوستان کے مشہور و معروف علماء تھے مثلاً: (۱) مولانا خلیل احمد صاحب انبہٹوی مہاجر مدنیؒ (صاحبِ بذل المجہود شرح ابو داؤد شیخ و مرشد شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحبؒ) (۲) حضرت اقدس مولانا محمود حسن صاحبؒ صدر مدرس دارالعلوم دیوبند جو شیخ الہند سے معروف ہوئے ہیں، شاگردِ خاص حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ (۳) حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوریؒ شیخ و مرشد حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائپوریؒ (۴) حضرت مولانا صدیق احمد صاحب انبہٹویؒ جو حضرت مولانا خلیل احمد صاحب انبہٹویؒ کے عم زاد بھائی تھے (۵) حضرت مولانا محمد روشن خانصاحب مراد آبادیؒ (۶) قطب عالم شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ (۷) اوران کے برادر حضرت مولانا صدیق احمد صاحب مہاجر مدنیؒ وغیرہم۔

حضرت گنگوہیؒ کا علمی وروحانی مقام

حضرت گنگوہیؒ یوں تو جملہ علوم وفنون میں ماہر کامل تھے مگر خاص طور پر حدیث، فقہ، تفسیر میں آپ کو ایک امتیازی اور خصوصی مقام حاصل تھا کہ آپ کے زمانہ کے کبار اہل علم آپ سے رجوع کرتے تھے، چنانچہ صاحب تذکرۃ الرشید رص ۱۶۳ ار میں لکھتے ہیں:

حضرت امام ربانی قدس سرہ چونکہ علماء ہند کے امام وسرتاج اور مقتدایان اسلام کے مرجع وپیشوا تھے، اسلئے حق تعالیٰ نے آپ کو دین میں وہ مجتہدانہ فہم عطا فرمائی تھی جس سے اُن مالاینحل اور مسائل معضلہ کا حل ہوتا تھا جن میں اذکیاء کی عقول متحیر اور فقہاء عصر کی افہام عاجز ہوجاتی تھیں، آخر کار بحث ومباحثہ ہونے اور غور وخوض کی ماندگی ظاہر

ہوجانے پر وہ مسائل وشبہات آپ کی خدمت میں پیش کئے جاتے تھے اور حضرت مخدوم عالم بے تکلف اس طرح جواب عطا فرماتے تھے کہ سائل حیران رہ جاتا تھا، نیز چونکہ امام ربانی کا وجود باجود حق تعالیٰ کی مخلوق یعنی امت محمدیہؐ کے لئے باعثِ رحمت اور سبب اصلاح تھا، اسلئے جن اغلاط عامہ میں لوگ اس درجہ مبتلا ہوتے تھے کہ عوام تو عوام خواص کا بھی اس غلطی کے غلطی سمجھنے تک ذہن نہ پہنچتا تھا، حضرت مولانا ان غلطیوں کی اصلاح فرماتے اور اسی وجہ سے بار بار خود تذکرہ فرما کر سامعین کو تبلیغ کی تاکید فرمایا کرتے تھے کہ جہاں تک ہوسکے اسکی ترویج کریں اور ناآشنا کانوں تک پہنچادیں۔

یوں تو حضرت کا فیض عوام وخواص سب کیلئے ابر باراں کی طرح فراواں تھا اور اس بحرِ علم سے ہر خاص وعام اپنی طلب اور اپنے ظرف کے مطابق استفادہ کررہا تھا، اور آپ ہر ہر موقع پر احکام شرعیہ تقریری اور تحریری طور پر امت تک پہنچارہے تھے، مگر خاص طور پر وہ حضرات جن کا علم وفن امت کو مسلّم ہے وہ بھی آپ سے خاص طور پر استفادہ کرتے تھے، جن میں سرفہرست حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ ہیں، چنانچہ حضرت تھانویؒ ایک موقع پر فرماتے ہیں کہ پیشاب کرکے جو کلوخ سے استنجا خشک کرتے ہیں، میں یہ سمجھتا تھا کہ کسی حدیث مرفوع سے اس کا ثبوت نہیں ہے، ایک بار حضرت امام ربانی سے دریافت کیا تو آپ نے فوراً استدلال میں یہ حدیث مرفوع پڑھ دی ''استنزھوا من البول فان عامة عذاب القبر منه'' اور کلوخ لینا یقیناً استنزاہ میں داخل ہے، پس بالکل اطمینان ہوگیا۔

تشہد میں جو رفع سبابہ کیا جاتا ہے اس میں تردد تھا کہ اس اشارہ کا بقا کسی حدیث میں منقول ہے یا نہیں، حضرت قدس سرہ کے حضور میں پیش کیا گیا فوراً ارشاد فرمایا

کہ ترمذی کی ''کتاب الدعوات'' میں حدیث ہے کہ آپ نے تشہد کے بعد فلاں دعا پڑھی اور اس میں سبابہ سے اشارہ فرمارہے تھے اور ظاہر ہے کہ دعا قریب سلام کے پڑھی جاتی ہے پس ثابت ہوگیا کہ اخیر تک اس کو باقی رکھنا حدیث میں منقول ہے اور یہ بھی فرمایا کہ لوگ اس مسئلہ کو ''باب التشہد'' میں ڈھونڈتے ہیں اور وہاں ملتا نہیں اس سے سمجھتے ہیں کہ حدیث میں نہیں ہے، امام ربانی کا سرعت انتقالِ ذہنی اور ملکۂ استنباط فقاہت ان دونوں واقعات سے اظہر من الشّمس ہے۔

نیز ان دونوں بزرگوں کے درمیان ایک مسئلہ میں ایک طویل مکاتبت ہوئی ہے جس کو صاحب تذکرۃ الرشید نے بسط وتفصیل کے ساتھ از رص ۱۱۴ رتا ص ۱۳۵ ر ذکر کیا ہے، جس کو شوق ہو اس کا مطالعہ کرے۔

حضرت گنگوہیؒ کے ساتھ حضرت تھانویؒ کی عقیدت ومحبت

نیز حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:
آپ کی صحبت میں یہ اثر تھا کہ کیسی ہی پریشانی یا وساوس کی کثرت کیوں نہ ہو جوں ہی آپکی صحبت میں بیٹھے، قلب میں ایک خاص قسم کا سکینہ اور جمعیت حاصل ہوئی جس سے سب کدورات رفع ہوگئیں اور قریب قریب آپ کے کل مریدوں میں عقائد کی درستگی، دین کی پختگی، خصوصاً حُب فی اللہ وبغض للہ بدرجۂ کمال مشاہدہ کیا جاتا ہے، یہ سب برکت آپ کی صحبت کی ہے اور ان کمالات کی شہادت میں بے شمار واقعات موجود ومشہور ہیں احقر پر یوں تو ہر صحبت اور ہر مخاطبت میں کچھ نہ کچھ فیض واحسان فائض رہتا تھا لیکن حسب ارشاد نبویؐ ''من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ'' دو احسان زیادہ قابل ذکر ہیں

ایک علم ظاہری کے متعلق دوسرا باطن کے متعلق، اول کا بیان یہ ہے کہ میں مسائل اختلافیہ میں اہل حق اور اہل بدعت کے متعلق باوجود صحت عقیدہ کے (والحمدللہ) ایک غلطی میں مبتلا رہا اور اس غلطی پر بہت سے خیالات اور بہت سے اعمال متفرع رہے، یعنی بعض اعمال رسمیہ مثل مجلس متعارف میلاد وامثالہ جنکو محققین بعض مفاسد کیوجہ سے عوام کیلئے مطلقاً ممنوع بتاتے اور ان عوام الناس کے ساتھ خواص کو بھی روکتے ہیں، ان مفاسد کو تو میں ہمیشہ مذموم اور ان کے مباشر کو ہمیشہ ملوم سمجھتا تھا اور یہ صحت عقیدہ کی تھی اور عوام الناس کو ہمیشہ ان مفاسد پر متنبہ اور مطلع کرتا تھا، لیکن یہ بات میرے خیال میں جم رہی تھی کہ علت نہی کی وہ مفاسد ہیں اور جہاں علت نہ ہوگی وہاں معلول بھی نہ ہوگا، پس خواص جو کہ ان مفاسد سے مبرّا ہیں ان کو روکنے کی ضرورت نہیں اور اسی طرح عوام کو بھی علی الاطلاق روکنے کی حاجت نہیں بلکہ انکو نفس اعمال کی اجازت دیکر ان کے مفاسد کی اصلاح کردینا چاہئے، بلکہ اس اجازت دینے میں یہ ترجیح اور مصلحت سمجھتا تھا کہ اس طریق سے تو عقیدہ کی بھی اصلاح ہوجائے گی اور بالکل منع وممانعت کردینے میں عوام مخالف سمجھیں گے اور عقیدہ کی اصلاح بھی نہ ہوگی، ایک مدت اس حالت میں گزر گئی اور باوجود دائمی درس وتدریس فقہ وحدیث وغیرہما کے کبھی ذہن کو اس کے خلاف کی طرف انتقال والتفات نہیں ہوا۔

حضرت قدس اللہ سرہ کا شکر یہ کس زبان سے ادا کروں کہ خود ہی غایت رافت وشفقت سے مولوی منور علی صاحب دربھنگوی مرحوم سے اس امر میں میری نسبت تاسف ظاہر فرمایا اور اسی غلطی کے شعبوں میں سے ایک شعبہ یہ بھی واقع ہوا کہ بعضے درویشوں سے جن کی حالت کا انطباق شریعت پر تکلف سے خالی نہ تھا میں نے یہ خیال

''خذماصفاودع ماکدر''، بعض اذکار واشغال کی تلقین بھی حاصل کرلی تھی اور آمدو رفت وصحبت کا بھی اتفاق ہوتا تھا، اور لزوم مفاسد کی نسبت وہی خیال تھا کہ خواص کے عقائد خود درست ہوئے ہیں وہاں مفسدہ لازم نہیں اور عوام کو حق و باطل پر تقریراً متنبہ کرتے رہنا دفع مفسدہ کیلئے کافی ہے، سو حضرتؒ نے خصوصیت کیساتھ اس پر بھی تاسف ظاہر فرمایا اور غایت کرم یہ قابلِ ملاحظہ ہے کہ جیسا حدیث میں ہے کہ حضورﷺ غایت کرم وحیا سے بالمشافہہ کسی پر عتاب نہ فرماتے تھے، اسی طرح حضرت قدس سرہٗ نے باوجود حاضری مرۃ بعد مرۃٍ کے بالمشافہہ کبھی اس سے تعرض نہیں فرمایا اور اس سے زیادہ لطف وکرم یہ کہ اگر کبھی میں نے اعتراض کیا تو میرے فعل کی تاویل اور اس کو محمل حسن پر محمول فرمایا۔

اسی غلطی کی ایک فرع یہ تھی کہ حضرت پیر ومرشد حاجی صاحبؒ نے ایک تقریر درباب ممانعت تنازع واختلاف مسائل معہودہ میں اجمالاً ارشاد فرمائی اور مجھکو اس کی تفصیل کا حکم دیا، چونکہ میرے ذہن میں وہی خیال جما ہوا تھا اس لئے اس کی تفصیل بھی اسی کے موافق عنوان سے تحریر میں لایا اور حضرت حاجی صاحبؒ کے حضور میں اس کو سنایا چونکہ حضرتؒ کو بوجہ لزوم خلوت وقلت اختلاط مع العوام وبنا بر غلبہ حسن ظن عوام کی حالت اور جہالت وضلالت پر پورا التفات نہ تھا، لامحالہ اس مفصل تقریر کو پسند فرمایا اور کہیں کہیں اس میں اصلاح اور کمی بیشی بھی فرمائی اور ہر چند کہ وہ عنوان میرا تھا مگر چونکہ اصل معنوں میں حضرت نے ازخود ارشاد فرما کر قلمبند کرنے کا حکم دیا تھا، لہذا حضرت نے اس تقریر کو اپنی ہی طرف سے لکھوایا اور خود اپنے دستخط ومہر سے مزین فرمایا اور اپنی ہی طرف سے اشاعت کی اجازت دی جو بعنوان ''فیصلہ ہفت مسئلہ'' شائع کر دیا گیا جس کو بعضے کم سمجھوں

نے اپنی بدعات کا موئید سمجھا وانیٰ لھم ذالک کیونکہ ان مفاسد کا اس میں بھی صراحۃً
رد ہے صرف خوش عقیدہ وخوش فہم لوگوں کو البتہ رخصت ووسعت اس میں مذکور ہے جس کا
مبنیٰ وہی خیال مذکور ہے کہ عوام کے مفاسد کا خود خواص پر کیوں اثر پڑے؟۔

غرض حضرت قدس اللہ سرہ نے اس سب کے متعلق مولوی منور علی صاحب سے
تذکرہ فرمایا، مولوی صاحب نے احقر سے ذکر کیا تو حضرتؒ کے قوت فیضان سے اجمالاً
تو مجھکو فوراً اپنی غلطی پر تنبہ ہوگیا لیکن زیادہ بصیرت کیلئے میں نے اس بارے میں مکاتبت
کی بھی ضرورت سمجھی چنانچہ چند بار جانبین سے تحریرات ہوئیں جن کی نقل دو چار جگہ محفوظ
بھی ہے بالجملہ نتیجہ یہ ہوا کہ مجھکو بصیرت وتحقیق کے ساتھ اپنی غلطی پر بفضلہ تعالیٰ اطلاع
ہوگئی اور اس پر اطلاع ہونے سے ایک عظیم باب علم کا جو کہ مدت تک مغلق تھا
مفتوح ہوگیا، جس کا ملخص یہ ہے کہ مدارِ نہی فی الواقع فساد عقیدہ ہی ہے، لیکن فساد عقیدہ
عام ہے خواہ فاعل اس کا مباشر ہو خواہ مرتکب اس کا سبب ہو، پس فاعل اگر جاہل عامیؔ
ہے تو خود اسی کا عقیدہ فاسد ہوگا اور اگر وہ خواص میں سے ہے تو گو وہ خود صحیح العقیدہ ہو مگر
اس کے سبب سے دوسرے عوام کا عقیدہ فاسد ہوگا اور فساد کا سبب بننا بھی ممنوع ہے اور
گو تقریر سے اس فساد پر تنبہ عوام کی ممکن ہے مگر کل عوام کو اس سے اصلاح نہیں ہوتی
اور نہ سب تک اس کی تقریر پہونچتی ہے پس اگر کسی عامی نے اس خاص کا فاعل ہونا تو سنا
اور اصلاح مضمون اس تک نہ پہونچا تو یہ شخص اس عامی کے ضلال کا سبب بن گیا اور ظاہر
ہے کہ اگر ایک شخص کی ضلالت کا بھی کوئی شخص سبب بنجاوے تو برا ہے اور ہر چند کہ بعض
مصلحتیں بھی فعل میں ہوں لیکن قاعدہ یہ ہے کہ جس فعل میں مصلحت اور مفسدہ دونوں مجتمع

ہوں اور وہ فعل شرعاً مطلوب بالذات نہ ہو وہاں اس فعل ہی کو ترک کر دیا جائیگا، پس اس قاعدہ کی بنا پر ان مصلحتوں کی تحصیل کا اہتمام نہ کرینگے بلکہ ان مفاسد سے احتراز کیلئے اس فعل کو ترک کر دینگے البتہ جو فعل ضروری ہے اور اس میں مفاسد پیش آویں وہاں اس فعل کو ترک نہ کریں گے بلکہ حتی الامکان ان مفاسد کی اصلاح کی جائے گی۔

چنانچہ احادیث نبویہؐ اور مسائل فقہیہ سے یہ سب احکام وقواعد ظاہر ہیں ماہر پر مخفی نہیں، ان میں سے کسی قدر رسالہ ''اصلاح الرسوم'' میں بندہ نے لکھ بھی دیا ہے، جب میرے اس خیال کی اصلاح ہوگئی تو اس کے سب فروع وآثار کی اصلاح بفضلہٖ تعالیٰ ہوگئی، چنانچہ خلاف شریعت درویشوں کی صحبت وتلقّی سے بھی نجات ہوئی اور فیصلہ ''ہفت مسئلہ'' کے متعلق بھی ایک ضروری ضمیمہ لکھ کر شائع کر دیا گیا جس سے اس کے متعلق اہل افراط وتفریط کے سب اوہام کو رفع کر دیا گیا۔

دوسرا احسان: متعلق باطن کے ہے اس کی تفصیل میں چونکہ مخفیات کا اظہار بھی ہے اور وہ قصہ بھی نہایت درد ناک اور ناگوار ہے اس لئے محض اس اجمال پر اکتفا کرتا ہوں کہ میری شامت اعمال وکثرت معاصی سے مجھ پر ایسی ایک حالت شدید طاری ہوئی تھی کہ باوجود صحت بدنی کے زندگی سے مایوسی تھی بلکہ موت کو ہزار ہا درجہ حیات پر ترجیح دیتا تھا اور اس کو اس سے زیادہ عنوان کے ساتھ تعبیر نہیں کر سکتا کہ:

دوگونہ رنج وعذاب است جان مجنون را　　　بلائے فرقت لیلیٰ ووصلتِ لیلیٰ

اس وقت حضرت قدس سرہ نے دعا وتعلیم وہمت سے خاص توجہ فرمائی جس سے ہوش وحواس درست ہوئے اور جان میں جان آئی اور اس حالت کے طریان کے فوائد

اور پھر اس کے زوال کے منافع بحمد اللہ محسوس ہوئے ان دونوں احسانوں کو امید ہے کہ عمر بھر نہ بھولونگا اور حکم بھی یہی ہے ''من لم یشکر الناس لم یشکر الله'' انتہی کلام مولانا تھانویؒ (تذکرۃ الرشید ص ۱۴۷)۔

اس کے مطالعہ سے اندازہ ہوگا کہ حضرت تھانویؒ حضرت گنگوہی قدس سرہ کو کیا درجہ دیتے تھے اور کس طرح آپ سے اپنی اصلاح کے طالب رہتے تھے اور کتنے بلند القاب سے آپ کو یاد کرتے تھے، اور آپ سے کس قدر عقیدت رکھتے تھے، چنانچہ ایک زمانہ میں آپ ہی سے بیعت ہونے کی درخواست بھی کی تھی، چنانچہ ''اشرف السوانح'' میں باب سیزدہم ۱۳ ارشرف بیعت اور استفاضۂ باطنی کے عنوان کے تحت جہاں حضرت مولانا تھانوی قدس سرہ کے بیعت وغیرہ کے سلسلہ میں تفصیل سے بحث کی ہے، کئی جگہ لکھا ہے کہ حضرت تھانویؒ نے حضرت گنگوہیؒ سے بیعت کی درخواست کی ایک اس وقت جبکہ آپ دارالعلوم میں طالب علم تھے چنانچہ اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے صاحب اشرف السوانح لکھتے ہیں: ایک بار حضرت مولانا گنگوہی قدس سرہ العزیز کسی ضرورت سے مدرسہ دیوبند تشریف لائے حضرت والا زیارت کرتے ہی غایت اشتیاق میں بغرض مصافحہ دوڑے تو ان اینٹوں کی وجہ سے جو اس وقت وہاں نو درے کی تعمیر کیلئے پڑی ہوئی تھیں حضرت والا کا پاؤں بے اختیار پھسلا اور زمین پر گرنے ہی کو تھے کہ حضرت مولانا گنگوہیؒ نے فوراً ہاتھ پکڑ کر سنبھال لیا، حضرت والا کو حضرت مولاناؒ کی زیارت ہوتے ہی اس قدر کشش اور عقیدت ہوئی کہ بقول حضرت والا باوجود اس وقت حقیقت وغایت بیعت بھی نہ سمجھنے کے مولاناؒ سے بیعت کی درخواست کی، مولاناؒ نے

اس بنا پر کہ بزمانۂ طالب علمی شغل باطن مخل تحصیل علم ہوگا انکار فرمادیا، اس واقعہ کا مفصل ذکر خود حضرت والا نے حضرت مولانا گنگوہیؒ کے تذکرۂ موسومہ ''یادیاراں'' میں درج فرمایا ہے، جس کو تفصیل کا شوق ہو وہاں دیکھ لے۔

اس واقعہ کے بعد قریب ہی جب حضرت مولانا گنگوہیؒ ۱۲۹۹ھ میں، تیسری بار حج کو تشریف لیجانے لگے تو حضرت والا نے حضرت حاجی صاحبؒ کی خدمت میں اس مضمون کا عریضہ لکھ کر غالباً خود مولاناؒ ہی کے ہاتھ بھیجا کہ مولاناؒ سے میں نے بیعت کے لئے عرض کیا تھا انہوں نے انکار فرمادیا، آپ مولانا سے فرمادیں کہ مجھکو بیعت کرلیں وہاں آپس میں جو بھی گفتگو ہوئی ہو اس کا علم نہیں لیکن حضرت حاجی صاحبؒ نے جن پر گویا یہ موقع منکشف تھا جیسا بہ تفصیل اوپر ظاہر کیا جاچکا ہے، بجائے مولاناؒ سے بیعت کرلینے کی سفارش فرمانے کے حضرت والا کو خود ہی شرف بیعت سے غائبانہ مشرف فرمالیا اور اب معلوم ہوا کہ مولاناؒ کے انکار بیعت میں یہ قدرتی سبب بھی در پردہ کار فرما تھا کہ حق تعالیٰ شانہ نے حضرت والا کو حضرت شیخ العرب والعجم ہی کے حصہ میں آنے کے لئے اور علوم ومعارفِ امدادیہ کو بہ توضیح وتنقیح تام وبہ تفصیل وتسہیل تمام شرقاً وغرباً پھیلانے کے لئے پہلے سے منتخب فرمارکھا تھا، بمصداق:

چن لیا لاکھوں میں تجھکو انتخاب ایسا تو ہو پھر کسی اور سے مستقلاً کیونکر متعلق ہوسکتے تھے

اس کی تصدیق اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت والا کے ایک اور ہم سبق طالب علم نے بھی اسی دوران حضرت مولانا گنگوہیؒ سے بیعت کی درخواست کی تو ان سے انکار نہیں فرمایا اور ان کو بیعت کرلیا، جس سے حضرت والا کو اور بھی حسرت

ہوئی (اشرف السوانح ج ار ص ۱۶۶)۔

مزید لکھا کہ حضرت والا کا تعلق بیعت براہ راست حضرت حاجی صاحبؒ سے تھا لیکن حضرت مولانا گنگوہیؒ کے ساتھ بھی حضرت والا کا اعتقاد قلبی جو اول ہی نظر میں بہ شدت قائم ہو کر راسخ ہو چکا تھا اور جو باعث ہوا تھا حضرت مولاناؒ سے درخواست بیعت کا وہ برابر قائم رہا، اور حضرت والا نے ہمیشہ حضرت مولانا گنگوہیؒ کو مثل اپنے مرشد ہی کے سمجھا اور حسب ضرورت مشکلات ظاہری و باطنی یعنی علمی و عملی میں مولاناؒ سے بے تکلف مریدانہ طور پر ہی رجوع فرماتے رہے جیسا کہ بعد کے حالات میں مذکور ہوگا اور حضرت مولاناؒ بھی ہمیشہ بلحاظ شفقت مریدوں کا سا اور بلحاظِ احترام پیر بھائیوں کا سا معاملہ فرماتے رہے، اس امر کی تصدیق کہ مشیت خداوندی نے حضرت مولانا تھانویؒ کو حضرت حاجی صاحبؒ ہی کے حصہ میں آنے کیلئے منتخب فرمالیا تھا، اس سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت حاجی صاحبؒ نے قبل تعارف ظاہری ہی مولانا تھانویؒ کو بذریعہ ان کے والد ماجد کے مکہ معظّمہ طلب فرمایا تھا، یعنی ان کے والد کو یہ لکھا تھا کہ اپنے بیٹے کو لیکر ہمارے پاس آجاؤ۔. بعد میں جب حضرت مولانا تھانویؒ حج کے لئے تشریف لے گئے قیام کانپور کے زمانہ میں تو حضرت حاجی صاحبؒ سے دست بدست بیعت کی نعمت سے مشرف ہوئے اور حاجی صاحبؒ کی خاص توجہاتِ روحانیہ حاصل کیں، جیسا کہ شیخ و مرشد حضرت مولانا شاہ قمر الزماں صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے بھی اس قصہ کی تفصیل اقوال سلف جلد ۴ ر ص ۴۰۳ ر میں بیان کی ہے۔

تین کتابوں کے مطالعہ نے سب سے بے نیاز کر دیا

حضرت حکیم الامتؒ کی تصنیفات کی مجموعی تعداد ایک ہزار سے بھی زائد ہے

جنہیں حضرتؒ کی علمی شان اور تصنیفی کمالات کا یہ علم ہوجاتا ہے تو وہ استفسار کرنے لگتے ہیں کہ جس نے ہزار کتاب تصنیف کی ہوں وہ خود تو لاکھوں کتابوں کا مطالعہ کر چکا ہوگا، ان کے مطالعہ واستفادہ اور اخذ واستنباط اور اوقات میں برکات کا طریقِ کار کیا ہوگا؟ مجھے بھی یہ تصور لاحق رہا اور بار بار سوال بن کر سامنے آتا رہا مگر آج کی روحانی اور کتابی ومطالعاتی ملاقات میں یہ عقدہ بھی حل ہوگیا، حضرتؒ نے خود ارشاد فرمایا:

''مجھے زیادہ کتب بینی کا شوق نہیں ہوا، کیونکہ نفس علم کو مقصود نہیں سمجھا، عمل کے لئے جتنے علم کی ضرورت ہے اس میں اپنے بزرگوں پر مکمل اعتماد وانقیاد تھا، جو کچھ قرآن وسنت کی تعبیر میں انہوں نے فرمایا تھا اس پر دل مطمئن تھا، اور جب تصنیفات کا ذکر آیا تو عرض کیا گیا کہ آپ کی جب اتنی تصنیفات ہیں تو ان کے لئے آپ نے بھی ہزاروں کتابیں دیکھی ہوں گی؟ ارشاد فرمایا چند کتابیں ضرور دیکھی ہیں، جن کے نام یہ ہیں: ''حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ، حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ، حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ، ان تین کتابوں نے مجھے سب کتابوں سے بے نیاز کر دیا'' شاید ایسے حضرات کے متعلق کسی شاعر نے کہا تھا ؎

وانت الکتاب المبین الّذی باحرفه یظهر المضمر

(ماخوذ از بیس بڑے اولیاء، ص ۱۵۲)

حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوری صاحبؒ کا حضرت گنگوہیؒ سے استفادہ کرنا

نیز اس دور کے بہت بڑے عالم حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ بھی اپنے اشکالات آپ ہی سے حل کرایا کرتے تھے، چنانچہ اس کی بہت سی مثالیں'' تذکرۃ

الرشید" میں پیش کی گئی ہیں، جن میں زیادہ تر اشکال اور شکوک وشبہات خالص علمی ہیں، بہت سے تو ہدایہ جیسی ادق فقہی کتاب سے متعلق ہیں، جن کو سمجھنے اور حل کرنے کے لئے بھی فقیہانہ دماغ اور ذوق درکار ہے تبھی ان تحقیقات انیقہ کا لطف اٹھایا جاسکتا ہے، چنانچہ خود حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ ایک خط میں اس طرح لکھتے ہیں، کمینہ غلامان خلیل احمد اپنے ملجاو ماویٰ، میزاب رحمۃ اللہ تعالیٰ علی العالمین، غیاث المریدین، غوث المسترشدین، نائب رسول رب العالمین، قطب زمانہ، مجتہد عصرہ واوانہ، حضرت مولائی ومرشدی مولانا مولوی رشید احمد صاحب دام اللہ ظلال برکاتہم علی العالمین کے خدام کی خدمت عالی میں ملتمس عرض داشت ہے:

کرامت نامہ بجواب عرض داشت توقع سے بہت پیشتر اور امید سے نہایت بڑھ کر نعمتِ غیر مترقبہ ہوکر شرفِ وُرود لایا، اس کمترین غلامان کے سر نیاز کو تاجِ افتخار پہنایا، بوجہ عدیم الفرصتی حضور کے خیال تھا کہ جوابات بدیر اور مختصر ہوں گے لیکن الحمدللہ کہ حسب خواہش جوابات تحریر ہوئے، کس کس عبارت اور کون کون سے لطف کا شکریہ ادا کروں:

شکر فیض تو چمن چوں کند اے ابر بہار   کہ اگر خار دگر گل ہمہ پروردۂ تست

کہ اس نا کارہ غلامان کے واسطے باوجود عدیم الفرصتی طبع کے تکلیف گوارا فرمائی صلوٰۃ کے بعد بیساختہ دعا نکلی کہ حق تعالیٰ شانہ ذات مصدر فیوض وبرکات کے علم وعمل وعمر میں برکت عطا فرماوے اور بایں فیض رسانی قائم رکھے بتوجہ حضور اکثر جوابات فہم میں آگئے اور شبہات رفع ہوگئے۔

حضرت علامہ مولانا خلیل احمد صاحبؒ نے جہاں آپ سے فقہ وحدیث

میں کثیر استفادہ کیا وہیں روحانیت میں بھی بہت زیادہ استفادہ کیا جس کی مختصر تشریح اس طرح ہے: شیخ ومرشد، جامع الکمالات، منبع الفیوض والبرکات، حضرت اقدس مولانا شاہ محمد قمر الزماں صاحب دامت برکاتہم العالیہ خلیفہ ومجاز مرشد العالم، قدوۃ الصالحین والعاشقین حضرت مولانا شاہ محمد احمد صاحبؒ اپنی بہترین تالیف اقوال سلف جلد ۴ر ص ۲۸۲ر میں تحریر فرماتے ہیں۔

گنگوہ کی حاضری

غالباً ۱۲۸۲ھ یا ۱۲۸۳ھ میں رمضان کے مبارک مہینے میں آپ گنگوہ تشریف لے گئے اور حضرت گنگوہیؒ کی زیارت ہی نہیں بلکہ ان کے پیچھے قرآن شریف سنا جس سے آپ کو بیحد کیف وسرور حاصل ہوا، اس کے بعد حضرت گنگوہیؒ کی خدمت میں بار بار آنے جانے لگے جس سے ان کی صحبت میں بیٹھنے اوران کے ارشادات سننے کا موقع ملا، جس کی وجہ سے حضرت گنگوہیؒ کی عظمت اوران کی محبت وعقیدت دل میں بیٹھنے لگی، آخر کار اپنے ماموں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ کو (جو حضرت گنگوہیؒ کے استاذ زادے تھے) بیعت کے لئے واسطہ بنایا اور سفارشی خط لکھا کر گنگوہ حاضر ہوئے، حضرت گنگوہیؒ نے خط پڑھ کر اس طرح رکھ دیا گویا کوئی چیز ہی نہیں اور استغناء کے ساتھ فرمایا کہ میاں تم پیر زادے ہو، خود پیر ہو، تمہیں کسی کے مرید ہونے کی کیا ضرورت، مگر واہ رے خلیل کی قابلیت کہ یہ سن کر آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور عرض کیا کہ حضرت کیسی پیر زادگی میں تو اس دربار کے کتوں کے برابر بھی نہیں، بیعت کا حاجت مند ہی نہیں بلکہ سرتاپا احتیاج ہوں، چھاتی سے لگائیے یا دھکے دیجئے، میں تو حضرت کا غلام بن چکا۔

یہ الفاظ آپ کی زبان سے نکلنے تھے اور حضرت کے چہرے پر انبساط کی لہر

دوڑنی تھی کہ آپ نے فرمایا بس بس بہت اچھا، اور اس کے بعد بیعت کرلیا۔

فائدہ: حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کی طلب اور صدق ارادت ملاحظہ فرمائیے! پھر حضرت مولانا گنگوہیؒ کی شانِ استغناء دیکھئے تو معلوم ہوجائے گا کہ طالب ومطلوب دونوں کی شانیں الگ الگ ہیں، پس اگر طالب مطلوب اور مطلوب طالب ہوجائے گا تو پھر فیض کا باب بند ہوجائے گا اور طریق بدنام بلکہ برباد ہوجائے گا جیسا کہ دریں زمانہ مشاہدہ ہے، پہلے چونکہ کام اصولِ طریق کے مطابق ہوتا تھا اس لئے طالبین ومریدین کو کامرانی نصیب ہوتی تھی مگر اب عموماً ایسا نہیں ہے اس لئے محرومی ہمارے لازمِ حال ہے جیسا کہ مشہور مقولہ ہے ''انما حرموا الوصول لتضییعھم الاصول'' یعنی وصول سے محروم ہوگئے اصول ضائع کرنے کی وجہ سے۔

اجازت وخلافت

آپ چونکہ طالبِ صادق تھے، رسماً تو بیعت ہوئے نہ تھے اس لئے بیعت کے بعد ذکرالٰہی، اصلاحِ اخلاق اور مجاہدہ وریاضت میں ہمہ تن مشغول ہوگئے، شب خیزی کے بھی پابند ہوگئے اور حضرت شیخ کو آپ پر کامل اعتماد ہوگیا تو خود حضرت مولانا گنگوہیؒ نے مکہ مکرمہ اپنے شیخ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی خدمت میں اپنے مرید حضرت مولانا خلیل احمد صاحب کو اجازت وخلافت دینے کی گویا سفارش فرمائی، چنانچہ آپ جب رخصت ہونے لگے تو حضرت حاجی صاحبؒ نے سینہ سے لگایا اور اپنی دستار مبارک سر سے اتار کر آپ کے سر پر رکھ دی، امام ربانی کے نام مبارکباد کا خط اور حضرت کے نام مزیّن بہ مہر آپ کے حوالہ فرما کر رخصت کیا، پس جب آپ گنگوہ حاضر ہوئے تو حضرت حاجی صاحبؒ کا والا نامہ پیش کرکے یہ دونوں عطیّے بھی امام ربانی کے

سامنے رکھ دیئے حضرت نے فرمایا مبارک ہو یہ تو حضرت کا عطیہ ہے، آپ نے عرض کیا کہ بندہ تو اس لائق نہیں یہ حضور کی بندہ نوازی ہے میرے لئے تو وہی مبارک ہے جو آنحضرت کی طرف سے عطا ہو، نیز یہ بھی عرض کیا کہ اجازت نامہ درحقیقت شہادت ہے کسی مسلمان کے ایمان کی، لہٰذا دو مقبول شہادتیں ثبت ہوں گی تو ہر شخص کے نفسی نفسی پکارنے کے وقت بارگاہِ خداتعالیٰ میں پیش کرسکوں گا، حضرت امام ربانیؒ آپ کے اس حسنِ ادب سے کہ اصل کمال یہی ہے بہت خوش ہوئے اور خلافت نامہ پر دستخط فرما کر مع دستار کے حوالہ فرمایا۔

حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ علم وعمل، تقویٰ وطہارت، تزکیہ واحسان کے کس بلند مقام پر فائز تھے اور اپنے شیخ کی نظر میں آپ کا کیا مقام تھا اس کا اندازہ کرنے کے لئے حضرت گنگوہیؒ کے اس ارشاد کو غور سے پڑھنا چاہیئے!

اللہ تعالیٰ شانہ نے میرے قرۃ العین سعید ازلی خلیل احمد کو نسبتِ صحابہ سے نوازا ہے اور یہ کہ تمہاری نسبت کو میری نسبت سے زیادہ قرب ومناسبت ہے۔

(علمائے مظاہر علوم سہارنپور رص ۱۶۹)

نزہۃ الخواطر میں آپ کو ''احد العلماء الصالحین وکبار الفقہاء والمحد ثین'' کے وقیع الفاظ سے یاد کیا گیا ہے، نیز یہ بھی لکھا ہے کہ آپ نے حضرت گنگوہیؒ سے ایک خاص استفادہ کیا جس کی تعبیر اختصاص عظیم اور انتفاع کبیر سے کی جانی مناسب ہے، یہاں تک کہ حضرت گنگوہیؒ کے اخص ترین اصحاب میں اور اکبر ترین خلفاء میں اور حضرت کے علوم وبرکات کے مخصوص حاملین میں اور آپ کے طریقۂ فکر اور دعوت کے خاص ناشرین میں سے ہیں، یعنی فکر رشیدی کے بہت بڑے شارح وترجمان اور اپنے شیخ کے علوم کے ایک

عظیم ترین مبلغ اور داعی تھے، اسی کے ساتھ ساتھ عبادت وتلاوت، مجاہدہ ومراقبہ، خلوت مع اللہ، انقطاع عن الخلق، اتصال بالحق تعالیٰ آپ کے خصائل واوصاف تھے، اخیر میں چونکہ آپ کا قیام مدینہ طیبہ میں ہوگیا تھا، تمام نمازیں مشقت کے باوجود مسجد نبوی شریف علیٰ صاحبہ الصلاۃ والتسلیم میں ادا کرنے کا زبردست اہتمام اور اذکار واوراد اور ذکر واشغال کے ساتھ بے پناہ شغف تھا، یہاں تک کہ جملہ ماسوااللہ سے بالکل فارغ اور شغل یار میں مشغول ہوکر ایک خلیل اللہؑ کی صفات سے متصف ہوکر وقت گذار کر اللہ کو پیارے ہوگئے، آپ کو فقہ وحدیث میں ملکۂ تامہ، مناظرے اور محاجہ میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ (نزہۃ الخواطر ص ۱۴۷ ج ۸)

مدرسہ مقصود نہیں رضاء الٰہی مقصود ہے

حضرت مولانا گنگوہیؒ کا ایک اصلاحی مکتوب

حضرت مولاناؒ اوائل صفر ۱۳۰۹ھ سے لے کر ۱۳۱۴ھ تک دارالعلوم دیوبند میں مدرس دوم کی حیثیت سے رہے، وہ زمانہ حاجی عابد حسین صاحب دیوبندیؒ کے اہتمام کا تھا جو اس مدرسہ کے بانیین میں سے تھے، چند سال کے بعد ممبران کمیٹی کے اضافے میں اختلاف پیدا ہوا اور اس نے فتنہ وشورش پیدا کردی جس کا اثر حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحبؒ جو مدرسہ کے مدرس اول تھے اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ پر جو مدرسہ کے مدرس دوم تھے بہت زیادہ پڑا، اس لئے دونوں حضرات نے اپنے شیخ ومربی حضرت مولانا گنگوہیؒ کو مدرسہ کے حالات مِن وعَن تحریر کئے اس کا جو جواب عنایت فرمایا وہ ایک تاریخی حیثیت رکھتا ہے، جس کا ابتدائی حصہ یہ ہے۔

از بندہ رشید احمد عفی عنہ

برادران مکرمانِ بندہ مولانا محمود حسن صاحب ومولوی خلیل احمد صاحب مدفیوضہما ، بعد سلام مسنون مطالعہ فرمائید، آپ دونوں کے چند خطوط پہونچے جس سے وہاں کا حال معلوم ہوتا رہا ، آج مولوی خلیل احمد صاحب کا خط آیا جس سے پریشانی مدرسین کی دریافت ہوئی لہذا یہ تحریر ضروری ہوئی ، میرے پیارے دوستو! تم کو کیوں اضطراب وپریشانی ہے تم تو ''ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ ''پر قانع رہو، مدرسہ سے فقط آپ کو اتنا تعلق ہے کہ درس دیئے جاؤ، اگر حق تعالیٰ مدرسہ بند کرادے گا تم اپنے گھر بیٹھ رہنا، اگر مفتوح رہا درس میں مشغول رہنا ، جو تم سے درس کرانا اہل شہر کو منظور نہ ہوگا تو دوسرا باب مفتوح ہو جائے گا ،تم کس واسطے پریشان ہوتے ہو؟، خبر بھی مت پوچھو کہ کیا ہورہا ہے اپنا کام کئے جاؤ، تمہارے برابر تو کسی کے دست وپا نہیں چلتے تم کیوں بے دست وپا اپنے آپ کو لکھتے ہو، جس کام میں تم ہو اس میں تکرار نہیں ، اب فقط نزاع یہی ہے کہ اہل شوریٰ کی زیادتی ہو، تمہارا کیا حرج ہے؟ تم اپنا کام کرو، حاجی صاحب مصلحت کا کام کرتے ہیں وہ اپنی تدبیر میں رہیں خواہ کچھ ہو ، ہماری تمہاری مرضی کے موافق ہو یا مخالف ، اور اہل شوریٰ خود سب اختیار حاجی صاحب کو دے کر مطمئن ہو گئے تو تم پر کیا بار ہے، بس تم جیسے لوگوں سے تردد کا ہونا بے موقع ہے تم کسی امر میں لب کشا مت ہو، کوئی پوچھے تو جواب دو کہ درس کے باب میں ہم سے پوچھو جو ہمارا کام ہے، انتظام وغیرہ کو نہ ہم جانیں نہ ہم دخل دیں اور اندیشۂ بدمعاشاں کیوں کرو، اس شعر کو مدنظر رکھو

؎

قصدِ ظالم بسوئے کشتن ما　　　دلِ مظلومِ ما بسوئے خدا

یعنی ظالم کا قصد تو ہمیں مار ڈالنے کا ہے، اور ہمارے مظلوم دل کی توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہے۔

اودریں فکرتا بما چہ کند　　　　مادریں فکرتا خدا چہ کند

ظالم تو اس فکر میں ہے کہ ہمارے ساتھ کیا کرے، اور ہم اس فکر میں ہیں دیکھیں اللہ تعالیٰ کیا کارروائی فرماتا ہے۔

اے عزیزان! روز ازل مقدر ہو چکا ہے، ذرہ ذرہ جو واقع ہوگا مدرسہ کے امور میں بھی بس وہی ہوگا اور ہو کر رہے گا، خواہ کوئی دفع کرے یا واقع کرے، پھر تم کیوں سرکشتہ ہوتے ہو، ''ہر چہ از محبوب رسد شیریں بود'' یعنی محبوب کی طرف سے جو کچھ پیش آتا ہے وہ شیریں ہوتا ہے۔

فائدہ: سبحان اللہ! اس مکتوب گرامی میں کیسی نصیحتیں مذکور ہیں جن سے حضرت گنگوہیؒ کی فہم وفراست کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے، واقعی پیر دستگیر وہی ہے کہ پیروں کے پھسلنے کے موقع پر مریدین کو سنبھال لے، نہ کہ مزید الجھاوے اور قعر ضلالت میں گرادے، اس لئے ایسی نصائح کو تو پیر و مرید سبھی کو مستحضر رکھنا چاہیئے تاکہ اصلاح وتربیت کا سلسلہ بخوبی جاری رہے (اقوال سلف رص ۲۸۱ حصہ چہارم)۔

الغرض: حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ حضرت گنگوہیؒ کی توجہ کیمیا اثر کی برکت سے علم ومعرفت، فضل وکمال ،تقویٰ وطہارت، زہد وقناعت ،صبر وشکر، ذکر وفکر، اتباع شریعت وسنت، ردِ بدعات وخرافات، کے بلند ترین مقام پر پہونچے اور تصنیف وتالیف، اور رجال اللہ کو تیار کرنے میں آپ نے بڑی زبردست خدمت کی، ایک طرف پورے دس سال پانچ ماہ دس دن حضرت شیخ زکریاؒ کی پوری معاونت کے ساتھ ''بذل المجہود'' ابوداؤد

شریف کی بے نظیر شرح لکھی جو عرب وعجم میں مقبول ہوئی، جس پر کبار علماء نے تقاریظ لکھیں، اور ہر حدیث کے طالب اور مدرس کیلئے اس کا مطالعہ ضروری ہوا اور جب مولانا احمد رضا خاں بریلوی نے ''حسام الحرمین'' نامی کتاب میں اکابر دیوبند کی طرف غلط عقائد منسوب کر کے ان کی تکفیر کی اور علمائے حرمین سے اس پر دستخط کرائے تو بریلوی گروہ کے اس فتنہ تکفیر سے متاثر ہو کر علمائے مدینہ نے اپنے طور پر حضرت اقدسؒ سے اہل دیوبند کے عقائد ونظریات کے متعلق ستائیس سوالات دریافت کئے تھے، جن کے مدلل جوابات حضرت نے تحریر فرمائے، یہ تالیف ''المُهَنَّد علی المُفَنَّد'' کے نام سے موسوم ہے لیکن معروف نام ''تصدیقات لدفع التلبیسات'' ہے'' نیز جب مولوی عبدالسمیع رامپوری نے ''انوار ساطعہ دربیان مولود وفاتحہ'' نامی ایک کتاب تالیف کی جس میں مولود وفاتحہ سے متعلق مروجہ بدعات کو ثابت کرنے کے لئے پورا زور قلم خرچ کر ڈالا تو حضرت اقدس سہارنپوریؒ کی شیدائے سنت طبیعت ان بدعاتِ مزخرفہ اور عقائد باطلہ کی کہاں تاب لاسکتی تھی، آپ نے ان سب کی تردید فرمائی اور ان تمام بدعات کی قلعی کھول کر رکھدی جو سنت ومستحب کے غلاف میں لپیٹ کر پیش کی گئی تھیں، اس کتاب کا پورا نام ''البراہین القاطعہ علی ظلام الانوار الساطعہ'' ہے ۱۳۰۴ھ میں تالیف ہوئی (تاریخ مشائخ چشت رص ۳۲۱)۔

نیز آپ کو طالبین حق اور سالکین راہِ طریقت کے ارشاد میں بہت ملکہ تھا آپ کو اللہ پاک نے معرفت ویقین کا بلند ترین مقام عطا فرمایا تھا، صاحب نسبت قویہ، افاضات قدسیہ نیز جذبۂ الٰہیہ رکھنے والے بزرگ تھے، منازل سلوک معالم رشد وہدایت اور تصوف وطریقت کی باریکیوں میں آپ کو کامل دستگاہ حاصل تھی، اور دوسری طرف آپ کی صحبت وتربیت سے

اصحاب شریعت وطریقت کی ایک کامل ترین جماعت تیار ہوئی جنہوں نے تصحیح عقائد باطلہ اور تربیت نفوس اور دعوت واصلاح میں زبردست کام کیا، جن میں حضرت مولانا الیاس صاحب کاندھلویؒ صاحب الدعوۃ المنتشر ۃ فی العالم اور محدث جلیل حضرت شیخ محمد زکریا صاحبؒ (جن کے فیض و برکت، زبان وقلم، علم وفہم، درس وتدریس، مدرسہ اور خانقاہ سے ایک عالم کا عالم فیضیاب ہوا اور ہور ہا ہے) اور حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھیؒ وغیرہم سرفہرست ہیں۔ آپ کے خلفاء میں گنگوہ کے علماء میں حضرت مولانا عبداللہ صاحب گنگوہیؒ مصنف تیسیر المبتدی اور تیسیر المنطق اور حافظ فیض الحسن صاحب گنگوہیؒ بھی مشاہیر اہل علم وصلاح میں شمار ہوتے ہیں: خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

اس طرح حضرت گنگوہیؒ نے بدعات وخرافات کی اصلاح میں اپنے افراد کو تیار کیا اور ان کو ہر میدان میں اتارا، مناظروں کا موقعہ ہوا مناظرے کرائے، کتابیں تصنیف کرا کر ان بدعات وخرافات کا ازالہ کیا، کبھی اہلِ بدعت کی اصلاح کی بھر پور کوشش کی، کبھی شیعوں کے خلاف معرکہ آرا ہوئے اور کبھی انگریزوں کے خلاف جہاد کا میدان گرم کیا، عوام کو ذکر وفکر کے ذریعہ سے اور طلبہ کو قرآن وحدیث اور فقہ کی تعلیم کے ذریعہ سے فیضیاب کیا، الغرض جس طرح بھی ان کی وسعت اور قدرت میں تھا ہر نوع سے ایک عظیم تجدیدی کام انجام دیا، اور اس طرح حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کی باطنی بصیرت نے جو مشاہدہ کیا تھا بوجہ اکمل ان صفاتِ عالیہ کا ان کی ذات سے ظہور ہوا، شریعت وطریقت کی تجدید کی، مسلمانوں اور اسلام کے تحفظ کیلئے ''شاملی'' کا میدان گرم کیا، اس طرح اپنی تمام عمر اشاعت اسلام، حفاظت ایمان میں صرف کردی، اللہ پاک

ان حضرات کے درجات بلند سے بلند فرمائے، آمین۔

وفات حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ

مدینہ پاک میں انتقال فرمایا اور جنت البقیع میں اہل بیت کے مزارات کے متصل ۱۶؍ربیع الثانی ۱۳۴۶ھ مطابق ۱۹۲۷ء بروز چہارشنبہ مدفون ہوئے، آپ کے جنازہ میں اژدحام کبیر تھا اور انتقال کے بعد آپ کے تعلق سے بہت سے مبشرات لوگوں کو نظر آئے جن کی طرف صاحبِ نزہہ نے اشارہ کیا ہے۔

حضرت شیخ الہندؒ کا حضرت گنگوہیؒ سے استفادہ کرنا

حضرت شیخ الہندؒ حضرت الحاج مولانا محمود حسنؒ ہندوستان کے کبار علماء، صلحاء، اتقیاء اور عارفین میں سے ہیں، آپ ۱۲۶۸ھ مطابق ۱۸۵۱ء میں بریلی شہر میں پیدا ہوئے جہاں آپ کے والد مولانا ذوالفقار علی صاحب سرکاری محکمۂ تعلیم سے وابستہ تھے چنانچہ صاحب ''تذکرۃ الرشید'' لکھتے ہیں کہ آپ علوم دینیہ میں خصوصاً حدیث کے اندر شہرۂ آفاق اور بخاریٔ وقت ہیں، کمالات علمیہ وعملیہ سے مالا مال اور دولت شریعت وطریقت کے بادشاہ ہیں، اپنی حالت کا اخفا اور کتمان اس درجہ ہے کہ خواص کو پتہ لگنا دشوار ہے، حضرت مولانا قاسم العلوم رحمۃ اللہ علیہ کے خاص شاگرد ہیں[1]، اس وقت آپ کی بابرکت ذات سے کئی سو بلکہ کئی ہزار علماء محدثین بن چکے ہیں، اس وقت ہندوستان میں اگر آپکو استاذ الکل کا خطاب دیا جائے تو بجا ہے، کسرنفسی اور تواضع کا سبق آپ کے

---

[1] چنانچہ ہندوستان کے کبار علماء اور مشائخ آپ کے تلامذہ میں شمار ہوتے ہیں جن میں حکیم الامہ حضرت تھانویؒ، شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ، علامہ انور شاہ کشمیریؒ، حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ جیسے کبار علماء شامل ہیں۔

قدم قدم پر ہر حرکت وسکون سے حاصل ہوتا ہے، بایں وجہ بیعت لینے سے عموماً اپنے کو بچایا مگر جو ہر کو کتنا ہی گودڑ میں دبائیے اور مشک کو کیسے ہی کپڑوں میں چھپائیے کھلے اور مہکے بغیر نہیں رہتا، آخر طالبین نے دامن پکڑا اور الحمد للہ ظاہری و باطنی نعمتوں سے مالا مال ہورہے ہیں، مولانا ممدوح کو چونکہ مولانا محمد قاسم صاحبؒ سے بھی تعلق زیادہ تھا ،اسلئے آسمان ہدایت کے ہر دو نیّرین کے رنگ نسبت سے مستفیض ہیں، مولانا کی مدتوں عادت رہی کہ جمعہ کے دن علی الصباح دیوبند سے پا پیادہ گنگوہ پہونچتے اور جمعہ کی نماز حضرت امام ربانی کے پیچھے ادا فرما کر رات کو دیوبند آ لیتے تھے، کیونکہ صبح کو مدرسہ میں درس دینا رہتا تھا، ہر ہفتہ ایک دن میں چالیس کوس کی مسافت کا طے کرنا جس غلبہ شوق ومحبت میں ہوتا تھا وہ اس سے ظاہر ہے کہ تکان نہ مانتے تھے، حضرت کی خدمت میں حاضر ہوتے تو چپ چپاتے جا پہونچتے اور عام خدام کی طرح بیٹھ جاتے تھے، ایک بار حضرت نے آپ کے متعلق یہ الفاظ ارشاد فرمائے کہ مولوی محمود حسن تو علم کا کھٹلا ہیں (تذکرۃ الرشید ۱۵۴/ج ۲)۔

نیز صاحب نزہۃ الخواطر ص ۴۹۴/ ج ۸/ میں آپ کے حالات میں لکھتے ہیں کہ آپ اللہ کی کھلی نشانی تھے، علو ہمت، اخذ بالعزیمت، جہاد فی سبیل اللہ، اللہ کی محبت ،اعدائے اسلام سے نفرت وعداوت آپ کی طبیعت میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی ان جملہ اوصاف کے ساتھ نہایت متقی و پرہیز گار اللہ کی طرف قلب وقالب سے متوجہ ہونے والے دین کی نصرت اور حق کی اعانت میں پیش پیش اللہ پر زبردست توکل اور اعتماد کی کیفیت رکھنے والے بزرگ تھے، آپ نے حضرت گنگوہیؒ سے علوم ظاہریہ کے ساتھ علوم باطنیہ روحانیہ میں کثیر استفادہ کیا یہاں تک کہ آپ کو حضرت گنگوہیؒ سے

اجازت وخلافت حاصل ہوئی، چنانچہ تذکرۃ الرشید میں آپ کے خلفاء اور مستفیدین میں دوسرے نمبر پر آپ ہی کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

نیز بعض بزرگوں کی تحریرات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو حضرت حاجی صاحبؒ سے بھی براہ راست اجازت وخلافت حاصل ہوئی، چنانچہ اقوال سلف میں صفحہ ۲۶۵ رپر جہاں آپ کے حج کا تذکرہ ہے جو ۱۲۹۴ھ میں ہوا تھا، جس میں اکابر اعلام امت حضرت مولانا قاسم صاحبؒ، حضرت مولانا رشید احمد صاحبؒ، حضرت شاہ رفیع الدین صاحبؒ، حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتویؒ تھے، آپ بھی ان کے ساتھ تھے اور مرشدوں کے مرشد حضرت حاجی امداداللہ صاحبؒ ان دنوں مکہ معظّمہ میں ہی مقیم تھے، چونکہ ہندوستان سے ہجرت فرما کر جا چکے تھے، یہ قافلہ ان کی زیارت کو پہنچا اور حج سے فراغت کے بعد پھر مدینہ پاک گئے، پھر مدینہ پاک سے مکہ معظّمہ واپس ہو کر ایک ماہ قیام ہوا، اس دوران حضرت نانوتویؒ کی خفیہ استدعاء پر حضرت حاجی صاحبؒ نے نہ صرف حضرت شیخ الہندؒ کو شرف بیعت عطا فرمایا بلکہ اجازت وخلافت سے بھی سرفراز کیا اور بعد میں اجازت نامہ ہندوستان روانہ فرمایا، اس سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ یہ قصہ حضرت گنگوہیؒ سے بیعت کے تعلق کے بعد کی بات ہے، اور ان کے اس تعلق کا علم حضرت نانوتویؒ کو بھی تھا، اور حضرت نانوتویؒ کو حضرت حاجی صاحب سے تعلق تھا اس تعلق کا تقاضہ یہی تھا کہ وہ ان کو بڑے حضرت کے فیوض وبرکات سے بھی مالا مال کرائیں اور فیضیاب کریں اس لئے انہوں نے حضرت حاجی صاحبؒ کی خدمت میں پیش کیا اور توجہ کرائی اور حضرت حاجی صاحب نے ان کے اوصاف وکمالات دیکھ کر اور

حضرت گنگوہیؒ کی تربیت اوراپنائیت پر اعتماد کرتے ہوئے اپنے سے بھی منسلک کیا اور اجازت وخلافت سے بھی نوازا، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

نیز نزہۃ الخواطر ص۴۹۴؍ج۸؍میں بھی اسی طرح ہے ثم اخذ الطريقة عن الشيخ رشيد احمد الگنگوهی ، وكان يترد د اليه غير مرة فی السنة ، وحصلت له الاجازة منه ، حتی كبره موت الكبراء ، لقيته بديوبند غير مرة ، ووجدته ملازماً للعبادة والورع ، وقيام الليل والسداد فی الرواية، سريع الادراک شديد الرغبة فی المذاكرة بالعلم ، ذاعناية تامة بالفقه واصوله ، بحفظ متون الاحاديث ، وانتهت اليه رئاسة الفتياوالتدريس فی آخر امره ۔

حضرت شیخ الہندؒ کی حضرت گنگوہیؒ سے غایت درجہ عقیدت

حضرت شیخ الہندؒ کو حضرت گنگوہی قدس سرہ سے بے پناہ محبت وعقیدت تھی صاحب تذکرۃ الرشید لکھتے ہیں کہ حضرت شیخ الہندؒ نے حضرت قدس سرہ کی شان مبارک میں فرمایا باوجودیکہ حضرت قدس سرہ خاندان حضرات چشت رحمہم اللہ تعالیٰ میں منسلک تھے مگر اتباع سنت میں ایسے ثابت قدم اور درجہ مقبولیت پر پہنچے ہوئے تھے کہ صوفیاء زمانہ کو یہ دکھلا دیا کہ اصل طریقہ چشتیہ یہ ہے اور نسبت نبویہؐ جو بواسطہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم مشائخ تک پہنچی ہے یہی ہے اور اس اصل میں سب طرق برابر ہیں اور منتہی سب کا یہی ہے، طریق ارشاد نیا اور نہایت عجیب وپراثر تھا بہت سی رسوم مروجہ کو مٹایا اور بہت سی سننِ مخفیہ کو ظاہر فرمایا، شریعت اور طریقت کی تجدید فرمائی اس آخری زمانہ میں مدار ہدایت وارشاد آپ کی ذات بابرکات تھی، احقر کو ایک بار بوقت حاضری سرہند یہ امر قلب پر وارد

ہوا کہ حضرت قدس سرہ قطب ارشاد ہیں اور اس وقت سلوک طریقہ مرضیہ ومقبولہ رسول اللہ ﷺ آپ کا طریقہ ہے، اور یہ کہ آپ مجدد ہیں، احقر نے اس اپنے خیال کو حضرت مولانا الحاج الحافظ خلیل احمد صاحب قدس سرہ خلیفۂ خاص حضرت مولانا قدس سرہ کی خدمت میں بھی عرض کیا تو حضرت مولانا موصوف نے اس کی تصدیق فرمائی، بہر حال یہ خیال احقر کا جس درجہ کا بھی ہو حضرت قدس سرہ کی تحقیقات جدیدہ متعلق احکام شریعت وطریقت ونکات قرآن وحدیث وبیان دقائق علمیہ اور آپ کا طریق ارشاد حجۃ واضحہ امور مذکورہ کی ہے، صحت کی اور کسی کے جواب وخیال کی حاجت اس کی تصدیق کیلئے نہیں کہ ''مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید'' **ذٰلک فضل اللّٰہ یوتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم** (تذکرۃ الرشید ر ص ۲۶ ر ج ۲)۔

حضرت شیخ الہندؒ کے حالات پر روشنی ڈالتی ہوئی حکیم الاسلامؒ کی ایک تحریر

موقع کی مناسبت سے حضرت شیخ الہندؒ کے مختصر حالات پیش کیئے جاتے ہیں، یوں تو حضرت پر بہت سے لوگوں نے کتابیں اور مضامین لکھے مگر ہم تبرک کے طور پر حضرتؒ کے سلسلہ میں حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کے دست مبارک کی لکھی ہوئی ایک تحریر پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

''صدارتِ تدریس'' دار العلوم کا اہم ترین اور ذمہ دارانہ عہدہ شمار کیا گیا ہے جس پر وہ ہستی فائز تھی جو حضرت شیخنا شیخ الہند مولانا محمود حسن قدس سرہ کے نام نامی واسم گرامی سے معروف ہے ؎

زباں پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا　　　کہ میرے نطق نے بوسے میری زباں کے لئے

آفتاب کو ممکن ہے کہ کچھ لوگ نہ پہچانتے ہوں لیکن علمی دائرہ کا کون فرد ہوگا جو اس یگانہ روزگار ہستی اور اس کے فیوض و برکات سے واقف نہ ہو؟، علمی میدان میں عارف باللہ، عملی میدان میں مجاہد اعظم، اخلاقی میدان میں فانی فی اللہ، سیاسی میدان میں زعیم مخلص، عقلی میدان میں فرزانہ فرید، شعروادب کے میدان میں ادیب بے مثال، شخصیت کے میدان میں شیخ کامل، دارالعلوم کو اگر آسمان فرض کیا جائے تو اس آسمان کا سورج اپنے وقت میں شیخ الہند کی ذات بابرکات تھی، ان کی مدح کرنا اپنی مدّاحی ہے ''مادح خورشید مداح خود است'' ان کی سوانح حیات الگ شائع شدہ ہے جس سے شیخ الہندؒ کے انفاس طیبہ عیاں ہیں ''اسیر مالٹا'' نامی کتاب الگ چھپ چکی ہے جس سے شیخ الہندؒ کے صبر و جہاد اور بغض للہ وحب فی اللہ کی داستان حیات نمایاں ہے، تلامذہ کی تعداد ہزاروں کی الگ ہے جو ان کے علم وفضل کا اشتہار ہے، متوسلین ہزاروں کی تعداد میں الگ ہیں جو ان کی شان تربیت کا اعلان ہے، خود ان کی تصانیف الگ ہیں جو ان کے مدرک فکر کو نمایاں کررہی ہیں، ملک وسیاست کی کھلی بساط پر ان کے مجاہدانہ کارنامے اور قید و بند اور تحمل شدائد و مصائب کی داستانیں الگ ہیں جو انکے جوش عمل کا کھلا تعارف ہیں اس لئے وہ کونسا دائرہ علم وعمل رہ جاتا ہے جسے اچھوتا سمجھ کر سپرد قلم کیا جائے، بجز اس کے کہ انکا نام نامی لے دیا جانا ہی سارے کمالات کا تذکرہ ہوجاتا ہے، سورج کا نام لے دینا ہی روشنی وگرمی کا تذکرہ ہے، نام لے کر اس کی روشنی وگرمی کا تعارف کرانا اس پر اور اس کے کاموں پر گویا خفا و تستّر کا عیب لگانا ہے جس سے وہ بری ہے، آفتاب کے کاموں کی دلیل محض اس کا نام لے دیا جانا ہے۔

آفتاب آمد دلیل آفتاب

حضرت ممدوح کی ہمتِ ظاہری و باطنی سے علم و اخلاق کے کتنے پیکر تیار ہوئے اور عالم اسلامی میں ان کے آثارِ صالحہ کس حد تک پھیلے، نیز آپ کی ذات سے دارالعلوم اور جماعت دارالعلوم کے علمی و عملی و اخلاقی مسلک کا کس حد تک شیوع و فروغ ہوا نہ اس کیلئے یہ سطریں کفایت کرسکتی ہیں اور نہ یہ اس تحریر کا موضوع ہی ہے مقصد صرف تذکار و یادگار اور اس حیلہ سے نام نامی اور اسم گرامی کا زبانِ قلم پر لے آنا ہے۔

آپ نے دارالعلوم میں ۱۲۹۰ھ میں تعلیم سے فراغت حاصل کی اور اپنے استاذ حضرت نانوتویؒ کی حیات ہی میں ۱۲۹۱ھ میں دارالعلوم کے مدرس چہارم مقرر ہوئے ۱۲۹۷ھ میں جب کہ حضرت نانوتویؒ کی وفات ہوئی فرطِ غم سے درس وتدریس کا سلسلہ ترک کردیا اور فرمایا کہ اب پڑھنے پڑھانے کا لطف نہیں، گھاس کھود کر زندگی بسر کرلیں گے اور یادِ استاد میں عمر گزار دیں گے، لیکن حضرت مولانا رفیع الدین صاحب اور دوسرے اکابر کے کہنے اور سمجھانے پر راضی ہوئے اور پھر سلسلہ تعلیم جاری فرمایا ۱۳۰۸ھ میں آپ عہدۂ صدارت تدریس پر لئے گئے اور آپ کو حضرت گنگوہیؒ نے اس مقدس عہدہ کے لئے چنا اور آپ کے فیوض سے علمی حلقے مستفید ہونے شروع ہوئے، آپ کی ظاہری و باطنی برکات سے دارالعلوم دیوبند کا احاطہ چالیس برس تک جگمگاتا رہا۔

حضرتؒ کے صبر و تحمل کا ایک عجیب قصہ

حضرت کا بدن خلقی طور پر نہایت چکنا اور صاف تھا، رواں بہت کم تھا، کمر ملنے والے کچھ طلبہ کمر مل رہے تھے وہ یہ سمجھے کہ بدن چکٹا ہوا ہے صابن تو تھا نہیں کہ اس مزعومہ

چکٹے پن کو وہ دور فرماتے تو ان ظالموں نے نہر کا ریت ہاتھوں میں لے کر کمر کو اس سے رگڑنا شروع کیا جیسے پرانے تانبے کا برتن مانجھتے ہیں اور زور سے گھسّے دینے شروع کئے جس سے حضرت کو سخت اذیت پہونچی کمر میں خون تک چھلک آیا مگر یہ ناسمجھ سمجھے نہیں کہ ہم راحت کے نام پر کتنی شدید اذیت پہونچا رہے ہیں مگر حضرت نے ''اف'' تک نہ کی کہ یہ طبیعت سے کمر مل رہے ہیں انہیں روکوں گا تو ان کا دل دکھے گا اور اس عرصہ میں ان نادان دوستوں نے کمر کو اچھا خاصہ زخمی کر دیا اور انہیں کوئی احساس نہ ہوا کہ ہم نے کیا کیا، بات اس طرح کھلی کہ نہا دھو کر جب حضرت مع ان طلبہ واپس ہوئے اور کمر میں سخت چرچراہٹ اور سوزش تھی تو راستہ میں کچھ بیل گزرے جس میں سے ایک بیل کی کوہان زخمی تھی اور اس میں سے خون بہہ رہا تھا تو یہی کمر مال طلبہ کہنے لگے کہ نہ معلوم یہ بیل بیچارہ کس طرح زخمی ہوا ہے؟ تو حضرت نے مسکرا کر فرمایا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی پنجابی نے اس کی کمر ملی ہے، تب یہ طلبہ اپنے کئے کو سمجھے اور نادم ہوئے، مگر حضرت نے الٹے انہیں تسلی اور شاباشی دینی شروع فرمادی، سبحان اللہ! کیا داشت اور کیا دلداری تھی کہ اذیتیں سہتے تھے مگر کسی نادان تک کے دل کو میلا کرنا گوارہ نہ فرماتے تھے، اور اگر کبھی کسی کے پوچھنے پر کسی کی خدمت سے پہونچی ہوئی تکلیف کو ظاہر بھی کرنے کی نوبت آتی تو اتنے لطیف اور خوشگوار پیرایہ میں کہ وہ خود ایک مستقل علمی لطیفہ بن جاتا تھا۔

چنانچہ ایک مرتبہ چند پنجابی طلبہ ہی نے حضرت کے پیر دبانے شروع کئے اور دبانے میں اپنی جوانی کا زور پورا ہی صرف کر ڈالا، حضرت طبعاً بدن کے نازک تھے، اندازہ کیجئے کہ کس درجہ اس زور آوری سے کلفت ہوئی ہوگی مگر اف تک نہ کی کہ ان محبین

کا دل براہوگا وہ اس عقیدت ومحبت سے پیر دبارہے ہیں اس لئے حضرت اس غیرمعمولی اذیت کو برداشت کرتے رہے مگر ان محبوں کو اس کا قطعاً احساس نہ ہوا، یہ سب کچھ کر کے خیر سے داد لینے کی بھی ان حضرات میں آرزو پیدا ہوئی اور عرض کیا کہ حضرت ٹانگوں کا درد تو جاتا رہا ہوگا، فرمایا ہاں پہلا تو جاتا رہا، اس سے وہ سمجھے کہ ہم نے پہلا درد تو رفع کیا یا نہیں کیا مگر نیا درد ضرور پیدا کردیا ہے، تب معذرت شروع کی مگر حضرت نے ہنس کر بڑی شفقت سے اور ان کی دلداری شروع فرمائی اور محبت و پیار کے کلمات ارشاد فرمائے۔

حضرت شیخ الہندؒ کی کسرِ نفسی اور دلداری

جن حضرات کی کسر نفسی اور دلداری کا اپنے چھوٹوں کے سامنے یہ عالم تھا اندازہ کرلیا جائے کہ اپنے بڑوں کے سامنے ان کے عجز ونیاز کا کیا درجہ ہوگا؟ حضرت نانوتویؒ کے والد ماجد شیخ اسد علی صاحب مرحوم جب مرض وفات میں مبتلا ہوئے تو علاج کے لئے دیو بند لائے گئے تھے، قیام حضرت شیخ الہندؒ کے مکان پر تھا دستوں کا مرض تھا بعض اوقات دستوں کی کثرت سے کپڑے بھی آلودہ ہوجاتے اور انہیں دھونا پڑتا تھا، حضرت نانوتویؒ کے خدام نے کپڑوں کا دھونا اپنے ذمہ لینا چاہا مگر حضرت اجازت نہیں دیتے تھے، اور فرماتے کہ یہ میرا حق ہے اسے تلف مت کرو چنانچہ خود کپڑے دھوتے تھے، اسی دوران ایک دفعہ دست چارپائی پر خطا ہوگیا، اس وقت نانوتویؒ یہاں موجود نہ تھے صرف حضرت شیخ الہند موجود تھے اور صورت ایسی ہوگئی کہ نجاست اٹھانے کے لئے کوئی ظرف بھی نہ تھا تو حضرت شیخ نے بے تکلف ساری نجاست اپنے ہاتھوں اور ہتھیلیوں میں

لے لی اور سمیٹنی شروع کر دی، تمام ہاتھ گندگی میں آلودہ ہی نہ تھے بلکہ ہاتھوں میں نجاست لبریزی کے ساتھ بھری ہوئی تھی، حضرت نانوتوی پہنچ گئے اور دیکھا کہ ان کے دونوں ہاتھ نجاست سے اور مواد سے بھرپور ہیں اور وہ اسے سمیٹ سمیٹ کر بار بار باہر جاتے ہیں اور پھینک پھینک آتے ہیں، اس پر حضرت نانوتویؒ بیحد متاثر ہوئے اور وہیں کھڑے کھڑے ہاتھ دعا کے لئے اٹھائے اور عرض کیا کہ خداوندا! محمود حسن کے ہاتھوں کی لاج رکھ لے، اور اس خاص وقت میں جو بھی اپنے اس محبوب تلمیذ کے لئے مانگ سکتے تھے ہاتھ اٹھائے ہوئے مانگتے رہے، اس قبولیت اور دل سے نکلی ہوئی دعاؤں نے کیا کچھ اثر نہ دکھلایا ہوگا، دکھلایا اور وہی مولوی محمود حسن تھے کہ ہند کے شیخ اور عالمگیر زعیم بنے جن کی فراست و جوانمردی اور جوش جہاد کے چرچے ہند و بیرون ہند میں تھے، امیر امان اللہ نے افغانستان کی پارلیمنٹ میں کہا تھا کہ محمود حسنؒ ایک نور ہے جس کی روشنی میں ہم بہت کچھ دیکھ سکتے ہیں، جمال پاشاہ گورنر حجاز نے حضرت کے مختصر سے جثہ کو دیکھ کر کہا تھا کہ ان مختصر سی ہڈیوں میں کس قدر دین اور سیاست بھری ہوئی ہے، برطانیہ کے ایک ذمہ دار (سر جیمس مسٹن گورنر یوپی) نے کہا تھا کہ اگر محمود حسن کو جلا کر راکھ بھی کر دیا جائے تو اس کی راکھ بھی انگریزوں سے کترا کر اڑے گی، یہ تو حکمرانوں اور سلاطین کے مقولے تھے جن سے حضرت اقدس کی سیاسی بصیرت جوش عمل اور بغض للّٰلہ ظاہر ہوتا ہے اور ادھر حضرت گنگوہیؒ نے جو حضرت شیخ الہند کے مربی تھے فرمایا کہ محمود حسن علم کا کٹھلا ہے۔

حضرت شیخ الہندؒ کا کمالِ احتیاط

اس جوش جہاد اور غیر معمولی بغض فی اللہ پر احتیاط و تدین کا یہ عالم تھا کہ تحریک

خلافت کے دوران جب ترک موالات کے بارے میں حضرت سے استفتا کیا گیا تو اپنے تین محبوب ترین شاگردوں (حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی صاحبؒ، حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ، حضرت علامہ مفتی محمد کفایت اللہ صاحب دہلویؒ) کو بلا کر فرمایا کہ بھائی یہ استفتاء آیا ہے میں چاہتا ہوں کہ اس کا جواب آپ لکھ دیں کیونکہ حکم خداوندی یہ ہے کہ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَنْ لَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى (سورۂ مائدہ) اور تمہیں کسی قوم کی عداوت اس پر آمادہ نہ کرے کہ تم عدل وانصاف کے خلاف کچھ کہو، عدل کرو کہ وہی تقویٰ سے قریب تر ہے اور مجھے انگریزوں سے جس درجہ عداوت وبغض ہے اس کے ہوتے ہوئے مجھے اپنے نفس پر اطمینان نہیں ہے کہیں میں ان کے بارے میں خلاف انصاف کوئی بات نہ لکھ جاؤں، جو حضرات دشمنوں کے بارے میں بھی یہ احتیاط وتدین اور رعایت حدود فرمائیں ان کا تقویٰ وتقدس دوستوں اور حق کے بارے میں کیا کچھ نہ ہوگا؟

بہر حال یہ تھے شیخ الہند اور یہ تھا ان کا ایمان وتقویٰ اور علم وفضل اور ورع واحتیاط، یہ چند باتیں سامنے کی گزری ہوئی ہیں اس لئے زبانِ قلم پر آگئیں اور وہ بھی بطور تذکرۂ عقیدت ومحبت ورنہ کہاں شیخ کی سوانح حیات اور رفیع حالات اور کہاں ہم جیسے ناکارہ؟ (عظیم مدنی نمبر ص ۷۰)۔

حضرت مولانا شیخ الہندؒ کے اخلاص کا عجیب واقعہ

حیات شیخ الہند میں حضرت مولانا سید اصغر حسین میاں صاحبؒ لکھتے ہیں:

مولانا اشرف علی صاحب کے اصرار سے ایک مرتبہ مدرسہ جامع العلوم کانپور

کے جلسۂ دستار بندی میں وعظ شروع فرمایا، حضرت مولانا ایک بڑا عالی مضمون بیان فرمارہے تھے جس میں معقول کا ایک خاص رنگ تھا، مولانا لطف اللہ صاحب علیگڈھیؒ اثنائے وعظ میں آکر شریک جلسہ ہوئے، حضرت کی ان پرنظر پڑی تو فوراً درمیان میں ہی وعظ قطع فرما کر بیٹھ گئے، اورآپ کے بے تکلف ہم سبق مولانا فخر الحسن صاحب گنگوہیؒ نے جب کہا کہ مولانا یہ کیا کیا یہی تو وقت تھا؟ تو فرمایا کہ ہاں یہی خیال مجھکو آیا تھا اسی لئے قطع کردیا کہ یہ تو اظہارِ علم کیلئے ہوگا نہ خالصاً لوجہ اللہ (حیات شیخ الہندؒ ص ۱۶۷)۔

حضرت شیخ الہندؒ کے لباس کا انداز

سنا ہے کہ جوانی میں حضرت مولانا لباس نفیس اورمکلّف پہنتے تھے، لیکن چند ہی روز کے بعد نہایت سادہ بالکل طالبعلمانہ ملانی وضع کا ہوتا تھا، نہ ایسا پھٹا پرانا کہ دیکھنے والے نفرت وکراہت کریں یامحتاج سمجھیں، نہ ایسا شاندار کہ امتیاز اورخصوصیت کا شائبہ ہو، مولانا محمد قاسمؒ کوکسی نے دیکھا ہوتو آپ کو دیکھ لے، اتفاقیہ کہیں قیمتی کپڑا میسر ہوگیا تو وہی پہن لیا، ادنیٰ سے ادنیٰ موجود ہوا تو اسمیں بھی عارنہیں، کبھی بیلدار چکن کا کرتہ زیب تن کئے ہوئے جارہے ہیں اورکبھی معمولی دھوتر اورگزری کا پیراہن پہنے ہوئے دارالعلوم دیوبند کی صدرمدرسی کی مسند پربیٹھے ہوئے حدیث پڑھارہے ہیں، نہ اس میں افتخار نہ اس میں عار مالٹا کے سفر سے پہلے بھی دیسی کپڑے کوزیادہ پسند فرماتے تھے اوراب آخری زمانہ میں تو اس طرف نہایت ہی توجہ ہوگئی تھی اور دوسروں کی ترغیب وتحریص کیلئے معمولی دیسی کپڑے اہتمام سے تیار کرائے تھے،آپ کا وصال ۱۸؍ربیع الاول ۱۳۳۹ھ مطابق ۳۰؍نومبر ۱۹۲۰ء میں ہوا اور ''مزار قاسمی'' میں مدفون ہوئے (حیات شیخ الہندؒ ص ۱۶۴)۔

آپ کے وصال کے بعد اکابر پر کیا گزری اس کا اندازہ مندرجہ ذیل اشعار سے لگایا جاسکتا ہے، جنکو حضرت مولانا سید اصغر میاں صاحب نے حیات شیخ الہندؒ میں ذکر کیا ہے۔

مدرسہ میں پڑ رہا ہے آج کیسا زلزلہ	قاسم الخیرات کا ثانی اٹھا جاتا ہے آج
باغباں رخصت ہوا گلزار سونا ہوگیا	رونقِ دارالحدیث و مدرسہ جاتا ہے آج
گونجتا تھا جس کی تقریروں سے سارا مدرسہ	وہ مقرر ساکت و صامت چلا جاتا ہے آج
مدتوں روئیگا جس کو آپ کا دارالعلوم	ہائے استاذِ علوم انبیا جاتا ہے آج
آئے ہیں لینے رشیدؔ وقاسمؔ امدادؔ ورفیعؔ	سوئے جنت سرپرستِ مدرسہ جاتا ہے آج
کون سکھلائے گا اب ہمکو علومِ انبیا	عالمِ علمِ حدیث مصطفیٰ جاتا ہے آج
ان کے جانے سے مٹی جاتی ہیں پہلی صورتیں	وہ رشیدی قاسمی نقشہ مٹا جاتا ہے آج
بیکسی دیکھی نہیں جاتی ترے خدام کی	بیقراری سے کلیجہ شق ہوا جاتا ہے آج
یاد کرتا تھا اسیر مالٹا کو مالٹا	لیجئے ہندوستاں خالی ہوا جاتا ہے آج
قیدِ ہستی سے رہا ہوکر بصد فرح و سرور	ثانیٔ قاسم اسیر مالٹا جاتا ہے آج
جس کے دم سے کل تلک گلزار تھا دین تمام	چھوڑ کر بستی سوئے صحرا چلا جاتا ہے آج
دفن ہوتا ہے زمیں میں آج وہ شمس العلوم	تیرہ وتاریک اک عالم ہوا جاتا ہے آج
اہلِ عالم آج کیوں چھوٹے بڑے ہیں اشکبار	مرشدِ کامل ولیٔ رہنما جاتا ہے آج

(حیات شیخ الہندؒ ص۱۵۳)

حضرت شیخ الہندؒ کی کثرت عبادت

حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ ارشاد فرماتے ہیں:

شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندیؒ (جن کے بارے میں حضرت تھانویؒ فرماتے تھے کہ لوگ ان کو شیخ الہند کہتے ہیں حالانکہ وہ شیخ العالم تھے) کے قدم ایک مرتبہ کثرت عبادت کی بناء پر ورم کر گئے تو اس پر خوش ہو کر فرمایا کہ آج ایک سنت "حتی تورمت قدماہ" (حضور اقدس ﷺ کے قدمہائے مبارک کثرت قیام کی بناء پر ورم کر جایا کرتے تھے) پر آج اتباع نصیب ہوا ہے۔

جمعہ کے روز حضرت شیخ الہندؒ کا معمول

ارشاد فرمایا کہ حضرت شیخ الہندؒ قیام دیوبند کے دوران جمعہ کے روز دیوبند سے باہر نہر پر تشریف لیجاتے، کپڑے دھوتے پھر غسل فرماتے، یہاں تک کہ کپڑے پھریرے اور پہننے کے قابل ہو جاتے تو پہنکر ایسے وقت چلتے کہ راستہ میں جمعہ کی اذان ہونے لگتی، اذان سنتے ہی ایک دوڑ لگاتے تاکہ آیت کریمہ "اذانودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الیٰ ذکر اللہ" (جب نماز جمعہ کے لئے اذان دی جائے تو اللہ کے ذکر کی طرف سعی کرو) پر عمل ہو سکے۔

زمانۂ عرس میں حاضری پر حضرت گنگوہیؒ کا حضرت شیخ الہندؒ کو ڈانٹنا

حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت شیخ الہندؒ کا معمول جمعرات کو چھٹا گھنٹہ پڑھانے کے بعد دیوبند سے گنگوہ حضرت گنگوہیؒ کی خدمت میں جانے کا تھا، ایک مرتبہ ان کے دوست نے جو زمانۂ طالب علمی سے دوست تھے اور بعد میں سرکاری ملازمت اختیار کر لی تھی پوچھا کہ او محمود! بتا تو دے گنگوہ میں کیا رکھا ہے

جوتو ہر جمعرات کو دوڑا دوڑا جاتا ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ ظالم تو نے پی ہی نہیں اب کے تو بھی چل وہ ساتھ جانے پر تیار ہو گیا، چنانچہ ساتھ لے گئے اتفاق سے ان دنوں میں شاہ عبدالقدوس گنگوہیؒ کے مزار پر عرس بھر رہا تھا، حضرت امام ربانی کا معمول عرس کے ایام میں ابتداء تو یہ تھا کہ ان دنوں میں گنگوہ چھوڑ دیتے تھے خانقاہ خالی کر دیا کرتے تھے اور جب معذور ہو گئے تھے تو سفر تو ترک فرما دیا تھا ہاں خانقاہ میں نہیں آتے تھے البتہ نماز کیلئے پانچوں وقت تشریف لاتے بلکہ نماز خود ہی پڑھایا کرتے تھے، اتنا لحاظ عرس والے بھی کرتے تھے کہ اذان کے وقت سے جماعت ختم ہو جانے اور سنتیں وغیرہ پڑھنے تک قوالی بند کر دیا کرتے تھے اور ان ایام میں حضرت کے یہاں مہمانوں کی آمد و رفت بالکل بند رہتی تھی، کسی سے مصافحہ تک نہیں کرتے تھے، غرض حضرت شیخ الہندؒ رات کے وقت گنگوہ پہونچے اور حضرت کے مکان پر حاضر ہوئے، حضرت نے دیکھتے ہی ڈانٹنا شروع کر دیا اور فرمایا کہ ابھی واپس جاؤ آپ کے (شیخ الہندؒ کے) ایک اور دوست تھے، شاہ مظہر حسین صاحب گنگوہیؒ مولانا فخر الحسن صاحب گنگوہیؒ محشی ابوداؤد کے بھائی، انہوں نے عرض کیا کہ حضرت یہ عرس میں شرکت کرنے کے لئے نہیں آئے آپ کے پاس آئے ہیں، حضرت نے ارشاد فرمایا کہ یہ میں بھی جانتا ہوں عرس میں شرکت کرنے کیلئے نہیں آئے، میں اتنا بھولا نہیں ہوں، میرے پاس آئے ہیں مگر آئے تو ہیں اس مجمع میں کو ہو کر ان کے ذریعہ اس مجمع کی رونق تو بڑھی ''من كثر سواد قوم فهو منهم'' (جس نے کسی قوم کے افراد میں اضافہ کیا وہ انہیں میں سے ہے) وارد ہوا ہے قیامت کو اپنی برأت کرتے رہیں اس کے بعد شاہ مظہر حسین صاحبؒ ان کو اپنے مکان پر لے گئے اور کہا روٹی تو کھالو اس پر حضرت شیخ الہندؒ نے آبدیدہ ہو کر فرمایا کہ حضرت تو فرمادیں ابھی چلا

جا، میں کس منہ سے کھاؤں، چنانچہ اسی وقت گنگوہ سے واپس ہو گئے پھر دوسرے وقت عرس ختم ہونے کے بعد حاضر ہوئے۔

صدر مدرس کون بنے؟

ارشاد فرمایا کہ حضرت شیخ الہندؒ کے سفر میں جانے سے پہلے دار العلوم دیو بند میں یہاں کے مزاج کے مطابق چہ میگوئیاں شروع ہوئیں کہ حضرت کے چلے جانے کے بعد صدر مدرس کون بنے؟ شدہ شدہ حضرت کو بھی اس کی اطلاع ہو گئی تو فرمایا کہ مولانا انور شاہ صاحب کشمیری کے ہوتے ہوئے یہ سوال کیوں ہوا کہ صدر مدرس کون بنے؟ اس فقرہ کو سن کر سب کی زبانیں بند ہو گئیں۔

علامہ انور شاہ کشمیریؒ حضرت شیخ الہندؒ کی مجلس میں

ارشاد فرمایا کہ حضرت شیخ الہندؒ کے یہاں فجر کے بعد مجلس لگتی اور چائے کا دور چلتا، مجلس میں سب لوگ تو اپنی اپنی باتوں میں مشغول رہتے لیکن حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ خاموش سر جھکائے بیٹھے رہتے اور کسی کی باتوں میں حصہ نہ لیتے، جب آہستہ آہستہ لوگ چائے پی کر چلے جاتے تب حضرت شیخ الہندؒ ان سے فرماتے کہ شاہ صاحب آپ کو کچھ کہنا ہے؟ تو سر اٹھاتے اور عرض کرتے کہ جی ہاں فلاں حدیث کے متعلق دریافت کرنا ہے، حضرت شیخ الہندؒ جواب مرحمت فرماتے اس کے بعد شاہ صاحب واپس آتے۔

علامہ انور شاہ صاحب کو حضرت شیخ الہندؒ کی مفارقت کا غم

ارشاد فرمایا کہ جس وقت حضرت شیخ الہندؒ سفر میں جانے لگے جس میں اسیر ہو کر مالٹا جانے کی نوبت آئی تو شاہ صاحب نے باوجودیکہ ترمذی شریف کا سبق پڑھانے کیلئے آکر بیٹھ گئے تھے، عبارت بھی پڑھ دی گئی تھی، مفارقت حضرت کے غم میں کچھ نہ فرمایا، بلکہ ذرا دیر

توقف فرما کر کتاب بند کردی اور حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت اس وقت چارپائی پر پیر لٹکائے بیٹھے تھے یہ نہایت خاموشی کے ساتھ جا کر بیٹھ گئے اور حضرت کی دونوں پنڈلیوں کو پکڑ کر سینے سے چمٹالیا، حضرت نے بھی تکلف سے کام نہ لیا یوں ہی رہنے دیا، پھر فرمایا کہ شاہ صاحب آپ کو میری موجودگی میں شبہات پیش آتے تھے میں نہ رہوں گا تو شبہات پیش نہ آئیں گے اور اگر آئیں گے بھی تو قدرت رہنمائی کرے گی، جاؤ خدا کے سپرد سبق پڑھاؤ (ماخوذ از ملفوظات فقیہ الامت رص ۱۰۶ رج ۱)۔

حضرت مفتی عزیز الرحمٰن[1] صاحبؒ کا حضرت گنگوہیؒ سے استفادہ کرنا

حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ ۱۲۷۶ھ مطابق ۱۸۵۹ء دیوبند میں پیدا ہوئے، آپ دارالعلوم دیوبند کے بڑے حضرات میں سے تھے حضرت گنگوہیؒ کے حکم

---

[1] آپ کبار فقہاء احناف میں شمار ہوتے ہیں ایک بڑی علماء ربانیین کی جماعت سے آپ نے استفادہ کیا اور مختلف مقامات پر پڑھایا، جب دارالعلوم میں حضرت شاہ صاحب کشمیریؒ اور علامہ شبیر احمد عثمانیؒ دیوبند چھوڑ کر ڈابھیل کی طرف روانہ ہوئے تو آپ بھی ان کے ساتھ تھے اور پھر وہاں درس و تدریس میں مشغول ہوگئے، آپ شاہ رفیع الدین دیوبندی نقشبندیؒ حضرت شاہ عبدالغنی مجددی نقشبندیؒ کے خلیفہ کے ہاتھ پر بیعت ہوئے اور مجاہدہ و محنت کے ساتھ صدق و اخلاص اور استقامت علی الشریعت کے حصول میں لگ گئے تو اپنے شیخ سے اجازت و خلافت حاصل ہوئی، اس کے بعد پھر آپ کا جب حرمین شریفین کا سفر ہوا ۱۳۰۵ھ میں اور وہاں دوران قیام حضرت سید الطائفۃ الاولیاء حضرت حاجی صاحبؒ سے بھی ملاقات ہوئی، ان کی خدمت میں بکثرت حاضر ہو کر استفادہ کرتے رہے اور آپ سے بھی اجازت و خلافت حاصل ہوئی، حضرت شاہ رفیع الدین صاحبؒ آپ کے شیخ اول دارالعلوم دیوبند کے مہتمم ثانی تھے، مدرسہ کے انتظام و انصرام کے ساتھ طلبہ کو روحانی فیض بھی پہنچاتے تھے اور نقشبندی انداز سے آپ کا حلقہ بھی لگتا تھا، مولانا اشرف علی تھانویؒ جس زمانہ میں دارالعلوم کے طالب علم تھے اس زمانہ میں آپ کے حلقہ میں شرکت کرتے تھے، صاحب نزہۃ الخواطر لکھتے ہیں کہ آپ کو فقہ و فتاویٰ میں ملکۂ تامہ حاصل تھا اور جزئیات و کلیات مستحضر تھے، اکثر اوقات بغیر مراجعت کتاب کے لکھدیا کرتے تھے، نہایت متواضع انسان تھے بیواؤں اور بوڑھی عورتوں کی ضروریات کا خیال رکھتے تھے گھروں میں جاتے تھے اور ان کا سامان بازار سے خود خرید کر ان کے گھر تک پہنچایا کرتے تھے، بارش کے زمانہ میں غرباء فقراء کے مکانوں کی چھتوں کو ٹھیک کرتے تھے مخلوق پر بہت شفیق تھے اور ہر وقت اللہ کی طرف متوجہ رہتے تھے آپ کا مستقل حلقہ ذکر و توجہ لگتا تھا اور آپ سے بہت سی کشف و کرامات ظاہر ہوئیں، آپ ماہ جمادی الثانی ۱۳۴۷ھ مطابق ۱۹۲۸ء میں اللہ کو پیارے ہوگئے، دیوبند مزار قاسمی میں مدفون ہوئے (نزہۃ الخواطر رص ۳۴۲ رج ۸)۔

سے آپ کو دارالعلوم کا باقاعدہ مفتی بنایا گیا اور آپ نے اس بارے میں بہت بڑی خدمت انجام دیں، جہاں انکو کوئی الجھن پیش آتی حضرت گنگوہیؒ سے رجوع کرتے، چنانچہ ایک دفعہ آپ کو سوتے وقت ایک آیت میں ایک علمی اشکال پیش آیا جب حل نہ ہوا تو اٹھے اور سیدھے گنگوہ کیلئے پیدل روانہ ہو گئے اور تہجد کے وقت گنگوہ پہنچ گئے، اتفاق سے اس وقت حضرت گنگوہیؒ تہجد کے لئے وضو فرما رہے تھے آپ نے سلام کیا فرمایا کون؟ عرض کیا عزیز الرحمٰن! فرمایا تم اس وقت کیسے؟ عرض کیا کہ ایک علمی اشکال لیکر حاضر ہوا ہوں اور وہ یہ ہے کہ قرآن تو نفع آخرت کو صرف اپنی ذاتی سعی میں منحصر بتارہا ہے یعنی کہہ رہا ہے وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَاسَعٰى (سورۂ نجم) جس سے غیر کی سعی کے نافع ہونے کی نفی نکل رہی ہے اور حدیث میں ہے کہ غیر کی سعی مفید اور مؤثر ہوتی ہے دوسروں کے اعمال سے بھی فائدہ پہنچتا ہے مثلاً ایصال ثواب کرنا، اس تعارض کا حل سمجھ میں نہیں آتا، حضرت گنگوہیؒ نے وضو کرتے ہوئے برجستہ فرمایا کہ آیت قرآن میں سعیٔ ایمانی مراد ہے جو آخرت میں غیر کے لئے کارآمد نہیں ہوسکتی کہ ایمان تو کسی کا ہو اور نجات کسی کی ہو جائے، اور حدیث میں سعی عملی مراد ہے جو ایک کی سعی دوسرے کے کام آسکتی ہے اس لئے کوئی تعارض نہیں، حضرت مفتی صاحب یہ واقعہ بیان کرکے فرماتے ہیں کہ اس جواب سے ایک دم سے میری آنکھ سی کھل گئی اور اس سے آئندہ کیلئے علم کا ایک بڑا دروازہ میرے لئے کھل گیا۔

فائدہ: اس سے حضرت مفتی صاحبؒ کی طلب علم اور اس کیلئے سعی بلیغ کا بخوبی اندازہ ہوا اور حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کا بلا توقف جواب دینا آپ کے کمال علم ومعرفت پر بین ثبوت ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے ہمارے اکابر کو خاص طور سے

سرفراز فرمایا تھا ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء (اقوال سلف رص ۳۰۰ رج ۴)۔

ناچیز مؤلف کہتا ہے کہ اس طرح کا سوال حضرت گنگوہیؒ سے ایک اور عالم نے بھی کیا تھا جس کا تذکرہ، تذکرۃ الرشید رص ۲۶ رج ۲ رمیں ملتا ہے۔

حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوریؒ کا حضرت گنگوہیؒ سے استفادہ کرنا

حضرت شاہ عبدالرحیم صاحبؒ[۱] ہندوستان کے باکمال بزرگوں میں سے ہیں جن کے فیض روحانیت سے بہت لوگ سیراب ہوئے، آپ کی ذات جامع کمالاتِ ظاہرہ والباطنہ تھی، آپ کو بھی حضرت گنگوہیؒ سے بیحد محبت وتعلق تھا، بار بار استفادہ کیلئے حضرت گنگوہیؒ کی خدمت میں حاضر ہوتے رہتے تھے حالانکہ طالب علمی کے زمانہ میں حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب سہارنپوریؒ سے بیعت ہو چکے تھے، اور سلسلۂ قادریہ میں اجازت وخلافت بھی پا چکے تھے اس کے باوجود حضرت گنگوہیؒ کی خدمت میں برابر آنا جانا رہا اور حضرت کے مربیانہ فیض سے برابر مستفیض ہوتے رہے، اور جب ان کے شیخ اول حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب سہارنپوریؒ کا انتقال ہو گیا تب سے تو حضرت گنگوہیؒ کے دربار سے مستقل طور پر وابستہ ہو گئے، بیعت ہوئے اور آپ کے خلیفہ ہوئے (تذکرۃ الرشید رص ۱۵۶ رج ۲)۔

---

[۱] حضرت مولانا الحاج شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوریؒ کا اصلی وطن تگری ضلع انبالہ ہے، آپ یہاں ۱۲۷۰ھ مطابق ۱۸۵۳ء میں پیدا ہوئے مگر بعد میں اپنے ننہالی قصبہ رائپور ضلع سہارنپور میں سکونت اختیار کر لی تھی، آپ کی ذات جامع کمالات ہے اور اولیائے کبار میں سے تھے، دارالعلوم دیوبند کے شوریٰ کے ممبر اور حضرت شیخ الہندؒ کے معتمد خاص تھے، شیخ الہندؒ کے حج پر جانے اور اسارتِ مالٹا کے زمانے میں ان کی چلائی ہوئی تحریک کی سرپرستی اور قیادت ان ہی کے ذمہ تھی، آپ کی وفات ۲۶ ربیع الثانی ۱۳۳۷ھ مطابق ۲۹ رجنوری ۱۹۱۹ء میں ہوئی اور رائے پور ہی میں مدفون ہوئے (اقوال سلف رص ۲۵۷)۔

نیز ملفوظات فقیہ الامت رص ۸۰ر میں اس کو اس طرح سے بیان کیا گیا ہے:

ہمارے سلسلہ کا نور گنگوہ میں ہے

ارشاد فرمایا کہ حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوریؒ کو خلافت حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب سہارنپوریؒ سے حاصل ہوگئی تھی اور اپنا ایک حلقہ بھی رکھتے تھے، شاہ عبدالرحیم صاحب سہارنپوریؒ کے انتقال کے بعد کلیر شریف تشریف لے گئے اور کئی روز تک مزار مبارک پر مراقب رہے، کچھ معلوم نہ ہوا وہاں کوئی جانتا نہ تھا بس کام سے کام، نماز و دیگر ضروریات کیلئے جاتے باقی مراقب رہتے کہ اب کہاں جاؤں، چنانچہ ایک مرتبہ باہر آرام فرمارہے تھے رات میں اچانک ایسا معلوم ہوا کہ بوندیں پڑرہی ہیں اٹھکر اندر چلے گئے مگر وہاں نیند نہ آئی، باہر آگئے، لیٹنے کے بعد پھر ایسا ہی محسوس ہوا کہ بوندیں آرہی ہیں آخر کار اسی طرح تین مرتبہ ہوا اس کے بعد وضو کر کے مزار پر حاضر ہوئے، آواز آئی عبدالرحیم! یہ سمجھے کہ کسی اور کو پکارا جارہا ہے پھر آواز آئی اور فرمایا عبدالرحیم! ہمارے سلسلہ کا نور اب گنگوہ میں ہے۔

ملفوظات فقیہ الامت رص ۷۴ر پر اس طرح ہے:

شاہ عبدالرحیم صاحبؒ حضرت گنگوہیؒ کی خدمت میں

شاہ عبدالرحیم صاحب رائے پوریؒ کو پہلے شیخ میاں عبدالرحیم سہارنپوریؒ سے اجازت وخلافت حاصل ہوگئی تھی، اس کے باوجود ان کے انتقال کے بعد کلیر شریف حضرت خواجہ علاء الدین مخدوم صابر رحمۃ اللہ کے مزار پر گئے، وہاں سے ان کو محسوس ہوا کہ ہمارے سلسلہ کا نور تو اب گنگوہ میں ہے، وہاں سے حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کے یہاں گنگوہ آئے اور بیعت کی درخواست کی، اس پر حضرت نے فرمایا آپ تو ماشاء اللہ خود پیر

ہیں اب کسی سے بیعت ہونے کی کیا ضرورت ہے؟ انکے دل پر اس کی بڑی چوٹ لگی اس لئے جائے قیام پر واپس آئے اور جن جن کو بیعت کیا تھا ان کو کہا کہ بھائی! تم کو اب تک اندھیرے میں رکھا اللہ کے واسطے میری خطا معاف کردو، کسی دوسرے مرد خدا سے بیعت کرلو، اس طرح ان کی بیعت کو فسخ کیا، تب حضرت گنگوہیؒ نے ان کو بیعت فرمایا۔

تنبیہ برائے تربیت

ایک مرتبہ حضرت گنگوہیؒ نے ان کو طلب فرمایا دریائے جمنا کے قریب ایک بستی میں رہا کرتے تھے، وہاں سے چلے دریا تک پہونچے تو کشتی نہیں تھی اور جمنا طغیانی پر تھی جو خادم خاص ساتھ تھا اس سے فرمایا کسی سے کہو گے تو نہیں؟ اس نے کہا کیا؟ فرمایا: جو ابھی ہوگا، عرض کیا نہیں! بس اپنا رومال پانی پر بچھایا اور اس پر بیٹھ گئے، خادم ڈرا، بھاگا، گھبرایا، ہاتھ پکڑ کر کھینچ کر بٹھالیا، رومال چلنا شروع ہوگیا دوسرے کنارے پر آکر رومال سے اتر کر رومال کو جھاڑ دیا اس کے بعد گنگوہ پہونچے، حضرت گنگوہیؒ کو اپنے یہاں بیٹھے ہوئے اس کا احساس ہوا تو چہرے کا رنگ غصہ کے مارے متغیر ہوگیا، جس وقت یہ خانقاہ کے دروازے کے قریب پہنچے تو غصہ سے فرمایا کہ کہدو جادوگروں کو یہاں آنے کی اجازت نہیں ہے، عبدِ ذلیل بن کر حاضر ہوں تو اجازت ہوسکتی ہے، اس پر انہوں نے معافی مانگی کہ آئندہ کبھی ایسا نہیں کریں گے تب حاضری کی اجازت دی، اس قسم کے تصرفات کثرت سے عوام کے عقائد خراب کرنے والے ہیں اس واسطے تنبیہ کی۔

(ملفوظات فقیہ الامت رص ۴۷)

نیز اقوال سلف رص ۲۵۶ رمیں آپ کے حالات میں یہ بھی لکھا ہے کہ آپ کے اندر توکل واستغناء کی شان بکمال درجہ تھی، تواضع وتذلل میں اپنی مثال نہیں رکھتے تھے،

مہمان نوازی کی حد نہیں تھی، موت کا بہت شوق تھا، بڑے ذوق سے فرمایا کرتے کہ اگر اللہ تعالیٰ وہ وقت نصیب فرمائے تو سنت کے مطابق تجہیز و تکفین کرنا، نکاح بیوہ گان کے سلسلہ میں بہت کوشش کرتے تھے، خود اپنا نکاح بیوہ سے کیا، صاحبزادہ عبدالرشید کا انتقال ہوگیا تو بہو کو سمجھایا کہ دوسرا نکاح ضرور کرنا چاہئے۔

شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کا حضرت گنگوہیؒ سے استفادہ کرنا

حضرت گنگوہیؒ سے روحانی استفادہ کرنے والوں میں ایک جامع الکمالات منبع الفیوض والبرکات ہستی حضرت مولانا حسین احمد مدنی قدس سرہ کی بھی ہے، آپ ۱۹ر شوال ۱۲۹۶ھ مطابق ۱۸۷۹ء قصبہ بانگر مؤ ضلع اناؤ یوپی میں پیدا ہوئے، پھر آپ کے والد صاحب موضع الہ داد پورہ قصبہ ضلع فیض آباد منتقل ہوگئے تھے، آپ کے فیض سے ایک عالم سیراب ہوا اور ہو رہا ہے، ہم چاہتے ہیں کہ اس داستانِ عشق و محبت کو اور اس تعلقِ سلوک و روحانیت کو خود ان کی زبانی سنیں اس لئے حضرت قدس سرہ کے دست مبارک کی لکھی ہوئی تحریر پیش کی جاتی ہے کیونکہ اپنے اوپر گزرے ہوئے حالات جتنا خود بیان کرسکتا ہے دوسرے اس کی وہ ترجمانی نہیں کرسکتے، چنانچہ حضرت لکھتے ہیں۔

استفادۂ طریقت و روحانیت

پہلے ذکر آچکا ہے کہ خاندان کے اسلاف اہل معرفت و طریقت تھے صرف اخیر میں دو تین پشتیں دنیادار زمینداروں کی ہوگئی تھیں، نیز یہ بھی ذکر آچکا ہے کہ شاہانِ دہلی سے خاندان کو چوبیس گاؤں دئے گئے تھے، شاہ مدنؒ کے بعد شاہ نور اشرف مرحوم نے سجادہ طریقت اور دوسرے بیٹے تراب علی مرحوم نے جائیداد کا انتظام سنبھالا، اس

طرح خاندان میں دو پٹیاں قائم ہو گئیں، مگر خاندان میں کوئی شخص باہر کسی دوسرے خاندان سے بیعت نہ ہوتا تھا، والد صاحب مرحوم سب سے پہلے باہر بیعت ہوئے، جس کی صورت یہ پیش آئی کہ ان کی شادی نانا اکبر علی مرحوم کی دختر سے ہوئی (نانا صاحب مرحوم ۱۸۵۷ء میں تمام جائیداد کے متصرف تھے اور ۱۸۵۸ء میں امن قائم ہونے پر ضلع بستی سے واپس آتے ہوئے دریائے گھاگرا میں کشتی الٹ جانے سے ڈوب گئے تھے) نانی صاحبہ مرحومہ نندرولی ضلع فیض آباد کی رہنے والی تھیں اور صاحب کشف ونسبت تھیں، انہوں نے اپنے ماموں سے میکہ ہی میں سلوک طے کیا تھا، ان کے ماموں بہت بڑے صاحب نسبت تھے، والد صاحب مرحوم کو انہوں نے ہدایت کی تھی کہ تمہارے گھرانے میں مرید کرنے کا طریقہ جاری ہے، مگر یہ غلط ہے جب تک کسی کامل سے بیعت ہو کر منازل سلوک طے نہ کرلئے جائیں مرید کرنا جائز نہیں، قیامت میں سخت وبال ہوگا اسلئے والد صاحب مرحوم کو شیخ طریقت کی تلاش تھی، خاندان کے دوسرے لوگوں نے بغیر سلوک، خاندانی نام پر یہ سلسلہ جاری کر رکھا تھا اور ان خاندانوں میں جو کہ اضلاع بستی گونڈہ، گورکھپور وغیرہ میں سلسلہ اسلاف میں داخل ہوتے جاتے تھے اور نذرانہ وغیرہ وصول کرتے تھے اور لوگوں کو مرید بھی کرتے تھے، والد صاحب مرحوم جب صفی پور میں مدرس اور ہیڈ ماسٹر ہوئے تو چونکہ گنج مرادآباد شریف قریب تھا اور ان اطراف میں حضرت مولانا شاہ فضل رحمٰن صاحب گنج مرادآبادیؒ کا شہرہ تھا، ان کی کرامت اور بزرگی بہت زیادہ زبان زد عوام وخواص تھی اس لئے حضرت مولانا موصوف کی خدمت میں آمد ورفت شروع کی اور وہ کمالات جو اہل اللہ میں ہونے چاہئیں دیکھ کر گرویدہ ہو گئے،

اور انہیں سے بیعت ہوگئے اور حسب تعلیم وارشاد فرائض سلوک انجام دینے لگے۔

جہاں تک معلوم ہے حضرت مولانا قدس اللہ سرہ العزیز نے طریقہ قادریہ کا سلوک حضرت والد صاحب مرحوم کو تلقین فرمایا تھا، اور پھر جب تبدیلی بانگرمئو کی ہوگئی تو بہت زیادہ حاضری کا موقعہ مل گیا کیونکہ بانگرمئو گنج مرادآباد سے بہت ہی زیادقریب ہے غالباً دو یا تین ہی میل کا فاصلہ ہے، پھر والدہ مرحومہ کو بھی مولاناؒ ہی سے بیعت کرایا۔

خاندان کے لوگوں نے والد مرحوم پر باہر بیعت کرنے پر اعتراضات بھی کئے مگر اس کا کوئی اثر نہ ہوا، والد صاحب کے ارشاد پر ہم تینوں بھائیوں مولانا محمد صدیق صاحب مرحوم اور مولانا سید احمد صاحب مرحوم اور راقم الحروف کو بھی دیوبند سے بعض اوقات میں واپسی پر گنج مرادآباد بارگاہ میں حاضری کا شرف حاصل ہوا۔

جب بڑے بھائی صاحب مرحوم (مولانا محمد صدیق صاحب) دیوبند سے فارغ التحصیل ہوئے تو انہوں نے حضرت مولانا گنگوہیؒ سے بیعت ہونے کی اجازت والد صاحب مرحوم سے طلب کی، والد صاحب کی منشا طبعی طور پر یہی تھی کہ وہ حضرت گنج مراد آبادی قدس اللہ سرہ العزیز ہی سے بیعت ہوں، دونوں میں عرصہ تک خط وکتابت رہی بالآخر والد صاحب مرحوم نے ان کو حضرت گنگوہی قدس اللہ سرہ العزیز سے بیعت ہونے کی اجازت دے دی اور وہ ان سے بیعت ہوگئے، اس عرصہ میں بھائی صاحب مرحوم بلند شہر اور سہوارہ وغیرہ بصیغۂ تدریس ملازم رہے اور حسب تعلیم ذکر وشغل بھی برابر کرتے رہے۔

۱۳۱۶ھ میں جب کہ والد صاحب مرحوم نے بعد وفات حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مرادآبادی قدس اللہ سرہ العزیز ارادۂ ہجرت کیا (چونکہ والد صاحب مرحوم کو حضرت مولانا قدس اللہ سرہ العزیز سے بہت گہرا تعلق تھا اور تقریباً ان میں فنا تھے، اس لئے مولاناؒ کے

وصال سے انکو اسقدر صدمہ ہوا کہ ہندوستان میں بسر کرنا نہایت ناگوار معلوم ہونے لگا، اسی وقت سے اس فکر میں ہو گئے کہ کوئی انتظام کر کے مع جملہ متعلقین مدینہ منورہ میں گزر بسر کی جائے) اور ماہ شعبان میں بھائی صاحب جائے ملازمت سے دیوبند پہنچے تو حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے بھائی صاحب مرحوم سے فرمایا کہ ان دونوں (بھائی سید احمد صاحب اور حسین احمد) کو حضرت گنگوہیؒ سے بیعت کرادو خدا جانے یہاں سے جانے کے بعد کس کے پلے پڑ جائیں، کہیں کسی بدعتی سے وابستہ نہ ہو جائیں، بھائی صاحب مرحوم نے ہم سے فرمایا، میں نے عرض کیا کہ میں تو حضرت شیخ الہندؒ سے بیعت ہوں گا۔

واقعہ یہ تھا کہ اگر چہ گنگوہ میں ایام طالب علمی میں بار ہا حاضری کی نوبت آ چکی تھی مگر حسن عقیدت اور محبت حضرت شیخ الہندؒ ہی سے تھی، بچپن سے ان کی خدمت میں رہنا ہوا تھا اور ابتدائی کتابوں سے لے کر آخری کتابوں تک کا اکثر حصہ انہیں سے پڑھتا رہا تھا، مضامین علمیہ اور اخلاق عالیہ اور اعمال صالحہ کے مشاہدات حاصل ہوئے تھے، حضرت شیخ الہندؒ ایسے الطاف و کرم فرماتے تھے جو کہ اولاد کے لئے ہوتے ہیں، اس لئے پوری وابستگی انہیں سے تھی، حضرت گنگوہیؒ کو بہت بڑا عالم ضرور جانتا تھا مگر قلبی تعلق ایسا نہ تھا اور نہ طریقت کا کامل سمجھتا تھا، بھائی صاحب مرحوم نے جواب دیا کہ حضرت شیخ الہندؒ بیعت نہیں کرتے، میں نے خود بہت کوشش اپنے لئے کی تھی جب راضی نہیں ہوئے اور حضرت گنگوہیؒ سے بیعت ہو جانے کا ہی ارشاد فرمایا تب میں وہاں بیعت ہوا، تم دونوں کیلئے بھی ان کا یہی ارشاد ہے، بالآخر وہاں ہم دونوں حاضر ہوئے، اس زمانہ میں حضرت الاستاذ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب دیوبندی وہیں خانقاہ میں رہتے تھے، اور مشاغلِ سلوک کے انہماک کے ساتھ حضرت قطب عالمؒ کی ڈاک کی خدمات بھی انجام

دیتے رہتے تھے، بھائی صاحب مرحوم نے ان کو خط لکھ دیا تھا کہ ان دونوں کو حضرتؒ سے بیعت کرادیجئے، جب ہم دونوں وہاں پہنچے تو حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب مرحوم مہتمم دارالعلوم دیوبند نے دونوں کو یہ کہہ کر پیش کر دیا کہ مولوی صدیق احمد صاحب نے اپنے دونوں چھوٹے بھائیوں مولوی سید احمد اور حسین احمد کو بیعت ہونے کے لئے بھیجا ہے وہ حاضر ہیں، حضرتؒ کی عادت تھی کہ بیعت فرمانے میں بہت زیادہ ردوقدح فرمایا کرتے تھے، بالخصوص لکھے پڑھے اور عربی تعلیم یافتہ لوگوں کے متعلق تو بہت زیادہ کنج وکاؤ اور گفت وشنید کی نوبتیں آتی تھیں، بعض حاضرین اور بے تکلف خدام مثل مولانا محمد یحییٰ صاحب مرحوم کاندھلوی کے دریافت کرنے پر یہ فرمایا کہ میں دیکھتا ہوں کہ کس شخص کو مجھ سے قلبی مناسبت ہے اور کتنی مناسبت ہے، اگر مناسبت نہیں ہوتی تو میں انکار کر دیتا ہوں ورنہ بیعت کر لیتا ہوں، بہر حال ہم دونوں پیش ہوئے تو کچھ پس وپیش نہیں فرمایا، مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ نے پیش فرمایا اور حضرتؒ نے بیعت فرمالیا، مگر کچھ تلقین نہیں فرمایا بلکہ یہ فرمایا کہ میں نے بیعت تو کر لیا اب تم مکہ معظمہ جا رہے ہو وہاں حضرت قطب عالم حاجی امداد اللہ صاحب قدس اللہ سرہ العزیز موجود ہیں ان سے عرض کرنا وہ ذکر تلقین فرمادیں گے، پس اسی روز ہم دیوبند واپس آگئے اور پھر وطن کو روانہ ہو گئے، دیوبند سے رخصت ہوتے وقت حضرت شیخ الہندؒ پیدل اسٹیشن تک ساتھ ساتھ تشریف لائے اور راستہ میں صدر چوکی کے پاس وصیت فرمائی کہ پڑھانا نہ چھوڑنا خواہ ایک ہی طالب علم پڑھنے والا ہو۔

برکاتِ بیعت

اگر چہ بیعت بادل ناخواستہ ہوئی تھی مگر اس کے آثار مبارکہ میں نے اپنے اندر

اسی دن محسوس کیئے اس سے پہلے کبھی کبھی نماز چھوٹ جاتی تھی مگر اس روز سے برابر مداومت ہوگئی کبھی قضا نہیں ہوئی، اور اگر کسی عذر قوی سے بلا اختیار فوت بھی ہوگئی جو کہ شاذ و نادر ہوئی تو قضا کر لی گئی (جو نمازیں بیعت سے پہلے کبھی کبھی فوت ہوئی تھیں ان کو بھی ایام اسارت احمد آباد میں تخمینہ کر کے ادا کرنے کی توفیق ہوئی، و للہ الحمد)۔

بیعت کے بعد میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک میدان ہے اور اس کے بیچ میں ایک قبر ہے جو کہ حضرت خواجہ علاؤ الدین صابرؒ اور حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کی ہے، خواب میں ایک ہی قبر کو دونوں بزرگوں کی قبر سمجھ رہا ہوں میں اس قبر کی طرف جا رہا ہوں اور بالکل قریب پہنچ گیا ہوں، میں نے اس خواب کو حضرت شیخ الہندؒ کے پاس لکھ کر بھیجا وطن پہنچتے ہی الہ آباد کو (جو کہ اس زمانہ میں یو پی کے حجاج کیلئے قرنطینہ کا مقام مقرر کیا گیا تھا) روانگی ہوگئی، وہاں تقریباً پندرہ بیس دن قیام کرنا پڑا، یہ جگہ شہر کے باہر پریاگ کے قریب خصوصی انتظام کے ساتھ حجاج کیلئے علیحدہ بنائی گئی تھی، وہیں جواب منگایا، حضرت اس وقت گنگوہ شریف میں بارادہ قیام رمضان شریف مقیم تھے، حضرت شیخ الہندؒ نے اس خواب کو حضرت قطب عالم گنگوہیؒ سے ذکر کیا تو تعبیر میں فرمایا لکھ دو کہ منزل مقصود کو پہنچے گا، یہ جوابی خط الہ آباد میں قرنطینہ کے کیمپ میں موصول ہوا، سفر حج کرتے ہوئے، جبکہ اواخر ماہ ذیقعدہ ۱۳۱۶ھ میں حاضری مکہ معظمہ نصیب ہوئی تو جائے قیام پر اسباب وغیرہ منظّم کرنے کے بعد حضرت قطب عالم حاجی امداد اللہ صاحب قدس اللہ سرہ العزیز کے یہاں صبح کو حاضر ہونے کی عزت نصیب ہوئی، موصوف اس وقت بہت ضعیف ہوگئے تھے، اکثر لیٹے رہتے تھے، صبح کو مثنوی شریف پڑھایا کرتے تھے اس وقت

پلنگ پر کچھ دیر بیٹھ جایا کرتے تھے، مولانا محبؒ الدین صاحبؒ اور مولانا شفیع الدین صاحبؒ اور چند حضرات حاضر درس ہوتے تھے، جب ہم سب مع والد محترم حاضر بارگاہ ہوئے تو حضرت قطب عالم نے بہت توجہ فرمائی، حضرت گنگوہیؒ کا سلام و پیام سنکر بہت خوش ہوئے اور دیر تک نہایت محبت سے تذکرہ فرماتے رہے اور فرمایا کہ تمنا ہے کہ ایک مرتبہ پھر زندگی میں ان سے ملاقات ہو جاتی۔

بالآخر ہم دونوں بھائی (سید احمد صاحب اور راقم الحروف) نے عرض کیا کہ حضرت گنگوہیؒ نے ہم کو بیعت تو کرلیا تھا مگر یہ فرمایا تھا کہ تلقین ذکر حضرت سے حاصل کرلینا تو آپ نے پاس انفاس کی تلقین فرمائی اور فرمایا کہ روز صبح کو آکر یہاں بیٹھا کرو اور اس ذکر کو کرتے رہو، چنانچہ جب تک مکہ معظّمہ میں رہنا ہوا حتی الامکان روز حاضر ہوتے رہے، چونکہ زمانۂ حج قریب تھا اس لئے جلد ہی وہ وقت آگیا کہ جس میں عرفات منیٰ وغیرہ کا سفر ہوا، حج سے فارغ ہونے کے بعد پھر خدمت میں چند دنوں حاضری کا شرف حاصل ہوا، جب قافلۂ حجاج اخیر عشرۂ ذی الحجہ ۱۳۱۶ھ میں مدینہ منورہ کو روانہ ہونے لگا تو خلافِ معمول بعد از ظہر ہم تینوں کو حاضری کا شرف حاصل ہوا، حضرت نے بہت شفقت فرمائی اور سر پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا کہ تم کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں، ہم نے سکوت کیا تو فرمایا کہ کہو ہم نے قبول کیا، ہم نے حسب تلقین عمل کیا، حضرتؒ نے دعا فرمائی ہم نے رخصتی مصافحہ کیا اور پھر مدینہ منورہ کو روانہ ہو گئے، مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد کچھ ایسی مشغولیتیں پیش آئیں کہ تعلیم کردہ ذکر پر مداومت نہ ہو سکی، چند مہینے کے بعد حضرت قطب عالم حاجی امداد اللہ صاحبؒ کا ماہِ جمادی الاول میں وصال ہو گیا۔

مکہ معظّمہ سے روانہ ہونے کے بعد چوتھے روز جب کہ قضیمہ سے رابغ کو قافلہ جارہا تھا رات میں اونٹ پر سوتے ہوئے خواب میں دیکھا کہ جناب سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے ہیں میں قدموں پر گر گیا، آپ نے میرا سر اٹھا کر فرمایا کیا مانگتا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ جو کتابیں پڑھ چکا ہوں وہ یاد ہو جائیں اور جو نہیں پڑھی ہیں ان کے سمجھنے کی قوت پیدا ہو جاوے تو فرمایا کہ تجھ کو دیا۔

مدینہ منورہ پہنچنے سے کچھ عرصہ بعد بعض ہندوستانیوں اور بعض عربوں کی خواہش ہوئی کہ سلسلۂ تعلیم جاری کیا جائے، نحو صرف وغیرہ کی کتابیں ایک ایک دو دو آدمیوں کو خالی اوقات میں حسبِ ارشاد حضرت شیخ الہندؒ حرم محترم نبویؐ میں پڑھانے لگا اور دن کے باقی اوقات میں دوکان کا کام کرتا تھا یا کتابت کا، کیونکہ روزگار کی کوئی صورت نہ تھی اس لئے یہ مشغلہ تھا کہ اجرت پر بعض کتابوں کو کتب خانہ سے نقل کرتا اور کبھی کبھی اس دوکان پر بیٹھتا (جو بڑے بھائی صاحب نے بازار میں کھولی تھی جس میں شکر، چائے، چاول، صابون وغیرہ بکتا تھا، اور نوبت بنوبت ہم تینوں اس پر بیٹھتے تھے) ان مشاغل نے اس قدر مشغول کیا کہ ذکر پر کوئی مداومت نہ ہو سکی، حضرت قطب عالم قدس اللہ سرہ العزیز کے وصال کے بعد شوق پیدا ہوا کہ تعلیم کردہ ذکر پر مداومت کی جائے، چنانچہ حرم محترم (مسجد نبویؐ) میں بیٹھ کر پاس انفاس کیا کرتا تھا، تھوڑے ہی عرصہ میں حضرت قطب عالم گنگوہیؒ سے محبت اور تعلق قلب میں بڑھنا شروع ہوا اور محسوس ہوتا تھا کہ جس طرح بعض درخت جلد جلد بڑھتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں اس طرح حضرت گنگوہیؒ کی محبت بڑھ رہی ہے، یہاں تک کہ حضرت شیخ الہندؒ کے تعلق پر ان کا تعلق بہت بڑھ گیا حالانکہ حضرت شیخ الہندؒ کا تعلق کم نہیں ہوا بلکہ اپنی حالت پر ہی قائم رہا۔

تھوڑے ہی عرصہ کے بعد سلسلۂ چشتیہ قدس اللہ اسرارہم کی نسبت کے آثار ظاہر ہونے لگے، اور گریہ کی حالت طاری ہونی شروع ہوگئی، اس اثناء میں رویاءِ صالحہ اور جناب رسول اللہ ﷺ کی زیارت باسعادت خواب میں بکثرت ہونے لگی نیز ذکر کی وجہ سے جسم میں بے اختیاری حرکات بھی ہونے لگیں، مسجد نبوی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام میں چونکہ لوگوں کا مجمع ہر وقت رہتا ہے اس لئے ایسا وقت مقرر کیا جس میں کم سے کم مجمع رہے، وہ وقت آفتاب نکلنے کے ایک گھنٹہ بعد کا تھا چنانچہ روزانہ ایسے وقت میں ناشتہ کرکے باوضو مسجد شریف میں داخل ہوکر تحیۃ المسجد ادا کرکے مواجہہ شریف (قبر مبارک کے سامنے کی وہ جگہ جوکہ چہرۂ مبارکہ کے سامنے ہے) میں حاضر ہوتا، آداب والفاظ شرعیہ زیارت کے بعد جس قدر ممکن ہوتا الفاظ صلوٰۃ وسلام بجالاکر پھر مسجد شریف میں جہاں خالی جگہ پاتا وہاں بیٹھ کر گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ (جس قدر جی لگتا تھا) ذکر میں مشغول رہتا تھا مگر جب آثارِ ذکر جسم پر زیادہ ظاہر ہونے لگے تو لوگوں کی شرم کی وجہ سے شہر کے باہر جنگل میں جانے لگا، مسجد شریف کی مشرقی جانب جدھر بقیع شریف ہے (مدینہ منورہ کا مقبرہ) آبادی نہیں ہے ادھر نکل جاتا تھا اور کبھی مسجد الاجابہ میں (یہ مسجد مشہور ہے اور اب بالکل جنگل میں واقع ہے یہاں پر بعض ادعیہ جناب رسول اللہ ﷺ کی مقبول ہوئی ہیں) اور کبھی اسی کے قریب کھجوروں کے جھنڈ میں بیٹھ کر ذکر کرتا رہتا تھا۔

اسی حالت پر ایک مدت گزری، جو حالتیں یا رویاءِ صالحہ وغیرہ پیش آتی تھیں ان کو قلمبند کرکے گنگوہ شریف بھیجا کرتا تھا، ایک روز مسجد نبویؐ میں بانتظارِ جماعت بوقت ظہر یا عصر بیٹھا ہوا تھا یکبارگی ایسا معلوم ہوا کہ میرا تمام جسم حضرت گنگوہیؒ کا جسم

ہو گیا ہے یہ حالت اس قدر قوی ہو گئی کہ میں اپنے جسم کو اپنا نہیں پاتا تھا اور تعجب سے ہاتھ کو دانتوں سے کاٹتا تھا کہ دیکھوں یہ میرا جسم ہے یا نہیں اگر نہ ہوگا تو تکلیف محسوس نہ ہوگی، یہ حالت تھوڑی دیر گھنٹہ دو گھنٹہ رہی پھر زائل ہو گئی، میں نے اس حالت کو بھی لکھا، حضرتؒ نے جواب میں فرمایا کہ یہ حالت فنافی الشیخ ہونے کی ہے، ۱۳۱۸ھ شوال میں والا نامہ گنگوہ شریف سے وارد ہوا کہ اگر چہ وہاں سب کچھ ہے مگر بہتر ہوتا کہ تو ایک مہینہ کیلئے گنگوہ آجاتا، چونکہ والد صاحب مرحوم اور بھائی صاحبان میری مشغولی ذکر اور بعض رویاء وغیرہ سے واقف تھے ادھر اس والا نامہ سے بھی واقف ہو گئے تھے، اس لئے جب کہ میں نے اس والا نامہ کے مضمون کی وجہ سے سفر کی اجازت طلب کی تو والد صاحب مرحوم نے بجز قلت خرچ اور کوئی عذر پیش نہیں فرمایا اور یہ واقعی تھا چونکہ اس مدت میں سرمایہ تقریباً قریب الختم ہو چکا تھا اس لئے مجبوراً سکوت کرنا اور سفر سے باز رہنا پڑا، مگر بڑے بھائی صاحب کو (مولانا محمد صدیق صاحب مرحوم) جو کہ تمام کاروبار تجارت اور ضروریات کے انجام دینے والے تھے اور ہندوستان سے روانگی پر جب کہ حضرت گنگوہیؒ سے انہوں نے اپنے ذکر و شغل میں ناکامی کی شکایت کی تھی، اور حضرتؒ نے جواب میں فرمایا تھا کہ اب تو چلے جاؤ پھر وہاں سب کو چھوڑ کر چلے آنا یہ مقولہ یاد آ گیا، اور ان کی آتش شوق بھڑک اٹھی اور انہوں نے خفیہ طریقہ پر انتظام شروع کر دیا، ماہ ذیقعدہ میں جب کہ ایک قافلہ مدینہ منورہ سے رابغ کو روانہ ہو رہا تھا اس کے ساتھ چھپ کر بارادہ ہندوستان روانہ ہو گئے اور اپنے ساتھ ساٹھ یا ستر روپے لے گئے، گھر میں جب دن بھر نہیں آئے تو تلاش ہوئی ان کے کمرے میں ایک تحریر لٹکی ہوئی پائی گئی جس

میں انہوں نے ارادہ کا تفصیلی ذکر لکھا ہوا تھا، اس پر مطلع ہونے کے بعد حضرت والد صاحب مرحوم نے مجھ کو فرمایا اب تو بھی جا تجھ کو وہاں سے طلب کیا گیا تھا مگر وہ روانہ ہو گئے ہیں خرچ کے نہ ہونے کی وجہ سے میں متوقف تھا، ان کو راستہ میں تنہائی کی وجہ سے تکلیف ہوگی، چنانچہ انہوں نے زادراہ کا انتظام کر دیا، بھائی صاحب مرحوم رابغ سے بادبانی جہاز پر جدہ پہنچے، راستہ میں تکلیف زیادہ ہوئی طبیعت میں استقلال اور جفاکشی کم تھی تنہائی بھی تھی جدہ میں کوئی جہاز ہندوستان جانے والا نہیں ملا دو چار روز جدہ میں رہ کر پریشان ہو گئے اور والد صاحب مرحوم کو مفصل خط لکھا کہ اب میں اپنے کیے پر پشیمان ہوں اور چونکہ حج کا زمانہ قریب آ گیا ہے حج کر کے واپس آ جاؤں گا، والد صاحب مرحوم عزائم کے بہت پختہ تھے ان کو ناگوار ہوا، اور مجھ کو کہا کہ تو جا کر ان کو واپسی کے ارادہ سے باز رکھ اور تم دونوں ہندوستان کو روانہ ہو جاؤ، مجھ کو بھی تقریباً ساٹھ روپئے خرچ کیلئے عطا فرمائے اور مال لانے والے قافلہ میں جبکہ وہ مال پہنچا کر واپس ینبع البحر کو جا رہا تھا تاجروں کے ذریعہ پشت شتر کرایہ کر کے روانہ کر دیا، اگرچہ قوافل ینبع سے پانچ یا چھ دن میں آتے ہیں مگر یہ خالی اونٹ تھے مختصر راستوں سے پہاڑوں میں ہوتے ہوئے رات دن چل کر دو یا تین دن میں ینبع پہنچ گئے، اتفاق سے خدیوی ڈاک کا جہاز جدہ جانے والا آیا ہوا تھا، فوراً اس پر سوار ہو گیا اور اگلے روز جدہ پہنچ گیا وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ بھائی صاحب مرحوم گھبرا کر مکہ معظّمہ روانہ ہو گئے، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک جہاز ممبئی سے آیا ہوا ہے اور وہ ممبئی واپس ہونے والا ہے، میں نے اس کو غنیمت کبریٰ سمجھ کر یہ چاہا کہ میں جلد سے جلد حضرتؒ کی خدمت اقدس میں بھائی صاحب مرحوم سے پہلے پہنچ جاؤں

اوران کواس جلد بازی اورچھپ کرآنے کی سزا دیدوں اس کا ٹکٹ چالیس روپے میں خریدلیا اورایک خط مکہ معظّمہ میں بھائی صاحب اورایک مدینہ منورہ میں والد صاحب مرحوم کوتفصیلی لکھ دیااوراپنی روانگی کی اطلاع دیکر جہاز پر سوار ہوگیا، مگرایک روز کے بعد ہی ممبئی سے تار آگیا کہ جہاز ممبئی نہ آئے بلکہ جدہ ہی میں ٹھہرارہے، حج کے بعدحجاج کولیکر واپس ہو، اس بنا پر ایک یا دودن جہاز میں رہنے کے بعد جدہ واپس آنا پڑا، یہ تاریخیں اواخر ذیقعدہ کی تھیں ٹکٹ کے روپے واپس لیکراب یہی ضروری معلوم ہوا کہ مکہ معظّمہ روانہ ہوکرنعمت حج اوررفاقت بھائی صاحب مرحوم کا شرف حاصل کیا جائے، چنانچہ والدصاحب مرحوم کواطلاع دیدی اورچونکہ خرچ کم تھااوراسباب بھی زائدنہ تھا، یکم ذی الحجہ شام کے وقت پیدل مکہ معظّمہ روانہ ہوگیا، قرب حج کی وجہ سے راستہ میں پیدل جانے والوں کی کثرت تھی اخیر شب میں بحرہ پہنچ کر کچھ آرام کیااور پھر دن بھر چل کر شام کومکہ معظّمہ پہنچا۔

بھائی صاحب مرحوم میرے خط اور جہاز کی خبر سے سخت پریشان اور پشیمان ہوگئے تھے، اس واقعہ سے بہت خوش ہوئے، بفضلہٖ تعالیٰ اداء مناسک حج سے فارغ ہوکر جب جدہ پہنچے تو سفرشروع کیاچونکہ مجھ کوبحری سفر میں چکرنہیں آتااس لئے اس تمام سفر میں کوئی خاص تکلیف نہیں ہوئی، اس بحری سفر میں میں نے ایک شب کوخواب میں دیکھا کہ حضرت قطب عالم حاجی امدا داللہ صاحبؒ کی خدمت میں مکہ معظّمہ میں حاضر ہوا ہوں، آپ نے فرمایا توجوکھجوریں مدینہ منورہ کی دے گیا ہے اس کوآ کرتقسیم کردے میں نے عرض کیا کہ حضرت میں تو آپ کے لئے لایا ہوں میرے یہاں توان کی دوکان ہے تو فرمایا کہ نہیں توان کوتقسیم کردے میں جانتا ہوں کہ ہندوستان میں کھجوریں

کن دقتوں سے حاصل ہوتی ہیں، اس خواب کو میں نے گنگوہ شریف پہنچ کر جب حضرت مرشد قدس اللہ سرہ العزیز سے ذکر کیا تو فرمایا کہ تجھ کو حضرت حاجی صاحب قدس اللہ سرہ العزیز کے یہاں سے اجازت ہوگئی میرے یہاں سے بھی ہوجائے گی، اس تعبیر پر میں شرمندہ ہوگیا کیونکہ میرے وہم وخیال میں بھی اس وقت اجازت حاصل کرنے کی طلب نہ تھی اور خیال ہوا کہ حضرتؒ سمجھیں گے کہ طلب خلافت اس کی غرض وغایت ہے۔

بہر حال سفر کرتے کرتے سہارنپور پہنچے چونکہ ہمارے پاس مدینہ منورہ کی کھجوریں اور دیگر تبرکات تھے اور کھجوروں پر چنگی لگنی ضروری تھی، پیسے پاس نہ تھے اس لئے مع اسباب اسٹیشن کی مسجد میں ٹھہر گیا اور بھائی صاحب حضرت مولانا خلیل احمد صاحب مرحوم کی خدمت میں اس لئے چلے گئے کہ وہاں سے کچھ پیسے لاکر چنگی والوں کو دے دئے جائیں گے مگر مولانا مرحوم نے ان کو روک لیا اور کسی خادم کو مع پیسوں کے بھیج دیا، پھر حضرت مولانا کی خدمت میں حاضری کی سعادت مجھ کو بھی نصیب ہوئی، بھائی صاحب مرحوم وہاں سے براہ راست گنگوہ شریف روانہ ہوگئے، مگر میں نے یہ مناسب سمجھا کہ پہلے دیوبند حاضر ہولوں اس کے بعد وہاں سے گنگوہ شریف کا قصد کرونگا، جو ہدایا وہاں کے حضرات کے ہیں وہ بھی پہنچا دئے جائیں گے اور ان کی زیارت کا بھی شرف حاصل ہوجائے گا اور پھر باطمینان گنگوہ شریف میں قیام ہوسکے گا، گنگوہ شریف کے لئے جو تبرکات عامہ تھے وہ بھائی صاحب اپنے ساتھ لے گئے مگر حجرہ شریفہ کا غبار مسجد شریف کی کھجوریں (اس زمانہ میں صحن مسجد نبویؐ میں بھی چند درخت کھجوروں کے تھے) اور بعض خصوصی دیگر تبرکات میرے ہی پاس تھے چونکہ حجرہ مطہرہ نبویہؐ کے خاص خدام جن کو آغاوات

کہتے ہیں مجھ سے پڑھا کرتے تھے اس لئے خصوصی تبرکات مجھ کو حاصل کرنے میں آسانی ہوتی تھی ، میں اول دیو بند گیا اور حضرت شیخ الہندؒ اور دیگر اساتذہ کرام سے شرف ملاقات حاصل کیا، میری ایک غرض اس میں یہ بھی تھی کہ میں حضرت مرشد قدس اللہ سرہ العزیز کی بارگاہ میں تنہا اور پیادہ پا حاضر ہوں بھائی صاحب پیادہ چلنے پر راضی نہ تھے۔

چونکہ ہم کو جدہ سے روانہ ہو کر تقریباً دو ماہ گزر چکے تھے اس لئے حضرت والد صاحب مرحوم بیتاب تھے کیونکہ اس مدت طویل میں ان کو کوئی خبر ہماری نہیں ملی تھی ، وہ اس خیال میں تھے کہ جہاز آٹھ دس دن میں ممبئی پہنچتا ہے تو پندرہویں سولہویں دن ممبئی یا کراچی پہنچنے کی خبر آجانی چاہئے ،اس لئے انہوں نے گنگوہ شریف حضرت قطب عالمؒ کی خدمت میں خط بھیجا کہ بقصد حاضری بارگاہ عالی میرے فلاں فلاں لڑکے روانہ ہو چکے ہیں مگر ابھی تک کوئی خبر ان کے پہنچنے کی معلوم نہیں ہوئی ، اس لئے فکر ہے، اس لئے وہاں بھی انتظار تھا، بھائی صاحب مرحوم کے پہنچنے سے پہلے حضرتؒ نے دو جوڑے نئے کپڑوں کے کرتہ پائجامہ تیار کرا رکھے تھے جب بھائی صاحب پہنچے تو فرمایا کہ میں نے تم دونوں کے لئے ایک ایک جوڑا کپڑوں کا تیار کرا رکھا ہے مگر جب دوں گا کہ حسین احمد آجائے، نیز پوچھا کہ حجرہ شریفہ کا غبار بھی لائے ہو یا نہیں؟ بھائی صاحب نے فرمایا کہ وہ حسین احمد کے ساتھ ہے، جو تبرکات کھجوریں زمزم وغیرہ بھائی صاحب لے گئے تھے ان کو پیش کیا اور مشرف بقبولیت ہوئے۔

دیو بند میں ایک دن قیام کرنے کے بعد ظہر کے بعد پیدل روانہ ہوا اور چونکہ گرمیوں کے دن تھے اس لئے راتوں رات چل کر صبح کو نو دس بجے گنگوہ شریف پہنچا، اپنی

نالائقی اور تن پروری اور راہ طریقت میں کسل مندی وغیرہ کی وجہ سے خجالت اور شرمندگی کا اثر بہت قوی تھا، اس لئے راستہ میں برابر گریہ طاری رہتا تھا اور شوق حضوری بارگاہ کشاں کشاں قدم بڑھا رہا تھا، بالآخر حاضر خدمت ہوا اور شرف ملاقات سے فیضیاب ہوا بہت زیادہ شفقت فرمائی اور وہ دونوں جوڑے عنایت فرمائے، چونکہ ان میں عمامے نہ تھے، اس لئے بھائی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت ہم اپنے اپنے عمامے لے آتے اور پیش کرتے ہیں آپ اپنی طرف سے ہم کو وہ عطا فرمادیں تاکہ جوڑا مکمل ہوجائے، تو ارشاد فرمایا کہ نہیں پھر دیکھا جائے گا، اس کے بعد ذات حق کا مراقبہ تعلیم فرمایا اور کہا کہ یہ چیز وہاں کسی طرح لکھی جاسکتی تھی۔

اس زمانہ میں حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلویؒ حاضر باش خدمت تھے، ان سے کہلوایا کہ دونوں سے پوچھو کیوں آئے ہیں؟ اگر مدرّسی یا ملازمت کے قصد سے آئے ہوں تو کوئی کوشش کی جائے، مجھ کو اس پر تعجب ہوا میں نے عرض کیا کہ میں کسی دنیوی مقصد یا نفسانی غرض سے نہیں آیا، میرا مقصد بجز طلب ذات حق سبحانہ اور کوئی نہیں ہے، ارشاد ہوا تھا کہ ایک مہینہ کے لئے تو یہاں آجا اس لئے حاضر ہوا ہوں، میں کوئی دوسرا مقصد نہیں رکھتا اس کو سن کر سکوت فرمایا۔

خانقاہ قدوسیہ میں ہر ایک کو ایک ایک حجرہ مل گیا اور وہاں رہنے لگے، کھانے کے لئے ارشاد فرمایا گیا کہ ہمارے یہاں سے دونوں کا کھانا آیا کرے گا، چنانچہ جب تک قیام رہا حضرتؒ کے یہاں سے ہی کھانا آتا رہا، غبار حجرہ مطہرہ پیش کیا گیا اس کو سرمہ میں ڈلوایا اور روزانہ اس سرمہ کو استعمال فرماتے رہے، مسجد نبوی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کی کھجوروں کے تین دانے پیش کئے گئے ان کو تقریباً ۲۷/حصوں میں کرکے تقسیم

فرمائے ، مدینہ منورہ کی کھجوریں جو تقسیم کی گئیں ان کے متعلق ہدایت فرمائی کہ ان کی گٹھلیاں پھینکی نہ جائیں ان کو ہاون دستہ میں کٹوا کر رکھ لیا اور روزانہ اس میں سے تھوڑا سا پھانک لیا کرتے تھے ، میں نے تعلیم فرمودہ مراقبہ پر عمل کرنا شروع کر دیا ، عصر کے بعد جب کہ صحن میں مجلس عمومی فرماتے تھے تو میں اس مراقبہ میں حجرہ قدوسیہ (جس میں حضرتؒ رہتے تھے) کے برآمدہ میں ستون کے پیچھے (تقریباً دو تین گز فاصلہ سے) مشغول ہو جاتا تھا ، مغرب کے وقت تک مشغول رہتا تھا ، حضرتؒ کے یہاں مثل مشائخ نقشبندیہ توجہ اور حلقہ کی کوئی مجلس نہیں ہوتی تھی البتہ مسترشدین اپنی اپنی جگہ اپنے مشغلہ قلبی میں مشغول ہو جاتے تھے ، عادت شریف یہ تھی کہ صبح کی نماز کے بعد حجرہ شریفہ میں داخل ہوتے اور دروازہ بند کر لیتے ، مشاغل روحانیہ میں مشغول رہ کر ڈیڑھ دو گھنٹہ دن چڑھنے کے بعد دروازہ کھلتا اور صحن میں گولر کے درخت کے نیچے بیٹھتے تھے ، مہمانوں سے باتیں ، خطوط کے جوابات ، فتاویٰ وغیرہ اسی وقت انجام پاتے تھے ، یہ عام مجلس تقریباً گیارہ بجے تک رہتی تھی ، مسترشدین کو اگر کوئی بات مجمع میں پوچھنی ہوتی تھی اسی وقت پوچھتے تھے ذاکرین اپنے کمروں میں مشغول رہتے تھے ، اس کے بعد حضرتؒ مکان تشریف لے جاتے تھے اور کھانے کے بعد تشریف لا کر قیلولہ فرماتے تھے ، ظہر کے بعد حجرہ شریفہ میں دروزاہ بند کر کے تلاوت قرآن شریف وغیرہ میں تھوڑی دیر مشغول رہتے تھے پھر دروزاہ کھلتا تھا ، اس زمانہ میں ''معجم کبیر طبرانی'' کا ایک قلمی نسخہ آیا ہوا تھا ، چونکہ آنکھوں سے معذور ہو گئے تھے اس لئے اسی وقت مجھ سے پڑھوا کر سنا کرتے تھے ۔

عصر کے بعد خدمت میں قریب بیٹھ کر مشغولیت مراقبہ سے مجھ کو نہایت قوی اور بہت زیادہ فائدہ ہوتا تھا ، چند دنوں کے بعد میں نے خواب میں دیکھا کہ کسی میدان

میں وہ گولر جو صحن حجرہ میں تھا اور اس کے سایہ میں حضرتؒ بیٹھا کرتے تھے کھڑا ہے اور اس میں گولر پکے ہوئے لگے ہیں، کچھ لوگ ڈھیلے پھینک رہے ہیں تا کہ پکا ہوا گولر حاصل کریں، میں نے بھی یہی کوشش کی مگر کوئی گولر ہاتھ نہیں آیا، یکا یک دیکھا کہ ایک پکا ہوا گولر مع اس ٹہنی کے جس میں وہ لٹک رہا تھا خود بخود ٹوٹا اور لٹکتا ہوا نیچے اترتا ہوا آہستہ آہستہ میرے پاس آ گیا اور میں نے ہاتھ میں لے لیا ہے، اس خواب کو میں نے حضرتؒ سے عرض کیا تو فرمایا کہ ثمرۂ مقصود ہاتھ آئے گا۔

ایک روز عشاء کے بعد دوسرے خدام کے ساتھ میں بھی حضرتؒ کا بدن دبا رہا تھا، میں پشت کی طرف تھا، دباتے دباتے آنکھ جھپک گئی تو دیکھا کہ ایک شخص کہتا ہے کہ چالیس دن گزرنے کے بعد مقصود حاصل ہوگا، اس تاریخ کے ٹھیک چالیس دن گزرنے پر عصر کے بعد حضرتؒ نے بھائی صاحب مرحوم سے فرمایا کہ اپنے اپنے عمامے لے آؤ بھائی صاحب لے آئے، حضرتؒ نے ہر ایک کے سر پر اس کا عمامہ باندھ دیا جس وقت حضرتؒ میرے سر پر عمامہ باندھ رہے تھے مجھ پر زوردار گریہ طاری تھا اور اپنی کم مائیگی اور خجالت کا شدید احساس تھا، اس کے بعد بھائی صاحب سے فرمایا کہ جانتے ہو یہ کیسی دستار ہے؟ بھائی صاحب نے عرض کیا کہ دستار فضیلت ہے فرمایا کہ ''نہیں دستار خلافت ہے'' میری طرف سے تم دونوں کو اجازت ہے۔

بھائی صاحب مرحوم کو بہت خوشی تھی مگر مجھ پر اس وقت سخت صدمہ تھا اور بار بار روتا تھا کیونکہ اپنی نا قابلیت، نامرادی اور بدحالی مشاہد تھی اور اس صدمہ کا اثر چہرہ اور گفتار و رفتار وغیرہ پر ظاہر تھا، مولانا صادق الیقین صاحب مرحوم نے (موصوف کرسی ضلع لکھنؤ کے باشندے اور حضرت گنگوہیؒ کے خاص خلفاء میں سے تھے) جبکہ اس صدمہ کا

مذاکرہ ہو رہا تھا اور میں نے اپنی بے بضاعتی اور بدحالی کا تذکرہ کیا تھا، فرمایا کہ مخبر صادق نے خبر دی ہے اس کا اعتبار ہونا ضروری ہے، اس کے دو تین دن بعد میں نے عرض کیا کہ سلسلہ نقشبندیہ کا سلوک بھی میں طے کرنا چاہتا ہوں تو فرمایا کہ جو تعلیم میں نے دی ہے وہ سب کی بالکل آخری تعلیم ہے یہاں پر تمام سلاسل مل جاتے ہیں اسی کی مشق کرو، اسی میں جد و جہد کر کے پیر مرید سے بڑھ جائے یا مرید پیر سے بڑھ جائے[1]۔

اس میں شک نہیں کہ اس مدت میں جو احوال اور کیفیات قلب پر وارد ہوتی تھیں یا جو رویائے صالحہ وغیرہ پیش آتی تھیں ان کا تذکرہ حضرتؒ سے کر دیا کرتا تھا، اثناء سلوک میں انوار مکاشفات الہامات وغیرہ بالکل پیش نہیں آئے، ایک مرتبہ برقی کیفیت کے انوار پیش آئے حضرتؒ سے ذکر کیا تو وہ کیفیت بھی جاتی رہی ہاں یہ بہت پیش آیا کہ اپنے سامنے بدریا تیز روشنی کی شمع یا دائیں جانب ایک ایک یا دو دو شمع بین النوم والیقظہ دیکھتا تھا، جس کی تعبیر ظاہر ہے، یہ حالت مدینہ منورہ میں بھی اور بعد میں احمد آباد جیل وغیرہ میں بھی کبھی کبھی رہتی تھی جس سے حضرت مرشد قدس اللہ سرہ العزیز اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی امداد معلوم ہوتی ہے۔

دو ماہ سے دو چار دن تقریباً زیادہ حاضر باشی کو ہو گئے تھے کہ یک بارگی بعد از اجازت یہ کیفیت پیش آئی کہ نماز میں اور باہر بھی یہ تمام فضا بین السمٰوات والارض مجھ کو تنگ معلوم ہونے لگی اور نماز میں اس قدر اس کا اثر ہوا کہ جی چاہتا تھا کہ نماز توڑ کر بھاگ جاؤں، حضرتؒ سے عرض کیا تو فرمایا کہ کلیر شریف وغیرہ ہو آؤ، حضرت قطب عالم حاجی امداد اللہ صاحبؒ کو بھی جب قبض پیش آتا تھا تو ایسے مقامات پر تشریف لے

---

[1] اس سے اندازہ کیجئے کہ حضرت گنگوہیؒ کا تصوف میں کیا مقام تھا کہ مولانا مدنیؒ کے عرض کرنے پر آپ نے کیا عجیب جواب دیا۔

جاتے تھے، چنانچہ ہم دونوں کلیر شریف اور دیو بند وغیرہ گئے اور چند دنوں میں واپس آ گئے، یہ حالت اس سفر میں جاتی رہی واپسی کے بعد تقریباً پندرہ دن قیام رہا، پھر فیض آباد اور بھوپال وغیرہ کا سفر پیش آ گیا وہاں سے واپسی پر موسم حج قریب آ گیا تھا، حضرتؒ نے دو حج بدل اپنے اعزہ کے عطا فرمائے جن سے مدینہ منورہ تک واپسی کی صورت ہوگئی اس زمانہ میں بھی ممبئ اور کراچی کے بندرگاہ بند تھے، پور بندرگاہ سے حجاج کرام کے جہاز کی روانگی مقرر ہوئی تھی، غالباً ابتدائے شوال میں جہاز روانہ ہوا، ذیقعدہ کے ابتدا میں جدہ پہنچا اور پھر بعد از حج ابتدائے ۱۳۲۰ھ میں مدینہ منورہ پہنچنے کا شرف حاصل ہوا۔

اس مدت میں طلبہ میں کافی شہرت ہو چکی تھی، ابتدائی کتابیں بھی صاف ہو چکی تھیں، عربی تقریر کی مشق بھی اچھی طرح ہوگئی تھی، اس لئے طلبہ کا ہجوم زیادہ ہوا، ضروری تھا کہ کچھ وقت مشاغل طریقت کے لئے روزانہ مقرر کیا جاتا اور اس میں تعلیم فرمودہ اشغال کو انجام دیا جاتا، مگر بدقسمتی سے جب بھی اس کے لئے بیٹھتا تو ہجوم خواطر وحوادث نفس وغلبۂ نوم سے پریشان ہو جاتا، ادھر طلبہ کے ہجوم نے اس پر مجبور کر دیا کہ جس قدر بھی ممکن ہو ان کو اوقات تعلیم کے لئے دئے جائیں، بالآخر اپنی بدقسمتی اور شومی احوال کی شکایت اور مشاغل تدریسیہ کی کیفیت حضرت قطب العالم قدس اللہ سرہ العزیز کی بارگاہ میں لکھی تو جواب آیا کہ ''پڑھاؤ اور خوب پڑھاؤ'' نفس کو یہ جواب خوب پسند آیا، مشاغل طریقت تو تقریباً چھوٹ گئے اور مشاغل تعلیمیہ اس قدر جملہ فنون میں بڑھ گئے کہ دن رات میں تقریباً تین گھنٹہ بہ مشکل سونا ہوتا تھا، باقی اوقات تدریس اور مطالعہ اور شخصی ضروریات میں صرف ہوتے تھے، اس سے علوم وفنون میں تو قوت بحمد اللہ ترقی کرتی رہی

مگر معرفت وطریقت میں پسماندگی ہی رہی۔

یہ کس قدر بدنصیبی تھی کہ حضرت قطب عالم مرشد گنگوہیؒ کی خدمت میں حاضری اور مشغولیت سے جو فیض روحانی میں محسوس کرتا تھا وہ نہایت ہی عظیم تھا اور اصلاح حال بہت زیادہ ہوتی تھی، کاش کچھ عرصہ تک اس کے حصول کی نوبت آتی تو خدا جانے کہاں تک ترقی ہو جاتی مگر:

تہی دستانِ قسمت را چہ سود از رہبر کامل ‏ ‏ ‏ ‏ کہ خضر از آب حیواں تشنہ می آرد سکندر را

بدقسمتی نے چاروں طرف سے گھیر لیا اور ایسے اسباب وعوارض پیش آ گئے جنہوں نے قیام نہ کرنے دیا، یہ وہ زمانہ ہے کہ گھر کے لوگوں پر مدینہ منورہ میں سخت عسرت کا حال گزر رہا تھا، والد صاحب مرحوم کے بھی تقاضے آتے تھے، جن کی بناء پر بھی حضرت گنگوہیؒ نے جلد واپسی کا ارشاد فرمایا، بہر حال شومیٔ قسمت اور طبعی رذالت، تن پروری، کسلمندی، عدم استقلال، راحت طلبی وغیرہ نے ایسے گل کھلائے کہ باوجود ہر قسم کے سامان ترقی کے محرومیت ہی کا منہ دیکھنا پڑا[1]:

سودہ گشت از سجدۂ راہ بتاں پیشانیم ‏ ‏ ‏ ‏ چند بر خود تہمتِ دین مسلمانی نہم

---

[1] یہ سب حضرت قدس سرہ العزیز کی تواضع ہے ورنہ حضرتؒ علم وعمل زہد وتقوی، خلوص وللہیت، عبادت اور ذکر وفکر کے اس مقام پر تھے کہ نہ بیان کیا جا سکتا ہے نہ سمجھا جا سکتا ہے اور اللہ پاک نے آپ سے شریعت، طریقت، سیاست، حریت کے وہ عظیم کارنامے انجام دلوائے جس کی ایک بہت بڑی تاریخ ہے، حضرت کے مجاہدات اور اشاعت اسلام کے جذبہ کی ایک بہت بڑی داستان ہے، جس کے لئے چند صفحات کافی نہیں بلکہ ایک ضخیم اور طویل کتاب کی ضرورت ہے، یہاں تو ہم نے صرف حضرت گنگوہیؒ کے تعلق سے تھوڑا سا ذکر کیا ہے ورنہ آپ کا حال یہ ہے جس کو صاحب نزہۃ الخواطر نے رص ۱۲۸ رج ۸ رمیں بیان کیا ہے "وجال فی الھند طولاً وعرضاً یحضر الحفلات، ویلقی الخطب والمحاضرات، ویتحمل مشاق السفر، ویسھر اللیالی، وھو محافظ علی أوقاته وأوراده، یجھد نفسه ویحیی لیله فی المطالعة والتدریس مع بشاشة دائمة وتواضع مفرط واکرام للوافدین وقضاء لحق الزائرین والسائلین"۔

اس میں شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص فضل و کرم سے ایسے مقدس اور بابرکت اور کاملین اہل اللہ کے دروں تک پہنچایا جو کہ نہ صرف اپنے زمانہ کے ممتاز اور مایۂ ناز اور آسمان طریقت و شریعت کے درخشندہ آفتاب تھے بلکہ صدیوں میں بھی زمانہ کو ایسی ہستیاں نصیب نہیں ہوئی تھیں، مگر اپنی دنائت اور خست کی وجہ سے میں حقیقی معنوں میں ان بزرگوں بلکہ تمام سلسلہ کے لئے ننگ اور عار ہوا، کاش ان قدموں کی برکت سے مغفرت اور اصلاح حال کی نعمت اور رضائے الٰہی حاصل ہوجائے، وماذلک علی اللہ بعزیز۔

یظن الناس بی خیراً وانی لشر الناس ان لم یعف عنی

(نقش حیات رص ۱۰۵رج۱)

یعنی آپ نے ہندوستان کے طول وعرض کا دورہ کیا، جلسوں میں بیانات کئے اور تقریروں کے ذریعہ سے ہندوستان کی آزادی کی روح پھونکی جو آپ کو اپنے اکابر سے ورثہ میں ملی تھی، سفر کی زبردست مشقتیں برداشت کیں، راتوں کو جاگتے تھے تہجد اور دیگر اوراد ووظائف میں مشغول رہتے اور دن میں اپنے تمام اوقات مطالعہ وتدریس، مہمانوں کی خدمت، آنے والوں کے استقبال اور ان کے احترام میں وقت گزارتے، حضرت شاہ صاحب کشمیریؒ کے دیوبند سے ڈابھیل جانے کے بعد دارالعلوم کی مسند حدیث کے لئے اکابر نے آپ ہی کا انتخاب کیا تھا اور آپ نے اس کو پورے طور پر نبھایا، آپ علوم ومعارف اور جملہ فنون عقلیہ ونقلیہ میں اپنے پیش رو بزرگوں سے کسی طرح کم نہ تھے بلکہ روحانیت، زہد وتقویٰ، تواضع اور خدمتِ خلق میں بہت آگے تھے، مولانا عبدالماجد دریا آبادی ایک مقام پر لکھتے ہیں ''شیخ العرب والعجم حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ کے فضل وکمال، مرتبہ ومقام پر گفتگو تو وہ کرے جو

خود بھی کچھ ہو، مجھے ذاتی تجربہ اور عینی مشاہدہ تو مولانا کے ایک ہی کمال اور ایک ہی کرامت کا ہے اور وہ آپ کی بے نفسی، سادگی، تواضع اور انکساری اور خدمتِ خلق کا عشق ہے، کہتا ہوں اور گویا خانۂ شہادت میں کھڑا ہوا بیان دے رہا ہوں کہ وہ بہترین دوست ہیں، بہترین رفیقِ سفر ہیں، مہمان ہوں تو آپ کی میزبانی میں اپنے معمولات کو ترک کردیں گے، روپیہ پیسہ کی ضرورت پیش آئے تو خود قرضدار ہوجائیں گے لیکن آپ کی حاجت ضرور پوری کردیں گے، خدانخواستہ بیمار پڑجائے تو تیمارداری میں دن رات ایک کردیں گے، نوکری کی ضرورت پیش آئے، کوئی مقدمہ کھڑا ہو کسی امتحان میں بیٹھ جائے تو سفارش ناموں میں عملی دوڑ دھوپ میں نہ اپنے مرتبہ کا لحاظ کریں گے نہ ہی اپنی صحت کا اور نہ خرچ کا جس طرح بھی ہوگا آپ کا کام نکالنے پر تل جائیں گے، اپنے بزرگوں کے ساتھ جو معاملہ بھی رکھتے ہوں اپنے خوردوں، شاگردوں اور مریدوں کے ساتھ یہ روش رکھتے ہیں کہ خادم کو مخدوم بنا کر ہی چھوڑتے ہیں'' حالؔی کے شعر کے معنی اب جاکر روشن ہوئے ہیں:

ہم نے ہر ادنیٰ کو اعلیٰ کردیا　　　　خاکساری اپنی کام آئی بہت

بہت سنا ہے کہ یہ شان محمود حسن شیخ الہند دیوبندیؒ کی تھی، اگر یہ صحیح ہے تو جانشینی کا حق ان سے زائد کسی کو نہیں پہونچتا (اقوال سلف رص ۲۵۸ رج ۴)۔

چنانچہ آپ کے فیض یافتگان تلامذہ ومریدین کی تعداد بے حساب ہے جنہوں نے اپنے اپنے علاقہ میں دینی خدمات انجام دیں اور دے رہے ہیں، صاحب نزہۃ الخواطر یہاں تک لکھتے ہیں کہ اخیر عمر میں خشوع وخضوع، رقت، ابتہال الی اللہ

اور اللہ پاک کی ملاقات کا شوق آپ پر غالب آ گیا تھا، نیز یہ بھی لکھا کہ صدق واخلاص، علو ہمت، پختگیٔ ارادہ، مکارہ اور تکالیف پر صبر واستقلال میں آپ کا جواب نہیں تھا، الغرض خدمت خلق اور عبادت رب میں بے مثال واقع ہوئے تھے، اپنے خاص استاذ وشیخ حضرت شیخ الہندؒ کے علوم کے امین، مزاج شناس اور ان سے بے حساب محبت کرنے والے اور ان پر اپنی جان قربان کرنے والے تھے، یہاں تک کہ مالٹا کی جیل میں اپنے استاذ کا ساتھ دینے کیلئے پہنچ گئے اور جب تک وہ وہاں رہے ساتھ ساتھ رہے، آپ کے تفصیلی حالات کیلئے آپ کی خودنوشت سوانح ''نقش حیات'' اور آپ پر لکھی ہوئی دیگر کتابیں مطالعہ کرنی چاہئیں یہاں تو ضمنی طور پر کچھ باتیں لکھی گئی ہیں۔

حضرتؒ ۱۲ر جمادی الاولیٰ ۱۳۷۷ھ مطابق ۵ر دسمبر ۱۹۵۷ء میں انتقال فرما گئے اور مزار قاسمی میں اپنے استاذ حضرت شیخ الہند اور قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا نانوتویؒ کے برابر میں مدفون ہوئے، حضرتؒ کو حضرت گنگوہیؒ کی وجہ سے سرزمین گنگوہ سے اور اس پر قائم ہونے والے دینی ادارہ جامعہ اشرف العلوم سے اور اس کے مدیر وناظم حضرت والد بزرگوار مولانا قاری شریف احمد صاحبؒ سے بیحد محبت تھی اور بہت شفقت فرماتے تھے، تشریف لاتے جلسوں میں خطاب کرتے اور دعا فرما کر تشریف لے جاتے، اللہ پاک ان کے درجات بلند سے بلند فرمائے آمین۔

حضرت شیخ زکریا قدس سرہ نے ''آپ بیتی'' میں حضرت مدنیؒ اور ان کے گنگوہ میں قیام کے تعلق سے جو کچھ لکھا اس کا نقل کرنا بھی فائدہ سے خالی نہیں ہے، چنانچہ تبرکاً مختصر لکھا جاتا ہے:

حضرت شیخ الاسلام مولانا الحاج سید حسین احمد صاحب مدنی نور اللہ مرقدہ کو اس

ناکارہ پر شفقت ومحبت اس وقت سے ہے جب کہ اس ناکارہ کی عمر ۱۲؍سال سے بھی کم تھی ۱۳۳۲ھ میں حضرت مدنی قدس سرہ نے تقریباً دوماہ قیام گنگوہ شریف میں کیا اور مسلسل روزے رکھا کرتے تھے، معمول یہ تھا کہ حضرت عصر کی نماز خانقاہ کی مسجد میں پڑھا کر سیدھے حضرت قطب عالم کے مزار پر تشریف لے جاتے، مغرب تک وہاں مراقب رہتے اور غروب سے پانچ سات منٹ پہلے اٹھتے اور ہمارا گھر خانقاہ کے راستہ میں تھا، میری والدہ مرحومہ کئی نوع کی افطاری پھلکیاں وغیرہ تیار کرکے رکھتیں، اور ایک دسترخوان چارپائی پر بچھا کر اس پر آٹھ دس طرح کی افطاریاں رکھ دیتیں اور میں باہر کے دروازہ پر کھڑا ہوجاتا اور جب دور سے حضرت مدنیؒ کو آتے دیکھتا بھاگ کر اپنی والدہ سے کہتا کہ آگئے آگئے، وہ جلدی سے پردے میں ہوجاتیں، اتنے حضرت دروازے تک پہونچ جاتے اور میں دروازے سے آجاؤ، تشریف لے آؤ کا شور مچاتا، حضرت اندر تشریف لاتے بہت اطمینان سے افطار فرماتے، اسی قانون کے تحت جو میں اپنے والد صاحب کے افطار کا حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے حال میں لکھوا چکا ہوں، خوب اطمینان سے افطار فرمانے کے بعد پانی وغیرہ پینے کے بعد ہاتھ دھوکر کلی کرکے خانقاہ میں تشریف لے جاتے اور نماز پڑھاتے کہ اس زمانے میں مستقل امام وہی تھے، خانقاہ میں پہونچ کر ایک لوٹے سے پانی کے دو گھونٹ پی کر گویا افطار کرکے مصلے پر پہونچ جاتے، حقیقت میں تو یہ تھا کہ حضرت مدنی صاحبزادے صاحب حکیم مسعود احمد صاحب کے مستقل مہمان تھے اور حکیم صاحب کے لئے یہ چیز موجبِ گرانی تھی کہ وہ کہیں دوسری جگہ افطار کریں (آپ بیتی جلد۱/ص۳۹۳)۔

اس پوری داستان سے ہمارے ان بزرگوں کا طریقہ واضح ہوگیا کہ یہ حضرات تزکیہ واحسان کو کتنا اونچا کام سمجھتے تھے اور اس محنت کو اللہ کے دین کی ایک بڑی محنت خیال کرتے تھے، چنانچہ مزید اس کی اہمیت واضح کرنے کیلئے ایک تحریر پیش کی جاتی ہے:

تصوف وسلوک کی حقیقت

افادات از شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہ

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم امابعد!

میرے محترم بھائیو اور بزرگو! مجھ کو حکم دیا گیا ہے کہ میں بیعت وسلوک وطریقت کے متعلق عرض کروں، لوگوں کا یہ خیال ہے کہ یہ چیز شریعت کے خلاف ہے اور اس چیز کی تعلیم آقائے نامدار جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے نہیں دی، اور چونکہ جولوگ طریقت وتصوف کے ذمہ دار ہیں ان کی حرکات وسکنات اور افعال شریعت کے خلاف پائے جاتے ہیں، اس واسطہ شبہ ہوتا ہے کہ یہ چیز جناب رسول اللہ ﷺ کے طریق اور تعلیم کے خلاف ہے، جب کہ واقعہ یہ نہیں ہے بلکہ بیعت نام ہے عہد لینے کا، شریعت کی کسی بات کے لئے لوگوں سے عہد لیا جائے کہ وہ اس خاص کام کو انجام دیں گے اس کو بیعت کہتے ہیں، حضور ﷺ نے بھی اس امر کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے بہت سے مواقع میں انجام دیا ہے، جناب رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ کی لڑائی کے وقت لوگوں سے عہد لیا تھا کہ اگر دشمنوں سے مقابلہ کی نوبت آئے تو وہ بھاگیں گے نہیں بلکہ جب تک زندہ رہیں گے تب تک دشمنوں سے مقابلہ کریں گے اور اس کے اندر موت آجائے تو موت کو اختیار کریں گے، اس کو قرآن شریف کی سورۂ فتح میں اس طرح فرمایا گیا ہے: **لقد رضی اللہ عن المؤمنین اذیبایعونک تحت الشجرۃ فعلم مافی قلوبھم فانزل اللہ سکینتہ علیھم و اصابھم فتحا قریبا** (اللہ تعالیٰ مسلمانوں سے راضی ہوگیا جب کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کرر ہے تھے) کس بات کی بیعت کرر ہے تھے؟ حضرت سلمہ ابن اکوع رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ تم نے

حدیبیہ میں درخت کے نیچے کاہے کی بیعت کی تھی؟ تو وہ کہتے ہیں ''علی الموت'' ہم نے بیعت کی تھی موت کے اوپر، بیعت ہونے کے معنی یہ ہیں کہ ہم مرجائیں گے مگر بھاگیں گے نہیں، اللہ تعالیٰ اس میں بشارت دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ راضی ہوا اور ان کے دلوں کی باتوں پر مطلع ہوکر اس نے سکینت اور اطمینان کو ان کے دلوں میں ڈالا اور اس کے بدلہ میں فتح مندی عطا فرمائی، یہ سورۂ فتح میں ''**لقد رضی اللہ عنی المؤمنین اذیبایعونک تحت الشجرة**'' تک بیعت کا ذکر کیا، اسی طرح اللہ تعالیٰ سورۂ فتح میں ہی فرماتا ہے ''**ان الذین یبایعونک انما یبایعون الله ید الله فوق ایدیهم فمن نکث فانما ینکث علیٰ نفسه ومن اوفیٰ بما عٰهد علیه الله فسیؤتیه اجراً عظیماً**'' (اے محمد ﷺ! جو لوگ تمہارے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں وہ اللہ سے بیعت کرتے ہیں، تمہارے سے عہد کرنا وہ اللہ سے عہد کرنا ہے جس شخص نے اپنے عہد کو پورا کیا اللہ تعالیٰ اس کو اجر دیگا اور ثواب دیگا) اور جو عہد کرکے توڑتا ہے وہ اپنے آپ کو نقصان پہنچاتا ہے۔

جو بیعت اللہ کے رسول ﷺ کے دست مبارک پر کی گئی وہ بیعت تھی جہاد کی، قرآن شریف میں سورۂ ممتحنہ میں عورتوں کو بیعت کرنے کا حکم دیا گیا ''**یٰایها النبی اذا جاء ک المؤمنٰت یبایعنک علیٰ ان لا یشرکن بالله شئیا ولا یسرقن ولا یزنین ولا یقتلن اولادهن ولا یأتین ببهتان یفترینه بین ایدیهن وارجلهن ولا یعصینک فی معروف فبایعهن واستغفرلهن الله**'' (اے پیغمبر ﷺ! جبکہ عورتیں تمہارے پاس آئیں اور وہ بیعت کریں اس بات پر کہ شرک نہ کریں گی، چوری نہ کریں گی، زنا نہ کریں گی، اپنے بچوں کو قتل نہ کریں گی) (زمانۂ جاہلیت میں عادت تھی کہ فقر کے ڈر سے اپنے بچوں کو ماں

باپ قتل کر دیتے تھے) اور اسی طرح کسی پر بہتان نہ باندھیں گی، حضرت محمد ﷺ کے حکم کو پوری طرح انجام دیں گی، نافرمانی نہیں کریں گی تو حضرت محمد ﷺ کو اس کا حکم ہے کہ "فبایعھن واستغفر لھن اللہ" تو آپ بیعت کیجئے اور ان کے لئے استغفار کیجئے۔

تو یہ بیعت اللہ تعالیٰ کے حکم سے جاری ہوئی ہے، جناب رسول اللہ ﷺ ہجرت سے پہلے جب مکہ معظمہ میں انصار کے بارہ سرداروں سے ملے اور ان کو دین کی تعلیم دی تو حضرت عبادہ بن صامتؓ جو انہیں سرداروں میں سے تھے، وہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ہم کو حکم دیا کہ "بایعونی علی ان لا تشرکوا شئیا ولا تسرقوا ولا تزنوا" مختلف چیزیں اسلام کی تعلیم فرمائیں، رسول اللہ ﷺ کی مدد اور حفاظت کرنے کی مختلف چیزیں عہد میں لیں اور فرمایا کہ اگر تم میں کوئی شخص ان باتوں پر وفاداری کے ساتھ قائم رہا تو اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں جگہ دے گا اس کی مغفرت کرے گا اور اگر کوئی شخص اس کے خلاف کرے گا اور دنیا میں اس کو سزا ملی تو آخرت کی سزا اس پر سے اٹھ جائے گی، اور اگر اس نے نافرمانی کی اور دنیا میں سزا نہیں دی گئی تو اللہ تعالیٰ چاہے تو سزا دے چاہے معاف کر دے، تو اس قسم کے بہت سے واقعات ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے بعض خاص باتوں پر اور کبھی کبھی عام باتوں پر یعنی پوری شریعت پر بیعت لی ہے، بیعت کی تعلیم قرآن شریف میں اور احادیث شریفہ میں بہت تفصیل کے ساتھ ذکر کی گئی ہے، جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے بعضے اصحاب سے صرف اس بات پر بیعت لی کہ کسی سے کوئی چیز مانگیں گے نہیں اور سوال نہیں کریں گے، تو اس دن سے ان صحابی کی یہ عادت ہوگئی کہ اگر گھوڑے پر سواری کی حالت میں ان کا کوڑا گر گیا تو یہ کوڑا دوسرے سے نہیں اٹھواتے بلکہ خود گھوڑے سے اتر کر کوڑا اٹھالیا کرتے تھے، حضرت جریر بن عبداللہ بجلیؓ فرماتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ ﷺ نے

اس بات پر بیعت لی کہ ہر مسلمان کی خیر خواہی کریں گے، تو ہمیشہ ہر چیز میں جس مسلمان کو ضرورت سمجھتے تھے خیر کی نصیحت کرتے تھے، تو بیعت کوئی نئی چیز نہیں ہے، قرآن واحادیث میں بہت سے واقعات ذکر کیے گئے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ بیعت اسی وقت سے جاری ہے، اب اسی مسنون بیعت میں یہ بیعتِ طریقت بھی داخل ہے جو کہ جناب رسول اللہ ﷺ کے زمانہ سے آج تک چلی آرہی ہے، بیعت اس پر کرنا کہ شریعت پر مضبوطی سے چلیں گے اور جن چیزوں سے شریعت نے منع کیا ہے اس سے بچیں گے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر واطاعت میں فوری توجہ سے کام لیں گے اس کو بیعت وطریقت کہا جاتا ہے، یہی بیعت کے طریقے تمام زمانہ میں جاری رہے ہیں اور اللہ کے خاص خاص بندوں نے مسلمانوں سے عہد لئے ہیں، یہ جو پیری مریدی کہی جاتی ہے یہ حقیقت میں وہی بیعت کا طریقہ ہے، البتہ بیعت کرنا ہر ایک شخص کا حق نہیں ہے جو شخص شریعت کا پابند ہو بدعات اور فسق وفجور سے بچتا ہو اور اس نے کسی ولی اور اللہ والے اہل دل کے پاس رہ کر نسبتِ باطنی حاصل کی ہو، فقر وفاقہ اختیار کیا ہو اس کے ہاتھ پر زمانۂ سابق میں بیعت کی جاتی تھی اور وہی بیعت لینے کا مستحق بھی ہے۔

صحابہ کرامؓ بھی بیعت لیتے تھے خلفاءِ راشدین اور خصوصاً حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے یہ سلسلہ زیادہ چلا ہے اور حضرت علیؓ کے بعد حضرت امام حسن بصریؒ اور پھر ان کے خلفاء برابر یہ بیعت لیتے رہے ہیں، جو لوگ بیعت لیتے تھے ان کو پیر کہا گیا ہے، پیر کے معنی لغت میں عمر رسیدہ کے ہیں اور عربی میں اس کو شیخ کہتے ہیں چونکہ معمر آدمی جس نے زیادہ دنوں تک خداوند قدوس کی اطاعت کی اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت میں ثابت رہا ہو وہی اس امر کا مستحق ہوتا ہے کہ وہ دوسروں سے عہد لے تو اس کو اس واسطہ عربی میں ''شیخ'' اور فارسی میں ''پیر'' کہا گیا ہے، وہ شخص

تجربہ کار ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرمانبرداری میں عمر گذار چکا ہوتا ہے تو اس کو پیر کہا جاتا ہے، پیر کسی خاص آدمی کا نام نہیں ہے، کسی خاص نسب کا نام نہیں ہے، کسی خاص طریقہ کے کرنے والے کا نام نہیں ہے، جو شخص شریعت کا پابند ہو اور عرصۂ دراز تک اس نے ریاضتیں کی ہوں، ذکر کیا ہو، اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کیا ہو اور وہ دنیا کی طرف کھینچنے والا نہ ہو اس قدر عبادت کی ہو کہ اس کے اندر اللہ تعالیٰ سے نسبت پیدا ہوگئی ہو وہی پیر ہوتا ہے، وہی شیخ ہوتا ہے۔

جس طرح ہر جماعت میں کھوٹے اور کھرے ہوتے ہیں اسی طرح سے طریقت کے اندر بھی کھرے اور کھوٹے پائے جاتے ہیں، جو شخص شریعت کے اوپر نہ چلتا ہو جناب رسول اللہ ﷺ کی سنت کا تابعدار نہ ہو وہ شخص بیعت لینے کا، پیر بننے کا کسی طرح حق دار نہیں، قرآن شریف میں فرمایا گیا ''یاایھاالذین آمنوا اتقوا اللہ و کونوا مع الصادقین ''(اے ایمان والو! خدا سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو) تو پیر سچوں ہی کو بنایا جاتا ہے، سچا وہ ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ بھی سچا ہو اور اللہ کے بندوں کے ساتھ بھی سچا ہو، جس کے اندر جلن، حسد، مکر، ایذا رسانی نہ پائی جاتی ہو اللہ تعالیٰ کی سچی تابعداری کرتا ہو، لہذا کہا گیا ہے ''کونوا مع الصادقین'' کہ سچوں کے ساتھ رہو، قرآن شریف میں فرمایا گیا ''یاایھاالذین آمنو اتقوا اللہ و ابتغوا الیہ الوسیلۃ و جاھدوا فی سبیلہ لعلکم تفلحون '' (اے ایمان والو! تقویٰ اختیار کرو ڈرو اللہ سے اور اللہ کی طرف وسیلہ ڈھونڈو) وہ شخص جو تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کو راضی اور خوش کرنے کا اور رحمتوں کو حاصل کرنے کا ذریعہ بنے اسی کو مرشد کہتے ہیں ''وابتغوا الیہ الوسیلۃ '' کی تفسیر میں محققین کی رائے یہی ہے کہ اس سے مراد مرشد ہے جس کو پہلی آیت میں ''کونوا مع الصادقین '' کہا گیا ہے، پہلے ایمان کا ذکر کیا گیا پھر اس کے بعد تقویٰ کا ذکر کیا گیا، ان دونوں کے بعد '' ابتغاء وسیلہ ''یعنی مرشد کا تلاش کرنا اور اس کے حکم پر چلنا یہ تیسرا حکم ہے اور چوتھا حکم ''وجاھدوا فی سبیلہ ''یعنی اللہ کے

راستہ میں کوشش کرو، جہاد کرو نفس کے خلاف، اپنی راحت کے خلاف کرو تو یقیناً ''وابتغوا الیہ الوسیلة '' کی مانگ جو تقویٰ کے بعد زائد چیز ہے، جس کو مرشد کا تلاش کرنا کہتے ہیں اور اس کے حکم پر چلنا اور پھر اللہ کے راضی کرنے کے لئے ہر قسم کی جدوجہد کرنا اس آیت کریمہ میں ذکر کیا گیا ہے، تو یہ جو طریقت تصوف کے احکام ہیں، کوئی نئی چیز نہیں بلکہ پرانی ہے اور اسی زمانۂ نبوت سے چلی آئی ہے، تصوف کے جو اعمال ہیں ذکر وریاضتیں وغیرہ یہ چیزیں بھی اس زمانہ سے چلی آئی ہیں۔

اس پوری تحریر سے سلوک وتصوف کی اور بیعت وارشاد کی حقیقت خوب واضح ہو جاتی ہے، اب جو لوگ ان چیزوں کی اہمیت کو یہ کہہ کر ختم کرنا چاہتے ہیں کہ یہ سب انفرادی عمل ہے اور یہ دعوت وتبلیغ نہیں ہے، غور فرمایئے! کہ یہ خیال کس قدر لغو ہے اور بعض تو یہاں تک ہمت کر رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ جو لوگ بیعت وارشاد کی بات کرتے ہیں وہ اپنی طرف دعوت دے رہے ہیں، اور کوئی تو یہاں تک کہہ رہا ہے کہ یہ عقیدہ کی دعوت نہیں ہے بلکہ عقیدت کی دعوت ہے، ایسے لوگوں کی خدمت میں یہ گذارش ہے کہ جس وقت حضراتِ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین رسول پاک ﷺ کے دستِ اقدس پر تحت الشجرہ بیعت کر رہے تھے کیا وہ انفرادی عمل تھا؟ یا اپنی طرف دعوت تھی؟ اور کیا وہ دعوت وتبلیغ سے ہٹ کر کوئی اور عمل تھا؟ اور کیا یہ سب چیزیں اعمال کے ذرات ہیں اور آپ کے اعمال پہاڑ ہیں؟ ان لوگوں نے اپنے اعمال کی اس قدر بڑی فضیلتیں گھڑی اور دوسرے اہم ترین اعمال کی اس قدر تحقیر کی جس کو دیکھ کر حیرانی ہوتی ہے، چنانچہ بعض حضرات فرما رہے ہیں کہ انفرادی اعمال کے پہاڑ اجتماعی اعمال کے ذرات سے بھی چھوٹے ہیں اور انہوں نے مدارس اسلامیہ کی عظیم الشان خدمات اور اصحاب ذکر وفکر، اصحاب مراقبہ ومشاہدہ کے تمام مجاہدات اور اس کے ذریعہ سے عظیم الشان اصلاحی کام کو جو عہد رسول اللہ ﷺ سے اس وقت تک

برابر چلا آرہا ہے یہ کہہ کرامت کے ایک طبقہ کی نظر میں بالکل بے وزن کردیا کہ یہ سب کچھ محنتیں انفرادی اعمال کے ضمن میں آتی ہیں، اور ہمارا چلنا پھرنا یہی جہاد ہے، یہی ذکر ہے اور یہی اجتماعی عمل ہے، اور اسی سے اصلاح ہوجائے گی، نہ اصلاح کیلئے مصلحین کے پاس جانے کی ضرورت، نہ مستقل خانقاہوں میں جانے کی ضرورت، نہ اور کسی دفاع اور ہمت وحوصلہ والی محنت کی ضرورت، نہ مدارس کی ضرورت، یہی مدرسہ، یہی خانقاہ، یہی سب کچھ ہے، جبکہ یہ خیال بالکل بچکانہ ہے اور دیگر تمام شعبہائے دین کا درپردہ ایک انکار اور استخفاف ہے، جس پر قرآن وحدیث اور سلف صالحین کی زندگیاں لگ گئی ہیں، اور انہی کی برکت سے یہ بہار نظر آرہی ہے، اللہ پاک ہم سب کو عقل سلیم نصیب فرمائے اور خرافات سے حفاظت فرمائے، آمین۔

موقع کی مناسبت سے ذکر اللہ کی عظمت واہمیت کو سمجھانے کیلئے ذکر وفکر کے تعلق سے کچھ امور پیش خدمت ہیں!۔

ذکرِ قلبی

ذکرِ الٰہی اور ذکرِ کثیر کے لئے قرآن مجید میں متعدد آیات ملتی ہیں، کہیں ذکر اسمِ ذات کی تاکید ہے کہیں ذکرِ قلبی کی تلقین کی گئی ہے، جو ذکر کثیر اور ذکر دائمی کی واحد صورت ہے، بالخصوص ایک آیت جامع خصوصیات کی حامل ہے۔

واذکر ربک فی نفسک تضرعا وخیفة ودون الجهر من القول بالغدو والأصال ولا تکن من الغافلین (اور یاد کرتا رہ اپنے رب کو دل میں گڑگڑاتے اور ڈرتے ہوئے اور پکار سے کم آواز بولنے میں، صبح اور شام کے وقت، اور مت رہ بے خبر) اس آیت کی تفسیر مولانا محمد یوسف بنوریؒ نے حضرت علامہ انور شاہ صاحبؒ سے ''نفحۃ العنبر من ہدی الشیخ انور'' کے رص ۱۳۵ ر پر یوں فرمائی ہے:

قال شیخ رحمہ الله انور لا نخرج فیه عن اللفظ وبعنوانه الیٰ غیرہ فھو فی الذکر لا الصلوٰۃ وان کانت ذکرا،قوله واذکر ربک الظاھرالمرادبہٖ ذکرہ فی القلب ولعله ندالم یقل واذکر اسم ربک وقال تضرعا وخیفة ولم یقل خفیةً ، فالخیفة من عقابه امر فی القلب کماقال انما المؤمنون الذین اذا ذکر الله وجلت قلوبھم، وعند الترمذی من ابواب صفة جھنم عن انس عن النبی ﷺ قال یقول الله اخرجوا من فی النار من ذکرنی یوما وخانی فی مقام، ھذا حدیث حسن ۔شیخ انورؒ نے فرمایا ہم قرآن کی اس آیت کے لفظ سے باہر نہیں جاتے اور نہ اس کے عنوان سے کسی غیر معنی کی طرف جاتے ہیں، پس اس سے مراد ذکر ہے نہ کہ نماز، اگر چہ نماز بھی ذکر ہے اور ''واذکر ربک'' سے ظاہر مراد ذکر قلبی ہے لسانی نہیں، نماز تو ذکر لسانی ہے، شاید اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ''واذکر اسم ربک ''نہیں فرمایا، خوف دل کا فعل ہے اور از قبیل عقاب ہے یعنی خوف، جیسے فرمایا مومن وہ ہیں جن کے سامنے خدا کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں، اور ترمذی شریف کی حدیث ''صفت ابواب جہنم''میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرمائے گا اس شخص کو آگ سے نکال دو جس نے صرف ایک دن مجھے یاد کیا، یا وہ میرے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا۔اس آیت اور اس کی تفسیر سے ثابت ہوا کہ:

(۱) ذکر سے مراد ذکر قلبی ہے (۲) ذکر جہری لسانی کے مقابلہ میں ذکر قلبی کو فضیلت حاصل ہے (۳) ترمذی کی حدیث سے ظاہر ہے کہ یہ ذکر دوزخ کی آگ سے نجات دلانے والا ہے (۴) اللہ تعالیٰ نے صبح وشام ذکر کرنے کا حکم دیا (۵) صبح وشام ذکر نہ کرنے والا خدا سے غافل ثابت ہوا۔

ہمارے سلسلۂ نقشبندیہ میں جو ذکر کرایا جاتا ہے وہ ذکرِ قلبی ہے نیز اور صبح وشام ذکر کا معمول ہے اور اس آیت پر ہمارا پورا پورا عمل ہے۔

فیض الباری ۳۱۵/۲ پر درج ہے کہ علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے مصر میں مجلسِ ذکر قائم کی تھی، ثم اندرست تلک المجالس حتیٰ جاء السیوطیؒ وشرع ثم انقطعت بعدہٗ بالکلیۃ (پھر یہ مجلس نابود ہوگئی پھر امام سیوطیؒ نے اپنے زمانے میں قائم کی پھر ان کے بعد منقطع ہوگئی۔ معلوم ہوا کہ متقدمین محدثین مجالس ذکر قائم کرنے کا اہتمام کیا کرتے تھے

فیض الباری ۶۲/۲ ۳ پر ہے کہ نمازوں کے بعد سلف صالحین میں یہ دستور تھا کہ مجلسِ ذکر قائم کرتے تھے۔

اجتماعی ذکر

فالسنۃ الخاصۃ فی ذٰلک قاضیۃ علیٰ عموم الاحادیث فی الاذکار بعد الصلوٰۃ وفی المدخل لابن الحاج المالکی ان السلف الصالحین کانوا یحسبون بعد الصبح والعصر فی المسجد لھم زمزمۃ ودوی کدوی النحل (اس ذکر میں جو خاص سنت ہے وہ اس امر کی متقاضی ہے، وہ نمازوں کے بعد عام حدیثوں سے ثابت ہے اور مدخل ابن حاج مالکی میں ہے کہ سلف صالحین یعنی صحابہ، تابعین وتبع تابعین نماز فجر اور عصر کے بعد مسجد میں حلقہ لگا کر ذکر کرتے تھے، ان کے ذکر کی آواز شہد کی مکھی کی بھنبھناہٹ کی طرح ہوتی تھی) ذکر کی یہ صورت ذکر خفی ہے یا پاس انفاس، جس کا نقشبندیہ کے ہاں خاص اہتمام کیا جاتا ہے۔

اجتماعی ذکر کا ثبوت

قال تعالیٰ: واصبر نفسک مع الذین یدعون ربھم بالغدٰۃ والعشی یریدون وجھہ ۝ اور آپ اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ مقید رکھا کیجئے جو صبح وشام اپنے رب کی عبادت محض اس کی رضاجوئی کے لئے کرتے ہیں۔

اس آیت کے حصہ "مع الذین" سے اجتماعی ذکر اور حلقۂ ذکر کا ثبوت ملتا ہے، حضور اکرم ﷺ کو بھی ان کی معیت کا حکم ملا ہے، اس سے ذکر اجتماعی کی فضیلت بھی ظاہر ہوگئی۔

حدیث سے اس کی تائید: عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ ان للہ ملائکۃ یطوفون فی الطریق یلتمسون اھل الذکر فاذا وجدوا قوما یذکرون اللہ تنادوا ھلمّوا الی حاجتکم فیحفو نھم باجنحتھم الی سماء الدنیا الی ان قال فیقول تعالیٰ اشھد کم انی قدغفرت لھم قال فیقول ملک من الملائکۃ فیھم فلان لیس منھم انما جاء لحاجتہ قال ھم الجلساء لایشقیٰ جلیسھم حضور ﷺ نے فرمایا کہ ملائکہ اہلِ ذکر کو تلاش کرتے پھرتے ہیں جہاں کہیں انہیں ذاکرین کی کوئی جماعت مل جاتی ہے تو اپنے ساتھیوں کو بلاتے ہیں کہ یہ ہے وہ چیز جس کی تمہیں تلاش ہے، چنانچہ وہ ملائکہ ذاکرین کو آسمانِ دنیا تک اپنے پروں سے ڈھانپ لیتے ہیں، یہاں تک کہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں تم کو گواہ بناتا ہوں کہ میں نے ان لوگوں کو بخش دیا ہے، پھر ان میں سے ایک فرشتہ کہتا ہے کہ فلاں آدمی تو اہل ذکر سے نہیں وہ تو اپنے کام کے لئے آیا تھا، پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ ایسی مجلس ہے جس میں بیٹھنے والا بدبخت نہیں رہ سکتا۔

فوائد (۱) اس روایت سے ثابت ہوا کہ مجالسِ ذکر قائم کرنا ایسا محمود عمل ہے کہ

ملائکہ کرام مجالسِ ذکر کی تلاش میں پھرتے رہتے ہیں کیونکہ ملائکہ اور ذاکرین میں مناسبت ہے، جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ (۲) ذکرِ الٰہی ایسی عبادت ہے جس پر مغفرت کا اعلان کیا جاتا ہے کسی اور عبادت پر نہیں۔ (۳) وسیلۂ صلحاء اور صحبتِ مشائخ کا محمود ہونا ثابت ہوا، ذاکرین کی جماعت میں شمولیت سے بھی بدکار نجات حاصل کر لیتا ہے۔ (۴) اولیاء کی ذراسی صحبت ایماندار آدمی کو جنتی بنادیتی ہے۔

مجالسِ ذکر قائم کرنے کا حکم: عن ابی رزین انه قال له رسول الله ﷺ الا ادلک علی ملاکِ هٰذا الامرِ الذی نصیب فیه خیر الدنیا و الاٰخرة علیک بمجالس اهل الذکر حضور ﷺ نے فرمایا کہ کیا میں ایسے بہترین عمل کی خبر نہ دوں جس سے تم دنیا و آخرت کی بھلائی سمیٹ لو؟ سنو! مجالسِ ذکر کو لازم پکڑو۔

فائدے: (۱) مجالسِ ذکر کی تلاش اور ان میں شامل ہونا مؤکد بتاکید ہے۔ (۲) مجالسِ ذکر دین و دنیا کی کامیابی کا ذریعہ ہیں۔ (۳) ذکرِ الٰہی سے رحمتِ الٰہی کا نزول اور اطمینانِ قلبی حاصل ہوتا ہے۔ ولنعم ماقیل ؎

انا من الرجال لایخاف جلیسهم — ریب الزمان و لایریٰ مایرهب

صوفیاء کا معمول قرآن وسنت پر مبنی ہے

و اوراد الصوفیة التی یقرؤ نها بعد صلوٰةٍ علیٰ حسب عاداتهم فی ملوکهم لها اصل اصیل فقد روی البیهقی ، عن انس ان النبی ﷺ قال لانی اذکر الله مع قوم بعد صلوٰة الفجر الیٰ طلوع الشمس احب الی من الدنیا وما فیها ولانّی اذکر الله تعالیٰ بعد صلوٰة العصر الیٰ ان تغیب الشمس احب الی من الدنیا ومافیها۔

صوفیاء کرام جو اوراد و وظائف اپنے معمول کے مطابق نمازوں کے بعد پڑھتے ہیں ان کی اصل صحیح موجود ہے ''بیہقی نے حضرت انسؓ کی روایت بیان کی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ چیز مجھے دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب ہے کہ ذاکرین کے ساتھ صبح کی نماز کے بعد طلوعِ آفتاب تک اور عصر کی نماز کے بعد غروبِ آفتاب تک ذکرِ الٰہی کیا کروں''۔

وروىٰ ابو داؤد عنه انه ﷺ قال لانى اقعد مع قوم يذكرون الله تعالىٰ من صلوٰة الغداة حتىٰ تطلع الشمس احب الى من ان اعتق اربعة من ولد اسمٰعيل ولا نى اقعد مع قوم يذكرون الله من صلوٰة العصر الى ان تغرب الشمس احب الى من ان اعتق اربعة۔

اور ابوداؤد میں حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ذاکرین کے ساتھ مل کر صبح کی نماز کے بعد طلوعِ آفتاب تک ذکر کرنا مجھے اولادِ اسمٰعیلؑ سے چار غلام آزاد کرنے سے زیادہ پسند ہے اور نمازِ عصر کے بعد غروبِ آفتاب تک ان کے ساتھ ذکر کرنا چار غلام آزاد کرنے سے زیادہ محبوب ہے۔

وروىٰ ابو نعيم انه ﷺ قال مجالس الذكر تنزل عليهم السكينة وتحف بهم الملائكة وتغشاهم الرحمة ويذكرهم الله تعالىٰ ۔

اور ابونعیم نے بیان کیا کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ مجالسِ ذکر پر ملائکہ کا نزول ہوتا ہے وہ انہیں اپنے پروں سے ڈھانپ لیتے ہیں اور ان پر نزولِ سکینہ ہوتا ہے اور ان پر اللہ کی رحمت سایہ کر لیتی ہے اور اللہ انہیں یاد کرتا ہے۔

وروىٰ احمد ومسلم انه ﷺ قال لايقعد قوما يذكرون الله تعالىٰ الا حفتهم الملائكة وغشيتهم الرحمة وتنزلت عليهم السكينة و ذكرهم

الله تعالیٰ فیمن عنده۔

واذاثبت ان لما یعتاده الصوفية من اجتماعهم على الاذكار والاوراد بعد الصبح وغيره اصلا صحيحا من السنة وهو ماذكر فلا اعتراض عليهم فى ذٰلک ۔

اورامام احمد اور مسلم نے بیان کیا کہ جب کچھ لوگ ذکرِ الٰہی کے لئے بیٹھتے ہیں فوراً ہی ملائکہ انہیں اپنے پروں سے ڈھانپ لیتے ہیں اور ان پر نزولِ سکینہ ہوتا ہے اور اللہ کی رحمت برستی ہے اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا ذکر اپنے مقربین میں فرماتا ہے۔

جب یہ ثابت ہوگیا کہ صوفیائے کرام کے صبح وشام کے معتاد اجتماع اوراذ کار واوراد کی اصل سنت صحیح سے ثابت ہے اور اس کا ہم نے ذکر کردیا تو ان پر کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا۔

اس باب کی ابتدا میں جو آیت ہم نے پیش کی تھی اس کی جامع اور مکمل تفسیر فتاویٰ الحدیثیہ کی مذکورۃ الصدر عبارت سے ہوگئی اور حلقۂ ذکر کی اصل قرآن وحدیث سے ثابت ہوگئی۔

قرآن کریم سے حلقۂ ذکر کا ثبوت :تفسیر ''کلام الملوک ،ملوک الکلام'' میں زیرِ آیت **انا سخرنا الجبال معه يسبحن بالعشى والاشراق والطير محشورة بعد مايحمل على التسبيح القالى كما هو ظاهر القرآن ومؤيد بكشفِ كثير من اهل الله تعالیٰ يؤخذ منه امران الاول الاجتماع على الذكر تنشيطا للنفس وتقوية للهمة وتعاكس بركات الجماعة من بعض علیٰ بعض والثانى صحة مايتخيل فى بعض الاشغال من اشتغال كل مافى العالم بالذكر وله تاثير عجيب فى جمع الهمة وقطع الخطرات۔**

آیتِ قرآنی کی تفسیر سے یہ بات واضح ہوگئی کہ حلقۂ ذکر یعنی اجتماعی صورت میں

ذکر کرنا مؤید بالقرآن ہے اور صاحبِ تفسیر نے حلقۂ ذکر کے فوائد کی بھی نشان دہی کردی، ان میں سے نشاط اور تقویت کا احساس تو عام ہے مگر تعاکس برکات کا مشاہدہ صرف اہل نظر کو ہی ہوسکتا ہے اور مجموعی طور پر اس کی ''عجیب تاثیر'' کی کیفیت الفاظ کے ذریعے بیان نہیں ہوسکتی اور جو لوگ صرف الفاظ سے کھیلتے ہیں انہیں ان کیفیات کا علم ہو تو کیونکر، لہٰذا اپنی محرومی کو چھپانے کے لئے انکار کا سہارا لیتے ہیں:

قاصر گر کند بر ایں طائفہ طعن قصور　　حاشاللہ کہ برآرام بزبان ایں گلہ را

ہمہ شیرانِ جہاں بستہ ایں سلسلہ اند　　روبہ از حیلہ چساں بگسلد ایں سلسلہ را

(ماخوذ از حجۃ القاطعہ یعنی دلائل السلوک ر ص ۹۹ ر تا ۱۰۵)

حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ اور حضرت گنگوہیؒ

دربارِ رشیدی کے فیض یافتگان میں امام عصر، آفتاب علم ومعرفت، علامۂ زماں حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ بھی ہیں، آپ ۲۷ ر شوال ۱۲۹۲ھ مطابق ۱۸۷۵ء میں پیدا ہوئے پہلے آپ کے اشعار ملاحظہ فرمائیں!

ومن شعره قوله فی مدح شيخه رشيد احمد الگنگوهیؒ

قفا یا صاحبی عن السفار　　بمرائی من عرار أو بهار

یسیر بنشرها نفحات أنس　　وریا عند محی من قطار

یفیض لروحها رشحات قدس　　حیادة للبراری و القفار

وقد عادت صباها من رباها　　بأنفاس یطیب بها الصحاری

فیسری فی قلوب الصحب وجد　　بأطراف الحدیث لدی اعتبار

أطیب لنشره نفساً ونفساً　　فأروی من روایات الکبار

أتابعهم ويملينى دموعى حديثى من شيوخى لأذكار
أجلهم وأبجلهم مقاماً أبو مسعودهم جبل الوقار
لقد فرع الورى عملاوعلما مكارم ساعدت كرم النجار
امام قدوة عدل أمين ونور مستبين كالنهار
فقيه حافظ علم شهير كصبح مستنير هدى سار
اليه المنتهى حفظاًوفقهاً واضحى فى الرواية كالمدار
ففى التحليث رحلة كل راو وفى الأخبار عمدة كل قارى
فقيه النفس مجتهد مطاع وكوثر علمه بالخير جارى
وأحى سنة كانت أميتت واذ وضح النهار فلا تمارى
وأصبح فى الورى صدراًوبدراً منيرا واريا حلك التوارى
وأصبح مفرداًعلماً رفيعاً كرفع المفرد العلم المنار
وآية رحمة فضلا وفيضاً عباباً مستطاباً للقوارى
وغرة دهره علماً وديناً طراز زمانه مثل النضار
يقوم لشكره آثاره فى مدارس أو مساجد كالدرارى
متى ماجاد جود قام شكراً له العزمات من باد وقار
وأما فضله ذوقاً وحالا ففرد فيه لاأحد يجارى
علو مقامه قدماً وسبقاً فلا من طائر فيه مطار
فضيل زمانه ورعاًوزهداً وحاتم عصره عند امتيار
كان جبينه بدر مبين تهلل نوره عند الزوار

وهمته كصبح مستطير | أو الغيث المغيث لدى انتظار
لقد نفع الورى شرقاً وغرباً | وأشرق نوره عند اعتكار
وزحزح عن حريم الحق نكراً | فحصحص في البسيط على الجمار
ودار مع استقامته مداراً | أصيل الأصل محمر الزمار
فرحمة ربه أبداً عليه | وطاب ثراه من رضوان بارى

(نزہۃ الخواطر ص ۹۳/ ج ۸)

ان اشعار میں علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے حضرت امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد صاحبؒ کی بہت بلیغ انداز سے تعریف کی ہے اور آپ کو علم، عمل، اخلاص، اخلاق، تزکیہ واحسان کا امام اور مقتدا قرار دیا ہے، اور کہیں آپ کو اپنے دور کا سب سے بڑا محدث ہر طالب حدیث کا مرجع اور کہیں آپ کو فقیہ النفس مجتہد متاع، قرار دیا اور کہیں آپ کو اپنے زمانہ کا فضیل اور حاتم اصم قرار دیا اور کہیں آپ کو اللہ کی رحمت کی نشانی قرار دیا اور کہیں کہا کہ آپ سے شرق وغرب میں مخلوق کو فیض پہنچا، اس سب سے حضرت شاہ صاحبؒ کی اپنے شیخ ومرشد حضرت گنگوہیؒ سے غایت درجہ عقیدت ومحبت کا اظہار ہوتا ہے اور جبکہ کہنے والا خود اتنا بڑا آدمی ہے تو اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ حضرت گنگوہیؒ کا کیا مقام ہوگا، جبکہ خود علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے بارے میں اکابر کے بلند ترین کلمات ہیں، چنانچہ صاحب ''نزہۃ الخواطر'' لکھتے ہیں کہ علامہ انور شاہ کشمیریؒ ایک نادر عصر، وسیع الاطلاع علی العلوم، حدیث، فقہ، تفسیر اور تمام ہی علوم عقلیہ نقلیہ میں راسخ کامل تھے، ضبط واتقان میں مثال نہیں رکھتے تھے (نزہۃ الخواطر ص ۹۱/ ج ۸)۔

نیز حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رائپوریؒ فرمایا کرتے تھے، کہ واقعی حضرت

شاہ صاحبؒ ''آیۃ من ایات اللہ'' تھے، حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ ایک دفعہ ڈابھیل تشریف لے گئے تو جامعہ اسلامیہ کے طلبہ نے تقریر کی درخواست کی اور یہ بھی چاہا کہ حضرت علامہ کے حالات پر تبصرہ کریں تو بخاری صاحب نے فرمایا: میرے جیسا کم علم ان کے حالات کو کیا بیان کرسکتا ہے، البتہ صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ صحابہ کا قافلہ جارہا تھا یہ پیچھے رہ گئے تھے۔

حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ نے حضرت علامہؒ کے جلسۂ تعزیت میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ میں نے ہندوستان، حجاز، عراق، شام وغیرہ کے علماء وفضلاء سے ملاقات کی مسائل علمیہ میں ان سے گفتگو کی، لیکن تبحر علمی، وسعت معلومات، جامعیت اور علوم عقلیہ ونقلیہ کے احاطہ میں شاہ صاحبؒ کا کوئی نظیر نہیں پایا۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ نے حضرت شاہ صاحبؒ کے سانحۂ ارتحال پر ''معارف'' میں کس قدر بلیغ بات کہی تھی ''مرحوم کی مثال اس سمندر جیسی ہے جسکی اوپر کی سطح ساکن ہو لیکن گہرائی موتیوں سے لبریز ہو''۔

آپ کے استاذ حضرت شیخ الہندؒ نے آپ کو جو سند اجازت عنایت فرمائی تھی اس میں تحریر فرمایا تھا کہ خداوند تعالیٰ نے مولانا انور شاہ میں علم وعمل، سیرت وصورت، ورع وزہد، رائے صائب اور ذہن ثاقب جمع کردیا ہے، اور شیخ الہندؒ حضرت شاہ صاحبؒ کو ''علامہ'' جیسے وقیع لفظ سے یاد فرماتے اور مسائل علمیہ میں جب کوئی دقیقہ سامنے آتا تو حضرت شاہ صاحبؒ سے دریافت فرماتے کہو علامہ! اس مسئلہ میں سلف کا کوئی قول یاد ہے؟ علامہ صاحب جواب دیتے اور حضرت شیخ الہندؒ مسرت واطمینان کا اظہار فرماتے، استاذ کا شاگرد کو علامہ سے یاد کرنا حضرتِ علامہ کے کمال علمی پر دلالت کرتا ہے۔

نیز جب حضرت شیخ الہندؒ ۱۳۳۳ھ میں حجاز کے سفر پر تشریف لے گئے اور وہاں آپ کے قیام کا ارادہ تھا تو آپ نے اپنی جگہ پر درس حدیث اور مسند صدارت پر آپ ہی کا انتخاب کیا تو آپ حقیقت میں جانشین شیخ الہند قرار پائے۔

نیز علامہ سید رشید رضا مصری جب دیو بند تشریف لائے تو عربی میں آپ کی تقریر سنی تو بقول مولانا مناظر احسن گیلانیؒ سید رشید رضا بار بار اپنی کرسی سے اٹھتے تھے اور فرماتے تھے ''واللہ ما رایت مثل ھذا الرجل'' خدا کی قسم میں نے ان جیسا آدمی ہر گز نہیں دیکھا۔

نیز علامہ اقبالؒ نے تعزیتی جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا اسلام کی ادھر کی پانچ سو سالہ تاریخ شاہ صاحبؒ کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے (اقوال سلف ر ص ۳۶۲ ر ج ۴)۔

نیز آپ کی علمی خدمات کے بارے میں حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلویؒ جو بہت بڑے محدث ومفسر، مؤرخ، متکلم، اور جامع علوم وفنون بزرگ ہیں علامہ اقبال کے تاثرات کو آگے بڑھاتے ہوئے کہتے ہیں ''آخر کی پانچ صدیوں کا تمام علم اگر یکجا کرلیا جائے تو انور شاہؒ کے علم کی زکوٰۃ بھی نہیں ہوتی'' آپ کے فرزند شیخ الحدیث حضرت مولانا انظر شاہ مسعودیؒ اپنے عظیم والد کے علم وفضل کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں ''مرحوم علامہ کشمیریؒ اپنے بے پناہ علوم کے اعتبار سے آخری صدیوں میں آیۃ من اللہ تھے، اسلامی علوم وفنون میں کوئی فن ایسا نہ تھا جس میں وہ اپنی ذاتی رائے نہ رکھتے ہوں، خود فرماتے ''میں کسی فن میں کسی کا مقلد نہیں ہوں خود اپنی رائے رکھتا ہوں، بجز فقہ کے کہ ابو حنیفہؒ کی تقلید محض کرتا ہوں'' انہوں نے قرآن وحدیث اور اسلامی علوم کا بالغ نظری سے مطالعہ کیا تھا قرآن کریم پر بھرپور نظر تھی، اعجازِ قرآن کا مسئلہ جو آج تک زیر بحث چلا آرہا ہے فرماتے کہ ''یہ

مسئلہ میرے لئے سورج کی طرح روشن ومنور ہے'' (حسن تدبیر ص۲۲۱)۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے دار العلوم دیوبند میں حضرت شیخ الہندؒ سے پڑھنے کے بعد حضرت گنگوہیؒ سے بھی علوم ظاہریہ کے ساتھ ساتھ علوم باطنیہ میں خوب استفادہ کیا جس کا اظہار انہوں نے اپنے اشعار میں کیا ہے، حضرت گنگوہیؒ سے آپ نے علم حدیث کی سند حاصل کی، اور آپ کے خلیفہ بھی ہوئے، مگر آپ نے اس چیز کو اس قدر اخفاء میں رکھا جس سے بہت سے لوگ اب تک آپ کو حضرت گنگوہیؒ کے خلفاء میں نہیں سمجھتے، واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حضرت شاہ صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ ہم کشمیر سے اس علاقہ میں آئے تو دین ہم نے حضرت گنگوہیؒ کے یہاں دیکھا، اس کے بعد حضرت شیخ الہندؒ کے یہاں دیکھا اس کے بعد حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب رائیپوریؒ کے یہاں دیکھا اور اب جو دیکھنا چاہے تو حضرت تھانویؒ کے یہاں جا کر دیکھے! نیز حضرت شاہ صاحبؒ کا یہ مقولہ بھی مشہور ہے کہ حضرت گنگوہیؒ افقہ من الشامی تھے، یعنی علامہ شامی سے زیادہ فقیہ تھے، آپ ۳ رصفر المظفر ۱۳۵۲ھ مطابق ۱۹۳۳ء بعمر ساٹھ سال دار فانی سے دار بقاء کی طرف منتقل ہو گئے اور دیوبند میں عیدگاہ کے قریب مدفون ہیں۔

حضرت مولانا یحییٰ صاحبؒ اور حضرت مولانا الیاس صاحبؒ کی حضرت گنگوہیؒ کی خدمت میں حاضری اور استفادہ کرنا

حضرت گنگوہیؒ سے دورۂ حدیث شریف کی تکمیل

مولانا یحییٰ صاحبؒ یکم محرم ۱۲۸۸ھ مطابق ۲۳ رمارچ ۱۸۷۱ء بروز پنجشنبہ کاندھلہ میں پیدا ہوئے، آپ حضرت شیخ زکریاؒ کے والد بزرگوار ہیں، بہت ہی ذکی،

ذہین، جید الاستعداد عالم تھے، جب آپ کو طالب علمی کے زمانہ میں حدیث کا شوق ہوا تو حضرت گنگوہیؒ کی خدمت میں پہنچے اور استفادہ کیا اور پھر تو آپ کے لئے وقف ہو گئے جس کی تفصیل آپ کی حیات میں اس طرح ذکر کی گئی ہے۔

حضرت مولانا یحییٰ صاحبؒ نے چونکہ پہلے ہی طے کر رکھا تھا کہ حدیث پڑھوں گا تو حضرت گنگوہیؒ سے ورنہ نہیں، اور حضرت گنگوہیؒ امراض کی کثرت اور بہت سے عوارض، خاص طور سے آنکھ میں نزول ماء کیوجہ سے ۱۳۰۸ھ سے سالانہ دورہ ملتوی فرما چکے تھے۔

مولانا خلیل احمد صاحبؒ نے حدیث کے امتحان میں (جو مدرسہ حسین بخش دہلی میں ہوا تھا اور مولانا نے مطالعہ اور محنت سے اس کی تیاری کی تھی جس کی تفصیل گزر چکی) کے جوابات دیکھ کر حضرت گنگوہی سے سفارش فرمائی کہ حضرت نے اعذار کیوجہ سے اسباق بند کر دئے مگر ایک سال دورہ میری درخواست پر اور پڑھادیں کہ مولانا اسماعیل صاحب کاندھلوی ثم دہلوی کے لڑکے مولوی یحییٰ کا میں نے امتحان لیا ہے ایسا شاگرد حضرت کو نہ ملا ہوگا، چنانچہ حضرت نے وعدہ فرمالیا اور یکم ذی قعدہ ۱۳۱۱ھ سے ترمذی شروع فرمادی، جو صرف ایک گھنٹہ ہوتی تھی کہ امراض کی کثرت اور عوارض کی شدت کی وجہ سے اس سے زیادہ وقت نہ ملا اسی وجہ سے یہ دورہ دو سال میں ہوا اور ترمذی ۱۸/ ذی الحجہ ۱۳۱۲ھ کو یعنی چودہ ماہ کے اندر ختم ہوئی، اس کے چار دن بعد ابو داؤد شریف ۲۲/ ذی الحجہ پنجشنبہ کو شروع ہوئی، اس کے بعد چونکہ نزول آب کے آثار بھی شروع ہو گئے تھے، اس لئے بقیہ کتب کو عجلت سے طلبہ کے اصرار پر ختم کرایا اور ۷/ ربیع الاول پنجشنبہ ۱۳۱۲ھ کو ابو داؤد ختم فرمائی اور اس کے بعد بخاری شریف دو دن بعد ۹/ ربیع الاول شنبہ کے دن شروع ہوئی اور یکم جمادی الاول کو جلد اول ختم ہو کر اس کے ختم کے بعد جلد ثانی

شروع ہوئی جو ۷ار جمادی الثانی کو ختم ہوئی اور اس کے بعد چونکہ نزول آب کی شدت ہوگئی تھی اس لئے نہایت عجلت میں دو ماہ کے اندر مسلم شریف ،نسائی شریف ، ابن ماجہ پوری ہوئیں اور ۲۳ر شعبان ۱۳۱۴ھ کو یہ دورہ ختم ہوا، حضرت گنگوہی قدس سرہ کی تدریس کتب کا یہی معمول تھا جو اوپر لکھا گیا، ان میں ترمذی شریف پر محدثانہ ،فقیہانہ کلام زیادہ ہوتا تھا اور بخاری شریف کے درس میں تراجم پر کلام اور ان کے علاوہ بقیہ کتب میں کوئی حدیث غیر مکرر یا کوئی نئی بات ہوتی تو اس پر کلام ہوتا اور اس طرح حضرت کا یہ آخری دورہ ہوا جس کو آخری دور کا آخری منظر کہا جاتا ہے، اور مولانا یحییٰ صاحبؒ کے طفیل ایک کثیر جماعت جو مایوس ہوچکی تھی اس آخری بہار کے دیکھنے کو پھر گنگوہ میں جمع ہوگئی ،مولانا یحییٰ صاحبؒ کا یہ دورہ پڑھنے کے لئے گنگوہ آنا گویا حضرت کی خدمت کیلئے اپنے کو وقف کر کے آنا تھا کہ بارہ برس تک جانے کا نام نہ لیا حتی کہ امام ربانی دنیا سے سدھار گئے اور وہ بہار ہی ختم ہوگئی جس نے دنیا کو قدوسی منظر دوبارہ دکھانے کیلئے اپنی طرف کھینچا تھا، آپ کا قیام لال مسجد کے حجرہ میں ہوا اور آخر تک وہ حجرہ آپ کے پاس رہا۔

ایک عبرتناک واقعہ

مولانا فرمایا کرتے تھے کہ دورہ میں میری ایک حدیث بھی کبھی نہیں چھوٹی ، کاندھلہ قریب تھا مگر میں خود ان کا نام تو کیا لیتا والدہ کے اصرار پر حضرت مجھے خود امر فرماتے تو سبق کے حرج کا عذر کر دیا کرتا تھا، عید کے موقع پر حضرت نے یہ وعدہ فرمایا کہ سبق میں تمہارا انتظار کیا جائے گا اور مجھے حکم دیا کہ تمہاری والدہ کا بار بار تقاضا ہے جاؤ گھر ہو آؤ، تو میں کاندھلہ گیا اور فوراً واپس آ گیا جو صاحب قرأت کیا کرتے تھے ترمذی کا

ایک باب چھوڑ کر دوسرے باب سے پڑھنے لگے ہر چند میں نے اور دیگر شرکائے سبق نے اصرار کیا کہ ایک باب چھوٹ گیا، مگر وہ یہی کہتے رہے کہ نہیں وہ ہو چکا، چند روز بعد جب دوسری مرتبہ حضرت نے فرمایا کہ کاندھلہ ہو آؤ تو میری زبان سے نکلا کہ حضرت پہلی مرتبہ کا قلق ہے کہ ایک باب چھوٹ گیا حضرت نے فرمایا اچھا کل اس کو پڑھائیں گے، چنانچہ دوسرے دن وہ باب پڑھایا اور اتنی طویل تقریر فرمائی کہ حد نہیں، اس دن قاری کچھ ایسا مدہوش تھا کہ سبق کم ہونے پر اس کو غصہ آیا اور جب تقریر تمام ہوئی تو میری طرف مخاطب ہو کر کہا کہ کوئی اور حدیث رہ گئی ہو تو وہ بھی پڑھ لو، میں اور حضرت اقدس دونوں چپ، کہ زبان سے کچھ نہ فرمایا مگر غصہ کی وجہ سے چہرہ سرخ ہو گیا، سنا ہے کہ یہ طالب علم کچھ ہی مدت بعد باؤلا ہو گیا اور عقل جاتی رہی نعوذ باللہ من غضب اللہ و غضب رسولہ و غضب اولیاءہٖ۔

نہ کتابوں سے نہ وعظوں سے نہ زر سے پیدا
علم ہوتا ہے معلم کی نظر سے پیدا

حضرت گنگوہیؒ کے آخری تلمیذ رشید

مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی ''تذکرۃ الرشید'' میں حضرت گنگوہیؒ کے تلامذہ کا ذکر خیر کرنے کے بعد آخری تلمیذ رشید مولانا محمد یحییٰ صاحب کے بارے میں رقمطراز ہیں:

''اور سب سے آخری دورہ میں امام ربانی، غوث صمدانی، قطب عالم حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کے تلامذہ میں مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلویؒ ہیں جن کے نام نامی سے حضرات منتسبین میں غالباً کوئی چھوٹا بڑا شخص ناواقف نہ ہو گا، اسی آخری دورہ میں چونکہ حضرت مولانا کی بینائی پر آشوب نے اثر کیا اور تحریر جوابات سائلین سے بالکلیہ

معذوری ہوگئی، اس لئے یہ شاگرد اس خدمت کے لئے منتخب ہوئے اور طبعی ذکاوت، رسائی فہم، تفقہ، صلاحیت واستعداد نفس اور شیخ المشائخ کی ہمہ وقت خدمت ومزاج شناسی کی بنا پر تاوقتِ وصال یعنی کامل بارہ سال تک حضرت کی آنکھوں سے اوجھل نہ ہونے پائے، حضرت اقدس قدس سرہ کے علمی فیضان اور تدریس وتفقہ کے آثار کا نمونہ دکھلانے کے لئے اگر مولوی محمد یحییٰ صاحب کو پیش کر دیا جاتا تو کافی تھا، چہ جائیکہ اس بحر ذخار سے سیراب ہونے والے سینکڑوں کی تعداد میں علماء فضلاء ہیں۔

(سیرت حضرت مولانا یحییٰ صاحب کاندھلویؒ ۹۷)

گنگوہ کا قیام

حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ ۱۳۰۲ھ میں پیدا ہوئے آپ کا تاریخی نام الیاس اختر ہے، حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب نے والد صاحب سے عرض کیا کہ بھائی الیاس کی تعلیم معقول نہیں ہورہی ہے میں ان کو اپنے ساتھ گنگوہ لے جاتا ہوں والد صاحب نے اجازت دے دی اور آپ بھائی کے ہمراہ ۱۳۱۴ھ یا شروع ۱۳۱۵ھ میں گنگوہ آگئے اور بھائی سے پڑھنا شروع کر دیا۔

گنگوہ اس وقت صلحاء کا مرکز تھا، ان کی اور خود حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی صحبت اور مجالس کی دولت مولانا الیاس صاحب کو شب وروز حاصل تھی، دینی جذبات کی پرورش، نیز دین کی سمجھ اور اس کا سلیقہ پیدا کرنے میں ان کیمیا اثر صحبتوں اور مجالس کو جو دخل ہے وہ اہل نظر سے پوشیدہ نہیں، مولانا کی دینی اور روحانی زندگی میں اس ابتدائی ماحول کا فیض برابر شامل رہا، انسان کی زندگی میں مقام وماحول کا اثر قبول کرنے کا جو بہترین زمانہ ہوسکتا ہے مولانا محمد الیاس صاحب کا وہ زمانہ گنگوہ میں گزرا، جب گنگوہ

آئے تو دس گیارہ سال کے بچے تھے، جب ۱۳۲۳ھ میں مولانا گنگوہیؒ نے وفات پائی تو بیس سال کے جوان تھے، گویا دس برس کا عرصہ مولانا کی صحبت میں گزرا۔

مولانا محمد یحییٰ صاحب کامل استاد اور مربی تھے وہ اس بات کا خاص اہتمام رکھتے تھے کہ ہونہار بھائی ان صحبتوں اور مجلسوں کے فیوض سے پورے طور پر مستفید ہو، مولانا الیاس صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ جب حضرت گنگوہیؒ کے خاص فیض یافتہ اور تعلیم یافتہ علماء گنگوہ آتے تو بعض اوقات بھائی میرا درس بند کردیتے اور کہتے کہ اب تمہارا درس یہ ہے کہ تم ان حضرات کی صحبت میں بیٹھو اور ان کی باتیں سنو!۔

حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کا دستور تھا کہ وہ سارا زور مطالعہ پر دیتے تھے اور اس طرح مطالعہ کراتے تھے کہ کوئی خلجان اور کوئی بات بے سمجھی نہ رہے، پھر درس کے وقت اس کو اس طرح سنتے کہ گویا پڑھا ہوا سبق سنا رہا ہے، بیشتر ایسا ہوتا کہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کا مطالعہ سنکر جب اطمینان ہوجاتا تو فرمادیتے جاؤ ساتھیوں کو کھلوادو، اور مولانا محمد الیاس صاحب وہ سبق ساتھیوں اور ہم سبقوں کو پڑھادیتے، نیز نیچے کی جماعتوں کے اسباق بھی بیشتر اوپر کی جماعتوں سے پڑھوایا کرتے تھے، اس طرح پڑھنے کے ساتھ ساتھ پڑھانے کی صلاحیت بھی پیدا ہوجاتی اور قابلیت واستعداد ہر طرح سے تام ہوجاتی تھی، چنانچہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے بھی اپنی طالب علمی کے زمانے میں حضرت استاذ کی نگرانی میں تمام کتابوں کو بار بار پڑھایا۔

حضرت گنگوہیؒ سے بیعت وتعلق

حضرت گنگوہیؒ بالعموم بچوں اور طالب علموں کو بیعت نہیں کرتے تھے، فراغت

وتکمیل کے بعد اس کی اجازت ہوتی تھی، مگر حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کے غیر معمولی حالات کی بناء پر انکی خواہش اور درخواست پر بیعت کرلیا، مولانا کی فطرت میں شروع سے محبت کی چنگاری تھی، آپ کو حضرت مولانا رشید احمد صاحب سے ایسا قلبی تعلق پیدا ہوگیا تھا کہ آپ کے بغیر تسکین نہ ہوتی فرماتے تھے کہ کبھی کبھی رات کو اٹھ کر صرف چہرہ دیکھنے کیلئے جاتا زیارت کر کے پھر آکر سو رہتا، حضرت گنگوہیؒ کو بھی آپ کے حال پر ایسی ہی شفقت تھی کہ خلوت کے وقت بھی آپ کو اجازت تھی۔

حضرت مولانا فرماتے تھے کہ جب میں ذکر کرتا تھا تو مجھے ایک بوجھ سا محسوس ہوتا تھا، حضرت سے کہا تو حضرت تھرّا گئے اور فرمایا کہ مولانا محمد قاسم صاحبؒ نے بھی یہی شکایت حضرت حاجی صاحب سے فرمائی تو حضرت حاجی صاحب نے فرمایا ''اللہ آپ سے کوئی کام لے گا'' (سیرت حضرت مولانا یحییٰ صاحب کاندھلویؒ رص ۷۱)۔

چنانچہ حضرت مولانا الیاس صاحبؒ سے اللہ پاک نے دعوت وتبلیغ کی صورت میں بہت بڑا کام لیا، جس کا فیض دریاؤں کی طرح شرق سے غرب شمال سے جنوب پہنچ رہا ہے اور پہنچتا رہے گا، اس سب میں حضرت گنگوہیؒ کا بہت بڑا حصہ ہے، حضرت مولانا الیاس صاحبؒ کو حضرت گنگوہیؒ سے بہت کچھ حاصل ہوا، خود اس بات کا بارہا اظہار کرتے تھے کہ جو کچھ اللہ پاک نے میرے ذریعہ سے کام لیا ہے یہ دراصل میرے شیخ کا فیض ہے اور اصل مجدد ہمارے سلسلہ کے حضرت گنگوہیؒ ہیں، حضرت مولانا الیاس صاحب کا ہمارے اکابر میں ایک خاص احترام اور مقبولیت تھی، حضرت شیخ الہندؒ فرمایا کرتے تھے کہ جب میں مولوی محمد الیاس کو دیکھتا ہوں تو مجھے صحابہ یاد آجاتے ہیں، حضرت شیخ الہندؒ کا یہ ارشاد حضرت مولانا کے متعلق ایک بہت بڑی بشارت ہے، حضرت مولانا الیاس صاحبؒ حضرت

گنگوہیؒ کے وصال کے بعد حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ سے بیعت ہوئے اور ان کی تربیت میں مقامات سلوک طے کئے، اور تعلیم دارالعلوم دیوبند جاکر مکمل کی (اقوال سلف رص ۴۶۰)۔

نیز سوانح مولانا یوسف صاحب رص ۱۴۴ رمیں لکھا ہے ۱۳۲۳ھ میں حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کا وصال ہوا حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ اس وقت بالیں پر موجود تھے اور سورۂ یسین پڑھ رہے تھے، اس حادثہ کا آپ کے دل پر بہت زیادہ اثر ہوا، فرماتے تھے کہ دو ہی غم میری زندگی میں سب سے بڑھ کر ہوئے ہیں ''ایک والد کے انتقال کا دوسرے حضرت اقدس گنگوہیؒ کے وصال کا''۔

حدیث کی تکمیل

حدیث کی ابتدائی تعلیم مولانا محمد الیاس صاحب نے اپنے بھائی مولانا محمد یحییٰ صاحب سے گنگوہ میں حاصل کی اور پھر ۱۳۲۶ھ میں حدیث کی تکمیل کیلئے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحبؒ کے حلقۂ درس میں دیوبند جاکر شریک ہوئے اور ترمذی و بخاری شریف کی سماعت کی اور بعد میں پھر اپنے فاضل یگانہ بھائی مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ سے حدیث کا دورہ کیا، یہ دورہ چار مہینے میں مکمل ہوگیا۔

بیعت اور تکمیلِ سلوک

ابتداء میں بیعت تو حضرت گنگوہیؒ سے ہوگئے تھے اور اسی زمانۂ طفلی سے حالات و کیفیات میں روز افزوں ترقی ہورہی تھی لیکن جب حضرت گنگوہیؒ کا وصال ہوگیا تو حضرت مولانا پر ایک عجیب حال طاری ہوگیا، سلوک و مراقبہ بڑھ گیا، اکثر حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کے روضہ کے پیچھے بوریہ بچھا کر بیٹھ جاتے اور دیر تک خاموش بیٹھے

رہتے اور بعد مغرب عشاء تک نوافل میں مشغول رہتے اس وقت حضرت مولانا کی عمر ۲۰/۲۲ رسال کی تھی، اس کے بعد جب شیخ الہندؒ سے حدیث پڑھنے دیوبند تشریف لے گئے تو بیعت کی خواہش کی شیخ الہندؒ کے مشورہ پر مولانا خلیل احمد صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بیعت کا تعلق قائم کرلیا اور انہیں کی نگرانی اور تربیت میں منازل سلوک طے کئے اور نیابت وخلافت سے سرفراز ہوئے (سوانح حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رص ۱۴۴)۔

حضرت مولانا یحییٰ صاحبؒ نے بھی حضرت گنگوہیؒ کی وفات کے بعد حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ سے بیعت کا تعلق قائم کیا اور روحانیت میں رجوع کیا اور حضرت سہارنپوریؒ نے اجازت وخلافت سے نوازا جس کے متعلق حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب لکھتے ہیں کہ:

''مولوی محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی کے ساتھ حضرت کو محبت کا جو بے نظیر تعلق تھا وہ دیکھنے والوں پر مخفی نہیں کہ وطن چھوڑ کر حضرت امام ربانی کی خدمت میں محبوب اور پیشکار بارگاہ بن کر بارہ سال رہے اور وصال کے بعد حضرت سے تجدید بیعت فرمائی، کہ مجاز طریقت بنے اور ان کی وجہ سے ان کے بھائی مولوی محمد الیاس صاحب اور صاحبزادہ مولانا محمد زکریا صاحب بھی حضرت کے ایسے لاڈلے رہے کہ صلبی اولاد کی ان کے مقابلے پر کوئی حقیقت نہ تھی''، حتی کہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نے جن کی دوربیں بصیرت بارہ برس پہلے سمجھ چکی تھی کہ مولانا یحییٰ صاحب کوئی چیز ہیں (بڑے ذوق وشوق سے خود) گنگوہ جاکر وہ عمامہ جو آپ کو مرشد العرب والعجم (حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی) کے دست مبارک سے عطا ہوا اور اصل پیچوں پر سیا ہوا اب تک محفوظ رکھا ہوا تھا، یہ کہتے ہوئے اپنے دستِ مبارک سے مولانا یحییٰ کے سر پر رکھ دیا کہ اس کے مستحق تم ہو اور

میں آج تک اس کا محافظ وامین تھا، الحمد للہ کہ آج حق کو حقدار کے حوالہ کر کے بارِ امانت سے سبکدوش ہوتا ہوں اور تم کو اجازت دیتا ہوں کہ کوئی طالب آئے تو اس کو سلاسل اربعہ میں بیعت کرنا اور اللہ کا نام بتانا، مولانا محمد الیاس صاحب کی وفات ۱۱؍رجب المرجب ۱۳۶۳ھ مطابق ۱۳؍جولائی ۱۹۴۴ء میں ہوئی اور بنگلہ والی مسجد مرکز حضرت نظام الدین میں مدفون ہوئے، اور مولانا محمد یحییٰ صاحب کا انتقال ۱۰؍ذی قعدہ ۱۳۳۴ھ میں ہوا، اور حاجی کمال شاہ سہارنپور میں مدفون ہیں (سیرت مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ ص ۱۲۳)۔

اوپر کے واقعات سے معلوم ہوا کہ ان حضرات نے اپنی تربیت واصلاح کیلئے اپنے مشائخ کی صحبت اختیار کی اور سالہا سال ان کے پاس رہکر ریاضت ومجاہدہ کیا اور تزکیہ وسلوک اور ذکر وفکر کیلئے بڑی زبردست محنتیں فرمائیں اور دسوں سال خانقاہ رشیدیہ میں گذارے، باضابطہ بیعت ہوئے اور شیخ کی مجالس کو اپنے لئے سب سے بڑی نعمتِ عظمیٰ اور غنیمتِ کبریٰ سمجھا اور تزکیۂ باطن اور سلوک وتصوف کے ذریعہ سے پہلے اپنا ایمان بنایا اپنے آپ کو عشق الٰہی سے مجلّیٰ کیا اور اخلاق فاضلہ سے مزکّی کیا اس کے بعد دین کی اشاعت کیلئے باہر قدم نکالا، پہلے درس وتدریس کو اپنایا پھر عمومی لائن سے عوام الناس میں گھس کر ایمان اور اعمال صالحہ کی درستگی کی محنت میں تا آخر عمر مصروف رہے، آج ایک طبقہ اپنے ان بزرگوں کی اس زندگی کو بالکل نظر انداز کر رہا ہے اور وہ بغیر تحصیل علم وسلوک کے اور تزکیۂ نفس اور اصلاح باطن میں لگنے کے سب کچھ عوام الناس میں گھس کر اصلاح اعمال کو تصور کر رہا ہے، اور صرف اسی کو اللہ کا راستہ اور ایک ہی طرز کو تبلیغ کا طریقہ اور دعوت کا ایک ہی ذریعہ قرار دے رہا ہے، جبکہ ان بزرگوں نے اپنے ملفوظات میں بار بار اس کی وضاحت فرمائی کہ علم وذکر، دعوت وتبلیغ کے دو بازو ہیں جن کے بغیر

دعوت وتبلیغ کی فضاء میں پرواز نہیں ہوسکتی، اور کہیں فرمایا کہ جو لوگ بغیر علم وذکر کے اس کام میں لگیں گے مبادا خطرہ ہے کہ ان سے بجائے اصلاح کے فتنہ کا دروازہ نہ کھل جائے ، یہاں رک کر یہ جاننا ضروری ہے کہ اللہ کا راستہ کیا ہے اور انبیاءؑ نے کن کن طریقوں سے دعوت وتبلیغ کا کام کیا اور رسول پاک ﷺ سے لیکر حضرات صحابہ اور تابعین اور محدثین اور مصنفین اور مجاہدین اسلام نے اور صوفیاء کبار نے کن کن طریقوں سے دنیا میں دین پھیلایا، اور حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے دنیا میں آنے سے پہلے تک کتنی صورتیں اشاعت اسلام، حفاظت اسلام، اقامتِ اسلام اور استحکام اعمال صالحہ اور تزکیۂ اخلاق اور تزکیۂ نفوس کا کام مخلصین امت نے کس طرح انجام دیا؟ ان سوالات کے جوابات حاصل کرنے کیلئے جب کوئی شخص اہل علم سے رجوع کریگا تو اسے معلوم ہو جائے گا کہ یہ کام ہمیشہ ہوتا رہا اور اس کی مختلف صورتیں رہی، کہیں جہاد، کہیں خانقاہ، کہیں مدارس، کہیں وعظ و بیان، کہیں تصنیف وتالیف، ان سبھی کو اللہ کا راستہ مانا جاتا تھا اور اب بھی ان سب طریقوں سے دین کا کام جاری وساری ہے اور رہے گا، اور یہ سب چیزیں علماء، صلحاء، فقہاء، حکماء، محدثین نے اپنائیں، عہد صحابہؓ میں بھی یہ سب چیزیں جاری وساری رہیں اور ہیں اور ان شاء اللہ قیامت تک جاری وساری رہیں گی، دنیا کی کوئی طاقت ان چیزوں کو منسوخ نہیں کرسکے گی، رسول پاک ﷺ نے فرمایا لایزال طائفة من امتی منصورین علی الحق لایضرهم من خالفهم حتی یأتی امر الله ۔

حضرت شیخ زکریاؒ کا سرزمین گنگوہ سے تعلق

بچپن میں حضرت گنگوہیؒ کی خدمت میں آنا

حضرت شیخ ۱۲؍رمضان المبارک ۱۳۱۵ھ مطابق ۵؍فروری ۱۸۹۸ء کاندھلہ میں پیدا ہوئے، آپ اپنی خودنوشت سوانح آپ بیتی جلد نمبر ۱؍ص ۸۹؍میں اس طرح لکھتے ہیں ''ڈھائی برس کی عمر میں گنگوہ حاضری ہوئی تو وہاں حضرت قطب عالم گنگوہی قدس سرہ کے سب خدام کے یہاں والد صاحب نوراللہ مرقدہ کی وجہ سے لاڈ ہی لاڈ اور پیار تھا، یہ منظر مجھے اب تک یاد ہے کہ حضرت شیخ الاسلام مدنی نوراللہ مرقدہ کے بڑے بھائی حضرت مولانا سید احمد صاحب نوراللہ مرقدہ اعلی اللہ مراتبہ اس سیاہ کار کو اپنی گردن پر بٹھائے رکھتے، ایک ٹانگ سینے کے ایک طرف دوسری ٹانگ دوسری طرف لٹکائے ہوئے میں گردن پر سوار رہتا وہ اسی حالت میں اپنے کام میں مشغول رہتے، بازار جاتے یا کسی اور کام کو جاتے تب بھی میں ان کی گردن پر سوار رہتا، نماز کے وقت البتہ اتار دیتے تھے'' حضرت مولانا سید احمد صاحب نوراللہ مرقدہ ۱۳۲۰ھ میں گنگوہ حاضر ہوئے تھے اور اوائل ۱۳۲۴ھ میں حضرت گنگوہیؒ قدس سرہ کے وصال کے بعد مدینہ منورہ واپس چلے گئے تھے (آپ بیتی جلد ۱؍ص ۸۹)۔

سب سے پہلا دور حضرت قطب عالم قطب الاقطاب حضرت گنگوہی قدس سرہ نوراللہ مرقدہ واعلی اللہ مراتبہ کا دیکھا میری عمر اڑھائی برس تھی، جب گنگوہ حاضر ہوا تو آٹھ برس کی تھی، جب حضرت قدس سرہ کا وصال ہوا، شعور تو اب تک بھی نصیب نہ ہوا مگر وہ تو عرف میں بھی بے شعوری کا زمانہ تھا اس بے شعوری اور بے تمیزی کے زمانے میں بھی اپنی چند حماقتیں ضرور یاد ہیں، سب سے پہلی تو یہ کہ حضرت قدس سرہ چار زانو

تشریف فرما ہوتے اور یہ بے ادب، بدتمیز، گستاخ حضرت قدس سرہ کے دونوں گھٹنوں پر ایک ایک پاؤں رکھ کر حضرت قدس سرہ کی گردن میں ہاتھ ڈال کر لپٹ کر کھڑا ہو جاتا تھا، اب جب خیال آتا ہے تو دُھڑ دُھڑی آجاتی ہے کہ میرے کپڑوں میں سے کتنی بدبو حضرت کو آتی ہوگی اور کتنی تکلیف حضرت کو پہونچتی ہوگی، یہ بھی خوب یاد ہے کہ حضرت قدس سرہ کی معیت میں حضرت کے ساتھ کھانا کھانے کی کئی دفعہ نوبت آئی اور حضرت کو چونکہ نزولِ آب ہو چکا تھا اس لئے حضرت قدس سرہ تو بہت آہستہ آہستہ نوش فرماتے اور مجھے اس عمر میں جو بدتمیزی کرنی چاہئے تھی وہ کیا بیان کروں، البتہ چونکہ حضرت قدس سرہ کی صاحبزادی جناب الحاج حافظ محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ ماجدہ برابر کھڑی ہوا کرتی تھیں اوران کے بارعب چہرے سے میں ڈرا کرتا تھا، اس لئے جب وہ ادھر ادھر ہوتیں تو جلدی سے دست درازی کیا کرتا تھا لیکن بعد میں بڑے ہو کر حضرت صاحبزادی صاحبہ رحمۃ اللہ علیہا کی براہ راست جو شفقتیں ہوئیں وہ بھی لاتعدولاتحصیٰ ہیں شاید ایک دو واقعہ کہیں لکھوادوں یہ میں باب دوم میں لکھوا چکا، اوران کی اہلیہ محترمہ میرے لئے پلاؤ خاص طور سے رکھا کرتی تھیں، یہ بھی خوب یاد ہے کہ مولانا سید احمد صاحب مدنی نوراللہ مرقدہ حضرت قدس سرہ کے لئے ایسی باریک ورقیاں امرودوں کی کاٹتے جیسے پتنگ کا کاغذ ہوتا ہے بڑی ہی مہارت تھی، حضرت قدس سرہ کے سامنے جو کچھ بچتا اس کا واحدوارث میں ہی تھا، اس کے علاوہ حضرت کی چار پائی کے نیچے پھل مٹھائی وغیرہ کی ٹوکریاں اور ہنڈیاں رکھی رہا کرتی ان پر بھی چوری سے نہیں اگر غصب سے کہوں تو بے محل بھی نہیں، بہرحال غاصبانہ تصرف میرا ہی ہوتا تھا، غصب میں نے اس لئے کہا کہ میرے والد صاحب نوراللہ مرقدہ اگر دیکھتے تو گھورتے اور مجھے جھڑک بھی دیتے تھے لیکن حضرت مولانا سید احمد صاحب جو حضرت قدس سرہ کی اس قسم کی چیزوں کے منتظم تھے ان کی طرف

سے اذن عام تھا بلکہ والد صاحب کے گھورنے یا جھڑکنے پر میں اگر اس چیز کو واپس ڈال دیتا اور وہ دیکھ لیتے تو اٹھا کر چپکے سے اور کبھی ان کے سامنے بھی مجھے دے دیتے۔

حضرت قدس سرہ کے یہاں عام معمول چائے کا تو مجھے اچھی طرح یاد نہیں کہ تھا یا نہیں لیکن یاد پڑتا ہے کہ کبھی کبھی دو حصہ دودھ اور ایک حصہ چائے کی ایک چھوٹی پیالی ہوتی تھی، البتہ صبح کے وقت میں دو تین بیضوں کا نیم برشت ایک ٹکیہ بنا کرتا تھا اور وہ بہت ہی عجیب چیز ہوا کرتی تھی اور بہت اہتمام سے بنا کرتا تھا، مولانا مرحوم تین بیضوں کو تقریباً آدھ گھنٹہ پھرکی سے اس قدر پھینٹتے کہ وہ پھول کر بڑا پیالہ ہو جاتا، پھر اس کو پکتے ہوئے گھی میں فریدان میں ڈالتے جس سے وہ بلا مبالغہ پھول کر ایک چھوٹے نان کے برابر ہو جاتا پھر جلدی جلدی اس کو بستر ے کی طرح سے لپیٹتے جس سے وہ گاؤ تکیہ معلوم ہونے لگتا جو اندر کی طرف سے تو بالکل کچا اور اوپر سے چلی کی طرح سے پکا ہوا بہت ہی لذیذ ہوتا، اس میں سے ایک دو چمچہ حضرت قدس سرہ نوش فرمایا کرتے تھے باقی وہ سارا گاؤ تکیہ اس حقیر وفقیر زاہد عن الدنیا کے حوالہ ہو جاتا، اکابر میں کوئی ہوتا تو ایک دو چمچہ بطور تبرک ان کی خدمت میں بھی پیش کیا جاتا۔

حضرت قدس سرہ کو ٹھنڈے پانی کا بڑا اہتمام اور شوق تھا، گرمیوں میں حضرت کے لئے بعد ظہر اولے کا شربت شورۂ قلمی میں ٹھنڈا کیا جاتا، پندرہ بیس منٹ تک حضرت مولانا سید احمد صاحب نور اللہ مرقدہ المونیم کے ڈبوں میں اس کو ٹھنڈا کیا کرتے تھے اندر کے بند ڈبے میں شربت ہوتا اور باہر کے کھلے ڈبے میں شورہ، وہ پندرہ بیس منٹ تک اس کو گھماتے جس سے وہ برف سا ہو جاتا وہ اندر کے بند ڈبے کو بالکل صاف کر کے کہیں اس کے اندر اثر نہ رہ جائے گلاس میں حضرت قدس سرہ کو پلانے کیلئے نکالتے اور باہر

حضرت قدس سرہ کی خدمت میں پیش کرنے کو لیجاتے، اور ایک چوتھائی کے قریب اس ڈبے میں خاص طور سے اس سیاہ کار کے لئے بھی چھوڑ کر جاتے، حضرت قدس سرہ کے گلاس میں جتنا بچتا اسی میں میرے والا حصہ ملا کر مجھے مرحمت فرما دیتے، ایک دفعہ حماقت سوار ہوئی، مولاناؒ تو حضرت قدس سرہ کو پلانے باہر تشریف لے گئے اور اس حریص ولالچی نے ان کے آنے سے پہلے ہی شورہ سے وہ ڈبہ نکال کر منہ کو لگایا اندر کا شربت تو دیر سے پہنچا اور باہر جو شورہ تھا وہ سب سے پہلے منہ کو لگ گیا جس سے سارا منہ کڑوا اور خراب ہو گیا کہ تھوکتا تھوکتا تھک گیا اتنے میں مولانا تشریف لے آئے، میری حالت دیکھ کر ڈانٹا کہ ایسی کیا گھبراہٹ تھی میں تو آ ہی رہا تھا کئی مرتبہ کلی کرائی پھر وہ بقیہ شربت پلایا، اس سیاہ کار نابکار نے جملہ مشائخ کے یہاں سے مادی مال ہی کھائے، اور اپنی بداعمالیوں سے روحانی کچھ نہ کھایا۔

حضرت قدس سرہ نور اللہ مرقدہ اعلی اللہ مراتبہ کی ہمرکابی میں عیدگاہ میں جانا بھی خوب یاد ہے، ایک پالکی میں سرہانے کی طرف حضرت قدس سرہ ہوتے اور دوسری طرف (یعنی پاؤں کی جانب) یہ سیاہ کار بیٹھا ہوا کرتا اور بڑے بڑے مشائخ درس، اکابر صوفیا، محدثین اس کو اٹھانے والے ہوتے دس بارہ آگے ہوتے دس بارہ پیچھے اور دوسو اڑھائی سو کا مجمع ادھر ادھر، تشبیہ تو اچھی ہے نہیں مگر کوئی اور لفظ سمجھ میں نہیں آیا کہ جنازہ کی طرح سے ایسی جلدی جلدی کندھا بدلتے کہ میں بیٹھا اس منظر کی سیر کیا کرتا تھا، خانقاہ سے عیدگاہ تک نہایت آہستہ خراماں خراماں وہ پالکی چلتی اور ہر شخص کی تمنا ہوتی کہ مجھے بار بار یہ سعادت ملے، ہمت والے نوجوان تو دو دو بار نمبر لگا لیتے جس کو میں دیکھتا رہتا اور ضعفاء ایک آدھ ہی چکر لگا پاتے، مگر چونکہ تواضع اور احترام کا خاص منظر تھا اسلئے

دوسرے آنے والے کے بعد پہلے والے کو ہٹنے میں ذرا تامل نہیں ہوتا تھا۔

ایک حماقت ساری عمر یاد رہے گی حضرت قدس سرہ کی سہ دری اور شرقی جانب ایک بہت بڑا چبوترا تھا اس کے اوپر ایک بہت بڑا چھپر پڑا رہتا تھا، وہ گویا میرے والد صاحب اور ان کے متعلقین وخدام ادب کی قیام گاہ تھی اس میں چار پائی بھی پڑی رہتی اور سردیوں میں پرال اور گرمیوں میں چٹائیاں وہی گویا میری بھی قیام گاہ تھی جب حضرت قدس سرہ دوپہر کو کھانا کھا کر مکان سے تشریف لاتے اور خانقاہ شریف کے اندر داخل ہوتے تو میں اس قدر زوردار جھٹکے سے ''السلٰع معلیکم'' کہتا اور دونوں عینوں کو ایسے جھٹکے سے کہتا اور حضرت قدس سرہ اتنے ہی زوردار جھٹکے سے وعلیکم السلام کہتے کہ حضرت قدس سرہ کی آواز اب بھی کانوں میں گونج رہی ہے اور اجل خلفاء اکابر علماء جب حضرت قطب عالم کی مجلس میں بیٹھتے تو ایسا سر جھکا کر بیٹھتے ''کان علی رؤسھم الطیر'' سناٹا چھایا ہوا ہوتا، البتہ حکیم محمد اسمٰعیل صاحب جو بعد میں ممبئی میں حکیم اجمیری کے نام سے مشہور ہوئے جب وہ گنگوہ حاضر ہوتے تو وہ کچھ نہ کچھ بات اکثر کرتے رہتے، یا حضرت صاحبزادے حکیم مسعود صاحب جن کا گدی دار موڑھا حضرت قدس سرہ کی چارپائی کے قریب یا پائنتی کی جانب ہوتا یا میرے والد صاحب قدس سرہ ڈاک سنانے کے لئے تشریف لاتے اور بہت چھوٹے سے بغیر گدی کے موڑھے کو چارپائی کے قریب لاکر اس پر بیٹھتے اور ڈاک سناتے ان کے علاوہ بڑے بڑے اکابر معمولی موڑھوں پر ایسے چپ چاپ آہستہ آہستہ دبے پاؤں موڑھوں پر آکر بیٹھتے کہ آہٹ نہ ہو، الا یہ کہ خود حضرت قدس سرہ کسی سے مخاطب ہوں تو وہ نہایت عجلت سے نہایت آہستگی سے جس کے

اندر آواز نہ ہو موڑھے کو قریب کر کے بیٹھتا اور جواب دیتا۔

ایک مقولہ حضرت قدس سرہ کا میں نے خود تو نہیں سنا مگر میرے والد صاحب اور چچا جان ہر دو سے کئی مرتبہ سنا ہے جو آگے آرہا ہے، حضرت قدس سرہ مکان سے کھانا کھا کر جب تشریف لاتے تو خدام مکان سے خانقاہ تک پیچھے پیچھے آیا کرتے تھے وہ حضرت قدس سرہ کے سہ دری میں تشریف لانے تک اپنی اپنی جگہوں پر واپس لوٹ جاتے تھے، دستور یہ تھا کہ جب حضرت قدس سرہ دونوں وقت کھانا کھانے مکان تشریف لیجاتے تو خدام میں سے دو چار نہایت آہستہ آہستہ پیچھے ہو لیتے، حضرت قدس سرہ کا ہاتھ پکڑ کر کوئی نہیں چلتا تھا، بلکہ حضرت قدس سرہ کے ہاتھ میں ایک لکڑی ہوتی تھی اسی کی مدد سے بغیر سہارے تشریف لاتے اور تشریف لیجاتے، خدام جو مکان جانے پر ساتھ جاتے وہ حضرت قدس سرہ کے فارغ ہونے تک باہر دروازہ پر ہی کھڑے رہتے یا بیٹھ جاتے، اور حضرت کی واپسی پر ساتھ ساتھ خانقاہ آتے ہوئے جب حضرت قدس سرہ سہ دری تک آتے تو وہ لوٹ جاتے، ایک مرتبہ حضرت قدس سرہ تشریف لائے حضرت نے سہ دری میں قدم رکھا اور خدام لوٹ گئے اور حضرت نے سہ دری میں کھڑے ہو کر فرمایا کوئی ہے؟ میرے والد صاحب نے عرض کیا کہ حضرت! یحییٰ اور الیاس ہیں، حضرت نے نہایت جوش میں فرمایا اللہ کا نام چاہے کتنی ہی غفلت سے لیا جائے اثر کئے بغیر نہیں رہتا، حضرت قدس سرہ کا ارشاد بالکل صحیح ہے اسی وجہ سے جملہ مشائخ کے یہاں سلوک میں ''اللہ'' کا ذکر اور ورد جاری ہے کہ یہ اثر کئے بغیر نہیں رہتا (آپ بیتی جلد ۱ ص ۳۳۴)۔

حضرت گنگوہیؒ کی وفات کا تذکرہ حضرت شیخ کی زبانی

ایک جگہ لکھتے ہیں اکابر کے حوادث کے سلسلہ میں بھی بعض عجیب قدرت کے کرشمے دیکھنے پڑے۔

اس سلسلہ میں سب سے اول قطب الارشاد، سید الطائفہ حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہ، قدس سرہ، اعلی اللہ مراتبہ کا حادثۂ وصال دیکھا جو ۸ر یا ۹ر جمادی الثانی علی اختلاف رویۃ الہلال ۱۳۲۳ھ مطابق ۱۱راگست ۱۹۰۵ء جمعہ کے دن چاشت کے وقت ہوا، وہ منظر اب تک آنکھوں کے سامنے ہے جمعہ کی نماز کے بعد تدفین عمل میں آئی صبح کے بعد سے اور جنازہ کے اٹھنے تک اس قدر سناٹا رہا کہ اس میں کوئی مبالغہ نہیں کہ آدمی کی آواز ہی نہیں جانور کی آواز بھی سنائی نہیں دیتی تھی، لب ہر شخص کے خوب ہل رہے تھے اور اس قدر مکمل سکوت کہ قرآن پڑھنے کی بھی آواز نہیں نکل رہی تھی، حافظ بھی قرآن پڑھ رہے تھے اور ناظرہ خواں بھی مسجد میں بیٹھ کر قرآن خوب کثرت سے پڑھ رہے تھے مگر زبان پر ایسا سکوت کہ آواز کا نام نہیں، اگر کوئی شخص کسی سے بات پوچھتا بھی تھا تو ایک دو منٹ کے بعد اشارہ سے جواب ملتا، جمعہ کی نماز تو میرے والد صاحبؒ نے جو پہلے سے حضرت قدس سرہ کی علالت سے امامت کررہے تھے پڑھائی، بہت بھرائی ہوئی آواز میں جنازہ کی نماز حضرت شیخ الہندؒ نے حضرت صاحبزادہ صاحب کے حکم سے پڑھائی اس لئے کہ سارے ہی اجل خلفاء موجود تھے، حضرت صاحبزادے سے پوچھا گیا، انہوں نے کہا مولوی محمود پڑھائیں گے، میں تو بہت ہی بچہ تھا چھپ چھپ کر قبرستان جارہا تھا اور جگہ جگہ سے ہٹایا جارہا تھا راستے میں مخلص کہتے کہ ہٹ جاؤ، ہٹ جاؤ، قبر شریف تک تو پہنچ

ہی نہ سکا اس لئے کہ تقریباً چاروں طرف سے ایک میل زائد جگہ کا لوگوں نے احاطہ کر رکھا تھا وہ منظر خوب یاد ہے (آپ بیتی جلد ا رص ۱۷۲)۔

حضرت شیخ زکریاؒ اپنی حیات میں گنگوہ کے سفر کو بہت اہمیت دیا کرتے تھے اور بارہا مزار رشیدؒ پر اور دیگر اکابر کے مزارات پر حاضر ہوتے ہوئے حضرت حکیم نھو میاںؒ کے پاس ہوتے ہوئے مدرسہ اشرف العلوم میں تشریف لاتے اور دعائیں کرتے، مزار کی مسجد میں فجر کی نماز پڑھتے، اور پھر حضرتؒ کے مزار اقدس پر مراقبہ کرتے اور تمام مجمع حضرت کے ساتھ ذکر جہری کرتا تھا، اور حضرتؒ اپنے متعلقین کو بھی ذکر واذکار کی اور اپنی اصلاح وتربیت کی بہت زیادہ تلقین فرمایا کرتے تھے، جس کی تفصیلات مکاتیب شیخ میں دیکھی جاسکتی ہیں، حضرت شیخ زکریاؒ کا وصال یکم شعبان ۱۴۰۲ھ مطابق ۲۴ رمئی ۱۹۸۲ء بروز دوشنبہ بعد عصر ہوا اور جنت البقیع مدینہ منورہ میں مدفون ہوئے۔

تذکرہ مولانا فخر الحسن صاحب گنگوہیؒ

آپ کی پیدائش مصنف سوانح علمائے دیوبند کے مطابق ۱۸۴۶ یا ۱۸۴۷ء ہے خاندانی روایات کے مطابق جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے وقت آپ کی عمر دس، گیارہ سال کے قریب تھی، نیز اسی کتاب میں ایک جگہ تحریر کیا گیا ہے، کہ آپکی پیدائش دہلی میں ہوئی اور ابتدائی زندگی کے دس بارہ سال دہلی میں ہی گزرے، آپ انصاری النسل تھے یعنی حضرت ابوایوب انصاریؓ کی اولاد میں سے تھے۔

چنانچہ مصنف ''سوانح علمائے دیوبند'' ایک جگہ لکھتے ہیں: حضرت فخر العلماء کی ایک اہم خصوصیت یہ بھی ہے کہ جہاں وہ انصاری النسل ہونے پر فخر کر سکتے ہیں وہاں انہیں یہ فخر بھی ہوسکتا ہے کہ ان کی دادی حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کی اولاد میں سے تھیں، حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے بعد جس شخصیت کے نام سے گنگوہ کی عظمت میں اضافہ ہوا وہ یہی حضرت فخر العلماء کی شخصیت ہے جو دنیائے اسلام میں حضرت مولانا فخر الحسن محدث گنگوہیؒ کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں (سوانح علمائے دیوبند ص ۵۴۳ رج ۲)۔

حضرت فخر العلماء گنگوہ میں

حضرت فخر العلماء اپنے والد اور والدہ کے ہمراہ جب گنگوہ تشریف لائے تو عیش وعشرت کے بجائے تنگی اور تنگدستی کا دور دورہ تھا، دہلی سے گنگوہ کا سفر بھیس بدل کر مسافت طے کرنا، آزادی کی جدوجہد میں (جس کا مشاہدہ اپنی آنکھوں سے انہوں نے کیا جس میں ان کے نانا نے پیش پیش حصہ لیا) دہلی کی تباہی، فرنگیوں کی فتح یہ وہ سارے

نظارے تھے جوان کے نانا کے سامنے سے گزرے، پھر وہ اس آتش سیال سے گزر کر گنگوہ کے نسبتاً پرسکون ماحول میں داخل ہوئے، ان کے والد جو قطب عالم حضرت شیخ عبدالقدوسؒ کے سجادہ عماد الاسلام کے حقیقی نواسے تھے بیمار تھے ایک والدہ کا دم تھا جو حوصلہ اور ہمت کا مینار تھیں، لیکن جیسا کہ ہر دور میں ہوتا ہے مصیبت میں خدا یاد آتا ہے، مسلمانوں کو اگر اس دور میں آسرا تھا تو وہ صرف خدا کی ذات سے تھا، لہذا ہر شخص اللہ سے رجوع کرر ہا تھا، پھر حضرت فخر العلماء کا خاندان تو اہل اللہ کا خاندان تھا لہذا جب حضرت کی تعلیم وتربیت کو پھر جاری کرنے کا مسئلہ پیدا ہوا جو اس افراتفری کے باعث مہینوں معطل رہی تھی تو یہی فیصلہ ہوا کہ دینی تعلیم کا جو سلسلہ دہلی میں جاری تھا اسے از سر نو شروع کیا جائے، والدہ ماجدہ نے ہیرے کی انگشتری بیچ کر جو رقم حاصل کی تھی اسی سے سرائے پیرزادگان میں ایک مکان خریدا تا کہ سر چھپانے کی جگہ تو میسر ہو اور بیمار شوہر کی تیمارداری کی جائے۔ (سوانح علمائے دیوبند ص ۵۴۴ رج ۲)۔

حضرت گنگوہیؒ کی شاگردی

تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت مولانا فخر الحسن صاحبؒ نے دار العلوم دیوبند میں داخلہ لینے سے پہلے گنگوہ میں حفظ قرآن کیا اور حفظ کرنے کے بعد حضرت گنگوہیؒ سے بھی پڑھا تھا، حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتویؒ نے سوانح قاسمی میں اور حضرت مولانا عاشق الٰہی میرٹھی نے تذکرۃ الرشید میں اس کا ذکر کیا ہے۔

چنانچہ حضرت مولانا فخر الحسن صاحبؒ نے حضرت گنگوہیؒ کے درس کی ایک خصوصیت بیان کرتے ہوئے ایک مجلس میں جس میں حضرت مولانا اشرف علی صاحب

تھانویؒ یہ غالباً کانپور کی بات ہے جہاں ایک زمانہ میں یہ دونوں حضرات جمع تھے، حضرت تھانویؒ کی زبانی مولانا فخر الحسن صاحب کی اس روایت کو سنئے، یہ روایت اس حدیث شریف سے متعلق ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا تھا کہ ''مجھے یونس علیہ السلام پر فضیلت نہ دو''، جب یہ حدیث حضرت گنگوہیؒ کے درس میں آئی تو طلبہ نے اپنے اشکالات بیان کئے، حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ ''میں نے اس سلسلہ میں حضرت گنگوہیؒ کی ایک حکایت سنائی جو مولانا فخر الحسن صاحب گنگوہیؒ نے بیان کی تھی، کہ جب بخاری شریف کے درس میں یہ حدیث آئی تو شاگردوں نے یہ اشکال پیش کیا کہ آنحضرت ﷺ تو حضرت یونس علیہ السلام بلکہ تمام انبیاءؑ سے یقیناً افضل تھے، پھر آپ نے اس کی نفی کیوں فرمائی؟ حضرت گنگوہیؒ نے فرمایا کہ یہی تو افضل ہونے کی دلیل ہے، جو افضل ہوتے ہیں وہ یہی کہا کرتے ہیں کہ میں افضل نہیں، شاگردوں نے پھر اشکال کیا، حضرت مولانا نے پھر سمجھایا لیکن طلبہ نے عرض کیا کہ حضرت ابھی تک سمجھ میں نہیں آیا، پھر مولانا نے دوسری قوت سے کام لینا چاہا فرمایا اچھا میں تم سے پوچھتا ہوں کہ تم مجھے کیا سمجھتے ہو اپنے سے افضل یا کم تر؟ سب نے عرض کیا کہ حضرت ''چہ نسبت خاک را بہ عالم پاک'' ہماری حقیقت ہی کیا ہے حضرت کے سامنے، پھر فرمایا کہ اچھا اب یہ بتاؤ کہ تم مجھے سچا سمجھتے ہو یا جھوٹا؟ عرض کیا بالکل سچا، پھر فرمایا کہ اگر میں کسی بات کی قسم کھا کر کہوں پھر تم مجھے سچا سمجھو گے یا نہیں؟ کہا کہ تب تو اور بھی زیادہ آپ کی بات کا یقین کریں گے، جب ان سب باتوں کا اقرار کرا چکے تو فرمایا کہ تو اب میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تم میں سے ہر ہر شخص کو اپنے سے ہزار درجہ افضل سمجھتا ہوں، بس یہ فرمانا تھا کہ ساری مجلس تڑپ گئی، سب بے تاب

ہو گئے، لوٹنے لگے اور مولانا چپکے سے اٹھ کر حجرے میں جا بیٹھے درس وغیرہ ختم ہو گیا، اگلے دن جب پھر سبق شروع ہوا تو فرمایا کہ کہو بھئی اب بھی اس حدیث میں کچھ شبہ ہے؟ سب نے بالاتفاق عرض کیا کہ حضرت اب تو کوئی شبہ نہیں رہا'' اس حکایت کو بیان کرنے کے بعد پھر حکیم الامت (مولانا تھانویؒ) نے فرمایا کہ حضرت گنگوہیؒ نے یہ تعریف کے مقصد سے نہیں کیا ہمارے حضرات اس کا قصد نہیں کرتے تھے مگر ہر شئے میں ایک خاصیت ہے، صدق میں بھی خاصیت ہے کہ از دل خیزد و بر دل ریزد (سوانح علمائے دیوبند ص ۵۴۶ ر ج ۲)۔

دارالعلوم دیوبند سے وابستگی

حضرت گنگوہیؒ کی خدمت میں اکتساب علم کا سلسلہ جاری تھا جس میں اس مدت کے دوران جب آپ حضرت مولانا حکیم ضیاء الدین کے ہمراہ حج پر تشریف لے گئے یعنی ۱۲۸۰ھ سے لیکر ۱۲۸۴ھ تک فخر العلماء حضرت گنگوہیؒ سے علوم دین کا درس حاصل کرتے رہے، لیکن اگلے سال یعنی محرم الحرام ۱۲۸۳ھ میں جب مدرسہ دیوبند کا باقاعدہ آغاز ہوا تو آپ اپنے استاذ اور اپنی والدہ محترمہ سے اجازت لے کر دیوبند پہنچے، آپ کی والدہ ماجدہ جو آپ کے والد کے انتقال کے بعد اپنے تمام بچوں کی تعلیم و تربیت اور نگہداشت کی نگراں تھیں اپنے بڑے صاحبزادے کو اپنے سے جدا کرنا نہیں چاہتی تھیں، لیکن جب انہوں نے فخر العلماء کے طلب علم کے جذبہ کو دیکھا اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی رضامندی پائی تو پھر حضرت والا کو دیوبند روانہ کرنے اور حصول علم کے جذبۂ اعلیٰ کی تسکین کی خاطر انہیں اپنے سے الگ کرنے پر رضامند ہو گئیں (سوانح علمائے دیوبند ص ۵۴۷ ر ج ۲)۔

دارالعلوم دیوبند میں گنگوہ کا پہلا متعلم

خاندانی روایات کے مطابق حضرت فخر العلماء مدرسہ دیوبند کے قیام کے فوراً بعد ہی حضرت گنگوہیؒ کے ایماء اور اپنی والدہ ماجدہ کی اجازت سے مدرسۂ دیوبند میں اپنی تعلیم مکمل کرنے کیلئے تشریف لے گئے، وہ اس مقدس ومتبرک تعلیمی ادارے میں گنگوہ کے پہلے طالب علم تھے، دیوبند کے ابتدائی سالوں کی رپورٹ اگر مطالعہ میں آتی تو پتہ چلتا کہ حضرت فخر العلماء نے کب داخلہ لیا، مگر یہاں بھی حضرت مولانا اصغر حسین دیوبندیؒ نے اپنی مشہور تصنیف حیات شیخ الہندؒ کے صفحہ ۱۶۷ رپر حضرت فخر العلماء کو حضرت شیخ الہندؒ اور احمد حسن امروہویؒ کا بے تکلف ہم سبق بتایا، جس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ حضرت فخر العلماء اول سال ہی سے مدرسۂ دیوبند میں حضرت شیخ الہندؒ کے ہم سبق تھے۔ (سوانح علمائے دیوبند ص ۵۴۸ر ج ۲)۔

حضرت قاسم العلوم کی شاگردی

یہ دیوبند ہی کا قیام تھا جس میں حضرت فخر العلماء حضرت قاسم العلوم کے شاگرد بنے ان کے زیر اثر آئے اور ان کی ذاتی توجہ، محبت اور شفقت ہی نے حضرت مولانا کو فخر العلماء بنایا۔

حضرت مولانا فخر الحسن صاحبؒ نے سفر وحضر میں دارالعلوم دیوبند کے علاوہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ سے حدیث اور دیگر علوم کی کتابیں بھی پڑھیں، میرٹھ، نانوتہ اور دیوبند میں مولانا (حضرت قاسم العلوم) کے ساتھ ساتھ رہتے تھے۔

حضرت قاسم العلوم جنگ شاملی کے ہیرو ہونے کے ساتھ ساتھ حضرت حاجی

امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی تلوار اور قلم بھی تھے، اور جن سے قدرت کو جنگ آزادی کی ناکامی کا بدلہ لینے کیلئے ایک گروہِ مجاہدین پیدا کرنے کا کام لینا تھا، حضرت فخر العلماء جب دیوبند آئے تو ہر طرح قاسم العلوم کے شاگرد بنے اور وہ تحریک دیوبند کے رکن رکین بننے کے اہل بھی تھے، حضرت فخر العلماء دیوبند تحریک کے رموز ونکات سے نہ صرف واقف تھے بلکہ وہی اس معاملہ میں تحریک کے محرک اول اور سر براہ کے قدم بہ قدم بلکہ اسے کامیاب بنانے میں ان سے بھی بڑھ کر تھے، یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے اور حضرت قاسم العلوم کے شاگردوں میں سے صرف یہ خصوصیت انہیں ہی حاصل ہے کہ وہ ابتدائے تحریک ہی سے اس کو کامیاب بنانے کیلئے اپنے تمام ساتھیوں کے مقابلہ میں نہایت بہتر طور پر تیار تھے، اور ان کی تیاری ذہن وفکر میں پوری صلاحیتوں کے ساتھ تھی، ان کے استاذ کو بھی ان کی ان خداداد صلاحیتوں کا پوری طرح اندازہ تھا (سوانح علمائے دیوبند ص ۵۴۹ ر ج ۲)۔

حضرت نانوتویؒ سے غایت درجہ محبت

مگر یہ محبت یک طرفہ نہیں تھی، حضرت فخر العلماء کو بھی حضرت قاسم العلوم سے ایسی محبت تھی کہ انہوں نے بھی اپنی ساری زندگی استاذ پر تج دی، انہوں نے کہا کہ تم مدرسہ عربیہ قاسم العلوم نگینہ ضلع بجنور چلے جاؤ تو یہ بے چوں وچرا نگینہ چلے گئے، انہیں حکم ہوا کہ مدرسہ عبد الرب دہلی چلے جاؤ تو یہ وہاں چلے گئے، انہیں ہدایت فرمائی کہ تم خورجہ ضلع بلند شہر چلے جاؤ تو یہ خورجہ چلے گئے ان سے کہا کہ تم ابن ماجہ کی تصحیح کیلئے دہلی جاؤ تو یہ دہلی چلے گئے، غرضیکہ ان کی زندگی اس طرح بسر ہونے لگی جس طرح پروانہ کی زندگی شمع کے ساتھ وابستہ ہوتی ہے، انہوں نے حضرت قاسم العلوم کی محبت میں اپنی خانگی زندگی تک تباہ کر لی اور حضرت قاسم العلوم کی وفات تک ان سے جدا نہیں ہوئے، وہ جو کام بھی

کرتے تھے حضرت قاسم العلوم کی اجازت حاصل کرنے کے بعد، اور اگر یہ کہا جائے کہ انہیں فنافی الاستاذ کا درجہ حاصل تھا تو یہ غلط نہیں ہوگا، حد یہ ہے کہ انہوں نے اپنے لڑکے کا نام بھی حضرت قاسم العلوم کے مشورہ سے رکھا۔

قاسم العلوم کے مکتوب دہم میں اس واقعہ کا تذکرہ موجود ہے، اس خط میں حضرت قاسم العلوم اپنے چہیتے شاگرد حضرت فخر العلماء کو لکھتے ہیں کہ (اصل خط فارسی میں ہے یہاں اس کا وہ ترجمہ پیش کیا جاتا ہے جو قاسم العلوم مع ترجمہ انوار النجوم کے صفحہ ۱۰۲ ر پر ہے) ''پہلی گزارش تو یہ ہے کہ لڑکے کی پیدائش مبارک ہو، بہت بخشنے والا خدا عمر دراز کرے اور بخت نیک کو مددگار بنائے، اور علم وعمل سے بہرۂ وافر عطا فرمائے آمین اس کا نام محمد نور الحسن یا محمد حسن اچھا لگتا ہے، مگر ان کے خاندان میں اگر کوئی اس نام کا ہوتو اس صورت میں عورتوں کو غالباً یہ نام پسند نہیں آئیں گے، لہذا میں چاہتا ہوں کہ مولانا رشید احمد صاحبؒ کی خدمت میں عرض کریں (ولادت گنگوہ میں ہوئی تھی) جو کچھ وہ فرمائیں وہی نام رکھ دیں'' حضرت قاسم العلوم نے نام تجویز کرنے کے ساتھ حضرت گنگوہیؒ سے مشورہ کا حکم دیا تھا مگر شاگرد رشید کیلئے تو حضرت قاسم العلوم کی تجویز ہی کافی تھی، لہذا فرزند اول کا نام نور الحسن ہی رکھا گیا۔

حضرت مولانا فخر العلماء کی زندگی کو اسی لئے دو حصوں میں تقسیم کرسکتے ہیں، ایک وہ حصہ جو قیام دار العلوم سے شروع ہوکر حضرت قاسم العلوم کی دیو بند میں تدفین پر ختم ہوا، دوسرا زندگی کا وہ دور جو حضرت قاسم العلوم کی رحلت سے شروع ہوکر کانپور میں بساطیوں کے قبرستان میں خود ان کی تدفین پر ختم ہوا، اول میں حضرت فخر العلماء حضرت قاسم العلومؒ کی تلوار اور قلم تھے اور دور ثانی میں آپ اپنے استاد گرامی کے ارشادات کے مبلغ، آپ کی

تحریروں کے مرتب، آپ کی سوانح کے مؤلف، اور فیوض قاسمی کے پیکر نظر آتے ہیں، گویا طالب علمی کے دور سے لے کر لحد کی آغوش میں جانے کے وقت تک حضرت فخر العلماء نے اپنے استاذ کی مرضی اور منشاء کے مطابق زندگی کا سفر طے کیا، اور ان ہی کی محبت کو متاعِ عزیز سمجھتے ہوئے اپنی زندگی کو مالک حقیقی کے سپرد کیا (سوانح علمائے دیوبند ص ۵۵۰ رج ۱)۔

شاگردوں کے انتخاب کی وجہ

حضرت قاسم العلوم بلاوجہ شاگردوں کے انتخاب میں محتاط نہیں تھے بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ گنجینۂ علم تھے اور آپ کی تقریروں کو سمجھنے کے لئے بھی اعلیٰ استعداد درکار تھی، حضرت کی احتیاط برمحل مناسب تھی، جیسا کہ مولانا انوار الحسن شیرکوٹی نے فرمایا کہ وہ اپنے شاگردوں کی صلاحیتوں کو مختلف انداز اور مختلف سمتیں عنایت کرتے تھے مگر ان کے شاگردوں میں حضرت شیخ الہندؒ اور حضرت فخر العلماء ہمہ جہت صلاحیتوں کے مالک تھے، یعنی انہیں درس وتدریس اور تحریر وتقریر میں حضرت قاسم العلوم سے مناسبت خاص ہونے کے ساتھ ان کے اندر وہی جذبۂ جہاد کارفرما تھا جس کے سوتے حضرت قاسم العلوم کے ذہن سے پھوٹتے تھے، پھر بھی ان دو شاگردوں کی صلاحیتوں میں فرق تھا، حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کے بموجب حضرت شیخ الہندؒ درس وتدریس اور حضرت فخر العلماء تصنیف وتالیف کے میدانوں میں الگ الگ حضرت قاسم العلوم کے جانشین تھے، حضرت شیخ الہندؒ آگے چل کر اور حضرت قاسم العلوم کی صحبت اختیار کرنے کے بعد جذبۂ جہاد میں حضرت قاسم العلوم ثانی ثابت ہوئے، مگر حضرت فخر العلماء جنگ آزادی کے جن حوادث سے گزر کر حضرت قاسم العلوم کی خدمت میں داخل ہوئے تھے ان حوادث نے انہیں پہلے ہی جذبۂ جہاد سے سرشار کر رکھا تھا، یہی وجہ ہے کہ حضرت

مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ نے حضرت فخر العلماء کا اپنی ترتیب شدہ سوانح قاسمی میں تذکرہ کرتے ہوئے یوں ارشاد فرمایا کہ ''مولوی فخر الحسن درستگیٔ مزاج میں مولانا کے قدم بہ قدم ہیں بلکہ کچھ بڑھ کر ہیں تو اس کا ضرور کچھ نہ کچھ سبب ہوگا''۔

(سوانح علمائے دیوبند ص ۱۵۵/ج ۲)

استاد کے انتقال پر صدمہ

حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کی رحلت حضرت فخر العلماء کی زندگی میں ایک نئے موڑ کا باعث تھی، اب تک یعنی زمانۂ طالب علمی سے لے کر حضرت قاسم العلوم کی وفات تک حضرت فخر العلماء کی زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں تھا اور اس میں فرزندوں کے نام تک کا معاملہ شامل ہے جس میں حضرت قاسم العلوم کے ایماء، منشا اور ہدایت کو دخل نہ ہو، لیکن اب جبکہ مشفق استاد کا سایہ سر سے اٹھ گیا تو حضرت فخر العلماء کی زندگی میں ایک اندھیرا سا چھا گیا، جب تک وہ حیات تھے تو جہاں انہوں نے جانے کا حکم دیا اشارہ کیا تو اس کام میں لگ گئے جب حکم دیا کہ شاہ جہانپور چلو تو حاضر تھے، جب روڑکی جانے کا حکم ہوا تو وہاں موجود، منگلور جانے کی ہدایت کی تو ہدایت سر آنکھوں پر، اب کون ہدایت دینے والا حکم دینے والا اور مشوروں سے نوازنے والا باقی بچا تھا، مولانا کی زندگی کے آئندہ ادوار کا جب جائزہ لیا جائے گا تو پتہ چلے گا کہ اس حادثہ نے ان کی زمانۂ حیات کی کایا پلٹ دی اور انہوں نے حضرت قاسم العلوم کے انتقال کے بعد درس وتدریس کے پیشہ کو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے خیر باد کہہ دیا، حضرت فخر العلماء کیلئے یہ رحلت ایسا سانحہ تھی جس کا اثر مرتے دم تک ان پر باقی رہا اور وہ ان کی رحلت کے بعد اٹھارہ سال زندہ تو رہے لیکن یہ زندگی ایسی تھی جو حسرت ویاس کی مستقل آماجگاہ تھی حضرت فخر العلماء نے اپنا غم

ہلکا کرنے کیلئے اپنے استاد کی سوانح لکھی، ترتیب علوم قاسمی کی اشاعت کا بیڑا اٹھالیا اور اس کام میں اپنے آپکو اتنا منہمک ومصروف کرلیا کہ وہ ان کی زندگی کے تمام کارناموں پر حاوی ہو گئے (سوانح علمائے دیوبند رص ۵۶۱رج ۲)۔

نیز تاریخ دار العلوم رص ۳۷رج ۲رمیں ایسا لکھا ہے: حضرت اقدس حجۃ الاسلام والمسلمین مولانا نانوتویؒ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے، آپ کے شاگردوں میں تین حضرات شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ، مولانا احمد حسن امروہیؒ، مولانا فخر الحسنؒ کا شمار مشہورین میں ہوتا ہے ۱۲۸۴ھ میں دار العلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور ۱۲۹۰ھ میں انہوں نے حضرت مولانا احمد حسن امروہیؒ کے ساتھ دار العلوم میں فراغت حاصل کی، سفر وحضر میں اپنے استاذ حضرت مولانا نانوتویؒ کے ساتھ اکثر وبیشتر رہا کرتے تھے، مناظرے سے مولانا کو کافی دلچسپی تھی، دہلی میں حکیم محمود خان صاحب سے طب کی تعلیم حاصل کی، گفتگو اور تقریر شیریں اور دلکش تھی۔

فراغت کے بعد ۱۲۹۴ھ میں خورجہ کے مدرسہ قاسمیہ میں جو حضرت قاسم العلوم کا قائم کردہ تھا صدر مدرس مقرر ہوئے، پھر دہلی کے مدرسہ عبدالرب میں چلے گئے، حضرت نانوتویؒ کی بعض تصانیف شائع کرائیں ''مباحثہ شاہجہاں پور'' آپ ہی کا مرتب کیا ہوا ہے، اس کا اصل نسخہ دار العلوم میں موجود ہے انہوں نے حدیث میں ابو داؤد کا ایک مبسوط حاشیہ ''التعلیق المحمودٗ' کے نام سے لکھا ہے، یہ حاشیہ مطبع مجیدی کانپور میں چھپا ہے اور عام طور پر متداول ہے، اس کے علاوہ انہوں نے ابن ماجہ کا بھی حاشیہ لکھا ہے جو مطبع مجیدی کانپور میں چھپا تھا، ان کا ایک حاشیہ تلخیص المفتاح پر بھی ہے انہوں نے اپنے استاذ حضرت مولانا نانوتویؒ کی ایک مفصل سوانح حیات بھی لکھی تھی جو کم وبیش ایک ہزار صفحات پر مشتمل

تھی، حضرت مولانا فخر الحسن گنگوہیؒ اپنی بعض خانگی مجبوریوں کی وجہ سے گنگوہ کی سکونت ترک کر کے کانپور چلے گئے تھے اور وہیں مطب اور مستقل طور پر سکونت اختیار کرلی تھی، کان پور ہندو مسلم فساد میں ان کے مکان کا سامان لوٹنے کے بعد آگ لگادی گئی جس میں آپ کے عظیم الشان کتب خانہ کے ساتھ ''سوانح حیات'' کا مسودہ بھی جل گیا ۱۳۱۵ھ مطابق ۱۸۹۷ء کانپور میں وفات پائی، اور وہیں بساطیوں کے قبرستان میں مدفون ہیں۔

زہے گنگوہ جس کا ایک ذکی فرد	شد فخر الحسن نامش زباں زد
فیوض قاسمی کا نورتن تھا	بہار قاسمی کا اک چمن تھا
یکے از ترجمان قاسمی بود	کہ علمش از قلم بنوشتہ آسود

(ارمغان اجلاس صد سالہ رص ۱۱ رسوانح علمائے دیوبند ج ۲)

ملفوظات فقیہ الامت میں آپ کے تعلق سے اس طرح لکھا ہے:

جنون کی اقسام: مولانا فخر الحسن صاحب گنگوہیؒ کو عدالت میں بیان دینے کی ضرورت پیش آگئی، وہاں کچہری میں جج کے سامنے جنون کا تذکرہ آگیا تو مولانا نے ستاون قسمیں جنون کی مع اسباب و معالجات کے بیان کیں، یہ بھی بیان کیا کہ کون سی قسم کس علاقہ میں ہوتی ہے۔

صاحب نزہۃ الخواطر نے رص ۳۷۶ رج ۸ر پر آپ کو اس طرح یاد کیا ہے: **احد العلماء المشهورين ممن اشتغل بالعلم وتميز وكتب واشتهر بالفضل والكمال من تلامذة الشيخ محمد قاسم النانوتوی وأصدقائه وملازميه فی السفر والإقامة۔**

وكان حسن الشكل ضخماً ظريفاً بشوشا، حلو اللفظ والمحاضرة، موصوفاً بالصدق والصفاء، صاحب حمية وشجاعة، متصلباً فی المذهب ذانجدة وجرأة، يصرف أوقاته كثيراً فی المناظرة بالهنود والنصاری، ويتلذذ بذكرها وفكرها۔

تذکرہ حضرت مولانا فیض الحسن صاحب گنگوہیؒ

مولانا حافظ فیض الحسن صاحبؒ حضرت مولانا فخر الحسن صاحب گنگوہیؒ کے صاحبزادے اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ کی اہلیہ محترمہ کے حقیقی برادر زادے تھے، ابتدائی تعلیم کے بعد کانپور میں اپنے والد کے زیر سایہ اور دیگر مختلف مدارس میں عربی تعلیم حاصل کی اور تکمیل علوم کے بعد تجارت کتب اور مطبع کا کام کانپور میں شروع کیا، والد ماجد کی تربیت و تعلیم کی بنا پر مولانا فیض الحسن صاحبؒ بھی مختلف علوم وفنون میں دستگاہ رکھتے تھے اور اخلاق حسنہ سے کمال درجہ میں متصف تھے، خوش اخلاق، خوش گفتار، بلند کردار، صاحب علم وعمل، حافظ قرآن اور خوش اوقات تھے، یہی وجہ تھی کہ جب ایک عرصہ کے بعد سہارنپور گئے تو اس زمانہ میں حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ بذل المجہود کی تالیف فرمارہے تھے، مولانا فیض الحسن صاحبؒ کے پہنچنے سے حضرت مولانا بہت خوش ہوئے اور نہایت محبت سے ملے اور باوجودیکہ بھتیجے تھے اور ہر طرح چھوٹے تھے مگر حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحبؒ سے فرمایا کہ ان کو بذل المجہود کے اجزاء دیدینا یہ دیکھیں گے، مولانا فیض الحسن صاحبؒ کہتے تھے کہ ''اس وقت تک میں حضرت سے بیعت بھی نہیں ہوا تھا یہ سن کر میں پانی پانی ہوگیا اور ایک حرف بھی زبان سے نہ نکلا، حضرت تو یہ فرماکر مکان تشریف لے گئے اور میں محجوب ومنفعل کہ میں کیا اور میری حقیقت کیا؟ اتنے میں مولوی زکریا صاحبؒ مجھے وہ اجزاء دے گئے اور تعمیلاً للارشاد میں نے کہیں کہیں سے کچھ دیکھا، دوسرے دن بھرے مجمع میں مجھ سے دریافت فرماتے ہیں،

کیوں بھائی وہ بذل المجہود کے اجزا دیکھے؟ میں نے عرض کیا جی ہاں جناب والا کے ارشاد کی تعمیل کردی، یہ سن کر حضرت نے ایک شفقت بھری خاص نظر مجھ پر ڈالی اور دریافت فرمایا کیسے ہیں؟ میں نے یہ سمجھ کر کہ متن کی کتابت حوض میں ہوگی اور شرح بصورت حواشی حاشیہ پر میں جس فن سے مناسبت رکھتا تھا اس کا لحاظ رکھ کر عرض کیا کہ قدرے طویل ہیں مگر پر منفعت ہونے میں کیا شک ہے، فرمایا حامل المتن ہونے کی وجہ سے کچھ طویل تو ضرور ہیں مگر ''عون المعبود'' مطبوعہ فاروقی دہلی کے طریقہ پر طبع ہوگی نہ کہ محشی ابوداؤد کے طرز پر (تذکرۃ الخلیل) مولانا فیض الحسن صاحب نوراللہ مرقدہ اسی سفر میں حضرت مولانا سے بیعت ہوئے اور تقریباً ۶/۵ رہی سال میں تکمیل سلوک کرکے اجازت وخلافت سے سرفراز ہوئے، یعنی جب کہ حضرت مولانا آخری سفر حج کو ۱۳۴۴ھ میں روانہ ہوئے تو مولانا کو مجاز طریقت بنایا (ماخوذ از حیات محمود ص ۵۴/ج ۱)۔

تذکرہ حضرت مولانا زکریا قدوسی گنگوہیؒ

سرزمین گنگوہ کے مشائخ اور علماء میں سے ایک اہم شخصیت حضرت مولانا زکریا صاحب قدوسیؒ کی بھی ہے، آپ حضرت شیخ عبدالقدوسؒ کے خاندان سے تھے، بہت شکیل وجیہ، حسین وجمیل انسان تھے، جیسا کہ راقم نے بعض حضرات سے سنا تھا آئینۂ مظاہر علوم کے خصوصی نمبر ص ۱۵۰ میں جو حضرت مولانا اطہر صاحبؒ کے حالات پر مشتمل ہے آپ کے حالات میں اس طرح لکھا ہے:

حضرت مولانا زکریا قدوسی گنگوہیؒ نیک طینت عالم اور مظاہر علوم کے جلیل القدر اساتذہ میں سے تھے آپؒ نے حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری اور دیگر کبار اساتذۂ جامعہ سے علم حاصل کیا ۱۳۴۰ھ میں یہاں مدرس منتخب ہوئے، مختلف علوم وفنون کی کتابوں کا درس دیا، آپ کا درس طلبہ میں نہایت مقبول تھا، آپؒ اپنے سبق میں دقیق علمی مباحث اور اہم پیچیدہ مسائل کی گتھیاں اپنی فصیح وبلیغ زبان میں ایسے انداز میں سلجھاتے تھے کہ طلبہ ان کی پرنور بصیرت افروز علمی تقریر کو نہایت آسانی کے ساتھ سمجھ لیتے تھے، آپ کی تقریر نہایت مسلسل اور مربوط ہوتی تھی۔

آپؒ اپنی بات سمجھانے اور طلبہ کے اذہان وافکار میں کما حقہ بٹھانے کی مہارت تامہ رکھتے تھے وعظ وتدریس اور تذکیر میں آپ کو یدطولیٰ حاصل تھا، بالخصوص سیرت نبویؐ کے موضوع پر وعظ وتقریر میں حذاقت کاملہ کے مالک تھے۔

وعظ وخطابت میں کمال

حضرت عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے آپ کی سیرت کے موضوع پر تقریر سننے کے

بعد متعجب ہوکر فرمایا تھا کہ ''سیرت نبویؐ کے موضوع پر میں خود اچھی تقریر کر لیتا ہوں اور اہم علماء سے بھی اس موضوع پر مختلف تقریریں سنی ہیں لیکن سیرت نبویؐ کے موضوع پر میں نے حضرت مولانا محمد زکریا قدوسی گنگوہیؒ کی تقریر سنی تو حیرت زدہ رہ گیا اس لئے کہ آپ کی تقریر نہایت ہی عجیب وغریب ہے''۔

علمی کمال ورسوخ

حضرت مولانا مرحوم ایک بڑے عالم دین، فقہ، تفسیر، اصول فقہ، عربی ادب اور ہندی ادب میں درک رکھتے تھے اور عربی فارسی اور ہندی کے کثیر اشعار آپ کے ذہن ثاقب میں محفوظ تھے، آپ اپنے مواعظ وتقاریر میں نعتیہ اشعار کچھ ایسے رقت آمیز انداز اور فصیح لہجہ میں پڑھتے تھے کہ سننے والے کے قلوب اور ان کی روح متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتی تھی، یہ بات مؤلف نے اپنے والد بزرگوار حضرت مولانا قاری شریف احمد صاحبؒ سے بھی بہت دفعہ سنی کہ مولانا زکریا قدوسیؒ کے خطاب میں بہت تاثیر اور سوز وگداز کی کیفیت تھی، سامعین میں کسی کی ہمت نہ ہوتی تھی کہ اٹھ کر چلا جائے یہاں تک کہ آپ کا وعظ پورا ہو جاتا، چاہے کتنی ہی دیر لگ جاتی، آپ اپنے وقت کے اساتذۂ مظاہر علوم میں سب سے بڑے واعظ تھے اور حضرات منتظمین اہم مقامات پر آپ ہی کو بھیجا کرتے تھے، حضرت والد صاحبؒ کا طالب علمی کے زمانہ میں آپ کے ساتھ جلسوں میں بہت جگہ جانا ہوتا تھا، اور قرآن پاک کی تلاوت اور قرأت کیلئے اکابر مظاہر علوم والد صاحبؒ کو حکم فرمایا کرتے تھے چونکہ وہ انکے بہت قریب تھے اور خادم کی حیثیت سے ان کے ساتھ ساتھ رہتے تھے، آپ نے مظاہر علوم میں درس وتدریس اور وعظ سے تقریباً

۴۰ سال خدمت کی، مختلف اجلاس و پروگرام میں بصیرت افروز خطاب فرماتے تھے، اسی طرح جامعہ مظاہر علوم میں مختلف مواقع پر کبار علماء کی موجودگی میں بیان فرماتے اور کبھی کسی کی وجاہت سے مرعوب نہیں ہوتے تھے، آپ کا وعظ عوام وخواص کے درمیان نہایت مقبول تھا، دوبار حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کی، پہلی بار ۱۳۴۴ھ میں اور دوسری بار اپنی زندگی کے اخیر ایام میں اپنے مخصوص شاگرد حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ کے ساتھ ۱۳۶۳ھ میں شرف حج سے بہرہ ور ہوئے۔

فنِ مناظرہ میں مہارتِ تامہ

آپؒ کو بحث ومباحثہ اور مناظرہ میں بھی خصوصی مہارت حاصل تھی، چنانچہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید عبداللطیف پورقاضویؒ کے ہمراہ مرشد آباد میں اہل بدعت سے مناظرہ کیلئے حضرت مولانا قدوسیؒ بھی تشریف لے گئے تھے، مولانا مرحوم اپنی مستقل رائے رکھتے تھے اور کسی کی وجاہت سے اس کی تقلید ومتابعت پر بالکل آمادہ نہ ہوتے تھے، بعض لوگوں نے آپ پر مودودیت کا الزام لگایا لیکن سچائی یہ ہے کہ وہ صحیح الفکر والعقیدہ تھے، اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چلتے تھے اور اس سے سر موانحراف نہ کرتے تھے البتہ حضرت مولانا مرحوم مودودیت کے بعض ایسے اصولوں سے اتفاق کرتے تھے جس سے اتفاق ہر صحیح العقیدہ مسلمان کو کرنا چاہئے، مثلاً اسلامی حکومت کا قیام، شرعی قوانین کا نفاذ، لیکن حضرت مولانا مرحوم مودودیت کے باطل افکار اور فاسد نظریات کے قطعاً قائل اور معترف نہ تھے، جیسا کہ بعض لوگوں نے گمان کیا ہے۔

آپ کا تقویٰ اور احتیاط

حضرت مولانا محمد زکریا صاحب قدوسیؒ مال کے سلسلہ میں بہت محتاط تھے، متقی، پاکباز، نیک طینت، متدیّن، متصلب، نیکوکار، طلبہ کیلئے نہایت مشفق اور ان کے ساتھ رعایت کرنے والے، طلبہ کو ان کی غلطیوں پر متنبہ کرنے والے، شفیق و غمگسار یہاں تک کہ ان کے آرام و راحت کیلئے اپنی گھریلو ضروریات کو بھلا دیتے تھے۔

آپ کے تلامذہ

حضرت مولانا اطہر حسین صاحبؒ نے آپ سے اصول الشاشی کا کچھ حصہ پڑھا ہے، آپ سے نامور علماء نے بھی شرف تلمذ حاصل کیا ہے، جن میں حضرت مولانا مفتی محمد عبید اللہ بلیاویؒ، حضرت مولانا خلیل الرحمٰن تھانویؒ اور حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں (ماخوذ از آئینہ مظاہر علوم شیخ الادب نمبر ص ۱۵۰)۔

تذکرہ مفتی کفایت اللہ صاحب گنگوہیؒ

گنگوہ کے ارباب فضل وکمال میں ایک پیکر علم وعمل حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ ہیں، آپ نے ۱۳۲۳ھ میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی، مختلف مدارس میں مدرس رہے اور آخر ۱۳۵۶ھ میں دارالعلوم کے دارالافتاء کیلئے آپ کو منتخب کیا گیا، بعدازاں ۱۳۵۹ھ کے اوائل میں شعبہ تدریس میں منتقل کردیا گیا ۱۳۶۳ھ میں دارالعلوم سے مستعفی ہوکر میرٹھ چلے گئے وہاں درس وتدریس کا مشغلہ رہا، ان کے دور میں ۵۸۴۰ر فتاوی دارالافتاء سے روانہ ہوئے (ماخوذ از تاریخ دارالعلوم دیوبند رص ۲۵۷ رجلد ۲)۔

آپ بیتی رص ۱۰۰۶ ر پر حضرت شیخ زکریا رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

مولوی کفایت اللہ صاحب سابق مدرس مدرسہ اسلامیہ میرٹھ حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی سے بیعت تھے اور گنگوہ میں پرورش پائی تھی، مولانا جس زمانے میں اسیر مالٹا تھے ان پر اثناء ذکروشغل میں ایک کیفیت پیدا ہوئی کہ خودکشی کی رغبت ہوئی تھی مگر نہ کرسکے اور اس وجہ سے ایسے ضیق میں مبتلا تھے کہ مرجانا بہتر سمجھتے تھے انہوں نے حضرت کی خدمت میں خط لکھا اور مدد چاہی، حضرت نے حسبِ عادت انکسار کا جواب لکھا جس میں یہ فقرے بھی تھے کہ ''حیرانم کہ بچہ دہقان را بچہ کار سپرانند''

صلاح کار کجا و من خراب کجا — ببیں تفاوت رہ از کجا است تا بکجا

مجھے ایسے کام کے لئے اہل کیوں سمجھ لیا وغیرہ وغیرہ، آخر میرٹھ سے دیوبند گئے اور وہاں سے تھانہ بھون ٹکٹ لے کر سہارنپور پہنچے، اتفاق سے تھانہ بھون کی گاڑی نہ ملی مجبوراً مدرسہ مظاہر علوم میں آئے، بعد نماز ظہر حضرت مولانا خلیل احمد صاحب

سہارنپوری سے ملے تو حضرت نے محبت کے ساتھ پاس بٹھایا اور جب حاضرین چلے گئے تو ان کی طرف خطاب فرمایا کہ تم نے کیا لکھا تھا، مجھے تعجب ہوا کہ جانتے بوجھتے تم ایسی بات لکھتے ہو بھلا میں اس کا اہل کہاں، مولوی کفایت اللہ صاحب نے جرأت سے کام لیا اور کہا کہ حضرت اگر کوئی کہے کہ آپ اہل نہیں تو یہ آپ پر نہیں بلکہ حضرت گنگوہیؒ پر اعتراض ہے کہ انہوں نے آپ کو خلیفہ کیوں بنایا، آپ یقیناً اہل ہیں اور حضرت گنگوہی کے خلیفہ ہیں چونکہ میں نے اسی دروازے پر تربیت پائی ہے جہاں سے آپ کو سب کچھ ملا ہے اس لئے میرا فرض تھا کہ اپنا دکھ درد عرض کردوں اس پر حضرت نے سکوت فرمایا اور پھر پوچھا کہ اب کیا حالت ہے؟ عرض کیا کہ کچھ نہیں بعد عشاء بکمال شفقت حال سنا اور ذکر دوازدہ تسبیح میں کچھ ترمیم فرما کر ارشاد فرمایا کہ حضرت گنگوہی کے یہاں ایک شخص کو یہی حالت پیش آئی تھی تو حضرت نے بھی یہی بتایا تھا جو میں نے بتایا ہے، یہ کہیں کہ کسی طرح اس مصیبت سے نجات مل جائے کہ درس وتدریس میں لگنا چھوڑا اس ذکر وشغل کو جس میں جان سے عاجز ہوگیا اور حضرت اصرار فرمادیں کہ گھبراؤ مت ذکر وشغل جاری رکھو اور کرتے رہو جو کررہے ہو، یہاں تک کہ جب مکان تشریف لے جانے لگے تو فرمایا کہ کتب خانہ کے سامنے والے کمرے میں پچھلی رات کو بیٹھ کر اتنے زور سے بارہ تسبیح کرنا کہ میرے گھر تک آواز جائے اور پھر صبح کو نماز فجر کے بعد ارشاد ہوا کہ یہاں حجرے سے باہر مراقب ہوکر بیٹھ جاؤ، مولانا لکھتے ہیں کہ حضرت اس کو اپنے دست مبارک سے صاف فرمارہے ہیں، بعض دفعہ میں چونک پڑتا اور پھر مراقب ہوکر بیٹھ جاتا تھا، بعد اشراق حضرت حجرے سے باہر تشریف لائے اور درس کے لئے تشریف لے چلے تو مجھے ساتھ لیا اور بخاری شریف کا سبق ہونے لگا، سبق میں

مجھے وہ کیفیت نظر آئی کہ پھر نصیب ہونا مشکل ہے، میرا دل چاہتا تھا کہ حضرت تقریر کو طول دیں اور اس کے لئے حضرت کو چھیڑنے کی ضرورت تھی، لہذا میں نے الٹے سیدھے سوالات شروع کر دیئے، پھر کیا تھا گویا سمندر میں تلاطم آ گیا، حضرت نے ایک ایک سوال کے کئی کئی جوابات دینا شروع کئے اور بعض دفعہ یہ بھی فرمایا کہ اس جواب کو کتابوں میں تلاش مت کرنا یہ جواب کتابی نہیں، بعض دفعہ میں اشکال پیش کرتا تو اس کا جواب دے کر فرماتے کہ یہاں ایک دوسرا اشکال اور ہے جس سے شراح نے تعرض نہیں کیا اور اس کے بعد وہ اشکال مع جواب خوادارشاد فرماتے، غرض وہ حال جاتا رہا اور طبیعت میں سکون پیدا ہو گیا تو میں نے عرض کیا کہ میں نے ٹکٹ تھانہ بھون کا لیا تھا فرمایا کہ اچھا جاؤ مگر واپسی میں کم از کم یہاں کے واسطے رکھنا کہ ابھی خامی باقی ہے۔

چنانچہ واپسی میں بجائے ایک دن کے دو دن حضرت کے پاس قیام کیا اور جو خامی مجھے محسوس نہ ہوتی تھی وہ محسوس ہونے لگی کہ جب نماز فجر کے بعد حضرت کے حجرہ کے باہر مراقب ہو کر بیٹھتا تو معلوم ہوتا کہ قلب میں کوئی چیز بھری جا رہی ہے جس سے دل میں سکون وقوت اور راحت معلوم ہوتی، غرض اول حاضری میں زخم قلب کو آلائش سے پاک وصاف فرمایا اور دوسری میں زخموں کو مندمل کیا اور آئندہ مرہم پٹی سے مستغنی اور بے نیاز بنا دیا، اللہ جزائے خیر دے حضرت کو میری ایسی دستگیری فرمائی کہ جس کا شکریہ تمام عمر ادا نہیں ہو سکتا۔

مفتی محمود صاحب بیان فرماتے ہیں کہ میرے والد صاحب فرماتے تھے کہ یہ واقعہ براہ راست مولوی کفایت اللہ صاحب نے مجھ سے بھی بیان فرمایا تھا۔ (آپ بیتی جلد دوم ص۱۰۰۶)۔

تذکرہ حضرت مولانا عبداللہ صاحب گنگوہیؒ

حضرت مولانا عبداللہ صاحب گنگوہیؒ ۱۲۹۸ھ میں پیدا ہوئے آپ اپنے دور کے نیک صالح لوگوں میں سے تھے، صاحب علم وعمل آدمی تھے، ابتداء دور میں عربی کی طرف راغب نہ تھے، حضرت مولانا یحییٰ صاحب کاندھلویؒ نے جواس وقت گنگوہ میں مقیم تھے ان کی پابندی نماز کی وجہ سے ان سے تعلق قائم کیا اور ان کو عربی پڑھنے کا شوق دلایا اور خود ہی پڑھایا، رفتہ رفتہ شوق بڑھتا چلا گیا کہ یہاں تک کہ عربی علوم کی تعلیم تین سال میں مکمل کرلی۔

تدریس میں مہارت

ابتدائی تعلیم مولانا یحییٰ صاحب کاندھلویؒ کی اس درجہ مؤثر تھی کہ ان کے یہاں ہدایۃ النحو پڑھنے والا طالب علم ہدایہ کی عربی صحیح کرنے کی قابلیت پیدا کرلیتا تھا، مولانا عبداللہ صاحب فراغت کے بعد خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون میں نو روپئے ماہوار پر مدرس ہوئے ساتھ ہی تجارت کتب کا سلسلہ بھی رکھا، حضرت تھانویؒ نے اپنے مواعظ قلم بند کرنے کا کام بھی آپ کے سپرد کیا تھا۔

بیعت وخلافت کا تعلق

حضرت مولانا نے باطنی علوم ومعارف شیخ العرب والعجم حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ سے حاصل کئے، آپ کے مجاز وخلیفہ بھی تھے، آپ کے ہی حکم سے اتمام النعم ترجمہ تجریب الحکم کی شرح لکھی، جو علم تصوف میں اہل اللہ کے یہاں ایک عمدہ رسالہ ہے اور بڑا مقبول ہے، اس کا شارح نے خود تذکرہ فرمایا ہے۔

مظاہرعلوم میں درس وتدریس

۱۲رشوال ۱۳۲۷ھ میں مظاہرعلوم سہارنپور میں پندرہ روپئے ماہوار پرمدرس ہوئے ،۱۱رشوال ۱۳۲۸ھ میں اکابر مدرسہ کی معیت میں زیارت حرمین کیلئے روانہ ہوئے ،واپسی پر چند روز مدرسہ مظاہرعلوم میں پھر کام کیا،اس کے بعد اہل کاندھلہ کے ایما پر تشریف لے گئے اوراخیر تک وہاں مدرسہ عربیہ میں تعلیم دیتے رہے،وہیں قیام کے دوران آپ نے تیسیر المنطق جوعلم منطق میں مشہور کتاب ہے تالیف فرمائی اللہ نے اس کواتنی مقبولیت عطا فرمائی کہ وہ ہمارے مدارس اسلامیہ میں داخل نصاب ہے اس پرحکیم الامت نے تحشیہ فرما کرمزید قابل قدر بنادیا۔

وفات

۱۵رجب المرجب ۱۳۳۹ھ مطابق ۲۶ /مارچ ۱۹۲۱ء شنبہ کی رات کوداعی اجل کو لبیک کہا اور کاندھلہ ہی میں عید گاہ کے متصل قبرستان میں دفن کئے گئے جہاں بڑے بڑے علماء مدفون ہیں۔

تصانیف

تیسیر المنطق :علم منطق میں بہت قیمتی رسالہ ہے اسی طرح تیسیر المبتدی: فارسی سیکھنے والوں کیلئے بہت ہی عمدہ اور جامع رسالہ ہے،دونوں کتابیں مدارس میں داخل اور بے حد مقبول ہیں۔

اکمال الشیم :تبویب الحکم کا ترجمہ ہے بہت ہی عمدہ،مفید اورعلم تصوف میں بیش قیمت مضامین کا ذخیرہ ہے،حضرت شیخ زکریاؒ کے یہاں رمضان المبارک میں اس کے سنانے کا خاص اہتمام تھا۔

تسہیل النحو :علم نحو میں بہت عمدہ رسالہ ہے جوکہ قریب میں شائع ہوا ہے ۔

(ماخوذ از حیات محمود ج ۲)

تذکرہ مولانا داؤد صاحب گنگوہیؒ

حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ فرماتے ہیں : کہ باشندگان گنگوہ سے حضرت گنگوہیؒ کے صرف ایک صاحب مجاز بیعت تھے، مولانا داؤد صاحب جو محلّہ سرائے چوک میں رہتے تھے، مفتی ضیا صاحب مفتی مظاہر علوم سہارنپور کے والد تھے، اور ان کا بھی حضرت گنگوہیؒ کی حیات میں انتقال ہو گیا تھا، ان کے علاوہ گنگوہ کے اور کوئی صاحب مجاز نہیں ہوئے البتہ مرید اور شاگرد اور بھی تھے حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ حضرت گنگوہیؒ سے بیعت تھے بعد میں خلافت اور سے ملی ، اسی طرح مولانا عبداللہ صاحب گنگوہیؒ بھی حضرت گنگوہیؒ سے بیعت تھے لیکن خلافت اور سے ملی، عرض کیا گیا کہ مولانا عبدالمؤمن صاحب کے بارے میں لکھا ہے جو محلّہ ٹاکان میں رہتے تھے کہ وہ حضرت گنگوہیؒ کے سب سے پہلے شاگرد ہیں؟ فرمایا ہاں ہوں گے صرف یہ ہی نہیں اوروں نے بھی حضرت گنگوہیؒ سے دورۂ حدیث شریف پڑھا ہے، چنانچہ حضرت کے داماد ڈپٹی ابراہیم صاحب نے بھی حضرت سے دورۂ حدیث شریف پڑھا ہے لیکن حضرت کے مرید نہیں تھے (ماخوذ از ملفوظات فقیہ الامت رص ۶۵ رج ۱)۔

تذکرہ مولانا مفتی ضیاء احمد صاحب گنگوہیؒ

حضرت مولانا مفتی ضیاء احمد صاحب گنگوہ کے ارباب فضل وکمال میں حضرت مفتی ضیاء احمد صاحب کی شخصیت بھی ہے جو بہت بڑے فاضل عالم تھے، آپ کے حالات کے بارے میں ''علمائے مظاہر علوم سہارنپور اور ان کی تصنیفی وتعلیمی خدمات رص ۱۵۰'' میں اس طرح لکھا ہے:

والد محترم کا نام مولوی داؤد احمد ہے، مظاہر علوم میں آپ کی آمد شوال ۱۳۳۶ھ

میں ہوئی اس اولیں سال میں داخلہ لیکر آپ نے یہ کتابیں پڑھیں: حسامی، سلم العلوم، نورالانوار، شرح وقایہ، ۱۳۳۷ھ میں ملاحسن، دیوان متنبّی، ہدایہ اولین، میر زاہد، ملا جلال، مطول، سبعہ، معلقہ، مقامات حریری، دیوان حماسہ، سراجی، میبذی، ۱۳۳۸ھ میں ہدایہ آخرین، نخبۃ الفکر، دیوان حماسہ، مشکوۃ وجلالین ۱۳۳۹ھ توضیح تلویح، درمختار، تصریح، اقلیدس، سبع شداد، امور عامہ، شمس بازغہ، میر زاہد، صدرا، شرح چغمینی، حمداللہ پڑھ کر ۱۳۴۰ھ میں دورۂ حدیث شریف پڑھا، صحاح ستہ کے ساتھ آپ نے بیضاوی، مدارک، خلاصۃ الحساب، قاضی مبارک شرح عقائدنسفی خیالی رشید یہ بھی پڑھی ہے۔

امتحان میں انعام اوراعلیٰ معیار سے کامیابی

امتحان سالانہ میں پندرہ کتابوں کا امتحان دیکر ۲۸۳ نمبرات حاصل کیئے اور پوری جماعت میں اعلیٰ طور سے کامیاب ہوئے، اس کامیابی پر تفسیر مدارک، امداد السلوک، اتمام النعم، تذکرۃ الرشید، براہین قاطعہ اور ایک جیبی گھڑی بطور یادگار تحفہ کے مدرسہ کی طرف سے آپ کو دی گئی۔

آپ کے مخصوص رفقاء

حضرت مولانا عبدالشکور صاحب کیملپوریؒ (استاذ مظاہرعلوم سہارنپور) مولانا فضل اللہ صاحب چاٹگامیؒ آپ کے دورۂ حدیث کے خصوصی رفقاء میں ہیں، چونکہ مولانا اشفاق الرحمٰن صاحب کاندھلوی ماہ ذی الحجہ ۱۳۴۰ھ میں رخصت لیکر تشریف لے جاچکے تھے، اسلئے مولانا ضیاء احمد صاحب موصوف کا تقرر مظاہر علوم کے شعبۂ افتاء میں ہوگیا ابتدائی کتب کے آپ استاذ بھی بنائے گئے ۱۳۵۲ھ تک آپ دارالافتاء سے منسلک رہے،

جمادی الثانی، ۱۳۵۲ھ میں آپ خدمت افتاء سے سبکدوش ہو گئے، چونکہ مفتی ضیاء احمد صاحب موصوف سبکدوشی سے کئی ماہ قبل عارضی رخصت پر تھے، اسلئے حضرات سرپرستان مدرسہ کی تجویز کے مطابق ۱۳۵۱ھ میں عالی جناب مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ دس روپے مشاہرہ پر نائب مفتی بنائے جاچکے تھے، مفتی ضیاء احمد صاحبؒ کے بعد عالی جناب قاری سعید احمد صاحبؒ مظاہر علوم کے باقاعدہ مفتی منتخب ہوئے (آپ بہت بڑے عالم، فاضل، محدث، فقیہ، عارف باللہ، صوفی، عابد، زاہد، متقی و پرہیزگار انسان تھے)۔

قیام حیدرآباد

مفتی صاحب موصوف مظاہر علوم سے سبکدوش ہوکر حیدرآباد دکن چلے گئے، وہاں ایک عرصہ تک آپ نے علمی وفقہی خدمات انجام دیں۔

حضرت تھانویؒ سے عقیدت اوران کی خدمت میں حاضری

حضرت اقدس تھانوی نوراللہ مرقدہ سے آپ کو بڑی عقیدت تھی کثرت سے تھانہ بھون جاتے رہتے ۱۳۵۱ھ میں ایک طویل زمانہ آپ نے حضرت کے پاس تھانہ بھون میں گزارا۔

مرضِ موت

اخیر عمر میں موصوف پر فالج کا حملہ ہوا، مسلسل چار سال اس اذیت ناک تکلیف میں مبتلا رہ کر ۲۹/شوال ۱۳۷۶ھ مطابق ۱۹۵۵ء یوم پنجشنبہ میں انتقال ہوا اور اپنے وطن گنگوہ میں تدفین عمل میں آئی (ماخوذ از علمائے مظاہر علوم اوران کی علمی و تصنیفی خدمات/ص ۱۵۰/ج ۲)۔

تصنیفات وتالیفات

رفع الخلاف عن حکم مونوغراف: گراموفون کے متعلق یہ ایک مختصر اور معلوماتی کتاب

ہے جس میں اس کی تاریخ اس کی حیثیت اور اس کا شرعی مقام بتلایا گیا ہے۔

تخریجِ احادیث حیات المسلمین: حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ کی جلیل القدر کتاب حیات المسلمین اردو زبان میں ہے اور اس کی اہمیت کا اندازہ حضرتؒ کے اس ملفوظ سے لگایا جاسکتا ہے کہ ''مجھ کو اپنی کسی تصنیف کے متعلق یہ خیال نہیں کہ یہ میرے لئے سرمایہ نجات ہے، البتہ حیات المسلمین کے متعلق میرا غالب خیال قلب پر ہے کہ اس سے میری نجات ہو جائے گی، اس کو میں اپنی ساری عمر کی کمائی اور ساری عمر کا سرمایہ سمجھتا ہوں، اس کی قدر ان علما کو ہوگی جو حدیث شریف پڑھاتے ہیں وہ دیکھیں گے کہ کون اشکال کہاں پر کس ذرا سے لفظ سے حل ہو گیا'' انتہی۔

حضرت تھانویؒ نے اپنی حذاقتِ علمی اور فنِ حدیث میں گہری بصیرت اور اس سے نتائج و نکات کے استخراج کی خداداد صلاحیت کو بروئے کار لاتے ہوئے اس کتاب کو مرتب فرمایا اور صدہا احادیث اس میں تحریر فرمائیں، مفتی صاحب مرحوم نے حاشیہ پر ان کی اصل عبارات لکھیں اور تقریباً تمام احادیث کے ماخذ و مصادر جمع فرمادیئے یہ تخاریج اصل کتاب کے ساتھ دیوبند سے متعدد مرتبہ شائع ہو چکیں۔

التبختر فی الصوم: اس رسالہ میں اس مسئلہ کی فقہی تحقیق بیان کی گئی ہے کہ روزہ کی حالت میں اگربتی اور دوسری خوشبوؤں کا مساجد اور مکانات میں جلانا کیسا ہے؟ مولانا کی یہ تالیف حیدر آباد کے قیام کی ہے (علمائے مظاہر علوم سہارنپور ص ۱۵۰ ر ج ۲)۔

تذکرہ مولانا حکیم محمد اسمٰعیل صاحب گنگوہیؒ

آپ بھی گنگوہ کے بڑے لوگوں میں سے تھے ۱۸۵۸ء میں ولادت ہوئی، صاحب فضل وکمال، علم وعمل بزرگ تھے، آپ کے تعلق سے علماء مظاہر علوم رص ۲۵۰ ر ج ۱ ر میں ایسے لکھتے ہیں:

آپ مدرسہ مظاہر علوم کے ابنائے قدیم میں سے ہیں مدرسہ میں آپ کی آمد ذیقعدہ ۱۲۹۷ھ میں ہوئی اس وقت آپ کی عمر انیس سال تھی ۱۳۰۱ھ میں آپ نے فراغت پائی، تکمیل علوم کے بعد مدرسہ کی جانب سے آپ کو جو سند دی گئی وہ روداد مدرسہ میں شائع ہوئی ہے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کو یہاں نقل کر دیا جائے کیونکہ اس سے آپ کی تعلیمی کیفیت، استعداد کی پختگی اور بلند کرداری کا پتا چلتا ہے وہ سند یہ ہے:

مولوی محمد اسمٰعیل پسر شیخ محمد ابراہیم متوطن گنگوہ ضلع سہارنپور اواخر ۱۲۹۷ھ میں مدرسہ ہذا میں داخل ہو کر ۱۳۰۱ھ کو مدرسہ چھوڑا اس اثناء میں جو کتابیں یہاں تحصیل کیں ان کی تفصیل یہ ہے: مشکوۃ شریف اور صحاح ستہ یعنی صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، ابن ماجہ، ہدایہ ہر دو جلد، درمختار تا کتاب النکاح، سراجی، نور الانوار، نخبۃ الفکر، توضیح، تلویح (قدرے) جلالین، بیضاوی تا سورۂ بقرہ، مقامات حریری پچیس مقامے، دیوان متنبیؔ، حماسہ (قدرے) مختصر المعانی، مطول رشیدیہ، شرح عقائد نسفی، حساب اربعہ متناسبہ، اور اسطر اداً کچھ کتب معقول بھی تحصیل کیں، کتب متذکرہ تفسیر وحدیث وغیرہ حسب قواعدِ مدرسہ سماعۃً وقرأۃً تحصیل کیں، استعداد اچھی ہے، نیک چلن، امانت دار،

سعادت مند، درست کردار ہے، جب تک مدرسہ میں اقامت کی کسی کے ساتھ خلافِ تہذیب کوئی امر پیش نہیں آیا خدائے تعالیٰ توفیق خیر و عمل نصیب کرے آمین۔

دستخط محمد مظہر عفی عنہ مدرس اول مدرسہ

قاضی محمد فضل الرحمٰن خاں مہتمم مدرسہ تاریخ تحریر ۱۵/ ذی الحجہ ۱۳۰۱ھ

عبدالواجد خاں عفی عنہ نائب مہتمم مدرسہ

حکیم صاحبؒ کا علمی کمال

حکیم صاحب موصوف بہت جید الاستعداد علماء میں سے تھے، مظاہر علوم کے سالانہ امتحانات میں آپ ہمیشہ اعلیٰ نمبرات سے کامیاب ہوتے رہے جس پر آپ کو قیمتی کتابیں انعام میں ملتی رہیں، حضرت مولانا محمد مظہر صاحب نانوتویؒ، حضرت مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوریؒ، حضرت مولانا جمعیت علی صاحب پور قاضویؒ، حضرت مولانا عنایت الٰہی صاحبؒ سابق مہتمم آپ کے اساتذہ ہیں۔

حضرت مولانا عبدالرشید محمود صاحبؒ نبیرہ قطب العالم حضرت اقدس گنگوہی نوراللہ مرقدہ نے حکیم صاحب موصوف کے کچھ حالات تحریر کر کے بھیجے ہیں جو یہ ہیں:

مولانا محمد اسمٰعیل صاحب ابن پیر جی محمد ابراہیم صاحب گنگوہیؒ یہ حضرت قطب عالم شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کی اولاد میں تھے حکیم اجمیری کے نام سے گنگوہ میں معروف تھے بڑے حذاق اور مشاہیر اطبائے عصر میں شمار تھا صاحب علم اور ذی استعداد تھے، حضرت گنگوہی قدس سرہ کے محبّ اور محبوب تھے حضرت فرمایا کرتے تھے میرے لئے محمد اسمٰعیل اور مسعود احمد ایک ہیں، منتسبین رشیدی میں معروف متعارف اور خصوصی مقام رکھتے تھے لوگ حکیم صاحب کی منزلت عندالرشید کو جانتے اور مانتے تھے، حضرت اقدس مولانا خلیل

احمد صاحب سہارنپوری قدس سرہ کے ہمزلف بھی تھے علمی اشتغال رہتا تو سرآمد روزگار علمائے عصر ہوتے مگر طبی دنیا میں چلے گئے، حضرت گنگوہی قدس سرہ نے کسی کو خط لکھتے ہوئے تحریر فرمایا تھا: مسعود احمد پر افسوس، جمیل الدین پر تاسف اور محمد اسمعیل پر تاسف برتاسف کہ دوسری لائن میں چلے گئے، حضرت کو یہ راہ پسند نہیں تھی تینوں کے متعلق دینی علمی اشتغال رغبت صالحہ تھی۔

اخیر میں بمبئی کا مطب حکیم محمد سعید صاحب کے سپرد کرکے گنگوہ مقیم ہو گئے تھے بڑے رقیق القلب، تلاء بکاء تھے اخیر چند سال دوام اشتغال اور تبتل وابتہال کے گزرے، حکیم صاحب ۱۳۱۳ھ سے لیکر ۱۳۴۱ھ تک تقریباً تیس سال دارالعلوم دیوبند کی مجلسِ شوریٰ کے ممبر رہے اور اپنی اصابت فکر اور صلاحیتوں سے دارالعلوم دیوبند کو نوازتے رہے (علمائے مظاہر علوم سہارنپور رص ۲۵۰ رج ۱)۔

حضرت گنگوہیؒ کے ساتھ تعلق ومحبت

مولوی حکیم محمد اسمعیل صاحب گنگوہی نے ایک قصیدہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کی مدح میں لکھا اور چونکہ موردعنایات ہونے کی وجہ سے بے تکلف زیادہ تھے، اس لئے ہر چند حضرت نے سننے سے تنفر ظاہر فرمایا مگر انہوں نے باصرار سنایا جب ختم کر چکے تو آپ جھکے اور زمین سے خاک اٹھا کر ان پر ڈالدی انہوں نے عرض کیا کہ حضرت میرے کپڑے خراب ہو گئے آپ نے فرمایا ''منہ پر مدح کرنے والے کی یہی جزا ہے میں کیا کروں جناب رسول اللہ ﷺ کا حکم ہے'' آپ کا انتقال ۱۹۲۲ء میں ہوا (تذکرۃ الرشید جلد ۲ رص ۱۲۶)۔

حکیم اسماعیل صاحب گنگوہیؒ کے فرزندان میں حضرت الحاج حکیم مسعود احمد صاحب اجمیریؒ ہوئے۔

تذکرہ حضرت حکیم محمد مسعود صاحب اجمیری گنگوہیؒ

آپ کی ولادت ۱۹۱۳ء اور وفات ۱۹۸۰ء میں ہوئی، حضرت حکیم صاحب اپنے وقت کے عالم فاضل نیک صالح، باوقار، بارعب وہیبت، انداز شاہانہ، مزاج فقیرانہ، طرز حکیمانہ، اسلوب ظریفانہ ایک عبقری شخصیت کے مالک گنگوہ کے مایۂ افتخار فرزند تھے، غالباً حضرت شاہ وصی اللہ صاحبؒ سے منسلک تھے ان کا تذکرہ بکثرت کیا کرتے تھے، آپ کے تفصیلی حالات تو راقم السطور کے علم میں نہیں ہیں البتہ بچپن میں حضرت والد صاحبؒ کے ساتھ جب بھی ان کے گھر پر ان کے مطب خانہ میں جانا ہوا تو طبیعت پر یہ تأثر ہوتا تھا کہ یہ کوئی بہت بڑے شخص ہیں جن کے پاس حضرت والد صاحبؒ بار بار جایا کرتے تھے اور وہ بھی حضرت والد صاحبؒ کے اوپر بہت زیادہ شفیق تھے، ایک بار جب ان کی مجلس میں جس میں گنگوہ کی اہم شخصیات حاضر باش ہوتی تھیں کسی نے حضرت والد صاحبؒ کے تعلق سے کچھ ناشائستہ بات کہی تو حضرت حکیم صاحبؒ نے اس پر بہت سخت ناراضگی کا اظہار کیا اور بڑے زبردست انداز میں اس کی اصلاح وتردید فرمائی، حضرت مرحوم کو والد صاحبؒ کی تلاوت اور ان کے معاملات بہت پسند تھے اور اپنے گھر کے بہت سے کام ان کے حوالہ کر دیا کرتے تھے چونکہ مستقل طور پر حضرت حکیم صاحبؒ کا قیام بمبئی رہتا تھا اس لئے حضرت والد صاحبؒ سے برابر خط وکتابت رہتی تھی جس میں وہ اپنے کاموں کے لئے ان کو یاد کرتے تھے وہ بہت خوش دلی سے انجام دیتے تھے اور اس پر خوش ہو کر حضرت حکیم صاحبؒ بہت دعائیں دیتے تھے، مجھے وہ منظر بھی

یاد آتا ہے جب حضرت حکیم صاحبؒ فجر کے بعد اپنے باغ میں تشریف لیجاتے تھے جو ہمارے قدیم مکان کے پشت پر واقع ہے تو آتے جاتے گھر پر دستک دیتے اور حضرت والد صاحبؒ کے پاس کبھی کبھی ناشتہ بھی کرتے اور بہت ہی محبت کا مظاہرہ فرماتے تھے اور جب ایک بار گنگوہ کے کچھ شریروں نے مدرسہ میں کچھ ہنگامہ برپا کیا جس کو ایک طبقہ مستقل اپنا مشن بنائے ہوئے تھا وہ مدرسہ کی ترقیات میں خلل اندازی کرنے کو ایک بہت بڑا کام تصور کرتا تھا اور یہ چاہتا تھا کہ مدرسہ کی ترقیات رک جائیں اور یہ سب ہمارے قبضہ میں آجائے، ایسی صورتِ حال پر حضرت حکیم صاحبؒ نے والد صاحبؒ کو تسلی کا ایک خط لکھا جس سے ان کے قلبی جذبات کی مکمل ترجمانی ہوتی ہے اور ان کا خلوص اور مدرسہ کے ساتھ ہمدردی ظاہر ہوتی ہے، وہ خط حسب ذیل ہے!

یہ مدرسہ آپ کی کاوشوں کا نتیجہ ہے

از بندہ محمد مسعود غفرلہ کھڈک بمبئی ۹ ذی الحجہ ۱۳۷۹ھ

عزیزی قاری صاحب سلمہ السلام علیکم۔

آپ کا کارڈ ملا مدرسہ میں خلفشار کی وجہ سے گرفتہ دل نہ ہوں حق تعالیٰ شانہ اپنے فضل وکرم سے علی الفور اس سب ہی اور خلفشار کو دور فرمادیں آمین۔ یہ مدرسہ کو آپ کی کاوشوں کا نتیجہ اور آپ کی دل سوزی اور جد وجہد اور کاوش وسعی کی مشکوریت کی صورت ہیں مگر اب تو اس دینی ودنیاوی نفع میں سب ہی بلا استثنا شریک ہیں، آپ گھبرائیں نہیں اس قسم کے خلفشار صلاح کاروں کو ہمیشہ پیش آئے، مدرسہ مظاہر علوم اور دار العلوم میں کیسے

کیسے انتشار ہوئے خدا چاہے یہ سب خلاف اور مخالفتیں **هبـاً مـنثـورا** بن جائیں گی، مخالفتیں خدا چاہے نا کام ہوں گی آپس کے مناقشات زیادہ تر حسد سے ناشی ہیں اور اس رذیلہ نے مسلمانوں کو بڑا ہی نقصان پہونچایا، دل سے دعا ہے آپ کا قلب مضبوط ہو اور یہ سب مخالفین مایوس ہو جائیں آمین، یہ سمجھ لیں کہ اگر آپ خدانخواستہ شکستہ دل ہو گئے تو یہ مدرسہ مدرسہ عالیہ قدوسیہ کی طرح تلف ہو جائے گا، حضرت حکیم محمد یوسف صاحبؒ اس کے بانی ہیں جب یہ چلنے لگا تو باغیوں نے یہ سوچا کہ یہ فروغ وعروج ہمارے لئے کیوں نہ ہو اس کا روپیہ ہمارے پاس کیوں نہ ہو، حضرت حکیم صاحبؒ شکستہ دل ہو گئے اور اس کا نتیجہ آپ کے سامنے ہے ورنہ اس ادارہ میں تعلیم کی یہ برکت تھی کہ اس کا ادنی طالب علم اپنے ہم عصروں میں ممتاز رہا اور جو زندہ ہے وہ ممتاز ہے۔ اللہ تعالی آپ کو ثابت قدم رکھے اور مفید تدابیر کا آپ کے قلب میں القاء فرمائے آمین، دعا انشاء اللہ ضرور کروں گا آیت کریمہ کا کچھ ورد کرلیا کیجئے **وخشعت الاصوات للرحمن، وعنت الوجوه للحی القیوم وقد خاب من حمل ظلما** کا یقین کے ساتھ تصور کریں آمین، وتم باللہ۔

تذکرہ مولانا حکیم سید محفوظ علی صاحب گنگوہیؒ

والد ماجد کا نام جناب یعقوب علی ہے حکیم صاحب نے اپنی تعلیم کا آغاز گنگوہ میں حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلویؒ کے پاس کیا، ہدایۃ النحو تک تعلیم حضرت مولانا سے حاصل کر کے دس ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ میں آپ جامعہ مظاہر علوم میں آئے، یہاں آپ نے یہ کتابیں پڑھیں، مرقاۃ، قال اقول، ایساغوجی، کافیہ، ہدایۃ النحو، شرح تہذیب، شرح مأتہ عامل، دستور المبتدی، کبریٰ، صغریٰ، ابھی یہاں کے قیام کو ایک ہی سال ہوا تھا کہ آپ علیل ہو گئے جس کی بناء پر مظاہر علوم میں اپنا تعلیمی تسلسل برقرار نہ رکھ سکے۔

حضرت شیخ زکریاؒ اور مولانا محفوظ علی گنگوہیؒ کی درسی رفاقت

حضرت شیخ زکریاؒ، حکیم صاحب موصوف کے ساتھ اپنی رفاقت و مصاحبت کا تذکرہ کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ رجب ۱۳۲۸ھ میں یہ ناکارہ سہارنپور آگیا سہارنپور آنے کے بعد باقاعدہ ہماری ایک مستقل جماعت بنی جس کے دوسرے ساتھی میرے حضرت قدس سرہ اعلی اللہ مراتبہ کے عزیز مظہر علی خاں راجو پوری تھے اور تیسرے ساتھی سید محفوظ علی گنگوہی جو بعد میں حضرت مولانا انور شاہ صاحب نور اللہ مرقدہ کے سالے بن گئے تھے اور اس کے بعد دیوبند منتقل ہو گئے تھے، جب مرحوم کی ہمشیرہ کی شادی حضرت شاہ صاحبؒ سے ہو گئی اس وقت تک وہ سہارنپور ہی میں میرے والد صاحب کے پاس مقیم رہے اور اس سے پہلے گنگوہ میں بھی میرے والد صاحب ہی کے پاس

پڑھتے تھے، یہاں آکر باقاعدہ میرے ساتھی بن گئے تھے اور مستقل جماعت ہماری تین آدمیوں کی خصوصی جماعت شمار ہونے لگی، سید محفوظ صاحبؒ کے دیوبند جانے کے بعد ہم دو ہی رہ گئے (آپ بیتی ر ص ۹۹ ر ج ۱)۔

نیز صفحہ ۱۱۳ ر پر اس طرح لکھتے ہیں: اور یہ معروف چیز ہے کہ میری ابتدائی تربیت قیدیوں کی طرح ہوئی، بغیر والد صاحب اور چچا جان کے کہیں جانے کی اجازت نہ تھی میرا انتہائی کھیل یا ابتدائی کھیل یا پورا کھیل بیت بازی تھی، ہم تینوں ساتھی مظہر اور حکیم محفوظ گنگوہی ثم الدیوبندی جب بھی ابا جان کی نگاہ سے ذرا اوجھل ہوتے تو بیت بازی شروع کر دیتے، ایک دفعہ حماقت سوار ہوئی کہ بیت بازی کا کھیل قرآن پاک کی آیات سے شروع کر دیا، یعنی ایک شخص آیت پڑھے اور آیت شریفہ کا آخری حرف جو ہو دوسرا شخص وہ آیت پڑھے جس کے شروع میں یہ حرف ہو، میرے دونوں ساتھی حافظ نہیں تھے اور میں بھی صرف نام کا تھا مگر خوب یاد ہے کہ نہ معلوم آیتیں کس طرح سوچ لیا کرتے تھے، یہ حماقت تین چار دفعہ ہوئی اور پھر بالکل چھوٹ گئی اور منشاء اس کا یہ ہوا کہ عجیب بات تھی کہ جس دن یہ حرکت ہوتی اس دن بلا کسی معقول وجہ کے پٹائی ہو جاتی اس تجربہ نے دو تین دفعہ کے بعد ہی توبہ کرا دی (آپ بیتی ر ص ۱۱۳ ر جلد اول)۔

۱۳۳۵ھ میں آپ نے علامہ انور شاہ کشمیری سے دورۂ حدیث پڑھا تھا۔

فراغت کے بعد دار العلوم دیوبند میں تقرر

فراغت کے بعد ۱۳۳۷ھ میں آپ دار العلوم دیوبند کے معین مدرس بنادئے

گئے ۱۳۳۹ھ تک آپ نے مختلف کتابوں کا درس دیا، دارالعلوم دیوبند کے بعد مدرسہ تقویۃ الاسلام کاٹھیاواڑ کے صدر مدرس اور مہتمم بنائے گئے مشکوۃ وجلالین اور ہدایہ وغیرہ کتابیں آپ نے پڑھائیں۔

فنِ طِب سے لگاؤ

فن طب سے آپ کو خصوصی لگاؤ تھا چالیس سال تک آپ نے دیوبند میں خوش اسلوبی کے ساتھ اس فن کے ذریعہ عوامی خدمت کی، طب کی متعدد کتابوں پر آپ نے حواشی تحریر فرمائے کئی کتابیں اس موضوع پر بھی لکھیں ۱۳۸۰ھ میں آپ چند ماہ کے لئے شعبۂ طب دارالعلوم دیوبند سے وابستہ رہے، بعمر ۷۰ر سال یکم نومبر ۱۹۶۳ء میں آپ کا وصال ہوا اور دیوبند میں علامہ انور شاہ کشمیری کے مزار کے قریب مدفون ہوئے (علمائے مظاہر علوم سہارنپور ص ۲۶۶ر ج ۱)۔

تذکرہ مولانا اعجاز الحق صاحب قدوسی گنگوہیؒ

گنگوہ کے ارباب فضل وکمال بزرگوں میں ایک شخصیت والا صفات حضرت مولانا اعجاز الحق صاحب قدوسیؒ کی بھی ہے، علمائے مظاہر علوم سہارنپور میں آپ کے تعلق سے لکھا ہے جسکا خلاصہ یہ ہے:

آپ کے والد ماجد کا نام مولانا ظہور الحق صاحب ہے، مولانا اعجاز الحق صاحب قدوسی کا آبائی وطن گنگوہ ضلع سہارنپور ہے لیکن وہ ۱۹۰۵ء میں جالندھر میں پیدا ہوئے، سلسلۂ چشتیہ کے نامور صوفی شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کی اولاد سے ہیں، ابتدائی تعلیم اس زمانے کے رواج کے مطابق اپنی نانہال قصبہ انبہٹہ ضلع سہارنپور میں مولانا شفیق احمد صاحب انبہٹوی سرپرست خصوصی ابتدائی تعلیمات مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور سے حاصل کی، کچھ عرصہ تک مدرسہ مجددیہ سرہند میں تعلیم پاتے رہے اور پھر علوم مشرقیہ کی تکمیل ہندوستان کی مشہور دینی درسگاہ مظاہر علوم سے کی، مظاہر علوم میں آپ کی آمد سات شوال ۱۳۴۰ھ میں ہوئی اس اولیں سال میں آپ نے بحث فعل، شرح تہذیب اور قدوری پڑھی ۱۳۴۱ھ میں آپ نے تلخیص المفتاح، میر قطبی، قطبی تصدیقات، کنز الدقائق، بحث اسم ۱۳۴۲ھ میں مشکوۃ، جلالین، ہدایہ اولین، نخبۃ الفکر پڑھکر ۱۳۴۴ھ میں مظاہر علوم سے فراغت حاصل کی، کتب صحاح کے ساتھ آپ نے موطا امام مالک، موطا امام محمد، بیضاوی، مدارک، شاطبی، تیسیر الاصول بھی پڑھی۔

خصوصی رُفقاء

دورۂ حدیث شریف میں آپ کے خصوصی رفقاء یہ تھے: مولانا شیخ عبدالحق نقشبندی مدنیؒ، مولانا محمد یعقوب صاحب گنگوہیؒ، مولانا الحاج حکیم محمد طیب صاحب رامپوریؒ، شیخ عبدالکریم مدنیؒ استاذ حدیث مدرسہ علومِ شرعیہ مدینہ منورہ۔

حیدر آباد میں قیام اور دینی خدمات

۱۹۲۸ء میں آپ حیدر آباد دکن چلے گئے اور وہاں ۱۹۵۱ء تک محکمۂ امور مذہبی سے وابستہ رہے، وعظ وتقریر کے ذریعہ وہاں مفید دینی خدمات انجام دیں، آپ ریاست کی طرف سے شہر ورنگل کے واعظ اور خطیب تھے۔

پاکستان کی جانب ہجرت

سقوط حیدر آباد کے بعد پاکستان چلے گئے اور سندھی ادبی بورڈ کراچی کے شعبۂ تاریخ سے وابستہ ہوگئے، اس ادارہ سے وابستہ ہوکر سندھی تہذیب وادب کا ایسا چسکا پڑا کہ سندھ کی تاریخ وادب کا مطالعہ شروع کردیا اور کچھ عرصہ بعد ''سندھ کی تاریخی کہانیاں'' کے نام سے ایک ایسی کتاب تحریر کی جو نہ صرف حد درجہ مقبول ہوئی بلکہ اس موضوع پر اردو میں پہلی کتاب ہے اس کے کچھ ہی عرصہ بعد ''تذکرہ صوفیائے سندھ'' کے نام سے ان تمام صوفیائے کرام کا تذکرہ قلم بند کیا جو اس سرزمین میں پیدا ہوئے اور جن کے فیوض وانوار سے اسلام کی جڑیں گہری ہوگئیں، یہ تذکرہ بھی اردو زبان میں اپنی نوعیت کی پہلی کوشش ہے۔

آپ کا شاعرانہ ذوق

مولانا اعجاز الحق قدوسی اگر چہ علمی وادبی حلقوں میں بہ حیثیت شاعر کے بہت کم متعارف تھے لیکن وہ کبھی کبھی شعر بھی کہتے تھے ان کی غزلوں اور نظموں میں رنگینی کیف اور ندرتِ خیال کا ایک دلکش اور حسین امتزاج ہوتا ہے۔

تصنیفات وتالیفات

آپ کثیر التصانیف بزرگ تھے ان کا تفصیلی تذکرہ ''تاریخ علمائے مظاہر علوم اور ان کی دینی خدمات'' میں کیا گیا ہے، یہاں صرف ان کے ناموں پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

(۱) رسول پاک ﷺ کی صاجزادیاں۔

(۲) رسول اللہ ﷺ کے دومحبوب: اس رسالہ میں حضرت زیدؓ اور حضرت اسامہؓ کے حالات جمع کئے گئے ہیں۔

(۳) تذکرہ صوفیائے سندھ: سندھ کی تاریخ اور مشائخ سندھ کے حالات بیان کئے گئے ہیں۔

(۴) ہمارے نبی ﷺ کے صحابہؓ: اس میں ارکان اسلام اور ان کے فضائل اور صحابۂ کرامؓ کے احوال بیان کئے گئے ہیں۔

(۵) سیرتِ بتولؓ: حضرت فاطمۃ الزہراؓ اور ان کے صاجزادگان کے حالات بیان کئے گئے ہیں۔

(۶) سراپائے رسولؐ: یہ سیرت طیبہ پر ایک رسالہ ہے جس میں رسول پاک ﷺ کے حلیہ اور معمولات حیات وغیرہ پر گفتگو کی گئی ہے۔

(۷) مسلمان بیبیاں: یہ کتاب صحابیاتؓ کے حالات پر مشتمل ہے ۱۹۳۲ء میں مصنف کا قیام حیدرآباد دکن میں تھا، وہیں یہ کتاب ترتیب دی گئی۔

(۸) تذکرہ صوفیائے پنجاب: اس کتاب میں ۹۳ ر بزرگوں کے حالات زندگی ہیں۔

(۹) شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ اور ان کی تعلیمات: یہ رسالہ حضرت شیخ کی سوانح حیات ہے بلکہ سلسلہ چشتیہ، صابر یہ کی عہد حاضر تک مستند تاریخ بھی ہے۔

(۱۰) تذکرہ صوفیائے بنگال: یہ کتاب بنگال کی ستر ۷۰ ر مایۂ ناز ہستیوں کے حالات پر مشتمل ہے۔

(۱۱) سیرت امام حسنؓ: یہ کتاب حضرت امام حسنؓ کی پاکیزہ سیرت پر مشتمل ہے۔

(۱۲) سیرت حضرت عائشہؓ: یہ کتاب حضرت عائشہؓ کے حالاتِ زندگی پر مشتمل ہے۔

(۱۳) حضرت عثمان غنیؓ۔

(۱۴) حضرت علی مرتضیٰؓ۔

یہ دو کتابیں دو جلیل القدر صحابہؓ کے حالات پر مشتمل ہیں۔

(۱۵) تاریخِ سندھ۔

مصنف نے اس کتاب کا تعارف ان الفاظ میں کرایا ہے: مغربی پاکستان کے مختلف صوبوں میں سے صوبۂ سندھ کو یہ فخر حاصل ہے کہ سب سے پہلے یہاں پر اسلام کی بنیاد رکھی گئی، اسلام سے قبل اس علاقہ میں ایسی قابلِ رشک تہذیبوں نے جنم لیا جن کی اعلیٰ تمدنی زندگی کے موجودہ بچے کھچے آثار نے زمانہ حال کے بیشتر محققین اور ماہرین کو ورطۂ حیرت میں ڈالدیا ہے الیٰ آخرہ۔

(۱۶) حضرت امام حسینؓ: حضرت امام حسینؓ کی عظیم شخصیت اور واقعہ کربلا پر نہایت جانفشانی وعرق ریزی کے ساتھ یہ تذکرہ مرتب کیا ہے۔

(۱۷) عہدِ رسالت کے دو بچے۔

(۱۸) درسگاہِ رسول ﷺ کے دو طالبِ علم۔

(۱۹) سندھ کی تاریخی کہانیاں۔

(۲۰) تذکرہ صوفیائے سرحد۔

(۲۱) پاک وہند کے علمائے کرام اور ڈاکٹر اقبال۔

آپ کا انتقال ۱۹؍فروری ۱۹۸۶ء کو کراچی میں ہوا (مشاہیر علماء جلد ۱؍ص ۱۰۸؍علمائے مظاہر علوم سہارنپور ج ۱؍ص ۴۳۷)۔

تذکرہ مولانا عادل صاحب قدوسی گنگوہیؒ

گنگوہ کے ارباب علم وعمل، فضل وکمال میں ایک بڑے عالم حضرت مولانا عادل صاحب قدوسی گنگوہیؒ بھی ہیں، آپ کے والد ماجد کا نام محمد عاقل ہے مولانا موصوف مظاہرعلوم میں ۱۳۳۳ھ میں داخل ہوئے اور از ابتداء تا انتہاء تمام درسی کتب یہیں پڑھیں مولانا عبداللطیف صاحبؒ اور مولانا عبدالرحمٰن صاحب کیملپوریؒ آپ کے اساتذہ میں سے ہیں (ماخوذ از علمائے مظاہر علوم ص ۲۳۰)۔

مظاہر علوم سے فراغت اور اساتذۂ کبار

۱۳۴۲ھ میں آپ نے مظاہرعلوم میں دورۂ حدیث شریف پڑھا، بیضاوی شریف، موطا امام مالک، موطا امام محمد اور ہدایہ آخرین بھی اسی سال پڑھیں، آپ نے بخاری شریف، ترمذی شریف، طحاوی شریف حضرت مولانا عبداللطیف صاحبؒ سے، مسلم شریف، نسائی شریف، مسلسلات، موطائین حضرت اقدس سہانپوریؒ سے، ابوداؤد شریف، ابن ماجہ شریف حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کیملپوریؒ سے پڑھی ہیں۔

خصوصی رفقاء

مولانا مشتاق احمد بن حکیم سید حسن صاحب پور قاضویؒ، مولانا سید فضل احمد صاحب گنج مراد آبادیؒ، حضرت مولانا حافظ عبدالعزیز خاں صاحب گمتھلویؒ (جانشین خاص حضرت اقدس رائے پوریؒ وسابق سرپرست مدرسہ مظاہرعلوم سہارنپور) مولانا

الحاج مفتی جمیل احمد صاحب تھانویؒ، مولانا محمد حیات صاحبؒ بن جناب عبدالخالق صاحب دیوبندی آپ کے دورۂ حدیث کے خصوصی رفقاء اور شرکاء میں سے ہیں۔

حیدرآباد دکن میں قیام

فراغت کے بعد آپ ایک عرصہ تک حیدر آباد دکن رہے، وہاں آپ دائرۃ المعارف کی جانب سے کتابوں کی طباعت واشاعت کے نگراں بنے، اس زمانے میں بہت سی علمی، دینی اور حدیث پاک کی اونچی کتابیں آپ کے قلم سے تصحیح وتنقیح کے بعد طبع ہوئیں، تقسیمِ ملک کے بعد پاکستان منتقل ہوئے اس کے بعد سے وہیں مقیم رہے۔

فصاحت وبلاغت

موصوف اپنی ادیبانہ زبان وبیان کی صلاحیتوں اور عربی زبان پر قابو یافتہ ہونے کی بناء پر علمی اور ادبی حلقوں میں مشہور ومعروف ہیں، پاکستان میں جب ۱۹۵۲ھ میں مؤتمر علماء مسلمین کا انعقاد ہوا اس میں تمام اسلامی ملکوں کے ممتاز ومعروف علماء جمع ہوئے اس موقعہ پر اہل مؤتمر کی جانب سے ترجمانی کے فرائض انجام دینے کے لئے موصوف ہی منتخب ہوئے تھے، ۱۹۵۲ء میں جلالۃ الملک ابن سعود سے بطور خاص منظوری لینے کے بعد سفارت خانہ سعودیہ عربیہ پاکستان میں ایک شعبہ ''الشئون الدینیہ'' (شعبۂ اسلامیات) قائم کیا گیا اس کے مدیر وناظم اعلیٰ مولانا مقرر ہوئے۔

تصنیفات وتالیفات

(۱) رسالت خاتم النبیینؐ (یہ ایک عربی کتاب کا ترجمہ ہے) مترجم نے ضرورت کے مطابق جابجا تشریحی نوٹ اور توضیحی حواشی بھی لکھے ہیں یہ کتاب تین حصوں پر مشتمل ہے،

حصہ اول و دوم کے مجموعی صفحات ۶۵۶ / ہیں حصہ سوم میں معجزات کی بحث ہے۔

(۲) رسالہ قضاء وقدر: سید عبدالحمید صاحب کی عربی تالیف ہے جس کی اردو ترجمانی مولانا عادل صاحبؒ نے کی ہے اس میں درج ذیل عنوانات قائم کئے گئے ہیں (۱) قضاء وقدر پر ایمان لانے کی بحث (۲) اللہ تعالیٰ کی مشیت (۳) اللہ تعالیٰ کا ارادہ (۴) اللہ تعالیٰ کا علم، ان عنوانات پر مصنف نے بحث کی ہے کتاب کے شروع میں مصنف کی جانب سے ایک اچھا خاصا طویل مقدمہ بھی ہے جس میں کتاب کی وجہ تالیف اور اپنے تاثرات لکھے ہیں۔

(۳) سیرت صدیق اکبرؓ: یہ علامہ محمد رضا سابق مدیر مکتبہ جامعہ فواد قاہرہ کی عربی تالیف کا اردو ترجمہ ہے اس میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے تفصیلی حالات واقعات جمع کئے گئے ہیں (علمائے مظاہر علوم سہارنپور ص ۲۳۰ / ج ۲)۔

تذکرہ حضرت مولانا فخر الدین صاحب گنگوہیؒ

بزبان حضرت اقدس مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ

ارشاد فرمایا کہ حضرت مولانا فخر الدین صاحب گنگوہیؒ میرے استاذ ہیں میں نے ان سے آمد نامہ کے چند اسباق اور بوستاں پڑھی ہے، یہ مولانا مظہر صاحب نانوتویؒ کے شاگرد تھے، گنگوہ کے محلّہ بہاؤالدین میں رہتے تھے اور بڑے مولوی جی کے نام سے مشہور تھے، جب کسی کے گھر کوئی نئی چیز پکتی تو پہلے ان کے یہاں پہنچائی جاتی، میرے والد صاحبؒ قوت اعصاب کے لئے ایک نسخہ تیار فرمایا کرتے تھے تو پہلے ان کے یہاں پہنچایا کرتے، رمضان شریف شروع ہوتا تو کوئی شخص اپنی بھینس کا دودھ ہر روز نکال کر دے آیا کرتا، درس وتدریس، تصنیف وتالیف کا مشغلہ مستقل نہ تھا اکثر گوشہ نشین رہتے تھے، کوئی طالب علم اصرار کرتا تو گنگوہ کی لال مسجد میں آکر اس کو سبق پڑھا دیا کرتے تھے، اپنے استاذ مولانا مظہر صاحب نانوتویؒ سے بہت تعلق تھا، بڑی محبت وعقیدت سے ان کا ذکر فرمایا کرتے تھے جب ان کا ذکر آتا تو آبدیدہ ہوجاتے اور فرماتے کہ مولانا بڑے پایہ کے آدمی تھے، بس یہی جملہ ان کے یہاں بڑی تعریف تھی، ایک بہت مختصر بوسیدہ کچا مکان چھپر کا تھا اس میں رہتے تھے بارش ہوتی تو ٹپکتا ادھر سے ٹپکتا تو ادھر چار پائی کھینچ لیتے اور ادھر سے ٹپکتا تو ادھر کھینچ لیتے، احباب واعزہ نے نیا مکان بنانے پر اصرار کیا تو منظور نہیں فرمایا پوری زندگی اسی میں گذاری۔

مسجد میں نہ آنے کی وجہ

ایک دفعہ ایسا ہوا کہ مسجد میں نہیں آئے، دروازہ بند کئے مکان میں رہے، جب دوسرے

وقت بھی نہیں آئے تو لوگ مزاج پرسی کے لئے حاضر ہوئے اور مزاج پوچھا تو دروازہ کھولے بغیر اندر سے جواب دے دیا کہ ہاں اچھا ہوں کئی روز اسی طرح گذرے جمعہ آیا تو نماز جمعہ کیلئے باہر تشریف لائے، نئے کپڑے پہنے ہوئے بالکل ہشاش بشاش اکثر گلاب کے پھول کی طرح مسکراتے رہتے تھے، غرض بیماری کا کوئی اثر نہ تھا، رات میں کوئی صاحب کپڑے کا تھان لئے بڑے مولوی جی کو تلاش کررہے تھے اس سے پتہ چلا کہ مولانا کے پاس کپڑے نہ تھے جس کی وجہ سے مکان سے باہر نہیں آئے، رات کپڑا آیا تو رات ہی درزی کو بلاکر سلوایا تب اس کو پہنکر صبح تشریف لائے۔

ملازمت نہ کرنے کی وجہ

ارشاد فرمایا کہ موصوف (مولانا فخر الدین صاحب) نے کبھی بھی ملازمت نہیں کی، ایک مرتبہ مطبع نولکشور لکھنؤ سے تصحیح کتب حدیث کیلئے مولانا مظہر نانوتویؒ کے پاس اطلاع آئی کہ کسی مستعد کو اسّی روپے (چاندی) ماہوار پر بھیجد یجئے تو حضرت مولانا مظہر صاحب نے یہ کہہ کر انکار فرمادیا کہ میں اپنے فخر الدین کو بنئے کے پاس نوکری کے لئے نہیں بھیجتا، ایک مرتبہ کچھ احباب منصوری لے گئے اور خود طے کرلیا کہ مولانا کو ماہانہ پچیس یا تیس روپے دیدیا کریں گے، مولانا سے اس کا ذکر بھی نہیں کیا رات کو خواب میں مولانا نے مولانا مظہر صاحب کو دیکھا کہ انگلی دانتوں میں دبائے کھڑے ہیں اور فرمارہے ہیں کہ کیا فخر الدین میں نے اسی لئے پڑھایا تھا کہ یوں نوکریاں کرتا پھرے، صبح ہوتے ہی وہاں سے واپس ہونے لگے احباب نے ٹھہرنے پر اصرار کیا تو فرمایا کہ نا بھائی ٹھہرنے کا حکم ہی نہیں۔

(ملفوظات فقیہ الامت ص ۱۱۱ رج ۱)

تذکرہ حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ

(مفتیِ اعظم ہند)

مشہور عالم فاضل اور مایۂ ناز ادیب حضرت مولانا نور عالم خلیل امینی نے اپنی شاندار کتاب ''پسِ مرگ زندہ'' میں آپ کا ذکرِ جمیل اس طرح کیا ہے:

نہیں فقر و سلطنت میں کوئی امتیاز ایسا یہ سپہ کی تیغ بازی، وہ نگہ کی تیغ بازی

آخری مفتی

ہماری طالبِ علمی کے زمانے میں طلبۂ دارالعلوم کی زبان پر اکثر یہ جملہ رہا کرتا تھا کہ آخری مہتمم (یعنی حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ) آخری شیخ الحدیث (یعنی حضرت مولانا سید فخر الدین احمد ہاپوڑوی ثم المراد آبادیؒ) اور آخری مفتی (یعنی حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ) کا زمانہ دیکھ لو، اب دارالعلوم میں ان کے بعد ان کی جگہ پر جو بھی آئے گا وہ ہرگز ان کے برابر نہ ہوگا۔

واقعی وہی ہوا جو چیدہ خلقِ خدا یعنی مہمانانِ رسول ﷺ طلبۂ دارالعلوم کی زبان سے اکثر سننے کو ملتا تھا کہ دارالعلوم میں مذکورہ بالا عظیم ہستیوں کی جگہ پر جو حضرات آئے یا آتے رہے وہ اپنی ساری خوبیوں کے باوجود ان کا جواب اور ان کے ہم پلہ بھی نہیں تھے۔

عظیم سلف کے عظیم خلف

مفتی محمود حسن صاحبؒ میں اپنے عظیم اسلاف و مشائخ و فقہا و علماء کی طرح استحضار

علمی، سرعت انتقالِ ذہنی، فقہی بصیرت، اجتہادی صلاحیت، اصول وفروع کی تطبیق کی لیاقت، سابقہ نظائر واَشباہ پر نئے مسائل کے قیاس کی وہ مہارتِ تامہ پائی جاتی تھی جو کسی عبقری مفتی اور فرعی اجتہاد کا عمل انجام دینے کی وہبی لیاقت والے مجتہد کی شان ہوا کرتی ہے۔

ساتھ ہی وہ اپنے اکابر ہی کی طرح دینی غیرت واستقامت، عقائدی صلابت، احسانی کیفیت اور تعلق مع اللہ کے باب میں بھی مثالی عالم کے اعلیٰ رتبے پر فائز تھے، اخلاص واحتساب اور سلوک وعرفان کے حوالے سے بھی وہ دارالعلوم کے اساتذہ ومشائخ کے معاشرے میں ایسا لگتا ہے کہ ''خاتم العارفین الصادقین'' تھے، ان کے ایسا بلند پایہ صاحبِ نسبت شیخ ومربی کو دیکھنے کے لئے نہ صرف طلبہ واساتذہ ومتعلقین دارالعلوم کو بلکہ ساری ہندی ملت کونہیں معلوم کہ کب تک انتظار کرنا پڑے گا، ذیل کا شعر بہت گھس پٹ جانے کے باوجود حقیقت بیانی کے لئے اپنا جواب نہیں رکھتا:

ہزاروں سال نرگس، اپنی بےنوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے، چمن میں دیدہ ور پیدا

علم وعمل کی صحیح جامعیت

مفتی صاحبؒ کے وجود سے دارالعلوم کے ماحول میں علم وعمل کی صحیح جامعیت کا رنگ کسی نہ کسی درجے میں قائم تھا اور ہر آنے جانے والے کو بالخصوص جس میں دینی شعور اور اسلامی آگہی وادراک کی خوبو پائی جاتی تھی یہ محسوس ہوتا تھا کہ دارالعلوم کے ماحول کے خاکستر میں ابھی ایسی چنگاری باقی ہے جو فقرِ غیور اور عشق جسور کے آتشِ فروزاں کا

رنگ اختیار کر لینے کی مکمل صلاحیت رکھتی ہے، لیکن ان کی وفات کے بعد دار العلوم کے درو دیوار ہر کہ ومہ کو بے رونق سے لگتے ہیں، مفتی صاحبؒ کی صحبت میں بیٹھ کر اندازہ ہوتا تھا کہ اسلاف کے علم وعمل کے حقیقی وارث کا رنگ وڈھنگ ابھی اس مے خانۂ علم وعرفان میں الحمدللہ کسی درجے میں قائم ہے۔

ان کی وفات کے بعد ہی نہیں بلکہ ان کے آخری سفرِ افریقہ (جوان کی وفات پر منتج ہوا) کے دوران ہی مجھ جیسے بے شعور اور فراست وبصیرت سے یکسر عاری انسان کو بھی دل کی گہرائیوں میں چھتہ مسجد اس کے سامنے کی سڑک اور دار العلوم کے ماحول میں ایک طرح کی ناقلِ توجیہ تاریکی کا احساس ہونے لگا تھا اور دل کے خاموش گوشوں میں یہ آواز سنائی دیتی تھی کہ شاید اب یہ مردِ خدا دوبارہ اپنی دید سے ہم لوگوں کو لذت یاب نہیں کرے گا اور وہی ہوا جو دل نے کہا زندگی کا اپنا ذاتی تجربہ یہ بتاتا ہے کہ دل کی آواز بہت بار سچی ثابت ہوتی ہے۔

مسجدِ چھتہ کا سُونا پن

مسجدِ چھتہ اب بھی قائم ہے اس کا قاسمی حجرہ اب بھی باقی ہے، اس کے در و بام اب بھی نمازیوں کی سجدہ ریزیوں سے منور ہیں، لیکن وہ روحانی روشنی، وہ عرفانی کرنیں اور وہ احتسابی کیف جس سے اس کا گوشہ گوشہ معمور تھا، دور دور تک نظر نہیں آتا، میں افریقی منزل قدیم سے (جہاں میری اور متعدد اساتذہ کی اپنے بچوں کے ساتھ رہائش ہے) دار العلوم آتے جاتے ہوئے روزانہ مسجد چھتہ کے سامنے کی سڑک سے گزرتا ہوں مجھے محسوس ہوتا ہے کہ دن گزرنے کے ساتھ ساتھ ان گلیوں کی تاریکیوں میں محسوس طور پر

اضافہ ہوتا جاتا ہے:

تیرے بغیر رونقِ دیوار و در کہاں ── شام و سحر کا نام ہے، شام و سحر کہاں
عرصہ ہوا کہ رسمِ محبت بدل گئی ── دامن سے اب معاملۂ چشمِ تر کہاں

حرفِ علم کے آشناؤں کی اب بھی کوئی کمی نہیں (اور آئندہ بھی نہیں ہوگی) لیکن عرفانِ حقیقت، یقینِ محکم، عملِ پیہم اور محبتِ فاتحِ عالم کے درِ نایاب سے ان کے صدف کی آغوش ہم جیسوں کو تو بہت خالی نظر آتی ہے: اس لئے ان کی ذات سے تمام برکاتِ علم وحکمت کے باوجود وہ روشنیاں نہیں پھیل پاتیں جن سے عالمِ رنگ و بو کے بیاباں کی حقیقی تاریکی کافور ہوا کرتی ہے:

گماں آبادِ ہستی میں، یقیں مردِ مسلماں کا ☆ بیاباں کی شبِ تاریک میں قندیلِ رہبانی

جس کو دنیائے آب وگل میں آنے کی بیماری لاحق ہوگئی ہے اسے ایک نہ ایک دن ضرور ناپید ہوجانا ہے: لیکن جو لوگ حبِ الٰہی اور عشقِ نبویؐ سے اپنے دل کو منور اور اپنے وجود کو روشن کر جاتے ہیں وہ موت کے بعد بھی پائندہ رہتے ہیں:

تو محبت کو لازوال بنا ── زندگی کو اگر نہیں ہے ثبات

دوشنبہ اور سہ شنبہ مورخہ ۱۷/۱۸/ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ (ہندوستانی کلینڈر کے مطابق) ۱۹/۲۰/ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ (جنوبی افریقہ کی تقویم کے مطابق) مطابق ۲/۳/ستمبر ۱۹۹۶ء کی درمیانی شب تھی کہ اچانک احاطۂ دارالعلوم دیوبند کے بیچ میں واقع مسجدِ قدیم کے مناروں پر نصب لاؤڈ اسپیکر کے ہارن گونج اٹھے اور اس افسوس ناک خبرِ وفات کا اعلان کیا گیا کہ مفتی اعظم حضرت مولانا محمود حسن گنگوہیؒ کا جنوبی افریقہ

کے شہر ''جوہانس برگ'' میں انتقال ہوگیا جہاں آپ ۲۰/اپریل ۱۹۹۶ء سے مقیم تھے، انااللہ و انا الیہ راجعون ۔(ماخوذازپس مرگ زندہ/ص ۳۳۰)

حضرت الاستاذ الفقیہ المحدث، جامع علوم عقلیہ نقلیہ، ماہرفنون، جامع علم وعمل، منبع الفیوض والبرکات، ماہر شریعت وطریقت، آگاہ اسرار حقیقت، مرجع العلماء والصلحاء حضرت مفتی صاحبؒ اپنے دور میں حضرت گنگوہیؒ کے نظیر تھے، آپ سے امت کو شریعت وطریقت، تعلیم وتبلیغ، ذکر وخانقاہ کی لائن سے بہت بڑا فیض پہنچا، آپ کی سیرت وحالات پر بہت کچھ لکھا جاچکا ہے ''حیات محمود'' دوجلدوں میں مفصل طور پر موجود ہے جس میں حضرت کے تفصیلی حالات بیان کردئے گئے ہیں، پھراس کا اختصار ایک رسالہ میں کیا گیا ہے جومختصر مگر جامع اور بہت مفید ہے (جس کا نام ذکر محمود ہے) اس کے باوجود حضرت الاستاذ سے محبت اوران کی شفقتوں کے پیش نظر اور گنگوہ کی شخصیات میں آپ کی عظیم شخصیت اوراسلافِ اکابر کی ایک بہترین یادگار ہونے کا یہ مقتضی ہے کہ اس کتاب میں بھی تبرکاً آپ کے حالات حسب توفیق لکھے جائیں، پہلے کچھ مضامین ''ذکر محمود'' سے لئے جاتے ہیں، چونکہ وہ اس موضوع پرمختصر اور جامع کتاب ہے، آپ کے مشہور خلیفہ عالم جلیل حضرت مولانا مفتی فاروق صاحب میرٹھی، جامع ''فتاویٰ محمودیہ'' ودیگر کتابوں کے مرتب اور جامعہ محمودیہ علی پور میرٹھ کے مہتمم صاحب مدظلہ العالی کی نہایت شاندار وجاندار محنت وکاوش کا نتیجہ ہے، اللہ پاک ان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

ولادت باسعادت

حضرت گنگوہیؒ کے وصال کو ٹھیک دوسال گزرچکے تھے کہ تقریباً اسی ماہ اوراسی

تاریخ میں قصبہ گنگوہ میں حضرت مفتی صاحبؒ کی ولادت باسعادت ۹ر جمادی الاخریٰ ۱۳۲۵ھ مطابق ۱۹۰۷ء شب جمعہ ہوئی، گویا علم وعمل کا ایک آفتاب غروب ہوا تو دوسرا طلوع ہوا، چنانچہ ایک مجذوب نے کہا تھا جب ان کو اطلاع ملی کہ مولانا حامد حسن صاحبؒ کے یہاں ایک بچہ پیدا ہوا ہے کہ ''مولانا رشید احمد صاحبؒ کا بدل آگیا ہے''۔

حضرت مولانا حامد حسن صاحبؒ والدِ محترم حضرت مفتی محمود حسن صاحبؒ

حضرت مولانا حامد حسن صاحبؒ بھی اپنے دور کے بہت متقی اور پرہیز گار عالم تھے، دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل تھے، حضرت شیخ الہندؒ کے مخصوص شاگرد تھے، حضرت مدنیؒ کے ساتھیوں میں سے تھے، آپ ہزاروں حدیثوں کے بھی حافظ تھے، حضرت شیخ الہندؒ سے بیعت وسلوک کا تعلق رکھتے تھے، نہٹور ضلع بجنور میں قیام تھا جہاں آپ کو حضرت شیخ الہندؒ نے ایک مدرسہ میں بھیجا تھا پوری زندگی وہیں گزاری اور ۲۱ر محرم الحرام ۱۳۷۱ھ میں وہیں انتقال فرمایا اور نہٹور ہی میں مدفون ہوئے۔

جدِ بزرگوار

حاجی خلیل احمد صاحبؒ حضرت گنگوہیؒ کے خادم بھی رہے اور حضرت نانوتویؒ سے بیعت تھے، تہجد گزار اور اوراد و وظائف کے پابند، گوشہ نشیں، صاحبِ دل، صاحبِ ذوق، صاحبِ درد و فکر بزرگ تھے، جب آپ کا انتقال ہوا حضرت مفتی صاحب کی عمر ۵ر سال تھی۔

سلسلۂ حسب ونسب

آپ حضرت ابوایوب انصاریؓ کی اولاد میں سے ہیں جس کی تفصیل ''حیات محمود'' میں دیکھی جاسکتی ہے۔

آپ کی بسم اللہ

ذکر محمود میں لکھا ہے: شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب قدس سرہ اور حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب رائپوری قدس سرہ گنگوہ تشریف لائے ہوئے تھے اور بھی چند بزرگ اور علماء ہمراہ تھے، دونوں اکابر کے ذریعہ حضرتؒ کی بسم اللہ کرائی گئی۔

ابتدائی تعلیم

حضرت مفتی صاحبؒ کے مکان کے قریب ہی حضرت گنگوہیؒ کی صاحبزادی صاحبہ صفیہ خاتونؒ کی بیٹھک میں مکتب قائم تھا اس میں حضرتؒ کی ابتدائی تعلیم ہوئی۔

حفظ کلام پاک

حافظ کریم بخش صاحبؒ نابینا سے کلام پاک حفظ کیا ختم میں سترہ سطریں باقی تھیں کہ حافظ صاحبؒ کا انتقال ہوگیا تو پھر حافظ عبدالکریم امام جامع مسجد سے تکمیل فرمائی۔

ابتدائی فارسی

حفظ کلام پاک کے بعد حضرت مولانا فخر الدین صاحب گنگوہیؒ تلمیذ رشید حضرت مولانا مظہر نانوتویؒ سے آمد نامہ کا ایک صفحہ اور بوستاں کے چند اشعار پڑھے۔

نہٹور میں قیام

بعدہ حضرت کے والد صاحبؒ اپنے ہمراہ نہٹور لے گئے وہاں مولانا امتیاز حسین صاحبؒ سے آمد نامہ، حمد باری، مصدر فیوض، کریما، پند نامہ کتابیں پڑھیں اور والد صاحبؒ سے میزان، منشعب، مالا بدمنہ اور بوستاں کے چند اسباق پڑھے۔

مظاہر علوم میں حاضری

۱۳۴۱ھ میں مظاہر علوم میں داخلہ لیا اور علم الصیغہ ،فصول اکبری وغیرہ سے لے کر جلالین شریف تک کی کتابیں سات سال کے اندر پڑھیں۔

دارالعلوم دیوبند میں قیام

۱۳۴۸ھ میں دارالعلوم میں داخلہ لیا اور مشکوٰۃ شریف وغیرہ کتابیں پڑھیں پھر دوسال میں دورۂ حدیث شریف کی تکمیل کی۔

مظاہر علوم میں آمد

دارالعلوم دیوبند میں تین سال قیام دورۂ حدیث شریف کی تکمیل کے بعد مظاہر علوم میں حضرت شیخ الحدیث قدس سرہ سے ابوداؤد شریف پڑھی اور حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب کیمل پوریؒ سے نسائی شریف اور ابن ماجہ شریف پڑھیں۔

ایثار وقناعت

زمانۂ طالب علمی میں ایک وقت کھانے کا معمول تھا اور ایک وقت کا کھانا کسی غریب طالب علم کو جس کا مدرسہ میں کھانا نہیں ہوتا تھا کھلاتے تھے، ناشتہ کرنا جانتے نہیں تھے، زمانۂ طالب علمی کے بعد مدرسی کے زمانہ میں بھی مہمانوں کے ہجوم ہونے سے قبل تک یہی معمول تھا۔

اعتماد اور توکل علی اللہ

ایک مرتبہ والد صاحب نے تحریر فرمایا کہ اگر کچھ ضرورت ہوتو لکھو، حضرتؒ کے

پاس اس وقت دو پیسے تھے اور اس وقت کارڈ دو پیسے کا آتا تھا ان ہی دو پیسوں کا کارڈ منگایا اور اس پر لکھا: الحمدللہ مجھے کوئی ضرورت نہیں۔

زمانۂ طالبِ علمی میں ایک معمول

مظاہر علوم کے دورِ طالب علمی میں حضرتؒ سمیت چار ساتھی ایک ساتھ کھانا کھاتے تھے مگر جب امتحان قریب ہوتا تھا تو آپس میں ہاتھ ملالیا کرتے تھے کہ اب امتحان کے بعد ملاقات ہوگی، کھانا سب الگ الگ لیا کریں گے۔

شوق وطلب

مطالعہ کا ایسا ذوق وشوق تھا کہ ایک مرتبہ مدرسی کے زمانہ میں لالٹین جلا کر کمرہ بند کر کے مطالعہ میں مشغول ہوگئے، اچانک کمر دکھنے لگی، لالٹین کو دیکھا کہ تیل ختم ہوگیا گھڑی دیکھی تو معلوم ہوا کہ آٹھ گھنٹے ہو چکے درمیان میں صرف نماز عشاء کے لئے اٹھنا ہوا۔

پیدل سفر

زمانۂ طالب علمی میں سہارنپور سے گنگوہ، گنگوہ سے سہارنپور عموماً پیدل سفر ہوتا تھا، ایک مرتبہ سہارنپور سے دیوبند، دیوبند سے سہارنپور کا سفر بھی پیدل فرمایا کہ کسی ضرورت سے دیوبند جانا تھا گاڑی میں دیر تھی اس لئے گاڑی کا انتظار کئے بغیر پورا سفر پیدل ہی فرمایا۔

سفر میں تلاوتِ کلام پاک

بچپن سے کلام پاک کی تلاوت کا خاص ذوق تھا، سفر میں عموماً تلاوت کا معمول تھا، سہارنپور سے گنگوہ کے سفر کے دوران بیس، بائیس پارے ہو جاتے تھے۔

سبق کی پابندی

سبق کی پابندی کا خاص اہتمام تھا، کبھی سبق ناغہ کرنے کا سوال ہی نہیں تھا، چنانچہ بخاری شریف از اول تا آخر اس شان سے پڑھی کہ کسی سبق کی غیر حاضری نہیں ہوئی اور کوئی ایک حدیث بھی نہیں چھوٹی، ایک دفعہ حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ بیمار ہوئے عیادت کے لئے اجازت طلب کی اور یہ بھی لکھ دیا کہ دیوبند سے سہارنپور آنے جانے میں ایک سبق کا ناغہ ہوگا، حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ نے تحریر فرمایا ''ایک سبق تو بڑی چیز ہے ایک حدیث کا استاد کے سامنے سے رہ جانا بھی میرے نزدیک نا قابل تلافی نقصان ہے'' اس لئے حضرت شیخ قدس سرہ کی عیادت کے لئے جانا ملتوی فرمادیا۔

اولاً ہم آپ کے تعلق سے بعض وہ مضامین پیش کرتے ہیں جو مختلف علماء نے مختلف کتابوں میں لکھے ہیں، چنانچہ علمائے مظاہر علوم سہارنپور اور ان کی دینی خدمات میں رص ۳۳۰ ر پر اس طرح لکھا گیا ہے:

اساتذۂ کرام

مظاہر علوم کے اساتذۂ کرام

مولانا مفتی ضیاء احمد گنگوہیؒ، حضرت مولانا الحاج الشاہ محمد اسعد اللہ صاحبؒ، حضرت مولانا عبدالرحمٰن کیمل پوریؒ، حضرت مولانا الحاج عبداللطیف صاحبؒ، حضرت مولانا عبدالشکور صاحبؒ، حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحبؒ، حضرت مولانا ظہور الحق صاحبؒ، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب قدس سرہ۔

دارالعلوم کے اساتذۂ کرام

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ، حضرت مولانا میاں قاری اصغر حسین صاحبؒ، شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ، حضرت مولانا علامہ ابراہیم بلیاویؒ، حضرت مولانا نبیہ حسن صاحبؒ۔

بیعت وتکمیلِ سلوک

اصلاح باطن کی فکر حضرت کو بچپن سے تھی، زمانۂ طالب علمی ہی سے قصد السبیل دیکھ کر ذکر وغیرہ شروع فرمادیا تھا اور طالب علمی کے اخیر سالوں میں حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ سے باقاعدہ بیعت ہوگئے تھے۔

انتخابِ شیخ

اس وقت مشائخ کاملین میں حکیم الامت حضرت تھانویؒ، حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ، حضرت مدنیؒ، حضرت رائے پوریؒ یہ سب اکابر موجود تھے مگر ان سب کی موجودگی میں حضرتؒ نے حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ کا انتخاب کیا چونکہ حضرت شیخ ان سب سے کم عمر تھے اور چند وجوہات یہ تھیں:

(۱) کہ حضرت شیخؒ کے ساتھ زمانہ زیادہ ملے گا اور اصلاح نفس واصلاح اخلاق زیادہ ہوسکے گی اس لئے اکابر مشائخ کے ہوتے ہوئے ان میں سب سے کمسن کو منتخب فرمایا۔

(۲) دوسری وجہ یہ بھی ہوئی کہ بعض خواب دیکھے تھے جس کی وجہ سے حضرت شیخ الحدیث نور اللہ مرقدہ کی جانب میلان ورجحان زیادہ ہوا۔

(۳) تیسری وجہ رجحان کی یہ ہوئی کہ حضرت مفتی صاحب قدس سرہ دیگر مشائخ

کی خدمت میں جب حاضر ہوتے تو دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کی رغبت زیادہ ہوتی مگر اپنے عیوب پر پردہ پڑ جاتا، اور جب حضرت شیخ الحدیثؒ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو اپنے عیوب سامنے ہو جاتے جس سے یہ خیال پختہ ہو گیا کہ میری اصلاح حضرت شیخ قدس سرہ کے ذریعہ ہوگی، ان سب وجوہات کی بناء پر حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کا انتخاب فرمایا۔

درخواستِ بیعت وامتحان طلب

حضرت مفتی صاحبؒ نے حضرت شیخ قدس سرہ سے بیعت کی درخواست کی حضرت شیخ نے تھانہ بھون، دیوبند، رائے پور، دہلی حضرات اکابر کی خدمت میں جانے اوران حضرات سے بیعت ہونے کو فرمایا، کبھی استخارہ مسنونہ کا حکم فرماتے غرضیکہ کئی ماہ اسی طرح ٹالتے رہے اور جب ہر طرح ٹھوک بجا کر دیکھ لیا کہ طلب صادق ہے اور کسی دوسری جانب کوئی رجحان ہی نہیں تو پھر بیعت فرمالیا۔

فنافی الشیخ

حضرت مفتی صاحبؒ نے حضرت شیخ کا انتخاب بہت سوچ سمجھ کر کیا تھا، اور مناسبت تامہ پہلے سے تھی اس لئے باقاعدہ بیعت ہونے کے بعد اپنے آپ کو حضرت شیخ کے اس طرح حوالہ اور سپرد فرمادیا جس طرح مریض اپنے آپ کو معالج کے حوالہ کر دیتا ہے کہ معالج جس طرح چاہے مریض کے اندر تصرف کرے مریض کو کوئی اعتراض نہیں ہوتا بلکہ معالج کے ہر تصرف پر دل سے خوش ہوتا ہے اور اس کو اپنا محسن وخیر خواہ سمجھتا ہے یا ''کالمیّت فی ید الغسال'' جس طرح مردہ غسل دینے والے کے

ہاتھ میں ہوتا ہے کہ وہ جس طرح چاہتا ہے کروٹ دیتا ہے جس طرح چاہتا ہے پانی ڈالتا ہے، میت کو کوئی اختیار نہیں ہوتا، اسی طرح حضرتؒ نے اپنے آپ کو حضرت شیخ کے اس طرح حوالہ کیا کہ گویا اپنا کوئی اختیار ہی باقی نہ رہا اور اپنا کوئی کام حضرت شیخ کے منشاء ومرضی کے خلاف نہیں کیا بلکہ ہر کلی وجزوی میں، ہر امر میں حضرت شیخ کے مشورہ کو ضروری جانا اور حضرت شیخ کی مرضی ومنشاء کے مطابق ہی اس کو انجام دیا اور اپنے آپ کو بالکلیہ مرضیٔ شیخ میں فنا کر کے فنافی الشیخ کے درجہ پر فائز ہوئے اور اس شعر کے مصداق بن گئے:

سپردم بتو مایۂ خویش را — تو دانی حساب کم وبیش را

اور یہ شعر آپ کے حسب حال ہوگیا ؎

عاشقی چیست بگو بندۂ جاناں بودن — دل بدست دیگرے دادن وحیراں بودن

حضرت شیخ کی عنایت وشفقت

اسی وجہ سے حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ عنایت وشفقت کا معاملہ فرماتے کہ دیکھنے والے دیکھ کر حیران ہوتے۔

دیگر اکابر سے استفاضہ

اسی غایت شفقت وعنایت کی بنا پر حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ کی خواہش ہوتی کہ حضرت مفتی صاحبؒ دیگر اکابر سے بھی پورے طور پر مستفیض ہوں۔

حضرت شیخ کے یہاں جب اکابر میں سے کسی کی تشریف آوری ہوتی تو حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ بطور خاص حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کو ان کی خدمت میں رہنے

اوران سے مستفیض ہونے کی تاکید فرماتے خودان حضرات کی خدمت میں جانے اور قیام کرکے اکتساب فیض کی تاکید فرماتے۔

رائے پور میں قیام

چنانچہ اسی مقصد کے لئے رائے پور حضرت رائے پوری قدس سرہ کی خدمت میں بار بار حاضری ہوتی اور بعض مرتبہ طویل قیام ہوتا۔

ایک مرتبہ تقریباً اڑھائی ماہ رائے پور قیام فرمایا اور حضرت رائے پوریؒ حضرتؒ کو اذکار واشغال بتاکر (کہ جس میں چوبیس گھنٹہ کا تمام وقت گھیر دیا گیا تھا) خود سفر میں تشریف لے گئے، اس موقع پر حضرت مفتی صاحب قدس سرہ نے حضرت رائے پوری نوراللہ مرقدہ کو خط لکھا اور اپنے حالات کی اطلاع دی، اس میں یہ شعر بھی تحریر فرمایا:

اے وائے براسیرے کہ ازیاد رفتہ باشد ‌ ‌ ‌ ‌ در دام ماندہ باشد صیاد رفتہ باشد

مرکز نظام الدین میں قیام

ایک موقع پر حضرت مولانا محمد الیاس دہلوی قدس سرہ کی وفات کے قریب تقریباً ایک ماہ حضرت دہلوی قدس سرہ کی خدمت میں قیام فرمایا، حضرت مفتی صاحبؒ قدس سرہ کا یہ قیام حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ کے حکم اور تجویز کے مطابق ہی تھا۔

۲۳ر جمادی الاولیٰ ۱۳۲۶ھ مطابق ۱۵ر جون ۱۹۴۴ء میں آپ حضرت شیخ کے حکم سے حضرت مولانا محمد الیاس صاحب دہلویؒ کی خدمت میں تشریف لے گئے، مقصد سفر حضرت شیخ کے الفاظ میں یہ تھا ''روانگی مفتی محمود نظام الدین فرستادہ زکریا بمد سلوک''۔

دہلی کے اس زمانۂ قیام میں آپ عالی ہمتی کے ساتھ اپنے اشغال ومعمولات میں مشغول رہے، حضرت کی مجالس میں بھی اہتمام سے شرکت فرماتے۔

اجازت وخلافت کا مطلب

اسی موقع پر ایک مرتبہ حضرت دہلویؒ نے فرمایا کہ مولوی محمود جانتے ہو مشائخ جو مجاز بنایا کرتے ہیں، اجازت دیا کرتے ہیں اس کا کیا مطلب ہوتا ہے؟ مفتی صاحبؒ کے انکار پر فرمایا کہ مطلب یہ ہے کہ طالب نے اپنے آپ کو شیخ کے سامنے فنا کردیا خدمت کرتے کرتے اپنا ارادہ اور اپنی رائے کو بالکل ختم کرکے پورے طور پر شیخ کے تابع ہوگیا اپنی مرضی کو شیخ کے ماتحت کردیا جب اس کے اندر اس کا رسوخ حاصل ہوگیا عاجزی اور تواضع کا مضمون پختہ ہوگیا تو پھر شیخ اس کو دعوت دیتا ہے کہ اچھا جو معاملہ تم نے عاجزی اور تواضع کا میرے ساتھ کیا اب میں اجازت دیتا ہوں کہ تمام مخلوق کے ساتھ یہی معاملہ کرنا جو تم نے اپنے شیخ کے ساتھ کیا ہے۔

آپ کے دہلی قیام کے ۲۹/دن بعد حضرت دہلویؒ کا وصال ہوا پھر آپ سہارنپور واپس تشریف لے آئے اور دوبارہ مظاہرعلوم میں اپنی علمی فقہی اور درسی مشغولیات میں مصروف ہوگئے۔

خرقۂ خلافت

حضرت شیخ نوراللہ مرقدہٗ کے پاس ایک جبہ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب نوراللہ مرقدہ کا عنایت فرمایا ہوا تھا جس کو حضرت سہارنپوری نوراللہ مرقدہ نے روضۂ اقدس علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر تین روز تک رکھا تھا عنایت فرمایا۔

حضرت والاقدس سرہ نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا:

''حضرت نے جبہ مرحمت فرمایا تھا اور بہت اہمیت کے ساتھ فرمایا تھا، کہ یہ حضرت سہارنپوری نوراللہ مرقدہ کا ہے، انہوں نے اس کو تین روز تک روضۂ اقدس پر رکھا تھا اس کے بعد مجھے عنایت فرمایا، بہت بوسیدہ تھا میں نے اس کے نیچے ایک اور کپڑا لگوالیا تھا، پس میں نے کبھی کبھی رمضان کے مہینہ میں اس کو پہن کر تنہائی میں دو رکعت پڑھی ہیں اس کے بعد اٹھا کے رکھ دیا''۔

اس عطیہ شاہی کے بارے میں بجز اس کے کیا کہا جائے۔

ایں سعادت بزور بازو نیست　　　　تانہ بخشد خدائے بخشندہ

اعتمادِ شیخ

حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ کو حضرت والا قدس سرہ پر اس درجہ اعتماد تھا کہ اپنے ذاتی اور خصوصی معاملات بلکہ قلبی کیفیات حتی کہ سفر حرمین وغیرہ کے سلسلہ میں بھی حضرت والاقدس سرہ سے استخارہ کراتے مشورہ لیتے اور اس پر حد درجہ اطمینان فرمایا کرتے۔

حضرت والاقدس سرہ کا ایک ملفوظ ملاحظہ ہو جس سے ان سب چیزوں پر روشنی پڑتی ہے، ارشاد فرماتے ہیں:

''ہندوستان سے حجاز جانے کے لئے سفر کی تیاری تھی مگر تردد تھا کہ تشریف لے جائیں یا نہ لے جائیں، عصر کے بعد مدرسہ قدیم کی مسجد میں جمعہ کے روز ذکر ہوتا تھا میں بھی ذکر میں مشغول تھا، الحاج ابوالحسن نے آکر مجھ سے کہا حضرت کا ارشاد ہے کہ استخارہ کرو، استخارہ کرکے بتاؤ کہ میں سفر میں جاؤں یا نہ جاؤں میں نے کہا کہ ''یہ تو میں ابھی بتادوں گا بغیر

استخارہ کے'' کہا کہ نہیں استخارہ کا حکم ہے، آئندہ جمعہ کو آؤ تو استخارہ کر کے آنا۔

آئندہ جمعہ کو میں حاضر ہوا تو فرمایا ''مفتی جی! بتاؤ میں جاؤں یا نہ جاؤں؟'' میں نے کہا ''حضرت! میں نے ایسا دیکھا کہ حضرت کھڑے ہوئے ہیں تنہا ہیں نہایت قوی کسی قسم کے ضعف کا اثر محسوس نہیں ہوتا اور بالکل خاموش ہیں پنڈلیاں کھلی ہوئی ہیں یہ مجھے معلوم نہیں کہ اوپر لنگی ہے یا پائجامہ مگر پنڈلیاں کھلی ہیں اور پنڈلیوں پر نشانات ہیں جیسے جھاڑ جھنکاڑ میں کوئی آدمی چلے اس کے لگنے سے نشانات ہو جاتے ہیں اور ایک جھنڈا ہاتھ میں لئے ہوئے کھڑے ہیں جو سفید ہے، اس کے اوپر بڑی شعائیں ہیں جو بڑی دور تک جارہی ہیں، لندن، امریکہ، افریقہ وغیرہ ممالک میں جارہی ہیں اور جہاں پر وہ شعائیں پہنچتی ہیں وہاں پر ایک چھاپ لگ جاتی ہے محمدﷺ کی اور آپ خاموش ہیں کوئی آس پاس نہیں ہے، میں یوں خواب میں سوچ رہا ہوں کہ وہ دستر خوان کے مریدانِ با اخلاص کہاں ہیں ان میں سے کوئی نہیں، غور کر کے دیکھا تو چار آدمی نظر آئے دور فاصلہ پر ایک مولانا منور حسین صاحب، ایک مولانا عبدالرحیم صاحب، ایک قاری امیر حسن صاحب، ایک مولانا عبدالجبار صاحب اور چاروں کے چاروں اتنے ضعیف اور مضمحل ہیں جیسے معلوم ہوتا ہے ابھی سخت بیماری سے اٹھے ہوں اور ان کے چہروں پر خون کے آثار تک محسوس نہیں ہوتے کہ بدن میں خون ہے، بول کوئی کچھ نہیں رہا سب خاموش ہیں۔

حضرت شیخ نے خواب سن کر یوں بیان فرمایا کہ ''اچھا بتاؤ محمدﷺ کیوں لکھا ہوا ہے لا الٰہ الا اللہ کیوں نہیں؟ میں نے کہا ''وہ تو ظاہر ہے کہ حضرت کا جو کچھ کام ہے وہ اہل توحید میں ہے منکرینِ توحید میں نہیں، جو کلمہ پڑھنے والے ہیں ان کے پاس کلمہ کا پہلا جز تو

موجود ہے آپ کی تمنا اور خواہش یہ ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کا اتباع ہوا، نہیں لوگوں میں آپ کا کام ہے اور انشاء اللہ کام آپکا دور تک دیگر ممالک میں پہنچے گا، چنانچہ دنیا نے دیکھ لیا کہ آج دنیا کے ہر ملک، ہر شہر بلکہ ہر بستی میں حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کا فیض پہنچا ہوا ہے۔

جامع العلوم کانپور میں قیام

ارباب جامع العلوم کانپور نے حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ سے حضرت مفتی صاحب قدس سرہ کے بارے میں اصرار فرمایا، ان کے اصرار پر حضرت شیخ نور اللہ مرقدہ کے حکم کی تعمیل میں جامع العلوم کانپور قیام فرمایا اور جامع العلوم جہاں حضرت حکیم الامت قدس سرہ نے چودہ برس قیام فرمایا تھا اور حضرت حکیم الامتؒ کے بعد مدرسہ انتہائی خستہ اور کس مپرسی کی حالت میں تھا حضرت نے اس کو سنبھالا تمام ضروریات کا انتظام فرمایا اور حضرت قدس سرہ کے ذریعہ مدرسہ کو مرکزی حیثیت حاصل ہوئی۔

یکم ربیع الاول ۱۳۷۳ھ مطابق ۸/نومبر ۱۹۵۳ء آپ جامع العلوم تشریف لے گئے اور مدرسہ کو باقاعدہ سنبھالا، مطبخ کا انتظام کیا، کتب خانہ درست کیا، طلباء کی نگرانی فرماتے، مطبخ کا انتظام فرماتے، خود ہی چندہ کرتے، کتابیں پڑھاتے، فتاویٰ کے جوابات لکھتے، وعظ کے لئے جگہ جگہ سفر فرماتے، اس طرح آپ بیک وقت استاد و مدرس بھی تھے، صدر مدرس و ناظم بھی تھے، ناظم کتب خانہ و ناظم دار الاقامہ و ناظم مطبخ بھی، مفتی بھی محرر و ناقل فتاویٰ بھی، واعظ و مبلغ بھی، سفیر و محصل بھی، مصلح اور شیخ طریقت بھی، شخص واحد کا ان سب کاموں کو انجام دینا موجب تعجب موجب حیرت ضرور ہے مگر اللہ پاک کی قدرت سے کچھ بعید نہیں۔

لیس علی اللہ بمستنکر ان یجمع العالم فی واحدٍ

افتاء وتفقُّہ

حق تعالیٰ شانہ نے حضرت والا کو تفقہ فی الدین میں وہ عظیم مقام عطاء فرمایا جو لاکھوں کروڑوں علماء میں کسی خوش نصیب کو عطا ہوتا ہے، علوم درسیہ کی تکمیل اور فراغت کے بعد سے اخیر تک زندگی کا تمام وقت درس وتدریس اور دیگر دینی خدمات کے ساتھ تفقہ فی الدین اور فتویٰ نویسی میں ہی بسر ہوا، بصیرت وتیقظ اور فقہی مسائل کی تحقیق وتدقیق میں کمال درک، مطالعہ کی کثرت ووسعت اور گہرائی وگیرائی، علوم کا استحضار، رسوخ فی العلم اور رسوخ فی الدین کتاب وسنت، فقہ واصولِ فقہ میں اختصاصی مہارت، اس کے ساتھ طبع سلیم، فہم مستقیم، فطرت صحیحہ پھر قدیم وجدید علمی ذخیرہ پر اطلاع وواقفیت کے ساتھ اہل زمانہ کی طبائع سے بھی واقفیت عرف سے بھی باخبری جس کو فقہاء نے بھی اہمیت دی ہے، نیز تیسیر کے حدود کی نگہداشت اور عموم بلویٰ کی صحیح تعریف اور اس کے لحاظ سے فقہی شرائط سے آگاہی، اہل زمانہ کے عقود ومعاملات اور تعلقات کی نوعیت، نوایجاد چیزوں کی شرعی حیثیت، تغیرات زمانہ اور ان کے شرعی احکام سے واقفیت اور ان کے لحاظ سے حدود سے آگاہی، مقاصد شریعت اور حکمت تشریع کا علم جو استنباط مسائل کی روح اور قیاس واستحسان اور مصالح مرسلہ کی نگہبان وپاسبان ہے، اور اس پر جذبۂ خدمت خلق اور کمال اخلاص وللہیت، صلاح وتقویٰ، امانت ودیانت وہ آپ کا وصف ممتاز اور موہوب خداوندی ہے، جس نے آپ کو آپ کے تمام اقران وامثال میں ممتاز ومخصوص مقام پر لا کھڑا کر دیا، ہندوستان کے اسلامی علوم وفنون کے دو عظیم مرکز دار العلوم دیوبند اور مظاہر علوم سہارنپور ہر دو کے دار الافتاء کے مفتیٔ اعظم

ہوئے اور دیگر متعدد مدارس کے دارالافتاؤں کی سرپرستی اور مکمل رہبری ورہنمائی کی سعادت بھی آپ کے حصہ میں آئی۔

سینکڑوں ہزاروں کی تعداد میں آپ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کر کے مفتیان کرام تیار ہوئے اورانہوں نے اپنے اپنے مقام پر پہلے سے قائم شدہ دارالافتاؤں کو سنبھالا یا نئے قائم کئے اورفتویٰ نویسی کے ذریعہ اشاعت دین اورمخلوق کی رہبری و ہدایت میں مشغول ومصروف ہوئے۔

فقیہ الامت اور مفتیِ اعظم ہند کا خطاب

ادھر حضرت والا کے تحقیقی فتاویٰ کی متعدد مبسوط جلدیں شائع ہوکر علمی وفقہی اورتحقیقاتی دنیا میں حضرت والا کی جلالتِ شان اورکمال فقاہت کالوہا منوا چکی ہیں جس کی وجہ سے آج پوری علمی دنیا میں حضرت والا کوفقیہ الامت اور مفتیِ اعظم ہند کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

حضرت والا کے فتاویٰ پر اعتمادِ اکابر

حضرت والاقدس سرہ کے فتاویٰ پر اکابر کو اعتماد ابتداء ہی سے رہا، اسی کمال اعتماد کی بنا پر اکابر مظاہرعلوم سہارنپور، حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری، حضرت مولانا محمد الیاس صاحب بانی تبلیغ، حضرت مولانا عبداللطیف صاحب ناظم مظاہرعلوم، حضرت مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث مظاہرعلوم نوراللہ مراقدہم نے فتویٰ نویسی کے عظیم منصب پر مظاہرعلوم میں تقرر فرمایا، اور جامع العلوم کانپور تشریف آوری کے بعد

یہ تمام اکابر مظاہر علوم واپسی کے برابر کوشاں اور ساعی رہے۔

اور اسی کمال اعتماد کی بناپر مرکز العلوم دارالعلوم دیو بند کے دارالافتاء کی صدارت اور مفتیِ اعظم کے عظیم منصب کے لئے اکابر دارالعلوم دیو بند، حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیو بند، حضرت مولانا مفتی مہدی حسن صاحب صدر مفتی دارالعلوم دیو بند، حضرت مولانا علامہ ابراہیم صاحب بلیاوی صدر المدرسین دارالعلوم دیو بند نوراللہ مراقدہم اور دیگر اکابر شوریٰ دارالعلوم دیو بند نے تقرر فرمایا اور انتہائی کوشش کے بعد جامع العلوم کانپور سے دارالعلوم دیو بند بلالیا گیا، دیگر مفتیان کرام کی آراء اگر کسی مسئلہ میں مختلف ہوئیں تو حضرت والا کی رائے اور تحقیق ہی عام طور پر آخری رائے اور فیصلہ کن اور قابل اعتماد سمجھی جاتی۔

قرآن سے عشق و تعلق

اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات سے تعلق ومحبت کا لازمی نتیجہ اس کتاب سے عشق ومحبت ہے چونکہ قرآن شریف اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، عشق کے لئے اس دار دنیا میں بجز کلام اللہ کے اور کوئی چیز تسلی کی نہیں کہ عشاق کو جب محبوب کا وصال نصیب نہیں تو اس کے کلام اور نام سے ہی تسلی اور لذت حاصل کرتے ہیں۔

حضرت والا قدس سرہ کے قلب میں عشق الٰہی کی جو قندیل روشن تھی اس کا روغن آپ قرآن پاک سے ہی حاصل فرماتے تھے، مشہور ہے مَنْ اَحَبَّ شَیْئاً اَکْثَرَ ذِکْرَہٗ جس کو جس شے سے تعلق ہوتا ہے اس کا ذکر کثرت سے کرتا ہے، حضرت والا قدس سرہ کو قرآن پاک سے وہ تعلق خاطر تھا کہ ہر وقت زبان مبارک پر قرآن پاک کی تلاوت

جاری رہتی تھی، سفر میں ہر وقت تلاوت کلام پاک کا محبوب ترین مشغلہ تھا، سہارنپور سے گنگوہ پیدل سفر فرمایا کرتے اور اس مسافت میں ۲۰/۲۲ پارے ختم فرما لیتے تھے۔

ایک لمبے عرصہ تک یومیہ تمام قرآن پڑھنے کا معمول رہا جس میں نصف قرآن نماز میں ہوتا تھا اور گھنٹوں نماز میں ایسی محویت ہوتی تھی گویا: قرّۃ عینی فی الصلوٰۃ (میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے) کی تفسیر سامنے آجاتی تھی اور اَرِحْنَا بِالصَّلٰوۃِ یَابِلَال (بلال ہم کو نماز کے ساتھ راحت پہنچاؤ) کا مفہوم سمجھ میں آجاتا۔

حضرت والا قدس سرہ کی نماز دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا تھا کہ گویا حضرت والا قدس سرہ کا اس عالم سے رشتہ منقطع ہوکر محبوب حقیقی تعالیٰ شانہ کے ساتھ وصال کی نعمت سے سرشار ہیں، اخیر میں کثرت امراض اور ضعف شدید کی بنا پر جب کہ چلتے ہوئے چکر پر چکر آتے تھے، کھڑے ہوتے ہوئے چکر آتے تھے، مگر نماز میں وہی سکون اور اطمینان کی کیفیت رہتی تھی بلکہ نماز میں ایک نئی تازگی اور نیا نشاط حاصل ہوتا تھا، ایک دفعہ ارشاد فرمایا سجدہ سے کھڑا ہونا پہاڑ پر چڑھنے سے زیادہ مشکل نظر آتا ہے۔

مظاہر علوم و دار العلوم میں بہت سے طلباء اذان پر مسجد میں پہنچ کر قرآن پاک کی تلاوت کرتے ہیں، حضرت والا قدس سرہ ہمیشہ اذان فجر پر بعض دفعہ اذان سے قبل مسجد پہنچ جاتے اور اذان پر فجر کی سنت پڑھ کر تلاوت و تسبیح میں مشغول ہوتے اور طلباء کی تلاوت کلام پاک کی آوازوں سے دل و جان کو سرور بخشتے اور محظوظ ہوتے۔

طالبین و مسترشدین کو خصوصاً روزانہ قرآن پاک کی تلاوت کی تاکید فرماتے، اور حفاظ کو کم از کم تین پارے نفلوں میں پڑھنے کی ترغیب دیتے۔

اتباعِ سنت

حضرت والا قدس سرہ کے اندر اتباع سنت کا جو جذبہ اور شیفتگی تھی اس کو اس شعر سے تعبیر کر سکتے ہیں:

رشتۂ در گردنم افگندہ دوست می برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

اتباعِ سنت میں حضرت والا کو گویا کمال فنائیت کا درجہ حاصل تھا، عبادات سے لے کر طبعی مرغوبات تک میں اتباع سنت کا پورا اہتمام رہتا تھا گویا سنت کے علاوہ نہ کسی چیز کی رغبت تھی نہ خواہش، خواہش ورغبت تھی تو سنت کی یہی آپ کے یہاں اصل بزرگی اور ولایت کی نشانی تھی اور اتباع سنت کے بغیر بڑے بڑے مجاہدات اور ریاضتوں کی کوئی وقعت نہیں تھی۔

عبادات میں آداب وسنن کا اہتمام

اس لئے حضرت والا قدس سرہ زندگی کے ہر شعبہ میں خواہ وہ عبادت سے تعلق رکھتا ہو یا معاشرت سے قدم قدم پر سنت نبوی ﷺ کی پیروی فرماتے تھے اور کسی حال میں بھی اس بارے میں سرِ موفرق نہیں آنے دیتے تھے، ہر وقت باوضو رہنا عادت شریفہ میں داخل تھا، عبادت میں ہر ہر رکن میں آداب وسنن کا پورا اہتمام فرمایا کرتے تھے، مثلاً نماز میں قیام وقرأت سنت کے موافق (کمال خشوع وخضوع کے ساتھ) اس کے بعد رکوع بھی موافق سنت، ہر رکن میں پوری تعدیل اور ہر جز میں کامل سکون، غرض کہ سنت وآداب ومستحبات کی پوری رعایت فرماتے۔

تصنیفات وتالیفات

(۱) مسئلۂ تقلید اور جماعت اسلامی: مفتی صاحب موصوف نے اپنی اس کتاب میں وضاحت کے ساتھ بتلایا ہے کہ اسلام میں تقلید کی کس قدر اہمیت ہے اور اس کا مفہوم کیا ہے، نیز یہ کہ تقلید کے بارے میں جماعت اسلامی کا نظریہ علمائے حق کے عقیدہ سے کس درجہ مطابقت رکھتا ہے اس کو بھی واضح کر دیا تالیف گو مختصر ہے مگر قابل مطالعہ ہے اس کے ۳۲ صفحات ہیں۔

(۲) حواشی بہشتی گوہر: بہشتی گوہر مختلف ناشروں کے یہاں سے طبع ہوا اور ہر ناشر نے کچھ نہ کچھ کمی زیادتی کی اس پر حضرت اقدس تھانوی نوراللہ مرقدہ سے درخواست کی گئی کہ آپ اس پر نظر ثانی فرمالیں تاکہ معتمد ومعتبر ہو جائے، حضرت نے عدم فرصت اور تنگی وقت کا عذر فرما کر لکھا کہ وہیں مظاہر علوم کے علماء میں سے کسی سے نظر ثانی کرالو، چنانچہ مولانا الحاج قاری سعید احمد صاحب مفتی اعظم اور مولانا الحاج مفتی محمود حسن صاحب زادمجدہ نے نہایت جانفشانی سے ان مسائل کی تحقیق فقہ کی معتبر ومستند کتابوں سے کر کے مسائل کی اس طرح تصحیح فرمائی کہ اصل عبارت کو باقی رکھ کر حاشیہ پر اس کی تصحیح کر دی۔

(۳) مسئلہ تنقید اور جماعت اسلامی: تنقید کے متعلق مودودی صاحب کا نظریہ اور اس سے پیدا شدہ مفاسد کا اسمیں تفصیلی تذکرہ کر دیا گیا اور ہر کس وناکس کو ناقد بنا دینے کے جو نقصانات ہیں ان کی بھی نشاندہی کی گئی ہے، ماہنامہ ''نظام کانپور'' میں یہ مضمون متعدد قسطوں میں شائع ہوا۔

(۴) گلدستۂ سلام: نومبر ۱۹۷۶ء میں میڈیکل ہسپتال کلکتہ میں حضرت مفتی صاحب زادمجدہ آنکھ کے آپریشن کی غرض سے داخل ہوئے، وہاں کے زمانۂ قیام میں ''گلدستۂ سلام'' کے نام سے ایک نعتیہ قصیدہ بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں پیش کیا اس قصیدہ میں آپ کے معجزات اور اوصاف وکمالات کا بھرپور تذکرہ ہے یہ فارسی زبان میں کہا گیا ہے، حضرت مفتی صاحب کے مسترشد خاص مولانا مفتی محمد فاروق صاحب مہتمم جامعہ محمودیہ علی پورہ میرٹھ نے اس کا اردو ترجمہ کیا ہے اور ان تمام آیات واحادیث اور معجزات، اوصاف وخصائص کی تشریح کردی جن کا اشعار میں اختصار کے ساتھ تذکرہ ہے، یہ قصیدہ عشق ومحبت اور درد وسوز کا ایک بیش قیمت اور بیش بہا مجموعہ ہے۔

(۵) نغمۂ توحید: اس کتاب میں بتلایا گیا ہے کہ عالم کا ہر ذرہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور قدرت پر دلالت کرتا ہے اور ہر ذرہ اللہ تعالیٰ کے جلال وکمال کا مظہر ہے، اصل کتاب فارسی میں ہے اسکا اردو ترجمہ سلیس اور آسان زبان میں کردیا گیا ہے اس کے ۴۸ر صفحات ہیں۔

(۶) وصفِ شیخ: اس کتاب میں حضرت اقدس قطب العالم شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب زادمجدہ کے اوصافِ عالیہ، کمالات، دینی خدمات اور عشق رسالت مآب ﷺ کا تذکرہ عجیب جذب وشوق اور وارفتگی کے انداز میں کیا گیا ہے، یہ کتاب منظوم فارسی میں ہے ۸۳ر اشعار پر مشتمل اوصاف کی تشریح وتوضیح اور ان کی تاریخ مولانا مفتی محمد فاروق صاحب مہتمم جامعہ محمودیہ علی پورہ میرٹھ نے کی ہے۔ رمضان المبارک

۱۳۹۹ھ میں یہ پہلی مرتبہ مکتبہ محمودیہ جامع مسجد میرٹھ سے شائع ہوئی۔

(۷) اسبابِ غضب حدیث کی روشنی میں: اس کتاب میں ان اعمال واسباب کو بیان کیا گیا ہے جن کے کرنے پر انسان اللہ جل شانہ کے غضب اوراس کی پکڑ کا مستحق ہوجاتا ہے، اس موضوع پر اس کتاب میں ایکسو پینتالیس احادیث لکھ کران کی توضیح وتشریح کردی گئی، توضیح وتشریح مولانا مفتی محمد فاروق صاحب مہتمم جامعہ محمودیہ علی پورہ میرٹھ نے کی ہے۔

(۸) حقوقِ مصطفیٰ ﷺ: نبی کریم ﷺ کے اس امتِ مرحومہ پر لاتعدُّ ولاتحصیٰ احسانات ہیں، امت کسی بھی احسان کا حق ادانہیں کرسکتی، اس کتاب میں نبی اکرم ﷺ کے حقوق کا تفصیلی تذکرہ ہے مولانا محمد فاروق صاحب موصوف نے ۱۴۰۰ھ میں اس کتاب کو مرتب کیاہے، دیوبند سے یہ کتاب شائع ہوئی (علمائے مظاہرعلوم سہارنپور رص ۳۳۰ رج ۲)۔

(۹) فتاویٰ محمودیہ: یہ آپ کے تحریر کردہ فتاویٰ کا ایک ضخیم مجموعہ ہے جو ہزاروں قیمتی مسائل وفتاویٰ پر مشتمل ہے جو کبار علماء کے حواشی کے ساتھ بار بار شائع ہورہاہے اور طالبین فقہ وفتاویٰ کے لئے ایک بہت بڑا مرجع بناہواہے، جو بیس جلدوں میں شائع ہوا۔

(۱۰) خطبات محمود: یہ حضرتؒ کے خطبات کا ایک بہترین مجموعہ ہے جو حضرتؒ نے متعدد موقعوں پر ارشاد فرمائے اور جن سے بہت سے لوگوں کی زندگیوں میں تبدیلی آئی اور آرہی ہے، یہ سب حضرتؒ کے بہترین باقیات صالحات ہیں۔

(۱۱) مسلک علماءِ دیوبند اور حب رسول ﷺ: آپ سے سفرِ کشمیر کے دوران اکابر دیوبند کے متعلق سوالات کئے گئے، حضرت زید مجدہم نے جوابات ارشاد فرمائے

جس سے بہت سے حضرات کی غلط فہمیاں دور ہوئیں اور وہ تائب ہوئے۔

(۱۲) حدودِ اختلاف: یہ کتاب اپنے موضوع پر منفرد شان کی حامل ہے موجودہ اختلافات کا بہترین حل ہے، اختلافات کے اصول وحدود قرآن پاک اور احادیث مبارکہ کی روشنی میں بیان فرمائے گئے ہیں۔

(۱۳) آسان فرائض: علمِ میراث کے کثیرالوقوع مسائل وقواعد اس رسالہ میں سہل وعام فہم اردو زبان میں بیان کئے گئے ہیں۔

(۱۴) حقیقتِ حج: حج کے باطنی فوائد وثمرات کے موضوع پر نہایت قیمتی مضامین پر مشتمل رسالہ ہے۔

(۱۵) رفعِ یدین اور قرأت خلف الامام: ایک غیر مقلد عالم کے جواب کا جائزہ نہایت بسط وتفصیل کے ساتھ قرآن وحدیث کی روشنی میں لیا گیا ہے۔

(۱۶) اسبابِ لعنت کی چہل حدیث: جن کاموں کے کرنے پر حدیث پاک میں لعنت آئی ہے اس کے متعلق چالیس احادیث کو مع ترجمہ وتشریح جمع کیا گیا ہے۔

(۱۷) آپ کے خلفاء اور تلامذہ: آپ کے تلامذہ دنیا بھر میں پھیلے ہوئے ہیں جن میں اچھی بڑی شخصیات ہیں، اسی طرح آپ کے خلفاء بھی دنیا بھر میں پھیلے ہوئے ہیں جن کی بہت بڑی تعداد ہے ان کا تذکرہ ذکر محمود میں دیکھا جاسکتا ہے۔

(۱۸) شوریٰ واہتمام: یہ رسالہ غیر جانبدارانہ اور مفید معلومات پر مشتمل ہے۔

(۱۹) عورت کی خلافت وامامت: اپنے موضوع پر نہایت جامع کتاب ہے۔

(۲۰) ارمغان اہلِ دل: اہل اللہ کے ایمان افروز واقعات کا مجموعہ۔

آپ کے مشہور خلفاء

(۱) حضرت مولانا مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی مہتمم دارالعلوم دیوبند۔

(۲) حضرت مولانا مفتی حبیب الرحمٰن صاحب خیرآبادی مفتی دارالعلوم دیوبند۔

(۳) حضرت مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری مفتی واستاذ حدیث جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل گجرات۔

(۴) حضرت مولانا محمد سلمان صاحب محدث جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ سہارنپور۔

(۵) حضرت مولانا مفتی محمد علی صاحب بھوپالی مدرس دارالعلوم زکریا، زکریا پارک افریقہ۔

(۶) حضرت مولانا مفتی محمد یوسف صاحب تاؤلوی، استاذ دارالعلوم دیوبند سہارنپور۔

(۷) حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب پانڈور، خادم خاص فقیہ الامتؒ جوہانسبرگ ساؤتھ افریقہ۔

(۸) حضرت مولانا مفتی محمد ابراہیم صاحب صالح جی، مہتمم مدرسہ تعلیم الدین اسپنگو بیچ دربن۔

(۹) حضرت مولانا مفتی محمد ابراہیم صاحب دیسائی، استاذ مدرسہ تعلیم الدین اسپنگو بیچ دربن۔

(۱۰) حضرت مولانا مفتی رضاء الحق صاحب، مفتی واستاذ حدیث دارالعلوم زکریا زکریا پارک لینیشیا۔

(۱۱) حضرت مولانا مفتی شبیر احمد صاحب سالوجی، مہتمم دارالعلوم زکریا، زکریا پارک لینیشیا۔

(۱۲) حضرت مولانا حسین احمد صاحب، مدرسہ اسلامیہ ناشر العلوم پانڈولی سہانپور۔

(۱۳) حضرت مولانا مفتی اکرام الحق صاحب ابن مولانا اسلام الحق صاحب راندیر سورت گجرات، مقیم حال برطانیہ۔

(۱۴) حضرت مولانا مفتی مقصود احمد صاحب انبہٹوی، مفتی مظاہر علوم سہارنپور۔

(۱۵) حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب بلند شہری، مفتی دارالعلوم دیوبند۔

(۱۶) حضرت مولانا مفتی سید خالد صاحب، مفتی مظاہر علوم سہانپور۔

وفات

۱۸ ربیع الثانی ۱۴۱۷ھ مطابق ۲ ستمبر ۱۹۹۶ء کے بعد شب سہ شنبہ میں بروز دوشنبہ جنوبی افریقہ میں وفات فرمائی اور وہیں مدفون ہوئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت فقیہ الامتؒ کے انتقال پُر ملال کے موقع پر آپؒ کے متعلق
حضرت مولانا الحاج قاری شریف احمد صاحبؒ کی ایک تحریر

موت العالِم موت العالَم

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

آہ! وفات حسرت آیات فقیہ زماں حضرت الحاج مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی نور اللہ مرقدہ اکابر گنگوہ کے سلسلۃ الذہب کی آخری کڑی حضرت مفتی صاحب، جو اپنے زمانہ کے سب ہی اکابر کے معتمد علیہ، علمی وروحانی کمالات میں یکتائے روزگار، علم وعرفاں کا سمندر، ذہن ثاقب، حذاقت طبع بے مثال، ذکاوت وفراست، ذہن وحافظہ وسیع، مسائل وفقہ میں کلیات وجزئیات کا استحضار، علمی والزامی جواب کا کمال، حضرت شیخ

الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب قدس سرہ العزیز کے سچے جانشیں، نشست گاہِ قاسمی کے علمی، روحانی، تجدید کنندہ، عسر ویسر کے وقت بھی سخاوت و دادودہش، دوسروں پر خرچ کرنا جن کی طبیعت ثانیہ بن چکی تھی، غرضیکہ حضرت موصوف کے کن کن اوصاف کو گنوایا جائے، وطن و جائے قیام سے ہزاروں میل دور افریقہ کے مشہور شہر جوہانس برگ میں اپنے مخلص ومحبّ وخادم خاص مولانا محمد ابراہیم صاحب پانڈور کے مکان پر ۱۸؍ ربیع الآخر ۱۴۱۷ھ مطابق ۲؍ ستمبر ۱۹۹۶ء سہ شنبہ کی شب میں ۱۱؍ بجے اپنی عمر عزیز کے بانوے سال پورے کر کے اپنے رفیق اعلیٰ سے جا ملے، انا لله و انا الیه راجعون آپ داغؔ کے اس شعر کے مصداق بنے:

جان کر منجملۂ خاصان میخانہ مجھے مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ مجھے

چلے گئے، صبر کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں، اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو نور سے بھر دے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے آمین، اور اہل گنگوہ کو کوئی نعم البدل عطا فرمائے آمین۔

احقر شریف احمد

ناظم ومہتمم جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ

حضرت الاستاذ شیخ ومرشد مفتی صاحبؒ کی ذات شریعت وطریقت کا سنگم تھی، آپ نے زندگی بھر شریعت اور طریقت دونوں کی زبردست خدمت فرمائی اور دونوں لائنوں میں باکمال لوگوں کو چھوڑا اور دونوں لائنوں میں آپ کی طرف منسوب کتابوں میں تفصیلات موجود ہیں، جہاں ایک طرف ''فتاویٰ محمودیہ'' کی شکل میں آپ کے تفقہ اور افتاء کے چشمے جاری ہیں اور دنیا ان سے فیضیاب ہو رہی ہے وہیں آپ کے خلفاء اور

مسترشدین کے ذریعہ طریقت کی لائن میں آپ کے فیوض وبرکات عالم میں جاری وساری ہیں اور ایک خلق اللہ فیضیاب ہورہی ہے، حضرت مفتی صاحبؒ سے یہ ناکارہ مؤلف بھی طالب علمی کے زمانہ میں منسلک تھا اور آپ بہت محبت وشفقت فرمایا کرتے تھے اور بہت سی کتابیں بھی آپ نے عنایت فرمائیں، جو آپ کے تبرکات کی صورت میں مؤلف کے پاس محفوظ ہیں، نیز دارالعلوم دیوبند میں افتاء کے سال حضرت موصوفؒ سے الاشباہ والنظائر پڑھی اور بہت دفعہ آپ کے سامنے عبارت پڑھنے کا موقع ہوتا تھا اور پھر سبق کے بعد کافی کافی دیر تک آپ کے پاس بیٹھنے اور خدمت کا موقع ملتا تھا اور بہت دفعہ مسائل کے جوابات آپ کو سنا کر آپ سے ہدایات لینے کا موقع حاصل ہوا، اس طرح حضرت موصوفؒ کی رہنمائی سے بہت سی راہیں کھلیں، موقع کی مناسبت سے یہاں چند خطوط ذکر کیئے جاتے ہیں۔

دین کی خدمت کیلئے اخلاص کی دعاء

محترمی مولانا خالد سیف اللہ سلمہ اللہ تعالیٰ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا خط ملا دل سے دعا کرتا ہوں خداوند تعالیٰ آپ کو علم دین کی خدمت میں اخلاص کے ساتھ مشغول رکھے، واقفین کو حسب صوابدید سلام مسنون، فقط والسلام۔

سلام از ابراہیم دعاؤں کی درخواست

املاہ العبد محمود غفرلہ ۵/۱۱/۱۴۱۳ھ

خدائے پاک آپ کو آپ کے بڑوں کیلئے قرۃ العین بنائے

عزیزم مولوی خالد سلمہ سلام مسنون!

آپ کا پرچہ ملا، اللہ تعالیٰ نے آپ کو دورۂ حدیث شریف کی دولت عطا فرمائی مبارک ہو، خدائے پاک آپ کو آپ کے بڑوں کیلئے قرۃ العین بنائے، آپ آئندہ ایک سال اور دورہ میں لگانا چاہتے ہیں اس میں منفعت کا پہلو تو ظاہر ہے لیکن دوسرے مضرت کے پہلو بھی ہیں اللہ تعالیٰ ان سے محفوظ رکھے، فقط والسلام۔

املاہ العبد محمود غفرلہ ۹ رشوال ۱۴۰۵ھ

حضرت مفتی محمود صاحبؒ اور جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ

نیز حضرتؒ کو جامعہ اشرف العلوم رشیدی کے ساتھ گہرا تعلق تھا اور کیوں نہ ہوتا جبکہ یہ آپ کے وطن کا اکابر گنگوہ کے بعد باضابطہ طور پر پہلا مدرسہ تھا، آپ بارہا تشریف لاتے امتحانات لیتے، معائینہ جات لکھتے اور اپنے مفید مشوروں سے نوازا کرتے تھے، چنانچہ معائینہ جات کے رجسٹر میں جو آپ کے معائینہ جات ہیں وہ نقل کئے جاتے ہیں۔

نیز حضرتؒ کو والد بزرگوار جامع الاوصاف والکمالات حضرت مولانا قاری شریف احمد صاحبؒ کے ساتھ بھی بہت خاص تعلق تھا اور کیوں نہ ہوتا جبکہ وہ بھی بچپن سے آپ کے قریب تھے، بکثرت آنا جانا، خدمت کرنا، پڑھنا اور مشورے لینا ان کا عمل تھا، چنانچہ دونوں حضرات میں کس قدر محبت اور تعلق کا رشتہ تھا اور ایک گونہ بے تکلفی کا تعلق وہ ایک دوسرے کو بے تکلف مشورے دینے سے ظاہر ہوتا ہے جو ان

حضرات کے باہمی گہرے ربط اور تعلق کا آئینہ دار ہے، جبکہ تکلف رکھنے والا مرید یا شاگرد اس قسم کے بے تکلف مشورے اور باتوں سے محروم رہتا ہے، پھر ایسا سمجھنا کہ حضرتؒ کو جامعہ سے یا ارباب جامعہ سے کوئی تعلق نہیں تھا جیسا کہ ان کی حیات میں بعض لوگوں نے اس قسم کے مکروہ پروپیگنڈے اور قبیح افواہیں ایک خاص مقصد کے تحت پھیلائی تھیں، ان تمام خطوط سے ان سب کی تردید ہوتی ہے اور صحیح صورتِ حال سامنے آجاتی ہے۔

حضرت مفتی صاحبؒ کو جامعہ اشرف العلوم کے ساتھ شروع ہی سے خاص تعلق تھا، خصوصاً اسلئے بھی کہ یہ آپ کی بستی کا اکابر گنگوہ کے بعد باضابطہ شروع ہونے والا سب سے پہلا مخلصانہ کردار تھا، چنانچہ حضرت مفتی صاحبؒ تشریف لاتے تعلیمی جائزہ لیتے اور معائینہ جات لکھا کرتے تھے، چنانچہ مدرسہ کے قدیم رجسٹر سے آپ کے لکھے ہوئے چند معائینے نقل کیے جاتے ہیں۔

معائنہ جات حضرت اقدس مفتی صاحبؒ

عام مسلمانوں سے عموماً اور اہلِ گنگوہ کو خصوصاً تعاونِ مدرسہ کی اپیل

حامداً و مصلیاً. احقر نے مدرسہ کے چند طلبہ کا قرآن کریم سنا بفضلہٖ تعالیٰ ابتدائی بچے بھی تجوید سے پڑھتے ہیں اور نماز، وضوء، غسل کے مسائل بھی بچوں کو خوب یاد ہیں، اللہ پاک ترقی و برکت عطا فرمائے اور کارکنانِ مدرسہ کو بیش از بیش خدمت و اخلاص کی توفیق دے، مدرسہ میں طلبہ زیادہ ہیں اسلئے کم از کم ایک مدرس کا فوری طور پر اضافہ ضروری ہے، عامۂ مسلمین کو عموماً اور اہلِ گنگوہ کو خصوصاً مدرسہ کی ہر نوع کی امداد ضروری اور لازم ہے واللہ الموفق لمایحب ویرضی۔

العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ
معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور ۴/۱۰/۱۳۶۵ھ

اہلِ گنگوہ اسکی قدر کریں

الحمدللہ و کفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی

آج ۱۸/شوال ۱۳۶۵ھ کو حضرت اقدس مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری نفعنا اللہ بطول بقائہ اور حضرت مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور اور مولانا غلام رسول صاحب جالندھری مع دیگر چند احباب گنگوہ مدرسہ اشرف العلوم میں تشریف لائے اور ایک بچے سے چند آیات سنیں اور کچھ مسائل سنے جس سے حد درجہ مسرور ہوئے اور اہلِ گنگوہ کو اس دینی خدمت پر مبارکباد دی، نیز اپنی بابرکت دعاؤں سے نوازا، احقر بھی ہمرکاب تھا، قلتِ وقت کیوجہ سے کوئی معائنہ تحریر نہیں فرما سکے اور بندہ

کو حکم دیا کہ اہلِ گنگوہ کو ترہیب وترغیب کیلئے ایک تحریر ہماری طرف سے لکھ دینا، لہٰذا گزارش ہے کہ ان اکابر اہل اللہ کا مبارکباد دینا انتہائی سعادت اور مدرسہ کیلئے امید افزاء اور فالِ نیک ہے، اسلئے اہل گنگوہ اسکی قدر کریں اور پوری جدوجہد اور زائد از زائد خلوص وللٰہیت کیساتھ مدرسہ کی خدمت وامداد کو سرمایۂ سعادت اور بہت بڑا ذریعہ رضائے خداوندی سمجھیں، توقع قوی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ بہت جلد اس مدرسہ کو ترقیات کے ثمرات عطا فرمائیں گے، وما ذلک علی اللہ بعزیز وھو علی کل شئی قدیر وبالاجابة جدیر فقط ۔ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ

معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور ۱۸/۱۰/۱۳۶۵ھ

بفضلہٖ تعالیٰ سب طلبہ کامیاب ہوئے

حامداً ومصلیا احقر نے جناب قاری حافظ محمد ابراہیم صاحب کے درجہ کا امتحان لیا ۹ر طلبہ نے حفظ امتحان دیا ۶ر نے ناظرہ، بفضلہٖ تعالیٰ سب کامیاب ہوئے نقشۂ امتحان میں کسی قدر ترمیم کی ضرورت ہے جسکی جناب حافظ عبد الحکیم صاحب کو تفہیم کردی گئی، واللہ الموفق لمایحب ویرضی فقط ۔ حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ

اکثر طلبہ نے بہت اچھا امتحان دیا

الحمد للہ رب العالمین والعاقبة للمتقین والصلوٰة والسلام علی رسولہ سیدنا محمد وآلہ وصحبہ اجمعین امابعد!

احقر نے بمعیت مولوی قاری شریف احمد صاحب ومولوی حافظ محمد اسحاق صاحب مدرسہ اشرف العلوم کا سہ ماہی امتحان لیا، نتیجہ نقشہ جات امتحان سے ظاہر ہے، اکثر طلبہ نے

بہت اچھا امتحان دیا، حق تعالیٰ شانہ اساتذہ وطلبہ وکارکنان مدرسہ کو استقامت ومزید اخلاص عنایت فرمائیں، بچوں میں کافی تہذیب ومتانت موجود ہے، مسائل نماز وطہارت سے بھی اکثر بچے واقف ہیں، فقط۔ احقر محمود حسن گنگوہی غفرلہ ۴؍صفر ۱۳۷۶ھ

احقر شریف احمد عفی عنہ، نیاز مند محمد اسحاق گنگوہی

معائینہ جات میں ایک مقام پر لکھتے ہیں:

اس سب کے بعد یہ ظاہر کرنا بھی ضروری ہے کہ یہاں کے اساتذہ ان خدمات کثیرہ کے باوجود مشاہرہ بہت قلیل لیتے ہیں، حالانکہ اگر کسی دوسری جگہ تشریف لیجائیں تو زیادہ تنخواہ ان کو مل سکتی ہے، مگر چونکہ ان حضرات کو روپیہ کمانا ہی مقصود نہیں اور خدمت کلام اللہ شریف کو دنیا کمانے کا وسیلہ بنانا بھی نہیں چاہئے اس لئے اس اقل قلیل قابل گذارہ مشاہرہ پر قانع ہیں اور دل نہاد ہو کر خدمت دین میں مشغول ہیں اور اپنی سب ضروریات کو خالق مسبب الاسباب کے سپرد کر دیا ہے ''من كان لله كان الله له '' اس لئے اللہ تبارک وتعالیٰ پر بھروسہ کر رکھا ہے، یقین ہے کہ حق تعالیٰ شان اس اعتقاد کی برکت سے ان حضرات کو پریشان نہ ہونے دیں گے اور خزانۂ غیب سے ان کی ضروریات کو پورا فرماتے رہیں گے۔

ارکانِ مدرسہ کی خدمت میں بھی عرض ہے کہ مدرسین حضرات کا بیش از بیش خیال رکھیں اور ان کی خدمت اور دلجوئی کو سرمایۂ سعادت تصور کریں، یہ نہ سمجھیں کہ یہ ہمارے ملازم ہیں اور ان کی خدمات کا معاوضہ ہم بصورت تنخواہ ادا کر دیتے ہیں، کیونکہ خدمتِ قرآن کریم اور تعلیمِ دین کا کوئی معاوضہ دے ہی نہیں سکتا۔

اخیر میں دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے نبی برحق محمد مصطفی ﷺ کے طفیل سے طلبہ

میں شوق، محنت، جذبۂ عمل، بڑوں کا ادب، علم کی قدر پیدا فرمائے اور اساتذہ میں استقامت، مزید اخلاص، طلبہ پر شفقت، توکل، اعتماد علی اللہ کا اضافہ فرمائے اور ممبران و جملہ باشندگانِ گنگوہ اور عامۂ مسلمین کے قلوب میں مدرسہ کی قدر و خدمت، اساتذہ و اعانتِ طلبہ و اشاعتِ دین کے جذبات کو قائم رکھے مضبوط و مستحکم فرمائے ترقی بخشے آمین فقط۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ
معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور ۱۵/۴/۱۳۶۹ھ

وہاں بیرونی طلبہ کی تعداد کافی مقدار میں موجود ہے

بعد الحمد والصلوٰۃ! احقر مدرسہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ کو جانتا ہے وہاں بیرونی طلبہ کی تعداد کافی مقدار میں موجود ہے جو پیسہ وہاں جائے گا ان شاء اللہ تعالیٰ امید ہے کہ صحیح مصرف میں صرف ہوگا، فقط۔

احقر محمود غفرلہ
دار العلوم دیوبند ضلع سہارنپور

خطوط حضرت مفتی محمود حسن صاحبؒ بنام حضرت والد صاحبؒ

ان شاء اللہ تعالیٰ ہر پریشانی کے بادل چھٹ جائیں گے

مکرم محترم زید احترامہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گرامی نامہ ملا آپ کی پریشانی سے قلق ہے حق تعالیٰ سکون دے حالات کو سازگار کرے[1] بار قرض سے سبکدوش فرمائے نقصان سے بچائے ''یا حی یا قیوم برحمتک استغیث

---

[1] مدرسہ کے معاملات میں مخالفت کا کوئی معاملہ ہوگا جو ہوتا رہتا تھا، حاسدین اور مفسدین کو مدرسہ اور اس کی ترقی برداشت نہیں تھی اس لئے مسلسل رکاوٹیں اور قسم قسم کی نازیبا حرکتیں کرتے تھے، مگر باری تعالیٰ نے سب سے حفاظت فرمائی اور مدرسہ کو عروج بخشا فللہ الحمد۔

اصلح لی شانی کله ولا تکلنی الی نفسی طرفة عین ''کاورد کثرت سے کریں ان شاء اللہ تعالیٰ ہر پریشانی کے بادل چھٹ جائیں گے، والسلام۔

احقر محمود عفی عنہ

مدرسہ جامع العلوم کانپور ۳/۱/۱۳۸۳ھ

حق تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن رکھیں ضرور نصرت فرمائیں گے

مکرم محترم جناب قاری صاحب مدفیضہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا خط ملا پریشانی کا حال معلوم ہوکر قلق ہوا، حق تعالیٰ آپ کو اس پریشانی اور تمام پریشانیوں سے نجات دے، بار قرض سے سبکدوش فرمائے ہر قسم کے شرور سے محفوظ رکھے، دین کی خدمت کا موقع دے، میں بھی دعا کرتا ہوں آپ بھی دعا کریں اور حق تعالیٰ کے ساتھ پورا حسن ظن رکھیں کہ وہ ضرور آپ کی پوری نصرت فرمائیں گے، والسلام۔

احقر محمود عفی عنہ

مدرسہ جامع العلوم کانپور ۲۸/۱۰/۱۳۸۴ھ

مدرسہ کی ترقی پر اظہارِ مسرت

مکرم محترم زیدت مکارمکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گرامی نامہ صادر ہوا مدرسہ کی ترقی سے مسرت ہوئی، ذیقعدہ ۱۳۸۱ھ کے عشرۂ اولیٰ میں جس روز دل چاہے تشریف ارزانی فرمائیں، والسلام۔

احقر محمود عفی عنہ ۲۸/۱۰/۱۳۸۱ھ

مدرسہ میں دورۂ حدیث کا آغاز پرانی تمنا

مکرم محترم الحاج قاری شریف احمد صاحب ناظم مدرسہ اشرف العلوم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گرامی نامہ باعث یادآوری اور موجب مسرت ہوا، اس میں جناب نے اپنے پرانے لگاؤ کے تحت جو مشورہ دیا ہے اس سے تو بہت ہی خوشی ہوئی مگر مشورہ بہت مجمل ہے جو صاف سمجھ میں نہیں آیا، امید کہ وقتِ ملاقات اس کی وضاحت ہوجائے گی، اللہ پاک آپ کو جزائے خیر دے آپ کے مدرسہ میں دورۂ حدیث پاک شروع ہوگیا یہ یقیناً میری پرانی تمنا ہے جیسا کہ آپ نے بھی لکھا ہے، اللہ تعالیٰ مبارک فرمائے قبول فرمائے۔

عزیز مولوی خالد سلمہ نے دورہ پڑھ لیا اس پر آپ کو دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں، خدائے تعالیٰ علوم نافعہ، اخلاق فاضلہ، اعمال صالحہ سے نوازے، ان کے لئے دوبارہ دارالعلوم میں دورہ پڑھنا تجویز فرما رہے ہیں اس کو بھی حق تعالیٰ نافع فرمائے مضرتوں سے محفوظ رکھے، میں نے یہاں آپ کے مدرسہ کے لئے بھی بعض متعارفین سے کہا ہے بلکہ نام اور پورا پتہ لکھوادیا ہے، اللہ تعالیٰ مثمر فرمائے، فقط والسلام۔

املاہ العبد محمود غفرلہ ۹؍شوال ۱۴۰۵ھ

گنگوہ میں دینی فضاء کے قیام کی تمنا

مکرم ومحترم جناب قاری صاحب مدفیضہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گرامی نامہ صادر ہوا اجتماع قابل مبارکباد ہے، خدائے پاک اصول کی پابندی اور اخلاص واستقامت عطا فرمائے اور مکارہ سے محفوظ رکھے، حضرات نظام الدین کی تشریف آوری کی خبر سے بہت بہت مسرت ہوئی، کیا بعید ہے کہ گنگوہ کی بنجر زمین میں بھی کچھ تازگی پیدا ہو اور کچھ سبزہ اگ آئے، حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کو بھی اس کی بڑی تمنا تھی اور مدت دراز

تک بڑی بڑی جماعتیں بھیجتے رہے، ممکن ہے کہ ان کی تمنا پورا ہونے کا وقت آ گیا ہو اور آپ کے ہاتھوں پوری ہوا۔ یہاں کل حضرت مہتمم صاحب مدظلہ کی تشریف آوری متوقع ہے غالبًا متعدد حضرات بوڈر پر تشریف لے جاچکے ہیں، ادھر امتحان تقریری شروع ہو چکا ہے اور تحریری شنبہ سے شروع ہے، جمعہ کو سہارنپور ''ختم مسلسلات'' میں بہت بڑا مجمع تھا دارِ جدید میں درس ہوا مسجد بھی نا کافی ہوگئی دور دراز سے لوگ آئے مگر آپ نہیں تھے اور بھی کوئی صاحب گنگوہ کے نظر نہیں پڑے ممکن ہے کہ مجمع زیادہ ہونے کی وجہ سے نظر نہ پڑے ہوں، بفضلہٖ تعالیٰ عافیت کے ساتھ ختم ہوگیا اور یہ ناکارہ رات کو ہی سہارنپور پہونچ گیا تھا بنا بر حسب معمول جمعہ کو بعد مغرب واپس آیا یہاں خیریت ہے، ممکن ہے کہ میں بھی شنبہ کو آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں و الأمر بید اللہ تعالیٰ، والسلام۔

احقر محمود عفی عنہ

دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۲۹/۷/۱۳۸۸ھ

آپ کو دیکھ کر بہت غبطہ پیدا ہوتا ہے

مکرم محترم مولانا الحاج القاری المقری شریف احمد صاحب

شرفکم اللہ تعالیٰ فی الدارین

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گرامی نامہ شرف صدور لایا آپ جو کچھ علمِ دین کی خدمت کر رہے ہیں جملہ

---

[1] مدرسہ میں تعلیم وتعلم کے ساتھ ساتھ طلبہ کے اندر دعوت وتبلیغ اور ہر ہفتہ جمعرات کو عوام میں بھیجنے کا سلسلہ حضرت والد ماجدؒ نے بڑے اہتمام کے ساتھ جاری رکھا اور اب تک جاری وساری ہے اور اس کے کافی فوائد ظاہر ہوئے اور ہو رہے ہیں۔

اساتذہ وملازمین وطلبہ آپ کے رہین منت ہیں اہل بستی بھی شکرگزار ہیں کہ آپ کی وجہ سے یہ باغیچہ موجود ہے، ترقی کر رہا ہے، حق تعالیٰ اس کو مزید مادی ومعنوی ترقیات سے نوازے، ثمراتِ صالحہ مرتب فرمائے، دشواریوں کو دور کرے مکروہات سے بچائے، آپ کو دیکھ کر بہت غبطہ پیدا ہوتا ہے لیکن ارشاد باری تعالیٰ ہے ''ولا تتمنوا ما فضل الله به بعضکم علی بعض'' دل میرا بھی چاہتا ہے کہ مدرسہ میں کتب خانہ کا کمرہ ہونا چاہئے جیسا کہ پہلے عرض بھی کیا تھا مگر اس وقت آپ نے اس طرح سنا جیسے یہ بالکل بے فائدہ اور غیر متعلق بات ہے یہ سوچ کر خاموش ہو گیا کہ ع

رموزِ مملکت خویش خسرواں دانند

جناب کو شاید پورا علم نہیں کہ میری جس قدر تنخواہ ہے تقریباً اسی قدر خرچ ہے کچھ پس انداز نہیں ہوتا، نہ ڈاکخانہ یا بینک میں کچھ جمع ہے، یہ بھی حق تعالیٰ کا فضل ہے کہ قرض بھی نہیں آیا ضرورت پوری ہوئی خرچ ہو گیا۔ احقر محمود غفرلہ

دارالعلوم دیوبند سہارنپور

۲۳/۱۱/۱۳۹۵ھ

ایک حادثہ ایک خواب

حضرت والا سیدنا المحترم زید مجدکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید کہ مزاج سامی بعافیت ہوگا، آپ کے گرنے اور چوٹ لگنے کے واقعہ سے بیحد تشویش ہے، یونہی اگر گر جانا ہو جاتا تو کوئی خاص بات نہیں تھی مگر مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کسی اسکیم کے تحت کسی نے کچھ کر دیا جس سے یہ واقعہ پیش آیا جیسا کہ پہلے بھی

آچکا ہے، بہر حال خود ہی توجہ دینے اور اس کا علاج کرنے کی زحمت فرمانے کی ضرورت ہے ہلکی سی بات خیال کر کے کچھ نہ کیا لیکن زیادہ کا اندیشہ ہے، بہر حال اس خادم کی گزارش پر توجہ فرما کر ضرور کچھ نہ کچھ فرمادیں۔

گزشتہ ہفتہ ایک خواب دیکھا کہ میں ایک سڑک پر جارہا ہوں سامنے ایک بڑا درخت ہے جس پر ایک محال ہے، بہت سے لوگ جمع ہیں سب محال توڑنے کی فکر میں ہیں مجھے ان کو دیکھ کر کسی قدر وحشت اور دہشت ہوئی اور اپنی جگہ پر کھڑا ہو گیا، خواہش ہوئی کہ میں بھی شہد حاصل کرتا فوراً ہی محال کے اندر سے ایک چھتا مع شہد جس میں ایک ڈنڈی بھی لگی ہے میرے ہاتھ میں آگئی اور سب لوگ جو جمع تھے وہ دیکھتے ہی رہ گئے، تعبیر سے مطلع فرمائیں۔

مسجد کا کام برابر جاری ہے آٹھ ڈاٹیں تیار ہو گئیں صرف تین ڈاٹیں باقی ہیں جن کی تیاری ہو رہی ہے ویسے ہر طرح مدرسہ کے حالات بہتر ہیں، دعا اور توجہ کی سخت ضرورت ہے فقط۔ احقر شریف احمد ۲۱ صفر ۱۳۹۳ھ

حضرت مفتی صاحبؒ کا مختصر جوابی مکتوب

مکرم محترم زید مجدکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الحمد للہ بخیریت ہوں حق تعالیٰ حفاظت فرمائے، آپ نے توجہ دلائی شکریہ آپ کے تعلق کی دلیل ہے جزاکم اللہ۔

تعبیرِ خواب

یہ علم دین ہے اللہ تعالیٰ آپ سے خدمت لے رہا ہے اس کا فضل وکرم ہے، احسان

ہے، حق تعالیٰ ہر طرح مدد و حفاظت فرمائے، اللہ تعالیٰ تکمیل کر دے، والسلام۔

احقر محمود غفرلہ

دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۲۳/۲/۱۳۹۲ھ

کتب خرید لی ہیں

مکرم محترم مولانا الحاج القاری الحافظ شریف احمد صاحب مدت فیوضہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گرامی نامہ نے شرف فرمایا کتب خرید لی ہیں جب دل چاہے جس طرح مناسب ہو منگالیں، حق تعالیٰ فیوض میں ترقی مرحمت فرمائے والسلام۔

احقر محمود غفرلہ

دارالعلوم دیوبند سہارنپور ۲۴/۱/۱۳۹۶ھ

تذکرہ حضرت مولانا حکیم عبدالرشید محمود صاحبؒ

آپ ۱۵؍محرم الحرام ۱۳۲۸ھ مطابق ۱۹۱۰ء بوقت دوپہر بروز یکشنبہ محلّہ غلام صابر میں پیدا ہوئے، ایک بار حضرت شیخ الہندؒ گنگوہ تشریف لائے تو انہوں نے آپ کو محبت میں ''ننھو'' فرمایا تو پھر آپ اسی نام سے مشہور ہو گئے، حضرت علامہ مولانا انظر شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ محدث دارالعلوم (وقف) دیوبند اپنی کتاب ''لالۂ وگل'' میں رص ۲۲۵ رمیں لکھتے ہیں:

قطبِ عالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے پوتے دارالعلوم دیوبند کے فاضل حاذق طبیب اور گوشہ نشیں دانشور، لباس و پوشاک نفیس، گفتگو نستعلیق، ان کی اردو عرب کے صحرا سے اس طرح گزری کہ اردو برائے نام اور عربی کا غلبۂ تمام، حافظہ بے نظیر، مضامین مستحضر، بولنے پر آتے تو بے تکان بولے چلے جاتے، ناز میں پلے ہوئے، نیازمندی سے بہت دور، مرزا مظہر جان جاناںؒ نے لکھا ہے کہ ''نازک مزاجی لازم صاحبزادگیست'' مرزا مرحوم کے اس قول کی تصدیق حکیم صاحب کو دیکھ کر کرنی پڑتی ہے مشہور مقولہ ہے کہ بیوی اور خادم کسی کے معتقد نہیں ہوتے، خاکسار کی جانب سے اس میں صاحبزادوں کا بھی اضافہ کرنا چاہئے، لیکن یہ عجیب بات ہے کہ حکیم صاحب کو حضرت علامہ کشمیری صاحب مرحوم سے بے پناہ عقیدت تھی، خاکسار سے فرمایا کہ میں جب دارالعلوم دیوبند میں پڑھتا تھا تو حضرت شاہ صاحب کو ارادتاً پہروں دیکھتا اور یہ سوچتا کہ جناب رسول اللہ ﷺ کی رفتار وگفتار، آپ کی نشست و برخاست، قعود و قیام،

لباس و پوشاک، انداز کلام و گفتگو اس طرح ہوگا (ماخوذ از لالۂ و گل رص ۲۲۵)۔

حضرت حکیم صاحبؒ کی تحریر کا ایک نمونہ

حضرت مولانا انظر شاہ کشمیریؒ نے لکھا جو بلاشبہ بہت بڑے ادیب تھے، چنانچہ آپ کی ایک تحریر بطور نمونہ پیش کی جاتی ہے جس سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آپ کا قلم کس انداز کا تھا، جس زمانہ میں آپ دارالعلوم دیوبند میں متعلم تھے اس زمانہ میں آپ نے حضرت شیخ عبدالقدوسؒ کے حالات پر ایک مختصر رسالہ لکھا تھا، جس کا مقدمہ آپ نے یہ کہہ کر شروع کیا ہے:

''میں بھی کتنا خوش قسمت ہوں کہ میرا تخیل مجھے بنی آدم کے ان پاکیزہ نفوس کی مقدس سرحد پر لیجارہا ہے جن کے اوپر دنیا نے فخر کیا اور جن کی معیت کے کیف نے ایک عالم کو بیخود بنادیا، گو آج سے قبل میرا شیشۂ تقدیر کتنا ہی مکدر تھا لیکن مجھے فخر ہے کہ یہ تکدر خیزیاں آج برہم ہوگئیں کیونکہ انہیں مقدسین اور آفتابہائے علوم نے جو مشرقی پردے اٹھائے تھے اور انہیں کے سپیدۂ تنویر نے جو مسکرا مسکرا کر شب دیجور کی تاریکیاں چمکائی تھیں آج انہیں کا تذکرہ میری زبان پر ہے اور انہیں کے حالات میرے قلم پر''۔

پڑھنے والو! تم ان کے محسوساتِ دلسوز سے آگاہ ہوجاؤ! ان کی ضیا پاشیاں ملاحظہ کرو، منجمد تاریکیوں کا خاتمہ انہیں جیسے چمکنے والے نیّروں کا شرمندۂ احسان ہے، فضائے نوری میں انہیں جیسے افراد کے نقوش بنتے ہیں اور ضیاء معطر میں انہیں جیسے لوگوں کی ترنم ریزیاں رونما ہوا کرتی ہیں۔

کتنا تعجب خیز ہے یہ امر کہ ہندوستان جیسے کفرستان میں جہاں ایمان کا اپنے جادۂ مقرر سے ہٹ کر کفر والحاد کی فضا میں تحلیل ہو جانا بالکل یقینی تھا، انہیں جیسے مقدسین کے پیکروں نے اپنے دلدوز نغموں سے بجائے خود تحلیل ہو جانے کے اس کو تحلیل کر کے ایمانی ترنم بپا کر دیا، اور کفرستان کو ایسا منور کیا کہ تنویر ہر جزو نے نبویؐ اخبار کی تصدیق پیش کر کے مسرت کا ایک گیت گایا اور انبساط و بہجت سے سرشار ہو کر خدائے قدوس کی درگاہ میں سر نیاز خم کر دیا۔

میرے دوستو! میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ یہی وہ مقام ہے جس کی نکہتِ جانفزا کو عربی رسول ﷺ نے محسوس کیا اور مستقبل میں مہکنے والے علمی سدابہار پھولوں کی دلآویز مہک نے یکدم متوجہ کر دیا۔

خدا کی باتیں خدا ہی جانتا ہے، یہ کسے خبر تھی کہ سرزمین ہند پر ایسی ایسی ہستیاں بھی اپنی رعنائیوں کے ساتھ جلوہ فگن ہوں گی جن کے لامتناہی فیوض سے مشرق اور مغرب سیراب ہوگی، جن کی ضوفشانیاں عجم سے گزر کر عرب تک پہونچ جائیں گی، ہند کی تاریکیاں اسلام کے انہیں نونہالوں کی آغوش میں تحلیل ہو کر نذرِ فنا ہو جائیں گی اور ہند ہی ایک ایسی جگہ ہوگی جہاں کے بسنے والے ایمانی نشاط سے سرشار ہو کر ایمان داروں کے لئے آغوش حفاظت پھیلا دینگے۔

محمد بن قاسمؒ اور محمود غزنویؒ کا ہندوستان پر حملہ کرنا کیا تھا خدائی نوامیس کے بے نقاب ہونے کی تمہید تھی، ادھر مسلمانوں کی مداخلت ہوئی ادھر سمائے ہند پر علمی کواکب

چمکنے لگے، کہیں مجد دالف ثانی چمکے اور کہیں نظام الدین اولیاءؒ اور علاؤالدین صابریؒ، پھر کسی جگہ جلال الدینؒ اور عبدقدوسؒ سے ضیا پاشی ہوئی تو کہیں عبدعزیزؒ اور ولی اللہؒ جیسے لوگوں سے ضوفشانیاں شروع ہوگئیں، وفات نبویؐ کے بعد جب حضرات صحابہؓ طول ارض میں پھیلے تو فن حدیث کو ساتھ لیکر آئے، عبدالمالک ایک محدث تلمیذ سخاوی صحیح بخاری لے کر آئے ان کے متعلق کہا جاتا ہے ''کان حافظاللقرآن وصحیح البخاری'' علاؤالدین علی گجرات آئے، گجرات ہی باب العرب تھا، حدیث کا چرچہ شروع ہوا، شیخ طاہر پٹنی مصنف مجمع البحار امیر العلماء تھے، شیخ عبدالحق دہلویؒ نے دہلی کو مرکزی حیثیت بخشی، شیخ احمد سرہندیؒ اپنے مجددانہ کارناموں کے ساتھ ساتھ اشاعتِ حدیث کے شائق وساعی رہے فصوص کے مقابلہ میں نصوص کی افضلیت اقدمیت پیش نظر رہی، طالبین وسالکین کو برابر حدیث کی طرف توجہ دلاتے رہے ''فان القول ماقال الرسول'' انکا مذاق تھا اور ''والعلم ما کان قال فیہ حدثنا وما سواہ فوسواس الشیاطین'' کا ولولہ وورد ان کا حال تھا۔

اخیر میں مکتبِ ولی اللہ سے حضرت شاہ عبدالعزیز اور ان کے برادرانِ عالی مقام نے نہ صرف ہندوستان بلکہ حجاز مقدس تک اس فیض کو پہنچایا اور ان کے خوان یغما سے گنگوہ، دیوبند، مظفر نگر، سہارنپور جیسے پسماندہ قریٰ بھی چمک اٹھے۔

غرض ہندوستان علماء کا گہوارہ اور صوفیاء کا مرکز بن گیا، سراپا داستانِ علوم، پیکر ان صداقت اور مجسمات سیادت اسی سرزمین سے پیدا ہونے لگے، پیدا ہونے والی کرنیں آوارہ ہوکر

سارے ہند پر چھا گئیں، ہند کی ضلالتیں مضطرب ہو کر انہیں کرنوں میں جذب ہو کر رہ گئیں۔

مگر آج وہی ہستیاں جن کا ہند مرہون منت اور جن کے اہل ہند شرمندۂ احسان تھے موت کی آغوش میں جا چھپیں، خدائے قدوس کی دعوت پر لبیک کہتی ہوئی ہمیں مضطرب اور پریشان چھوڑ کر رفیق اعلیٰ سے جا ملیں، ساری نورانیت اور کل شادابیاں انہیں کے ساتھ تھیں جب وہی نہ رہیں تو یہ بھی بے نور ہو کر رہ گئیں، سچ ہے کہ ریگستان کے ذرے خورشید ہی کے منت کش تابش ہیں، آہ وہ تصوف کے لطائف وہ علوم کی موشگافیاں آج نہ رہیں، وہ انجمن درہم برہم ہوگئی، دل والے نہ رہے، جانوں کا خدا حافظ، روحانی سرپرست اٹھ گئے، خدا ہی نگہبان ہے ہم بلاد اسلامیہ پر آنسو بہائے جائیں، اندلس میں قرطبہ اور جامعہ قرطبہ کو روئیں یا غرناطۂ بغداد اور دہلی و آگرہ پر دل کڑھائیں، روحانی سرپرستوں کا ماتم کریں یا ان کی برکات کو یاد کریں، آہ یہ تو بڑی خونچکاں داستاں ہے جسکے سننے کی تم میں طاقت اور جس کے تصور کا تم میں تحمل نہیں، مگر نہیں:

اے جنوں ہنگامِ وحشت باد یہ پیما نہ ہو
تنگیٔ دل میں تڑپ منت کشِ درماں نہ ہو

تم سنبھلو اور اٹھو! گہوارۂ چشم میں طفلِ اشک کو مچلنے نہ دو، اضطراب فضول ہے اور گریہ بے سود، پہلوں کے حالات اور اپنے بڑوں کی سوانح مجھ سے سنو، مگر نہ اس لئے کہ زیادہ روؤ اور بیتاب ہو بلکہ تقلید و اتباع کر کے بام ترقی پر پہنچنا چاہو۔

یاد رکھو! تمہارے لئے بہترین استاذ تمہارے شفیق مرشد، اور مہربان مربی پہلوں

کے حالات ہیں اور تمہارے بڑوں کی سوانح تاریخ کے انہیں سیاہ نقوش میں اور کاغذات کے انہیں مجموعوں میں قوموں کی ترقی کا راز مضمر اور جماعتوں کی بلندی پوشیدہ ہوتی ہے، گرتے ہوؤں کو سنبھالنا اور چڑھتے ہوؤں کو ابھارنا اسی کا کام ہے۔

تمہارے ایک ادنیٰ فرد اور چھوٹے نے اسی ضرورت کو محسوس کر کے قلم اٹھایا ہے، پس کیا وہ امید کرے کہ اپنا اصل مقصد دیکھ سکے گا؟

ایک مدت سے ارادہ تھا کہ لوگوں اور خصوصاً پیرزادگان گنگوہ کے سامنے ان کے قریب ہی کے اجدادؒ کی مختصر سی سوانحِ عمر پیش کروں، مگر اپنی کم مائیگی یاس آفریں اور بے بضاعتی متامل کر رہی تھی، مستند کتب نایاب اور موجودہ ذخیرہ اتنا کم تھا کہ تشنگانِ ذوق کے لب تر نہیں ہو سکتے تھے، تاہم نکتہ نکتہ کی جستجو کر کے جو اور جتنا میسر آیا آج اس مبارک سلسلہ کی پہلی کڑی اور اول حصہ پیشکش ارباب گنگوہ کرتا ہوں:

یوں لائے واں سے ہم دلِ صد پارہ ڈھونڈھ کر
دیکھا جہاں پڑا کوئی ٹکڑا اٹھا لیا

چونکہ یہ مقدس بزرگ سمائے شریعت وطریقت اور حقیقت ومعرفت کے درخشندہ کوکب تھے، ضرورت تھی کہ ان کے حالات کے ساتھ ان مباحث پر بھی کچھ روشنی ڈال کر انطباق دکھلا دیا جاتا، مگر ناظرین معاف فرماویں کہ میں ان مسالک سے محض نابلد ہوں اور ظاہر ہے کہ ایک ایسا شخص جس نے بمشکل اپنی عمر کے ابھی صرف اکیس مرحلے ہی طے کئے ہوں اور اس کے ظاہری علوم بھی پایۂ تکمیل تک نہ پہنچے ہوں ایسے دقیق

اہم اور بلند عنوانات پر کیسے بحث کرنے کی جرأت کرسکتا ہے؟ ہاں اتنا ضرور عرض کروں گا کہ اگر مقدر نے مساعدت کی، حیات نے دامن نہ چھوڑا، الٰہی توفیق شامل حال رہی، ناظرین نے میری حوصلہ افزائی فرمائی اور آئندہ طباعت کا خیال پیدا ہوا تو اس قسم کی کمی ضرور پوری کی جائے گی اور وہ وقت بھی دور نہیں جب کہ اس مقدس سلسلہ کے باقی حصص بھی ناظرین کے سامنے آجائیں، انشاءاللہ۔

اس کتاب کی کل روایات میں کوئی روایت میری نظر سے ایسی نہیں گذری جس کو میں نے اصول روایت ودرایت کے خلاف سمجھتے ہوئے درج کردیا ہو، اکثر روایات وہ ہیں جن کا مستند کتب سے حوالہ دیا گیا اور جو ایسی نہیں وہ میری نظر میں کم ازکم کسی ثقہ راوی سے ضرور مروی ہے، میرا خیال اس سوانح کے متعلق ایک وسیع پیمانہ پر تھا لیکن چونکہ مجھ جیسے عربی طالب علم کے لئے شعبان اور رمضان سے زیادہ فرصت کا وقت نہ تھا اور اتنی ہمت بھی نہ تھی کہ اگلے سال پر ملتوی رکھنے کی ناقابل بیان تکلیف برداشت کرتا، اس لئے جو اور جتنا اس عرصہ میں ہوسکا پیش کررہا ہوں، اخیر میں اتنا اور عرض کرونگا کہ ہر مصنف اور مؤلف اپنی کتاب لکھتے وقت رفاہ عام اور اپنی ایک یادگار چھوڑتے ہوئے ناظرین سے خیر اور دعائیہ کلمات کے ساتھ یاد رکھنے کی توقع جیسا اہم مقصد نظر انداز نہیں کرسکتا، علی ہذا اس کتاب کے لئے بھی یہی مقصد علت غائی کا درجہ رکھتا ہے اور خصوصیت کے ساتھ گنگوہی اصحاب سے میری یہ توقع غیر معمولی ہے، لیکن اس موقعہ پر میں ان اصحاب کا شکر ادا کئے بغیر نہ رہوں گا جنہوں نے اس کار خیر میں میری اعانت فرمائی اور کافی مادہ

اور امدادی کتب سے میرا بار گراں ہلکا کیا، میرا یقین ہے کہ اس خدمت کے اجور میں خدا چاہے یہ حضرات بھی شریک رہیں گے (سیرتِ قدوسیہ/ص ۱۳)۔

حکیم صاحب تحریر کی طرح تقریر کے بھی بادشاہ تھے، آپ کی ایک طویل تقریر ہے جو کل ہند موتمر کے اجلاس منعقدہ ۲۴/ جمادی الثانی ۱۴۰۱ھ میں فرمائی تھی جس کو سن کر علماء پاکستان و ہندوستان حیران رہ گئے تھے اس کا کچھ حصہ پیش خدمت ہے:

مقاصد نبوت

ان پانچوں میں نمبر اول کو مقاصد نبوت بنا کر متعدد مقامات پر بیان فرمایا گیا کہیں فرمایا: رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُوْلاً مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ (البقرہ) کہیں فرمایا: لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلاً مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيَاتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ (آل عمران) کہیں فرمایا: هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلاً مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيَاتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ (الجمعہ) ان آیات سے مقاصد نبوت چار معلوم ہوئے (۱) تلاوت کتاب (۲) تعلیم کتاب (۳) تعلیم حکمت (۴) تزکیۂ نفوس۔

رجالِ امت کی خدمات

تمام صحابہ و تابعین اتباع تابعین، فقہاء و محدثین اور اس کے بعد محققین و صوفیاء نے اپنی عمریں انہیں مقاصد کی خدمت میں گزار دیں، مقصد اول: تلاوت کتاب اس کی تکمیل حضرات قراء نے فرمائی تجوید و قرأت اس کی شرح و ایضاح ہیں، مقصد دوم: یعنی

تعلیمِ کتاب اس کی تکمیل حضرات مفسرین نے فرمائی، مقصد سوم: تعلیمِ حکمت اس کی تکمیل حضرات فقہاء اور محدثین نے فرمائی اس لئے کہ فقہاء ہی اعلم بالسنۃ ہیں، رہا تزکیۂ نفوس اس کے حامل حضرات صوفیاء کرام ہوئے، پھر حضرات محدثین نے الفاظ حدیث کی حفاظت فرمائی اور رواۃ ورجال کی تحقیق اور جرح وتعدیل کے اصول وضع کئے ایک لاکھ سے زیادہ رواۃ ورجال کے احوال وکوائف کا ذخیرہ مرتب کیا جوانہیں زندۂ جاوید بنا گیا، آج دنیا کے کسی مذہب کے پاس نہ اس کی آسمانی کتاب محفوظ ہے نہ اس کے کسی نبی اور رسول کی سیرت محفوظ ہے اور نہ رواۃ ورجال کا سلسلہ محفوظ ومنضبط ہے یہ شرف مسلمانوں کو حاصل ہوا کہ ان کی آسمانی کتاب بھی محفوظ ہے، سینوں میں بھی اور سفینوں میں بھی، ان کے نبی ﷺ کی سیرت کا ایک ایک صفحہ ایک ایک ورق ایک ایک سطر اور ایک ایک حرف محفوظ ہے اور رواۃ ورجال کے کوائف کا ذخیرہ بھی مرتب ہے اسی لئے تو فرمایا گیا تھا: لَا تُحَرِّکْ بِہٖ لِسَانَکَ لِتَعْجَلَ بِہٖ اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَہٗ وَقُرْآنَہٗ (القیامہ) اسی لئے فرمایا تھا: اِنَّا لَہٗ لَحَافِظُوْنَ (الحجر) اور ایک خاص احتیاط ملاحظہ ہو!

طالب علم غور سے سنیں! کہ نزولِ وحی کے وقت خاص طور پر اپنے محبوب نبی ﷺ کے تمام ظاہری حواس اور دواعی کو معطل کرنا پسند کیا گیا تاکہ مراد حق غیر حق سے مختلط نہ ہو جائے پھر محدثین نے الفاظ حدیث کی حفاظت فرمائی اور فقہاء نے معانی حدیث کی حفاظت فرمائی اس طرح احکام بھی محفوظ ہو گئے معانی ومطالب بھی محفوظ ہو گئے اور زنادقۂ روزگار اور ملاحدہ روزگار اور تجدید پسندوں کی دست وبرد سے ہمیشہ کے لئے صیانت ہو گئی، اللہ اکبر!۔

حضرات صوفیاء کی خدمات

اب رہا تزکیۂ نفوس اس کے حامل صوفیائے کرام ہوئے کہ جنہوں نے اس نسبتِ احسانی کی پاسبانی اور قلوب کے تصفیہ، تزکیہ، تجلیہ اور تطہرہ سے اصلاحِ سیرت واخلاق کی ذمہ داری لی اور رسوخ فی الذکر کے ساتھ تہذیبِ اخلاق اور اکتساب احسان کو اپنا موضوع قرار دیا، قرون اولیٰ میں یہ خود بخود میسر تھا مابعد القرون میں ایک مستقل شعبہ بنا۔

علمِ تصوف کی جامعیت مطلوب ہے

اور ایک حبر امت نے تو اس کو ایک نہایت خوبصورت سلسلۃ الذہب میں مرتب کر کے دکھلایا، فرمایا: لَا دِیْنَ اِلَّا بِالْعِلْمِ وَلاَ عِلْمَ اِلَّابِالْکِتَابِ لاَ کِتَابَ اِلَّا بِمُرَادِہٖ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالیٰ وَلَا یَتَبَیَّنُ مُرَادُہٗ اِلَّا بِسُنَّۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ وَلَا یَتَّضِحُ السُّنَّۃُ اِلَّا بِکَلَامِ الْفُقَھَاءِ وَلَا یُفِیْدُ کَلَامُ الْفُقَھَاءِ اِلَّا بِالْاِنْصِبَاغِ وَلَا یَلُوْحُ الْاِ نْصِبَاغُ اِلَّا بِالتَّزْکِیَۃِ وَلَا یَتَأَتّٰی التَّزْکِیَّۃُ اِلَّابِمَعِیَّۃِ الشُّیُوْخِ وَلَا الْمَعِیَّۃُ اِلَّابِاتِّبَاعِھِم اسی لئے بزرگوں کی اولاد بزرگوں کے خدام بزرگوں کی بیویاں باوجودیکہ ان کو قرب ومعیت حاصل ہوتی ہے لیکن چونکہ وہ قرب ومعیت مشروط ومقید بالاتباع ہے اور وہ انہیں نصیب نہیں ہوتا اسی وجہ سے اکثر کورے کے کورے رہتے ہیں، اب دیکھئے ایک طرف تو یہاں علما کو تنبیہ ہوگئی کہ نرے علم پر نازاں نہ ہوں نرا علم خشک کھجور ہے، دوسری طرف صوفیاء کو بھی تنبیہ ہوگئی کہ جب تک علم نہیں کچھ نہیں اس لئے کہ علم سابق المعرفت نہیں مگر معرفت سابق العلم ہے، حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ جس زمانہ میں حضرت تھانویؒ کے یہاں حاضر ہوئے تو گویا

یہ شعر پڑھتے ہوئے آئے ع

تیری نظر میں ہیں تمام میرے گذشتہ روز وشب مجھ کو نہ تھی خبر کہ ہے علم نخیل بے رطب

تازہ میرے ضمیر میں معرکۂ کہن ہوا عشق تمام مصطفیٰ عقل تمام بولہب

دونوں کو جمع کرنے کی ضرورت ہے بعض بزرگوں نے کہا ہے: مَنْ تَفَقَّهَ وَلَمْ يَتَصَوَّفْ فَقَدْ تَقَشَّفَ وَمَنْ تَصَوَّفَ وَلَمْ يَتَفَقَّهْ فَقَدْ تَزَنْدَقَ وَمَنْ جَمَعَ بَيْنَهُمَا فَقَدْ تَحَقَّقَ جس نے تفقہ حاصل کیا یعنی علم ظاہر اور تصوف حاصل نہیں کیا وہ ذرا خشک سا رہے گا تصوف کے نام سے بعض لوگوں کو چڑ ہے، آپ اسے احسان وتزکیہ اور اخلاص کہہ لیجئے اور جس نے تصوف تو حاصل کیا احسان وتزکیہ کی طرف تو چلا لیکن علمِ ظاہر حاصل نہیں کیا وہ زندیق ہوکر رہے گا اور جس نے دونوں کو جمع کرلیا وہ تحقیق کے مرتبہ پر پہنچ گیا، اس کی مثال اس شخص جیسی ہے جو کسی کے یہاں مہمان بن کر گیا تھا میزبان نے اس سے کہا بھائی میرے یہاں تھوڑا سا دودھ ہے اور کچھ گھی ہے آپ دودھ سے روٹی کھانا پسند کریں گے یا گھی سے؟ مہمان تھا بڑا ہوشیار کہا میں تو گھی لگا کر دودھ سے کھاؤں گا۔

اسی تقریر میں ایک جگہ تصوف سے متعلق گفتگو فرمائی ہے وہ بھی پیش خدمت ہے:

غیر ضروری سوال سے بچنا

میں ایک چیز سنایا کرتا ہوں آپ کو بھی سنادوں، مظفر نگر شہر میں میرا بیان ہو رہا تھا ایک صاحب کھڑے ہوئے اور فرمایا مولانا کچھ تصوف کے متعلق بھی فرمائیے میں نے کہا ارے بھائی میں مولانا نہیں ہوں بلکہ مولانا قسم کا بھی آدمی نہیں ہوں، ایک حکیم ہوں میری ترکی ٹوپی سے اندازہ نہ ہوا کہ میں مولوی مولانا نہیں ہوں کہیں مولوی بھی ترکی ٹوپی اوڑھتے ہیں؟ لیکن یہ تو

بتائیے کہ آپ کون سے تصوف کے متعلق مجھ سے سوال کررہے ہیں آیا ایرانی تصوف یا یونانی تصوف یا نوفلاطونی الہیاتی تصوف یا ہندو جوگ یوگ کا مخلوط تصوف آیا ہندوستان کا وہ سدا بہار سدا سہاگن والا تصوف یا ہندوستان کا وہ طبلہ نواز موسیقاری تصوف پھر عربی تصوف یا عجمی تصوف، پھر عربی تصوف میں حضرات صحابہ کرامؓ کا احسانی تصوف یا بعد کے صوفیا چشتیہ، نقشبندیہ، سہروردیہ، قادریہ نظامیہ والا تصوف، پھر منصور کا انا الحق والا تصوف یا علامہ ابن تیمیہ اور علامہ ابن قیم کا وہ مدارج السالکین والا تصوف شیخ اکبر ابن العربی والا تصوف یا محمد ابن حزم الظاہری المحدث امام داؤد ظاہری کے مقلدوں کا تصوف، پھر تصوف کے کون سے موضوع پر عرض کروں آیا مقدمات ومبادی پر عرض کروں یا مقاصد کے متعلق کچھ کہوں نیز مجھے یہ بھی بتائیے کہ تصوف کے امہات مسائل سے بحث کروں یا پھر موانع سے متعلق کچھ کہوں نیز مجھے یہ بھی بتائیے واحدیت احدیت وصمدیت، تسمی بالذات البحت والا تعین مراتب الٰہی مراتب کونیہ، مراتب جامعیہ، ظہور علمی، ظہور عینی یا پھر وسائل، جزئیہ، ذکر وفکر، ربط قطع، قبض وبسط، انس وجز، تجلی واستتار، اتحاد وامتیاز، عینیت وغیریت، وجودیت، شہودیت پر بیان کروں تصوف کا تو بڑا وسیع جنگل ہے اس میں ہر قسم کے اجناس ہیں ہر قسم کے اشجار ہیں ہر قسم کے اثمار وازہار ہیں ہر قسم کی جڑی بوٹیاں اور عقاقیر ہیں متعین کر کے فرمائیے کون سے تصوف اور اس کے کس موضوع کے متعلق عرض کروں اس پر وہ خاموش ہو گئے، بات اپنی بضاعت سے بڑھ کر نہیں کہنی چاہئے (ماخوذ از حیات نھومیاںؒ / ص ۱۳۰)۔

اسی طرح حضرت حکیم صاحبؒ کو کتابوں کی لمبی لمبی عبارتیں بھی از بر تھیں، مکاتیب شیخ میں آپ کے متعلق اس طرح لکھا گیا ہے:

حضرت مولانا حکیم عبد الرشید محمود نبیرہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ

بہت بڑے عالم، فاضل، طبیبِ حاذق تھے، اور بہترین مقرر وخطیب تھے، کلام فصیحانہ بلیغانہ آب زلال کی طرح دُررِ ولآلی کی ایک لڑی معلوم پڑتا تھا، ادیب اریب تھے، علماء کبار سے استفادہ کیا تھا، مؤتمر دارالعلوم کے اجلاس میں آپکی تقریر نے علماء کو حیران وششدر چھوڑا تھا سامعین عش عش کررہے تھے، حضرت والد ماجدؒ پر بیحد شفیق تھے، مدرسہ میں بارہا تشریف لاکر خطاب فرماتے اور دعائیں دیکر جاتے، حضرت والد صاحبؒ نے اپنے قلم سے ایک جگہ انتقال پُر ملال پر افسوس کرتے ہوئے لکھا ہے ''۲۱ر شوال ۱۴۱۵ھ مطابق ۲۳ر مارچ ۱۹۹۵ء پنجشنبہ دن میں گیارہ بجے مولانا مرحوم کا انتقال ہوا، آپ گنگوہ کے ایک بڑے عالم فاضل تھے، رخصت ہوکر اپنا مقام خالی چھوڑ گئے، اب جلدی سے کوئی دوسرا حکیم نھو پیدا نہ ہوگا، میرے سب بچوں کا نکاح حضرت موصوف نے پڑھایا، اور ہمیشہ نگاہ شفقت اس خاک سار پر رہی، اللہ پاک انکی قبر کو نور سے بھردے، اعلی علّیین میں مقام عطا فرمائے آمین'' ان جملوں سے دونوں معاصر بزرگوں میں تعلقات ومحبت کا اندازہ ہوتا ہے، جس پر حضرت مولانا محمد سلمان صاحب استاذ حدیث وافتاء جامعہ اشرف العلوم رشیدی نے ''حیات نھومیاں'' میں تفصیلاً روشنی ڈالدی ہے وہاں مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔

حضرت حکیم صاحبؒ کی تصنیفات

(۱) سیرت قدوسیہ (۲) ضمیمہ تعارف جامع المجددین حضرت تھانویؒ (۳) الکتاب المحمود فی خطاب ابن مسعود (۴) اجتماع گنگوہ کے متعلق بعض غلط بیانیوں کا ازالہ (۵) مکتوبات ثلاثہ (۶) مکتوب حقیقت (۷) اشعار محمود۔

تذکرہ حضرت مولانا محمد میاں قدوسی گنگوہیؒ

حضرت مولانا محمد میاں قدوسی گنگوہ کے بہت نیک صالح ،متقی و پرہیز گار، ولی صفت انسان تھے، دارالعلوم دیوبند سے فارغ التحصیل تھے، حضرت تھانویؒ سے بیعت وارشاد کا تعلق رکھتے تھے، فراغت کے بعد کافی زمانہ کوہ منصوری پر جو دہرادون سے متصل ایک خوشگوار وشاندار ٹھنڈا علاقہ ہے کسی مسجد میں امامت کے سلسلہ میں گزارا پھر وہاں اپنے صاحبزادہ مولانا طاہر میاںؒ کو چھوڑ کر آ گئے اور خود گنگوہ مقیم ہو گئے اور محلّہ سرائے گنگوہ کی مشہور مسجد جو مولانا منظور صاحب کی مسجد کے نام سے مشہور ہے بسلسلۂ امامت منسلک ہو گئے اور تمام حیات امامت اور ذکر و شغل اوراد و وظائف میں گزار دی، موصوف شہرت سے بہت مجتنب اور محترز تھے اور خلوت مع اللہ کے عادی اور شائق تھے، حضرت موصوف کو دیکھ کر اسلاف کرام کی یاد تازہ ہو جاتی تھی اور خاص طور پر وہ اولیاء اللہ جو خلق سے ہٹ کر حق تعالیٰ جل شانہ عم نوالہ کے ساتھ رہنا پسند کرتے ہیں ان کا طرز ان کی حیات سے پورے طور پر جلوہ گر ہوتا تھا، مرحوم کے ایک صاحبزادہ محترم حافظ احمد میاں مرحوم بھی نیک صالح آدمی تھے، ایک زمانہ گنگوہ کے قریب بلہ مزرعہ میں امامت کے تعلق سے مقیم رہے اور پھر تمام عمر جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ میں ایک مخلصانہ کردار، شریفانہ انداز رکھنے والے مدرس بنکر کام کرتے رہے یہیں ملازمت اور تدریس کے زمانہ میں موصوف اللہ کو پیارے ہو گئے حق تعالیٰ مغفرت فرمائے درجات بلند فرمائے۔

حضرت مولانا محمد میاں صاحبؒ کو حضرت والد صاحب قدس سرہ کے ساتھ بہت محبت تھی اور ان کے بلانے پر مدرسہ میں بارہا تشریف لاتے تھے اور دعائیں کرتے تھے، والد صاحبؒ کے تعلق اور محبت کی وجہ سے راقم الحروف کے ساتھ بھی موصوف کو بہت زیادہ شفقت تھی حالانکہ وہ ان کی عمر کا آخری دور تھا مگر جب بھی ان کی خدمت میں حضرت گنگوہیؒ اور دیگر حضرات کے مزارات کی زیارت سے قبل و بعد حاضری ہوتی تھی تو حضرت مرحوم فوراً پہچان لیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے قاری صاحب کے لڑکے ہو! اور پھر یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ تمہارے دادا جان حافظ حبیب احمد صاحب مرحوم کو بھی میرے ساتھ بہت محبت تھی اور بہت ہی مسکین طبیعت تھے، اللہ پاک ان حضرات کے درجات بلند فرمائے اور بعد والوں کو شریعت وسنت کے مطابق زندگی گزارنے کی توفیق نصیب فرمائے۔

تذکرہ حکیم قریش احمد صاحب گنگوہیؒ

حضرت حکیم قریش احمد صاحب بن حضرت حکیم محمد قمیش صاحبؒ اپنے آباء واجداد کے سلسلہ سے خلافت یافتہ بزرگ تھے جوان کے خاندان میں اوپر سے چلا آرہا تھا، آپ حضرت قطب عالم عبدالقدوس صاحبؒ کی اولاد میں سے تھے، قدوسی النسل بھی تھے اور قدوسی صفات کے مالک بھی تھے، اگرچہ درسیات کے باضابطہ عالم نہیں تھے، لیکن اس میں شک نہیں کہ وہ ایک عارف باللہ انسان تھے اور نماز روزہ کے پابند اذکار واوراد پر مواظبت کرنے والے، حسین وجمیل، شکیل ووجیہ، نہایت خوبصورت، بڑی بڑی آنکھیں، صاف وشفاف نورانی چہرہ مہرہ، دلکش اور حسین منظر، شب بیدار اور نہایت ہی صالح انسان تھے، اگرچہ وہ عرس وغیرہ کی بدعات بھی کرتے تھے لیکن صوم وصلوۃ، ذکرو درود شریف اور عبادات واوراد میں بھی اس قسم کے کام کرنے والوں کے مقابلہ میں بہت بہتر، معتدل مزاج اپنے تمام بزرگوں سے عقیدت رکھتے تھے، ایک طرف جہاں وہ اپنے جدامجد حضرت شیخ عبدالقدوس صاحبؒ کے جبہ کی زیارت ہر سال کرایا کرتے تھے جس کی زیارت کیلئے دور دراز سے لوگ آتے ہیں لیکن اس کی زیارت سے قبل وہ کئی ماہ تک مسلسل روزے بھی رکھتے تھے اور بے انتہا اوراد ووظائف اور عبادت الٰہی میں مشغول بھی ہوتے تھے، ان کی حق پرستی اس قصہ سے ظاہر ہوتی ہے جو براہ راست راقم الحروف کے سامنے پیش آیا۔

راقم الحروف کو ان کے ساتھ ایک محبت وعقیدت تھی اس لئے کہ وہ ہمارے

بزرگوں کی اولاد میں سے بسا غنیمت اور اوصاف وکمالات رکھنے والے بزرگ تھے، ایک بار ان کی خدمت میں یہ راقم السطور اپنی طالب علمی کے زمانہ میں ایک ساتھی کے ساتھ ان کے پاس بیٹھا ہوا تھا عصر ومغرب کے درمیان کا وقت چل رہا تھا ایک غیر مسلم آیا اور اس نے ان کے پاؤں چومے جس سے ہیئت ایسی بنی جیسا کہ وہ سجدہ کرر ہا ہو، یہ منظر دیکھ کر ہمیں بہت ناگوار لگا ہم نے فوراًان کو ٹوکا کہ کیا اس صورت کی شریعت میں گنجائش ہے اور طریقت میں اجازت ہے؟ اور شیخ عبدالقدوسؒ جن کے آپ متبع ہیں اور حضرت شاہ ابوسعید صاحبؒ ایسا ہی کیا کرتے تھے، اپنے مریدین کے ایسا کرنے پر خوش ہوا کرتے تھے؟ اس پر انہوں نے صاف اقرار واعتراف کیا کہا کہ بیٹا یہ سب غلط ہے شریعت وطریقت میں اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور نہ ہمارے آباء واجداد ایسا کرتے تھے جو ہم کرر ہے ہیں، حضرت قطب عالم شیخ عبدالقدوس صاحب اور حضرت شاہ ابوسعید صاحبؒ یہ سب نہیں کرتے تھے، اس جواب سے ان کی حقانیت سمجھ میں آتی ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب معاملہ شریعت وطریقت سے کوئی تعلق نہیں رکھتا اور وہ خود بھی اس کو بہت برا جانتے تھے، انہوں نے یہ بھی کہا کہ میں خود بھی اس کو منع کرتا ہوں اگرچہ اس بات میں کچھ کمزوری ہے، اگر شدت سے اس قسم کے منصب پر بیٹھنے والے لوگ سختی سے منع کریں تو پھر ان کے متعلقین اور مریدین کیوں نہیں باز آئیں گے اور کیوں نہیں صحیح سمت پر چلیں گے، جیسا کہ بڑے مشائخ نے جن لوگوں کی اصلاح پر محنت کی اور ان کو حق پر شریعت وسنت پر چلانے کیلئے تن من دھن کی بازی لگادی تھی اور شریعت وسنت کی اتباع خود بھی کرتے تھے اور کرایا کرتے تھے اور ذکر اللہ، تزکیۂ نفس، اخلاق حمیدہ حاصل کرنے اور اخلاق رذیلہ سے بچنے کیلئے مجاہدات کرایا کرتے تھے، یہی خانقاہیت کا مقصد ہے اور

آج کل ایک طبقہ نے اپنے آباء واجداد کے اصل کمال، اصل طریقہ کو چھوڑ کر عرس، قوالی، بدعات، مزارات پر چادریں چڑھانا، پیسے چڑھانا وہاں جاکر نذرونیاز کرنا بکروں مرغوں کو ذبح کرنا اور سر پٹخنا، رونا چلانا، سجدے وطواف کرنا، گانے گانا، عورتوں مردوں کا جمع ہونا بلکہ مردوں سے زیادہ عورتوں کا ہجوم جن پر اللہ کے رسول ﷺ نے لعنت کی ہے صاف فرمایا کہ ایسی عورتوں پر لعنت جو بار بار قبروں پر جائیں مزارات کی زیارت کریں، نیز ان پر بھی لعنت جو وہاں چراغاں کریں اور سجدے کریں، اس روایت کو امام ترمذیؒ نے ذکر کیا ہے اور دوسرے ائمہ نے اس کی تخریج کی ہے۔

حضرت حکیم صاحبؒ یہ سب نہیں کرتے تھے اپنے مریدین کی اصلاح میں اپنا وقت لگاتے تھے اور ان کا معاملہ صرف اتنی حد تک تھا کہ وہ اپنے جدامجد کے جبہ کی زیارت کراتے تھے اور اس کے لئے بھی روزے رکھتے تھے، ان کی بندہ پر ایک شفقت یہ بھی یاد رہے گی کہ انہوں نے ایام عرس کے علاوہ جبکہ جبہ شریف کو دھوپ دینے کیلئے رکھتے تھے بندہ کو خصوصی زیارت کرائی تھی اور حضرت شیخؒ کی کلاہ مبارک دستار بابرکت حاوی بر روحانیت اس بندۂ نالائق کے سر پر بھی رکھوائی تھی، اللہ ان کو اس کا بہترین بدلہ عطا فرمائے اور اس سب میں اس تعلق کو دخل ہے جو حضرت والد صاحبؒ سے ان کو تھا اور اس بات کو بھی دخل ہے کہ والد صاحبؒ کے ماں موجو ایک بہت بڑے نیک صالح بزرگ تھے اور ان کا بہت احترام کرتے تھے، جب میں ان کے یہاں ہوتا اور نماز کا وقت آجاتا کہ عموماً وہاں مغرب ہوجاتی تھی تو مغرب کی نماز میں مجھ ہی سے امامت کراتے تھے، حالانکہ وہاں ان کے بریلوی مریدین بھی ہوتے تھے جو مرادآباد اور بریلی وغیرہ سے آئے رہتے تھے لیکن انہوں نے کبھی میرے ہوتے ہوئے کسی اور کے پیچھے نماز نہیں پڑھی

اور قرآن پاک بھی سنتے تھے، ان پر قرآن پاک سننے سے وجد و حال کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی، اس زمانہ میں جبکہ میں حضرت شیخ پر مضامین لکھ رہا تھا وہ مضامین بھی ان کو سنایا کرتا تھا اس پر بھی وہ بہت زیادہ مسرور اور شاداں وفرحاں رہتے تھے اور ان کی توجہات مجھ پر رہتی تھی۔

یہ واقعہ بھی لطف سے خالی نہیں ہے کہ ایک بار میں اس تالیف کے دوران جو شیخ کے حالات پر لکھ رہا تھا جب اس میں حضرت قطب عالمؒ کے جبہ کا ذکر آیا جس کی وہ خاص طور پر زیارت کرایا کرتے تھے وہاں شیخ احمد عبدالحق ردولوی ضلع بارہ بنکی کے مزار کے سجادہ نشین بھی موجود تھے جو یہاں عرس کے موقع پر آئے ہوئے تھے اور میں عصر کے بعد اپنے لکھے ہوئے مضامین ان کو سنانے جایا کرتا تھا، اس میں شیخ کے جبہ کا تذکرہ آیا تو اکثر جگہ تو جبہ کے ساتھ شریف کا لفظ بولا گیا اور پڑھا گیا لیکن ایک آدھ جگہ صرف جبہ بھی لکھا گیا اور اسی طرح پڑھا گیا، اس پر انہوں نے لقمہ دیا اور کہا کہ جبہ شریف کہو، بات ان کی بجا تھی لیکن کہنے کا انداز اس وقت کچھ ناگوار سا گزرا اور نہ ان سے کوئی واقفیت تھی نہ کوئی الفت وعقیدت، محبت کا تو سوال ہی کیا؟ درمیان میں ان کے بولنے سے طبیعت پر ایک اثر ہوا اور ایک بحث ان کے ساتھ شروع ہوگئی، میں نے کہا کہ جبہ کی عظمت، اہمیت، شرافت، فضیلت، عقیدت، محبت تو دل میں اپنی جگہ پر موجود ہے مگر بار بار کے تلفظ میں اس میں کبھی کبھار چھوٹ بھی جاتا ہے جس میں کوئی حرج نہیں ہے، اور یاد رکھئے! کہ ان جبوں کی زیارت سے نجات نہیں ہوسکتی، یہ تو شیخ کا جبہ ہے اگر رسول اللہ ﷺ کا جبہ بھی ہو اور ایمان نہ ہو اور عمل صالح نہ ہو تو اس سے بھی نجات ممکن نہیں ہے، عبداللہ بن ابی بن سلول کو جو کہ رئیس

المنافقین تھا اس خبیث کے انتقال کے بعد آپ ﷺ نے اپنی قمیص اس کے کفن کے لئے دی تھی اس میں اس کو دفنایا گیا تھا کیا اس کی نجات کیلئے کافی تھا، اور کیا اس کو کچھ فائدہ ہوا؟۔

یہ بات الگ ہے کہ حضور ﷺ کے پیش نظر اس کی نجات کا معاملہ تھا بھی نہیں اور رسول اللہ ﷺ نے یہ عمل نہ اس کی نجات کیلئے کیا تھا، کیونکہ آپ کو معلوم تھا کہ نجات کیلئے ایمان اور عمل درکار ہے کیونکہ حق تعالیٰ نے فرمایا دیا تھا کہ اگر آپ ایسوں کیلئے ستر بار بھی استغفار کریں گے تو بھی ان کی نجات کا کوئی سوال نہیں ہے ''اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ '' کہ اگر آپ ان کے لئے ستر بار بھی استغفار کریں گے تب بھی اللہ ان کی مغفرت نہیں فرمائیں گے۔

رسول اللہ ﷺ نے یہ عمل صرف اس لئے فرمایا تھا کہ ایک موقع پر رئیس المنافقین نے حضرت عباسؓ کو اپنی قمیص دی تھی یہ اس احسان کا بدلہ تھا اور اس منافق کے بیٹے حضرت عبداللہ جو ایک نیک صالح نہایت مخلص صحابی تھے اپنے باپ کے رویہ سے بیزار تھے اور نفرت رکھتے تھے ان کی دلداری کیلئے تھا، واللہ اعلم بالصواب۔

الغرض یہ ساری گفتگو حکیم صاحب مرحوم کے سامنے ہو رہی تھی جس پر انہوں نے یہ کہا اب یہ فقہی گفتگو چل پڑی ہے جسے ہمیں تسلیم کرنا ہی پڑیگا، بزرگوں کا یہی شیوہ اور وطیرہ رہا ہے کہ جب بھی ان کے سامنے شریعت اور حق کی بات آئی انہوں نے اس کا اعتراف کیا اور قبول کیا، اس قصہ سے بھی حضرت مرحوم کی صلاح ظاہر ہوتی ہے، آپ کی وفات ۲۷/اکتوبر ۱۹۹۵ء بروز جمعہ ہوئی اور حضرت شیخ عبدالقدوسؒ کے پہلو میں مدفون ہوئے۔

تذکرہ الحاج مصطفیٰ کامل رشیدی گنگوہیؒ

الحاج مصطفیٰ کامل رشیدی نبیرہ حضرت گنگوہیؒ یعنی حضرت مولانا حکیم مسعود صاحب کے بیٹے اور حضرت حکیم نھومیاںؒ کے چھوٹے بھائی ہوتے تھے، بڑے نیک صالح اور اودووظائف میں مشغول انسان تھے، بالکل نرالا البیلا اپنا ایک منفرد انداز تھا خانقاہ قدوسیہ اور رشیدیہ کو آپ نے آباد کیا اور وہیں آپ کا مستقل قیام تھا، جس حجرہ میں حضرت شیخ عبدالقدوس صاحبؒ اور حضرت شاہ ابوسعید صاحبؒ اور حضرت والا قطب الارشاد امام ربانی حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کا قیام تھا، جب تک آپ گنگوہ رہے اس خانقاہ کو ذکر وفکر سے آباد رکھا اور وہاں آپ کے مریدین و متعلقین بھی آیا جایا کرتے تھے، مزاج میں بہت نفاست تھی خود بھی بہت نفیس الطبع تھے، عطر میں نہاتے تھے، کپڑے بہت صاف وشفاف شاہانہ انداز کے پہنتے تھے اور اپنے چہرہ مہرہ کی تزئین کا بے انتہاء اہتمام کرتے تھے، آپ کے ملفوظات بھی عجیب وغریب نکات پر مشتمل ہوتے تھے جن پر ان کے بڑے بھائی حضرت حکیم نھومیاں صاحبؒ ناراض بھی ہوجاتے تھے اور اصلاح بھی کرتے تھے، چونکہ آپ باضابطہ طور پر درسیات کے عالم نہ تھے اور نہ اس کی آپ نے کوئی تکمیل کی تھی، چند کتابیں بچپن میں غالباً پڑھی ہوں گی جن کا ہمیں کوئی تفصیلی علم نہیں ہے، کیونکہ ان کے پاس حضرت گنگوہیؒ کی نسبت سے والد صاحبؒ اور دیگر بزرگوں کا جانا آنا رہتا تھا اور پھر ان کی وضع قطع خود اپنے اندر ایک کشش رکھتی تھی جہاں سے گزر جاتے لوگ ان کو دیکھنے پر مجبور ہوجاتے، واقعی وہ ایک دیکھنے کی چیز بھی تھے، خود اپنی نشست گاہ کو اس قدر

صاف وشفاف رکھتے تھے کہ ہر چیز میں بیاض ہی بیاض تھا، ہر چیز سفید ہی سفید تھی، کپڑے بھی نہایت سفید، نشست گاہ پر رنگ بھی سفید اس کے اوپر نقشین لکڑی کا تکیہ وہ بھی سفید، وہاں ایک درخت کا تنا تھا جو اوپر سے کاٹ دیا گیا تھا جس پر گیس کی لالٹین لٹکائی جاتی تھی وہ بھی سفید، بیٹھنے کا قالین اور نہایت عمدہ گاؤ تکیہ بھی سفید، حتیٰ کہ جوتے بھی سفید اور پھر موزے بھی سفید، جب کہیں سفر کرتے تھے تو پیسوں کی بارش بھی کرایا کرتے تھے۔

الغرض ان کا ایک شاہانہ نرالا انداز معیشت، انداز بیان بھی نرالا، انداز رفتار بھی نرالا، ہر چیز میں ایک انفرادی شان تھی، یہ ناکارہ راقم السطور ان کے یہاں کبھی حاضر باش ہوتا تو وہ بہت زیادہ شفقت کرتے تھے بلکہ ایک بار انہوں نے غایت شفقت میں یہاں تک کہا کہ تو اگر میرے پاس رہے تو اس کمرہ کی چابی میں تجھے ہی دیدوں لیکن راقم السطور ہرگز اپنے آپ کو نہ اس کا اہل سمجھتا تھا اور نہ اس کے خیال و پرواز میں یہ سب چیزیں تھیں، ایک بار ان کی شفقت کا اس طرح مظاہرہ ہوا کہ راقم السطور نے ان سے حضرت شیخ عبدالقدوس صاحبؒ کے خاص حجرہ میں نماز پڑھنے کیلئے اجازت طلب کی جس میں وہ عام طور پر کسی کو جانے نہیں دیا کرتے تھے، تو انہوں نے کہا کہ کل مغرب کی نماز میرے ساتھ پڑھنا، چنانچہ راقم السطور نے ایسا ہی کیا ان کے ساتھ مغرب کی نماز پڑھی، نماز کے فوراً بعد وہ مجھکو وہاں لے گئے اور اپنے والد صاحبؒ کی وہ کلاہ جو وہ خود استعمال کرتے تھے میرے سر پر رکھی اور اس خاص حجرہ میں بالکل بیچ میں مجھ کو کھڑا کیا اور کہا کہ یہاں نماز پڑھ کہ یہ جگہ سب سے عمدہ جگہ ہے اور وہ خود باہر تشریف لے آئے، تو اس بندہ نے وہاں کافی دیر تک نماز کا لطف لیا اور اللہ سے مناجات کرتا رہا اور بڑی زبردست لذت اور کیفیت محسوس

ہوئی، پھر جب کافی دیر گزر گئی اور میں وہاں سے نکلنے کو جلدی سے تیار نہیں ہو رہا تھا تو انہوں نے اپنے خادم خاص کو بھیجا جس نے اپنا سب کچھ اپنے شیخ کی محبت میں فنا اور ختم کر دیا تھا آیا اور کہا کہ بہت دیر ہوگئی ہے اب جلدی نکل آؤ، تو میں وہاں سے نکل کر باہر چبوترے پر جہاں وہ بیٹھا کرتے تھے بیٹھ گیا اور پھر چلا آیا۔

دورۂ حدیث سے فراغت پر جب انہوں نے تمام طلباء کی دعوت کی تو بڑے شوق و ذوق سے کی تھی یہ طالب علم بھی شریک تھا اور بڑی شفقت فرمائی تھی، نیز ایک بار جب بندہ راقم السطور نے ان کی خدمت میں عطر کی ایک شیشی پیش کی تو انہوں نے ایک عمدہ قسم کی عطر کی شیشی عنایت فرمائی تھی کیونکہ وہ تو شاہ آدمی تھے اور ان کے پاس ہدایا اور تحائف کی بھی بہتات تھی، بڑے بڑے اغنیاء اور مالدار لوگ بمبئی وغیرہ کے ان کے مرید اور متعلق تھے، پھر جب گنگوہ کے لوگوں نے ان کی زیادہ قدر نہ کی تو وہ یہاں سے مستقل طور پر پاکستان چلے گئے، چونکہ وہاں ان کی نسبی اولاد بھی تھی اس لئے بھی ان کا دل، دماغ، روح، جسم وہیں منتقل ہوگیا اور وہاں جا کر انہوں نے ایک خانقاہ بنائی اور وہاں ان کی طرف رجوع عام ہوا، ہر طبقہ ہر مکتبۂ فکر اپنے وغیر، رؤساء واغنیا، لیڈران، ارباب سیاست، سیادت، قیادت، حکومت، دولت ان کے پاس بکثرت حاضر ہوتے تھے اور دعائیں وغیرہ کراتے اور اپنا دامن مراد بھر کر واپس ہوتے تھے، وہاں بیشتر لوگ ان سے محبت بھی کرتے تھے اور کچھ اعتراض بھی، جیسا کہ ہر دور میں ہر ایک کے ساتھ ایسا ہوتا رہا ہے، الغرض پاکستان جانے کے بعد وہ اپنے وطن ہندوستان گنگوہ شریف کی پیاری سرزمین پر دوبارہ قدم رنجانہ ہو سکے اور وہیں اپنے فیوض و برکات لوگوں میں تقسیم

کر کے ۱۱/اپریل ۲۰۰۳ء کراچی پاکستان میں واصل بحق ہو گئے، وہاں ان پر کیا ہوا کیا گزرا اور کس کس نے فیض پایا اس کا ہمیں کوئی تفصیلی علم نہیں ہے، اس لئے ان کے تذکرے پر یہیں اکتفا کیا جاتا ہے، اللہ پاک مرحوم کی مغفرت فرمائے بلند درجات نصیب فرمائے آمین۔

حضرت مولانا احمد سعید بزرگ گجراتیؒ نے ان کے پاس کچھ رقم ارسال کی جس پر انہوں نے مندرجہ ذیل تحریر لکھوائی جو بندہ کے پاس محفوظ ہے:

هو الله

جناب الحاج مولوی سعید احمد بزرگ صاحب

بعد سلام مسنونہ عرض ہے کہ آئندہ یہ سو روپیہ قاری شریف احمد صاحب کو منتقل کر دیں یا مدرسہ کو جو بہتر گمان ہو وہ کریں، الحمدللہ اب میں ایسی رقوم کا مستحق نہ رہا پہلے البتہ سخت ضرورت تھی مگر رب حق تعالیٰ خود کفیل بن چکا ہے نہایت سکون حنّانیہ عنایت فرما دیا ہے اپنے فضل و کرم و رحم مانند کبراحمراب آپ لوگ مانگتے ہیں کہ ''اے اللہ دے'' میں کہتا ہوں کہ ''نہ دے اپنے پاس بلا کر فنا دے مرنے کو تیار بیٹھا ہوں کیا لوں دوں اور جمع کروں'' فقط والسلام۔

راقم الحروف عاجز بندہ مصطفٰی کامل
اعرابی رشیدی عفی عنہ گنگوہ خانقاہ قدوسیہ رشیدیہ
۶/رمضان المبارک ۱۳۹۱ھ

تذکرہ حضرت مولانا شفیق احمد صاحب گنگوہیؒ

حضرت مولانا شفیق احمد صاحبؒ ۱۸۹۴ء میں محلّہ ٹاکان گنگوہ میں پیدا ہوئے، جو حضرت تھانویؒ کے مجازین صحبت میں تھے، بھوپال سرکاری اسکول میں مدرس رہے، گنگوہ سے ترک سکونت کر کے ۱۹۱۵ء میں مستقل طور پر بھوپال ہی میں رہائش اختیار کی اور اپنی عمر پوری کر کے وصال فرماگئے، اب ان کے ہونہار بیٹے صاحبِ خلق، سراپا اخلاص مولانا عتیق احمد صاحب بھوپال میں سرکاری اسکول میں فارسی کے پروفیسر تھے، اگرچہ سکونتِ گنگوہ ترک کر کے بھوپالی ہو گئے مگر گنگوہ سے تعلق ان کے رگ وریشہ میں رہا، گاہے گاہے تشریف لاتے اور اپنے مخصوص ملنساری کے انداز سے محظوظ فرماتے رہتے تھے۔

مولانا عتیق احمد صاحب فارسی کے بڑے ادیب تھے اور نہایت سلیقہ شعار عمدہ گفتار، ملنسار طبیعت کے مالک تھے، جس سال شیخ حذیفی امام مسجد نبوی ﷺ شریف دامت برکاتہم نے ایرانی صدر کے حضرات شیخین کی شان میں گستاخی کرنے پر جمعہ کے دن طویل خطبہ دیا تھا وہ بھی وہاں موجود تھے، انہوں نے اس سفر کی پوری روداد راقم الحروف کو سنائی تھی اور جو کچھ شیخ حذیفی کے ساتھ ہوا تھا وہ بھی بتایا تھا، اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے آمین۔

تذکرہ حکیم لیاقت صاحب گنگوہیؒ

حکیم صاحب مرحوم ہمارے قصبہ گنگوہ کے ایک نیک نام طبابت میں ماہر متقی و پرہیز گار نیک صالح انسان تھے، اللہ پاک نے آپ کو فن طبابت میں ایک خاص کمال عطا فرمایا تھا، آپ کی طرف ایک بڑے طبقہ کا رجوع تھا اور آپکے ذریعہ سے ان کو شفا حاصل ہوتی تھی، مرحوم کی اہلِ قصبہ کے دل میں ایک محبت تھی، حضرت مرحوم کو مدرسہ کے ساتھ بھی ایک خصوصی لگاؤ تھا ہر سال ماہ محرم کے موقع پر مدرسہ کے طلباء کی دعوت بھی کیا کرتے تھے اور حضرت والد صاحبؒ کے ساتھ بہت زیادہ مناسبت تھی کیونکہ دونوں کا محلّہ بھی ایک ہی تھا، ایک ہی مسجد میں جس کا نام ''شیر علی والی مسجد'' ہے نماز پڑھتے تھے کثرت سے ملاقات رہتی تھی، معاصرانہ چشمک سے پاک ایک مخلصانہ محبت اور رفیقانہ تعلق تھا، بلکہ حضرت مرحوم کو اپنے بعض متعلقین پر اتنا یقین اور اعتماد نہیں تھا جتنا حضرت والد صاحبؒ پر یقین واعتماد تھا، یہی وجہ تھی کہ آپ نے اپنے انتقال کے بعد اپنے ترکہ کی تقسیم کی ذمہ داری حضرت والد صاحبؒ کے حوالہ کی تھی، وہ راقم الحروف کو یاد ہے کہ موصوف کی رقومات گننے کے لئے کئی افراد گھر پر حضرت والد صاحبؒ کے ساتھ لگے تھے عشاء کے بعد سے صبح تک پوری رات اس میں گزر گئی تھی تب جا کر وہ عمل پورا ہو پایا تھا اور ان کے متعلقین کو ان کی امانتیں سپرد کی گئی تھیں جس پر ان کے بعض

متعلقین کو سخت ناراضگی ہوگئی تھی جوان کے صاحبزادہ اور صاحبزادی کو دینا نہ چاہتے تھے جس کے نتیجہ میں انہوں نے حضرت والد صاحبؒ کی شدید مخالفتیں کیں اور زندگی کے اخیر حصہ تک مخالفت اور دشمنی کرتے رہے، حضرت مرحوم کی اولاد میں مولانا حافظ غفران الحق ہوئے جو نیک صالح نوجوان تھے کچھ عرصہ پہلے اللہ کو پیارے ہوگئے، اللہ پاک مغفرت فرمائے اور درجات بلند فرمائے، موصوف بھی اپنے والد کی طرح ایک ملنسار خوش اخلاق مرنجاں مرنج انسان تھے، مدرسہ اور منتظمین سے لگاؤ رکھتے تھے، آپ کا وصال ۲۶؍رجب ۱۳۹۷ھ مطابق ۱۴؍جولائی ۱۹۷۷ء بروز پنجشنبہ ہوا اور اپنے آبائی قبرستان کے پاس گنگوہ میں مدفون ہوئے۔

تذکرہ صوفی رشید احمد صاحب گنگوہیؒ

صوفی رشید احمد صاحب قصبہ گنگوہ کے نیک صالح اور بزرگوں سے محبت رکھنے والے اوراد و وظائف کے پابند، صاحبِ صوم وصلوۃ انسان تھے، حضرت شیخ زکریاؒ کے مرید تھے اور حضرت شیخ زکریاؒ کا انکے گھر پر جانا اور اپنے مہمانوں کے ساتھ کھانا کھانا بھی ہوتا تھا اور حضرت شیخ کے بہت زیادہ معتقد تھے اپنی صورت وشکل، وضع قطع اور دیگر معاملات سے ایک اللہ والے انسان محسوس ہوتے تھے، حضرت والد صاحبؒ سے بھی کافی قریب تھے یہ پورا خاندان حضرت والد صاحبؒ سے بہت محبت رکھتا تھا اور ان کے پاس ان کی آمد ورفت بھی رہتی تھی، اس خاندان کے اور بھی کئی بزرگ اپنی صورت وشکل، باوقار وضع قطع اور علم وعلماء سے محبت، دین کے ساتھ تعلق رکھتے تھے اور کافی اوصاف وکمالات اور اچھے اخلاق رکھنے والے تھے، انہیں میں صوفی رشید احمد صاحب گنگوہیؒ بھی تھے، ان کے حالات کا تفصیلی مجھے کوئی علم نہیں ہے اس لئے اجمالی تذکرہ پر اکتفاء کیا گیا ہے۔

تذکرہ صوفی حمید احمد صاحب گنگوہیؒ

صوفی حمید احمد گنگوہ کے ایک نیک صالح انسان تھے، اپنے حالات ومعمولات میں سچے صاف نیک طبیعت خوش طبع، ملنسار، صاحبِ اخلاق علماء صلحاء سے تعلق رکھنے والے بزرگ تھے، حضرت والد صاحبؒ کے پاس بھی ان کا کافی آنا جانا تھا اور راقم السطور سے بھی بڑی شفقت ومحبت کے ساتھ معاملہ کیا کرتے تھے، حق تعالیٰ شانہ درجات بلند فرمائے۔

تذکرہ حکیم شفیق احمد صاحب قدوسی گنگوہیؒ

حکیم شفیق صاحب مرحوم گنگوہ کے ایک علمی گھرانے کے فرزند تھے، خاندانی پیشہ طبابت تھا، نہایت باوقار اپنے پیشہ کے ماہر ہونے کے ساتھ ساتھ طبیعت میں صلاح وتقویٰ کے آثار رکھتے تھے، میری ملاقاتیں ان سے بہت کم رہی ہیں مجھے ان کے ساتھ زیادہ واقفیت کا موقع نہیں ہوا، آپ کا وصال ۱۱ر جون ۲۰۰۱ء میں اور حضرت گنگوہیؒ کے پہلو میں مدفون ہیں کیونکہ راقم السطور طالبِ علمی اور بعد میں تدریس کی وجہ سے زیادہ کتابوں کی دنیا میں رہا اس لئے گنگوہ کے اور بہت سے لوگوں کے حالات سے مجھے واقفیت کا موقع نہیں ہوا اور نہ ان کا کوئی مستند تذکرہ بندہ کے پاس ہے۔

تذکرہ حکیم جمیل احمد صاحب گنگوہیؒ

اسی طرح کے ایک صاحب حکیم جمیل مرحوم بھی تھے، نیک صالح آدمی تھے اگر چہ خاندانی پیشہ طبابت رکھتے تھے اور عقائد میں مودودی صاحب کے افکار وخیالات سے متاثر تھے ،ایک بار ان سے اس سلسلہ میں بحث بھی ہوئی تھی جبکہ ان کے پاس ایک مرض کے علاج کے سلسلہ میں جانا ہوا تو انہوں نے مودودی صاحب کی تعریف وتوصیف اور کمالات کا ذکر کیا اور مجھے ان کی تفسیر ''تفہیم القرآن'' پڑھنے کیلئے دی، غالباً یہ آخری پارہ کی تفسیر تھی دو تین دن کے بعد میں ان کے پاس گیا اور سورۂ قدر کی تفسیر میں جو کچھ انہوں نے لکھا ہے وہ ان کو سمجھایا اور بتایا کہ یہ بالکل جمہور سے ہٹ کر ہے اور محدثین ومفسرین اور خود احادیث شریفہ کی تفسیر کے خلاف ایک اپنے زعم خیال اور رائے کی بنیاد پر لکھی گئی تفسیر ہے، پھر ایک دوسرا موقع ان کو دکھایا جہاں انہوں نے حضرت ابراہیمؑ کے متعلق ایک نامناسب لفظ استعمال کیا پھر ان کو بتایا کہ موسیٰؑ، حضرت یونسؑ اور دیگر بہت سے صحابہؓ پر انہوں نے تنقیدات کی ہیں تو مرحوم کو سخت ناگواری ہوئی کیونکہ یہ ان کے محبوب پر تنقید تھی، جب ان کی یہ صورتِ حال دیکھی تو یہ بات بھی سامنے آئی کہ ان کو ناگواری نہ ہونی چاہئے کیونکہ خود ان کا اصول تھا کہ کوئی شخص تنقید سے بالاتر نہیں اور نہ کسی کو تنقید سے بالاتر سمجھنا چاہئے، جب ان کو بتایا گیا کہ خود ان کا یہ اصول ہے تو وہ خود تنقید سے بالاتر کیسے ہو سکتے ہیں؟ بحث کو زیادہ طول نہ دیتے ہوئے ان کی ذاتی شرافت ووقار اور حضرت والد صاحبؒ کے ساتھ ایک دوستانہ تعلق کا خیال کرتے ہوئے وہاں سے رخصت ہونا مناسب سمجھا گیا، اللہ پاک حق سمجھنے اور کہنے کیلئے ہمیشہ قبول فرمائے اور ان کی مغفرت فرمائے آمین۔

تذکرہ حافظ مقبول احمد صاحب گنگوہیؒ

آپ راقم الحروف کے خالہ زاد بھائی بھی ہوتے تھے اور ایک محترم اور شفیق استاذ بھی، مدرسہ میں ایک زمانہ تک درس وتدریس میں مشغول رہے اور عنفوان شباب میں اپنے چھوٹے چھوٹے بچوں کو چھوڑ کر اللہ سے جا ملے، مرحوم میں مختلف قسم کے کمالات تھے، بہترین حافظ قرآن اور قاری تھے، ایک زمانہ تک درجۂ حفظ کے استاذ رہے اور بہت سے طلباء نے آپ کے ذریعہ سے قرآن پاک حفظ کیا، قرآن پاک سے تو گویا عشق کا تعلق تھا، عموماً چلتے پھرتے گھر سے مدرسہ اور مدرسہ سے گھر آتے جاتے قرآن پاک کی تلاوت میں مشغول ومصروف رہا کرتے تھے اور طبیعت میں بہت محنت اور لگن تھی جس کام پر لگ جاتے تھے بڑی محنت سے انجام دیا کرتے تھے، آپ حساب وکتاب میں بھی بہت ماہر تھے، طبیعت میں بہت زیادہ سادگی اور تواضع تھی، اخلاص اور اخلاق کا پیکر تھے ایک شریف الطبع انسان تھے، اپنے کام میں طلباء پر محنت کرنے میں اور کام کرانے میں دوسرے ہم عصر مدرسین سے سبقت اور آگے بڑھنے کا ذوق تھا، حضرت والد صاحبؒ کے شاگرد بھی تھے اور عزیز قریب بھی، مرحوم کے انتقال کے بعد کئی بار انکو خواب میں دیکھنے کا اتفاق ہوا بڑی اچھی حالت میں نظر آئے، جلسوں کے موقعوں پر طلباء کو انعام تقسیم کرنے کا بھی خاص مزاج تھا، ایک بار تو اسی طرح نظر آئے کہ بہت ہی ہشاش وبشاش گھوم رہے ہیں اور یہ کہہ رہے ہیں کہ لوگ ہمیں مردہ سمجھتے ہیں حالانکہ ہم تو زندہ ہیں، مرحوم کا یہ جملہ خواب میں بیان کردہ ایک بشارت ہے جس کا برحق ہونا بہت سے قرائن سے ثابت ہوتا ہے کہ جو لوگ اللہ کے ذکر وفکر اور قرآن پاک کے عاشق ودیوانہ ہوتے ہیں ان کو ایک طرح کی شہادت اور حیات بعد الموت انعامات ربانیہ اور تجلیات الٰہیہ حاصل ہوتے ہیں، اللہ پاک حضرت مرحوم کے درجات کو بلند فرمائے اعلیٰ علیین میں مقام رفیع نصیب فرمائے، اور ان کی اولاد کو ظاہری وباطنی برکات سے نوازے، ان کی اولاد میں دین کا جذبہ پیدا فرمائے ان کے فرزند حافظ محمد معقول، مدثر، مذکر وغیرہ ہوتے ہیں، اول الذکر حافظ قرآن ہیں اور صورت وشکل میں اپنے والد کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں، ۲۰ رمئی بروز جمعہ ۱۹۹۱ء میں آپ کا انتقال ہوا، اور قبرستان امام صاحب میں مدفون ہوئے۔

مآخذ ومراجع

القرآن الکریم	تاریخ مظاہر علوم سہارنپور	ایک عالمی تاریخ
بیان القرآن	حلیۃ الاولیاء	تذکرہ مشائخ چشت
بخاری شریف	عرفان محبت	لطائف قدوسی
مسلم شریف	اقوال سلف	زبدۃ المقامات
ترمذی شریف	تذکرہ شاہ عبدالرحیم رائپوریؒ	مواعظ حضرت تھانویؒ
ابوداؤد شریف	امام نانوتوی آثار واحوال	سیرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ
ابن ماجہ شریف	ذکر محمود	مکتوبات حضرت خواجہ محمد معصومؒ
مشکوۃ شریف	باقیات فتاویٰ رشیدیہ	تاریخ دعوت وعزیمت
شعب الایمان	دینی دعوت	امداد المشتاق
فتاویٰ عالم گیری	مکتوبات قدوسی	ارواح ثلاثہ
فتاویٰ رحیمیہ	عقود الجمان	علمائے مظاہر علوم
تذکرۃ الرشید	اشرف السوانح	عظیم مدنی نمبر
ظفر المحصلین	حیات محمود	حیات شیخ الہندؒ
اقتباس الانوار	حیات نھومیاں	سیرت مولانا یحییٰ کاندھلویؒ
فتاویٰ شامی	کاروان تھانوی	حسن تدبیر
فتاویٰ محمودیہ	در المعارف	ارمغان اجلاس صد سالہ
امداد الفتاویٰ	نزہۃ الخواطر	آئینہ مظاہر علوم شیخ الادب نمبر
تذکرۃ الخلیل	لالہ وگل	مکاتیب حضرت شیخ زکریاؒ
مرأۃ الاسرار	نقوش دوام	مکتوبات مفتی محمود حسن گنگوہیؒ
سیرت قدوسیہ	ماہنامہ صدائے حق	مشاہیر علماء
شیخ عبدالقدوسؒ اور ان کی تعلیمات	ماہنامہ القاسم	تاریخ اولیاء
آپ بیتی	ماہنامہ محدث عصر	تذکرہ اولیائے ہند
سوانح علمائے دیوبند	ماہنامہ حرا کا پیغام	تاریخ دار العلوم دیوبند
نقش حیات	ماہنامہ نقوش اسلام	اخبار الاخیار
مکتوبات خواجہ معصوم	سیرت حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحبؒ	چراغ محمدؐ
مرقاۃ المفاتیح	بیس بڑے اولیاء	طرب الاماثل
ازالۃ الخفاء	پس مرگ زندہ	صحائف معرفت
دلائل السلوک	ملفوظات فقیہ الامت	